اورینٹل کالج میگزین

جلد (۲) — نمبر (۴)

بابت

اگست سنہ ۱۹۲۶ء

(حصہ اول)

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم اے

مطبع کریمی [illegible]

سے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	مثنوی سحر البیان کا ایک پرانا دیباچہ	چیف ایڈیٹر	۱
۲	شاہنامے کا جغرافیہ	پروفیسر محمد اقبال	۸
۳	بکٹ قصہ محمد افضل جھنجھانوی	پروفیسر محمود شیرانی	۱۳
۴	مثنوی گلستانِ خیال	چیف ایڈیٹر	۳۶
۵	خزائن مخطوطات	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے	۴۵
۶	نکاحِ مرتدہ	مولانا نجم الدین	۶۱
۷	علم کیمیا کی مختصر ابتدائی تاریخ	چودھری سردار اللہ ایم ایس سی	۷۰
۸	قرب پادشاہان	چیف ایڈیٹر	[illegible]

مثنوی سحر البیان

کا

ایک پُرانا دیباچہ

چند دن ہوئے ایک عزیز مثنوی سحر البیان کا ایک مصوّر قلمی نسخہ میرے پاس لائے۔ جس کے آخر میں میرزا قتیل اور مصحفی کی تاریخوں کے بعد لکھا ہے۔ "تمام شد بوقت عصر در مسجد وزیر خاں[1] بحصار لاہور این مثنوی سحر البیان من تصنیف میر حسن دہلوی بحسب فرمائش ——— " اس کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جسکو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ دیباچہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کی تحریر ہے۔ مگر دیباچہ نگار نے اپنا نام کہیں نہیں لکھا۔ یا کم ازکم اس نسخہ میں اس کا نام نہیں ملا۔ گارساں ڈی ٹاسی نے تاریخ ادبیات ہند (طبع پیرس ۱۸۷۰ء) ج ۱ : ۱۹۷ و بعد پر اسی دیباچہ سے لے کر میر حسن کا حال لکھا ہے۔ اور حاشیہ (۱ ۔ صفحہ ۱۹۷) میں لکھا ہے کہ یہ دیباچہ سحر البیان کے مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے پھر صفحہ ۲ پر بتایا ہے کہ یہ مثنوی ۱۸۰۵ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی۔[2] غرض ان بیانات سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا قلمی نسخہ کلکتہ

---

[1] ظاہرا کاتب کتاب وقف نامہ مسجد کی شرائط کے مطابق مسجد میں صحافت کا کام کر رہا تھا۔ سید عبد اللطیف نے اپنی کتاب "لاہور" کے صفحہ ۲۱۹ و بعد پر وقف نامہ مسجد وزیر خاں نقل کیا ہے اسمیں ایک شرط یہ ہے: "و نیز شرط کرد کہ بیست قطعہ دکاکین بیرون دروازہ مشرقی و بالاخانہ آنہا محض برائے نشستن صحافان کتب اسلامیہ بی کرایہ باشد علی سبیل الدوام"

[2] اس ایڈیشن کی تقطیع چھوٹی اور صفحے ۱۶۶ تھے۔ (گارساں ڈی ٹاسی)

• والے مطبوعہ ایڈیشن سے لاہور میں نقل ہوا۔

دیباچہ نگار کا ذکر گارساں ڈی تاسی نے بھی اسطرح کیا ہے کہ گویا اسکو معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔ البتہ خود دیباچہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن کے ساتھ دیباچہ نگار کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ایک ہی سرکار میں دونو نوکر اور ایک ہی صاحبزادے کے ہمنشین تھے۔ اور دس برس تک دن رات ایک جگہ پر رہے "بلکہ اکثر آپسمیں غزلیں طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں لیکن نہ بطور استفادہ کے جیسا کہ نواب علی ابراہیم خان مغفور نے اپنے تذکرہ[1] میں لکھا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ میں نے مشورہ سخن کا اس مرحوم سے بھی کیا ہے۔ اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تھا۔ ہرگاہ حقیر میر حیدر علی حیران کی شاگردی کا مقر تھا الخ" دیباچہ کے آخر میں مؤلف نے لکھا ہے کہ دیباچہ جان گلکرسٹ کی فرمائش سے تحریر ہوا اور مثنوی کے ساتھ ملحق کیا گیا۔

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ نگارندہ میر شیر علی افسوس ہے چنانچہ ملاحظہ ہو لطف کے تذکرہ گلشن ہند (لاہور ۱۹۰۶ء) صـ۴۸ کی یہ عبارت (بذیل ترجمہ افسوس): اصلاح کا اتفاق انکو میر حیدر علی حیران تخلص سے ہوا ہے اور علی ابراہیم خان مرحوم نے شاگرد انکو میر حسن حسن تخلص کا لکھا ہے۔ اسکی سند اپنے تئیں نہیں پہنچی" لطف نے یہ بھی لکھا ہے کہ افسوس گیارہ برس تک میرزا نوازش علی خاں ولد نواب سالار جنگ کی خدمت میں ملازم

---

[1] یعنی تذکرہ گلزار ابراہیم میں جو ۱۱۹۸ھ میں تالیف ہوا۔ دیکھیے فہرست مخطوطات اردو مؤلفہ سپرنگر صـ۱۸۱)
[2] دیکھو صـ سطر۲ [3] دیکھو صـ س ۱۶ •

رسبے - اور گلکرسٹ صاحب[1] کے افسوس کا تعلق تو معلوم ہی ہے۔
ان بیانات کو ملا کر دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ سحر البیان کا دیباچہ
افسوس نے گلکرسٹ صاحب کی فرمائش سے لکھا - اور وہ کلکتہ ایڈیشن
میں طبع ہوا - معلوم ہوتا ہے کہ سحر البیان کی بعض ایڈیشنوں میں
جو بعد میں طبع ہوئیں - میر حسن کا حال اسی ماخذ سے لیا گیا ہے[له] ب
ہم حمد و نعت کے حصّے کو حذف کرکے اس دیباچہ کو درج کرتے
ہیں :-

بعد اس حمد و نعت کی مثنوی سحر البیان اسم با مسمّٰی ہی کیونکہ اسکا
ہر شعر اہل مذاق کی دلوں کی لبھانے کو موہنی منتر ہی اور ہر داستان
اسکی سحر سامری کا ایک دفتر جو چیز کہ حقیقت میں خوب ہوتی ہی وہی طبائع
کی مقبول و مرغوب ہوتی ہی راست ہی کہ انداز اسکا سراپا اعجاز ہی
اور وہ ہر ایک صاحب طبیعت کی دمساز تعریف اسکی جہاں تک کیجئی بجا
ہی کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اسمیں ایک دریا بہا ہی احیاناً اگر کسی
شعر میں غلطی و یا اسکی بندش میں سستی پائی جائی تو قابل نام دہرنی کی
اور اعتراض کرنی کی نہیں اس لئی کہ جہاں ہنر کی کثرت ہوتی ہی وہاں
عیب بقلت شمار میں نہیں آتا اور معترض اسکا منصف مزاجوں کو نہیں
بہاتا بقول شخصے دریں مصرعہ

شعر گر اعجاز باشد بی بلند و پست نیست

اصل کا اسکی ماجرا یہ ہی کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ مرحوم نی ایک

[له] مثلاً مطبع فیض محمدی لکھنؤ کی ایڈیشن میں جو اسوقت میرے سامنے ہے لیکن اسپر سن
طباعت درج نہیں +

دو شالہ خاص اپنی اوڑھنی کا دست بقچی مین نکلوا کر مصنف کو عنایت کیا۔ رتبہ تو اسکا بڑھا پہ دل گھٹ کیا اس لئے کہ مطلب دلی حاصل نہ ہوا لیکن یہ کھونٹ صرف طالع کی ہی کیونکہ مال کھرا خریدار اتنا بڑا ہویا اور سودا خاطرخواہ نہ ہوا بلکہ گھاٹا آیا۔

یہ چند سطرین مصنف کی حسب نسب اور احوال مین

مصنف اسکا میر حسن دہلوی متخلص بحسن خلف میر غلام حسین ضاحک کا وطن اجداد شہر ہرات قوم سادات گردش فلکی سی انھوں نے شہر مذکور کو چھوڑا اور دلی میں آکر پرانی شہر کا رہنا اختیار کیا۔ وہین یہ بزرگ پیدا ہوا بلکہ سن تمیز کو پہنچا۔ دادا اس عالیقدر کا سنتے ہیں کہ حاجی و فاضل تہا۔ لیکن باپ (کو) فضیلت نہ تہی مگر طالب العلمی مین شرح ملا تک پڑہا تہا پر فارسی مین استعداد اچھی تہی بلکہ شعر بہی متین و رنگین گاہی گاہی اس زبان میں کہتا تہا چنانچہ یہ رباعی طبع زاد اسکی زبانی راقم نی سنی ہی

فریاد دلا کہ غمگساران رفتند سیمین بدنان وگلعذاران رفتند
چون بوی گل آمدند برباد سوار درخاک چو قطرہای باران رفتند

قصیدہ بہی ایک اور اس مغفور کا رتبہ دار دیکہا ہی لیکن ہزل پر از بسکہ مزاج مرغوب ہتا (کذا) غزل کہنی ترک کی تہی قیامت ہنسوڑ اور ٹھٹھول تہا۔ تخلص اسکا اسپر دال ہی پر ظاہر نہایت ثقہ اور متشرع اکثر عمامہ عربی سبز سر پہ بندہا رہتا تہا اور جامہ کم گہیرا مل پہنتے (کذا) کاکلی میں ڈاڑہی متوسط لبیں لی ہوین۔ قد میانہ گندم گون لیکن میر حسن ڈاڑہی منڈواتی تہی پر جامہ نیمہ اسکا ویسا ہی تہا اور پگڑی کی بندش قدیم ہندوستان

نادوں کی سی قد لنبا تھا اور رنگ گندمی ہرچند وضع تو ایسی تھی پر شوخ
مزاج و لطیفہ گو وہی (دہبی ؟) بھی تھے تہ ہزل و فحاش سوای اسکی برد باری
اور ملنساری اسکی خلقت میں تھی - کسی کو میں نے اُس عزیز سے شاکی نہیں
پایا اور بیزار نہیں دیکھا لیکن طبیعت اُسکی موزون طفولیت میں دکنائی تھی شعر
کی طرف رغبت رکہتا تھا - اکثر خواجہ میردرد کی صحبت سی مستفید شاہ جہاناباد
میں لڑکائی کی بیچ ہوا ہی - بعد برہم ہونی سلطنت کی شہر مذکور سے
مجبور اپنی والد کے ساتھ صوبہ اودہ میں آیا اور سکونت فیض آباد میں
اختیار کی علاقہ روزگار کا نواب سالار جنگ بہادر مرحوم کی سرکار میں بہم
پہنچایا مصاحب مرزا نوازش علیخاں بہادر جنگ دام ثروتہ کا ہوا مرزا
موصوف بڑا بیٹا نواب مغفور کا ہی خدا اُسے سلامت رکھے کہ اشعار سی
اسی رغبت اور شعرا سے محبّت ہے - چنانکہ میر مذکور کو اُسنی اپنا جلیس
و انیس کیا تہا - اور وہ تہا بہی اسی لائق - اگرچہ علم عربی مطلق اسی نہ تہا
ہاں فارسیت تہی بلکہ جستہ جستہ شعر یا کوئی رباعی کبھو کہہ بہی لیتا تہا
لیکن علم مجلس میں بی بدل اور شعر ہندی میں اکمل تہا - مشق سخن اس نے
اسی ملک میں میر ضیاء الدین ضیا تخلص سے کہ ہم مشق مرزا رفیع السودا
اور میر تقی کی تھی - سوای انکی میرزا مرحوم سی بہی انکی غیبت میں اکثر اوقات
اصلاح لی تہی چنانکہ اسکا اقرار راقم کی سامنی کیا ہی غرض میر مرحوم صاحب
دیوان ہی غزل رُباعی مثنوی مرثیہ میں سلیقہ نہایت خوب رکہتا تہا بلکہ
سوای قصیدہ کی ہر قسم کے نظم پر قادر تہا سچ تو یہ ہی کہ ادا بندی کا حق اُتنی
خوب ادا کیا اور انداز شعر کا کس خوبی سی کہا خدا ایش بیامرزاد راقم کو اسی
دوستی دلی تہی کبھو رنجش خفگی باہم نہیں ہوئی - حالانکہ اسی سرکار میں میں

بہی نوکر اور اسی صاحب زادی کا ہمنشین تہا' دس برس تک دن رات ایک جگہ پر رہے بلکہ اکثر آپسمیں غزلیں طرح ہوئیں اور صحبتیں شعر کی رہیں لیکن نہ بطور استفادہ کی جیسا کہ نواب علی ابراہیم خان مغفور نی بی اپنی تذکرہ میں لکھا ہی صاف اسی معلوم ہوتا ہی کہ میں نے مشورہ سخن کا اس مرحوم سی بہی کیا ہی اگر یہ بات حقیقت میں ہوتی تو کچھ عیب نہ تہا ہرگاہ حقیر میر حیدر علی حیران کے شاگردی کا مقر ہے باوجود اسکے کہ شاعری انکی میرحسن سے زیادہ نہ تہی - پہر کس لئی اس بات کا انکار کرتا؟ قاعدہ یہی ہے؟ کہ ایک سی سیکہتی ہیں اور دوسرے کو سکہاتی ہیں - لیکن جہوٹی بات پر اقرار بہی نہیں کیا جاتا اور سچی سی انکار نہیں ہوسکتا - آخر چرخ تفرقہ پرداز نے باہم تفرقہ ڈالا' اتفاقاً میرا روزگار سن گیارہ سی ننانوی میں صاحب عالم مرزا جوان بخت کی سرکار میں ہوا میں انکی ہمراہ بنارس میں آیا' بعد اسکی اس بزرگ کو آخر ذی حجہ کذا سن بارہ سی ہجری میں مرض الموت لاحق ہوا - ندان غرہ محرم کو کہ سن بارہ سو ایک شروع[1] ہو چکی تہی اس دار فانی سے اسی سرائے جاودانی کو کوچ کیا اور شہر لکھنؤ میں مفتی گنج کی بیچ مرزا قاسم علی خان بہادر دام ظلہٗ کی باغ کی بیچ مدفون ہوا خدا کریم اسکو یہاں دار السلام عطا کردی اور وہاں قصر جنت کا اپنی فضل سی بخشے

عدم سی مسافر جو آیا ہے یہاں | مقرر وہ جاویگا ایک روز وہاں
رہی جگ میں ہر چند وہ ہر کہیں | پہر اسکا ٹھکانا ہی زیر زمین

---

[1] یعنی اکتوبر سنہ ۱۷۸۶ء' لطف نے گلشن ہند (صفحہ ۹) پر میرحسن کی وفات سنہ ۱۲۰۵ھ میں بتائی ہے - لیکن افسوس کے بیان سے اسکی تردید ہوتی ہے - اس مقام پر گارساں ڈی ٹاسی لکھتا ہی کہ تاریخوں کے معاملے میں لطف کے بیانات دوسرے تذکرہ نویسوں سے نہیں ملتے ۔

نہ غفلت میں اپنی تو اوقات کھوہ — اری بیخبر جا گتی میں نہ سوہ
جہاں میں تو مہماں ہی چند روز — تری جسم میں جان ہی چند روز
یہ مہلت غنیمت ہی کرلی وہ کام — کہ جس سی رہی تا ابد نیک نام

فی الواقع نیک نامی بہی عجب چیز ہی انسان کو نام اسی سی دنیا میں رہتا ہی یا کلام و اولاد سی، سو وہ خوش نصیب لی دونوں اس سمیت چہوڑ گیا - چار بیٹی ابتک فضل الہی سی اسکی موجود ہیں، تین شاعر ہوئی بود و باش انہوں نی فیض آباد میں اختیار کی، معاش نوکری پر ہی چنانکہ میر مستحسن خلیق تخلّص اور میر محسن محسن تخلص مرزا تقی بہو بیگم صاحب مادر آصف الدولہ مدّ ظلّہا کی داماد کی رفیق ہیں اور میر احسن خلق تخلّص دارابعلیخاں کی ساتھ ہی یہ اور خلیق دونوں صاحب دیوان ہیں - شعر اپنی باپ کے انداز پر کہتی ہیں - لیکن خلیق کا سر رشتہ اصلاح کا میاں مصحفی سلمہ اللہ سی تعلق رکھتا ہی - خدا عزّوجل اسی اور انہیں سلامت رکھی -

یہ چند فقری بطور دیباچہ زبدہ نوئینیاں عالیشان مظہر مشیر خاص شاہ کیوان بارگاہ انگلستان مارکویس ولزلی لارڈ گورنر بہادر دام اقبالہ کی عہد میں کہ گیارہ سی اٹھارہ ہجری مطابق سن اٹھارہ سی تین عیسوی کی ہیں حسب الارشاد صاحب والا مناقب جان گلکرسٹ بہادر مدرس ہندی دام دولتہ کی اس عاصی نے لکھی اور انکو اس مثنوی کا ضمیمہ کیا ۔

(محمد شفیع)

—*—

شاہنامے کا جغرافیہ

از

"تاریخ رزمیاتِ ایران"

شاعر کو جسطرح اس بات کی اجازت ہے کہ تاریخی واقعات کو نظم کرنے میں زمانے کی پس و پیش کا کچھ خیال نہ کرے اسی طرح اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ جغرافی حالات کو بیان کرنے میں سمت اور فاصلے کے تغیّر و تبدّل کو خاطر میں نہ لائے' یا یوں کہیے کہ اُسے اس بات کی پوری آزادی ہے کہ مکان اور زمان کے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے' اس کے کلام کے سننے والے یا پڑھنے والے کو چاہیئے کہ ایسی باتوں پر نکتہ چینی نہ کرے بلکہ اسکے تخیّل کی پیروی کرے۔ فردوسی نے اگرچہ اس آزادی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے تاہم بعض جگہ اسکی یہ بے قاعدگیاں چنداں قابلِ لحاظ نہیں مثلاً اسکے تصوّر میں تور پسر فریدوں (جسکی مملکت شمال کی جانب ہے) اور اسکا بھائی سلم (جو مغرب میں حکمران ہے) ایک دوسرے کے ہمسائے میں ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اُن دو قوموں کے نمائندے ہیں جو ایرانیوں سے برسرپیکار ہیں اور انکا یہ اشتراکِ عمل شاعر کے ذہن میں انکو ایک دوسرے کیساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے' اسی طرح یمن کے نام کا اطلاق جو کل جزیرۂ عرب پر بار بار کیا ہے

وہ بھی در اصل حقیقی جغرافی غلطی نہیں بلکہ نام کا غلط استعمال ہے، اور ایک مقام پر تو منذر کی مملکت[1] کو جو وادیِ فرات میں یمن سے بخطِ مستقیم کم از کم ایک ہزار کیلومیٹر (تقریباً ۶۲۵ میل) کے فاصلے پر ہے۔ یمن کے نام سے تعبیر کیا ہے ؎

چو منذر بیامد بشہر یمن پذیرہ شدندش ہمہ مرد و زن

(شاہنامہ طبع آموزندہ شیر مرد ص ۳۴۸)، اسی طرح کی ایک اور چھوٹی سی غلطی یہ ہے کہ طیسفون (Ctesiphon) اور مدائن میں امتیاز کیا ہے ؎

از آنجا بیامد سوی طیسفون زمیں شد ز لشکر کہ بیستون
وز آنشہر سوی مداین کشید کہ آنجا بُدی گنجہا را کلید

(ایضاً ص ۵۰۹) اور پھر طیسفون اور بغداد کو ایک ہی سمجھا ہے ؎

دگر منزل آن شاہ آزاد مرد لبِ دجلہ و شہر بغداد کرد

(شاہنامہ فولرس ص ۵۱)، کوہ البرز کی جائے وقوع جو ہندوستان کی جانب تصور کی گئی ہے[2] ۔ تو یہ روایتِ رائجہ کی مطابقت میں نہیں ہے۔ بلکہ اغلب یہ ہے کہ کسی اور تصور کا نتیجہ ہے، اوستا کا

---

[1] نظامی نے ہفت پیکر میں بھی یمن کو جا بجا انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

[2] ببرم پی از خاک جادوستان شوم با پسر سوی ہندوستان "
شوم ناپدید از میان گروہ مرایں را برم تا بالبرز کوہ

(شاہنامہ فولرس ص ۴۲)، ؎

پدر بود در ناز خز و پرند مرا بردہ سیمرغ در کوہ ہند

(... ... ... صفحہ ۱۳۵ — ۱۳۳)، [illegible]

کوئی عالم متبحر شاید اسکے متعلق ہم کو صحیح اطلاع دے سکے۔ البتہ شاہنامے میں ہر جگہ بلند ترین پہاڑ ہے تو کیا ہم اس سے یہ گمان کر سکتے ہیں کہ شاعر کے وطن میں لوگوں کو ہمالیہ کی سربفلک چوٹیوں کا کچھ اندازہ تھا؟ بہرکیف یہ سب افسانوی جغرافیے کی باتیں ہیں اور افسانوں کے اندر حقیقی اور خیالی جغرافیہ دونو برابر ہیں۔

یہ سب تو خیر چھوٹی چھوٹی غلطیاں تھیں لیکن ایک بڑی غلطی کی مثال یہ ہے کہ کسریٰ نے جو اپنی سلطنت کے چار بخرے کئے ہیں تو ان میں جنوبی صوبے یعنی فارس اور سوسیانا کو سرحد خزر (انتہاء شمال) کے ساتھ شامل کیا ہے[۱]۔ مازندران کے متعلق بھی شاہنامے کی اطلاعات بالکل بے سروپا ہیں۔ اسفندیار کے لئے جو مازندران میں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مختلف سمتوں سے مختلف راستے بتلائے گئے ہیں اسکی مطابقت میں رستم کے لیے بھی زابل سے مازندران تک دو راستے ہیں جن میں سے ایک تو لمبا ہے اور اسی راستے سے پہلے کاؤس بھی سفر کر چکا ہے۔ اور دوسرا چھوٹا لیکن نہایت خطرناک ہے۔ اور صرف چودہ دن کا سفر ہے۔ در اصل شاعر کو غالباً اسبات کا تصور ہے کہ معمولی کار وانی راستے سے چھوٹا ایک اور راستہ صحرا میں سے ہوکر نکلتا ہے جو کہ (اسفندیار کے چھوٹے راستے کی طرح) اُن مہیب معرکوں کی تھیٹر گاہ ہونے کے لئے موزون ہے جو رستم کو

---

[۱] دیکھو ترجمہ طبری ص ۱۵۱، و ۱۵۵ ۳۴۵، [۲] لیکن ثعالبی نے اسی امر کے ذکر میں ایسی بے سروپا بات نہیں کی (دیکھو غرر ص ۶۰۹)،

وہاں پیش آتے ہیں - لیکن فردوسی کو خود مازندران کی وسعت کا جو اندازہ ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے[1]، سرحد میں داخل ہونے کے بعد اُس مقام تک جہاں کیکاؤس مقید ہے رستم کو سو فرسنگ (تقریباً تین سو میل) جانا پڑتا ہے - پھر وہاں سے سفید دیو کے مسکن تک سو فرسنگ اور پھر وہاں سے تین سو فرسنگ اور آگے جاکر مازندران کا پایہ تخت آتا ہے (شاہنامہ فولرس ص ۲۴۷)، اور یوں حقیقت میں سرزمین مازندران زیادہ سے زیادہ سو فرسنگ لمبی اور تقریباً ۳۰ فرسنگ چوڑی ہے - تعجب ہے کہ فردوسی نے اس سرزمین کو جو اس کے اپنے وطن سے اسقدر قریب تھی اور جسکے میدانی شہروں (مثلاً آمل - ساری - تمیشہ) کو وہ صحیح طور سے جانتا ہے - اور اکثر اُن کا ذکر بھی کرتا ہے[1] - اور جہاں وہ خود بھی بعد میں مقیم رہا ہے - ایک بالکل خیالی صورت دے دی ہے اور اسکی وسعت کو اسدرجہ بڑھا دیا ہے، تاہم چونکہ مازندران دیووں کی سرزمین ہے[2] لہذا اسکو افسانوں کی جولانگاہ ہونے کے لئے بھی ضرور موزون ہونا چاہیئے،

---

[1] مثلاً ؎

زِ ساری و آمل برآمد خروش   چو دریای جوشاں برآورد جوش

(شاہنامہ فولرس ص ۱۸۶)

[2] اوستا میں " مازینیا دیوا " سے جو "دیوان مازندران" مراد لی گئی ہے تو یہ بے وجہ نہیں ہے، " مازن در " غالباً کسی مخصوص جگہ کا نام ہے یعنی "درِ مازن" یا "وادیٔ مازن" مازندان کی سرزمین نہایت دشوار گزار ہے کیونکہ اسمیں تمام پہاڑی علاقہ ہے - اور پھر اسکے

دور دراز ملکوں کے ساتھ فردوسی نے اور بھی بد تر سلوک کیا ہے
کیخسرو کنگ یا کنگِ بہشت سے جو کہیں توران کے پرلے سرے پر
واقع ہے چین کیطرف روانہ ہوتا ہے اور وہاں سے اور آگے ایک
بیابان میں سے گذر کر مکران کی طرف جاتا ہے اور پھر وہاں سے
سات مہینے کے تند رفتار بحری سفر کے بعد سمندر کو پار کر کے
دوبارہ ایک بیابان میں سے گذر کر کسی ملک میں پہنچتا ہے جہاں کی
زبان مکران کی طرح چینی ہے ۔ اور پھر وہاں سے سو فرسنگ آگے
چلکر کنگ دژ آتا ہے، وہاں سے الٹے پاؤں اسی راستے سے پھر واپس
آتا ہے۔ لیکن خاص طور سے عجیب بات یہ ہے کہ مکران جو شاعر کے
وطن سے عین جنوب کی طرف ہے یہاں اسکو چین کے متصل کر دیا گیا ہے
اور یہ صریحاً غلط ہوگا اگر ہم ایسے مشہور نام کی (جیسا کہ مکران ہے) کوئی اور تاویل
کریں، بیشک مکران کا علاقہ اسلامی دنیا کے تاریخی افق سے خارج تو نہیں
تھا۔ لیکن اس نامہماں نواز سرزمین کا صحیح علم تو فقط تھوڑے ہی لوگوں کو ہوگا،

(ترجمہ از جرمن) ——— (محمد اقبال)

(بقیہ حاشیہ صـــ) علاوہ گھنے جنگل ہیں، وہاں کے باشندے بھی اکثر وحشی لوگ ہیں لہذا ان تمام
باتوں کو دیکھتے ہوئے آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ قدیم زرتشتیوں کے نزدیک کیوں
یہ سرزمین مہیب طاقتوں کا مظہر تھی اور کیوں ان کو اسکی وسعت کا اسقدر غلط اندازہ تھا۔
ایک بات قابل التفات یہ ہے کہ عربی مصنف سلجوقیوں کے زمانے سے پہلے مازندران کے نام کا
استعمال نہیں کرتے (دیکھو ابن الاثیر ج ۱۰ ص ۳۴) ، اسی لئے یاقوت (ج ۴ ص ۵۰۲) مازندران کو جدید
نام خیال کرتا ہے اگرچہ اسکو اسبات کا بھی علم ہے کہ خود اس سرزمین میں یہ نام ہمیشہ مستعمل رہا
ہے، سرکاری طور پر اس صوبے کا نام طبرستان تھا، معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اس سرزمین کے دو
حصے تھے۔ ایک کا نام مازندران تھا اور دوسرے کا طبرستان،

بکٹ قصہ محمد افضل جھنجانوی

میرٹھ کے قریب جھنجانہ یا جھنجنہ ایک پرانی بستی ہے۔ مغلوں کے عہد میں ایک مردم خیز قصبہ تھا اور بعض مشہور بزرگ اس قصبہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ صوفی دانشمند جنہوں نے فنون ہندیہ سیکھ کر انکے تراجم اکبر کے لئے فارسی زبان میں لکھے اسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ عبد الرزاق جو ایک مشہور اہل اللہ ہیں اسی خاک سے اٹھے ہیں۔ سطور ذیل کے موضوع محمد افضل بھی اسی خطے سے علاقہ رکھتے ہیں۔

محمد افضل کے حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں۔ میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"محمد افضل، افضل تخلص، از قدیم است، کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ حسب حال خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں وگائیناں مشتاق او می باشند نصفے فارسی و نصفے ہندی دارد لیکن قبولیت داد الٰہی است بر دلہا اثر می کند" از وست:۔

پڑی ہے گل میں میرے بیم پھانسی　　مرن اپنا ہے اور لوگوں کی ہانسی
مسافر سے جنہوں نے دل لگایا　　انہوں نے سب جنم روتے گنوایا

(تذکرۂ میر حسن صفحہ ۱۱، سلسلۂ انجمن ترقی اردو)

انکے زمانہ کے متعلق اسپرنگر نے اپنی فہرست میں محمد قایم چاندپوری کے تذکرہ کے حوالہ سے اسی قدر لکھا ہے کہ "افضل، عبداللہ قطب شاہ سے پیشتر جو ۱۰۲۰ھ میں تخت نشین ہوتا ہے گذرے ہیں - انکی تعلیم معمولی درجہ کی تھی - صوفیانہ شعر کہتے تھے - انہوں نے "بکٹ کہانی" لکھی ہے جسکا ایک نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے"۔
قائم نے افضل کا جو زمانہ دیا ہے اسمیں بظاہر ایک غلطی معلوم ہوتی ہے - وہ یہ ہے کہ عبداللہ قطب شاہ درحقیقت ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوتا ہے نہ ۱۰۲۰ھ میں جو محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے - اسکی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو قایم نے محمد قطب شاہ کے بجائے عبداللہ قطب شاہ، یا ۱۰۳۵ھ کی جگہ ۱۰۲۰ھ لکھدیا - یہ امر کہ قائم محمد افضل کے زمانہ کو جو خود اسکے بیان کی رو سے ایک ہندوستانی شاعر ہے - ایک دکنی پادشاہ کے عہد کیساتھ مضاف کر رہا ہے - کسی قدر تعجب خیز ضرور ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام اذہان میں چونکہ اردو شاعری کا تعلق دکن کے ساتھ وابستہ ہے - اسلئے ہمارے تذکرہ نگار غیر دکنیوں کو بھی دکنی تصوّر کر لیا کرتے ہیں چنانچہ شیخ سعدی کو عام طور پر دکنی کہا گیا ہے -
میں اگرچہ اُردو کے میدان میں دکن کی ادبی و تالیفی تحریکات کی اولیت کے دعوے کو تسلیم کرتا ہوں تاہم یہ بھی کہتا ہوں کہ اردو شاعری ہندوستان کے ہر صوبہ میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود تھی یہ اور بحث ہے کہ آیا وہ بھاشہ کی متبع تھی یا فارسی کی - مرد مخاطب ہوتا تھا یا عورت - اوزان عربی تھے یا ہندی - جذبات ہندی تھے یا

فارسی - لیکن ملک کے ہر صوبہ میں اردو میں رسائل لکھے جانے کا رواج تھا - غیر تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ تالیفات مقبول تھیں - مذہبی مسائل - مذہبی قصے - تصوف کے مسائل - تعویذ گنڈے - اوراد و وظائف بلکہ منتر جنتر تک اسمیں موجود تھے - لیکن آج یہ حصۂ ادب ہماری نظروں سے کیوں نہیں گزرتا - اسکی سب سے بڑی وجہ ہماری وہی ناقابل معافی بے پروائی ہے جسکے اثر میں ہم نے اسلاف کے علمی و دماغی کارناموں کے ساتھ نہ صرف بیرحمانہ بلکہ مجرمانہ سلوک روا رکھا ہے شیکسپیر اور ملٹن - گولڈ اسمتھ اور ٹینی سن کی آندھیوں نے ہمیں اندھا کر دیا ہے - ہم انگریزی ادیبوں اور شاعروں کے حالات سے بہت کچھ واقفیت رکھتے ہیں - لیکن اگر واقف نہیں ہیں تو اپنے وطن کے باکمالوں سے - انگریز اور انگریز پرستی کی لہر ہم میں اسقدر دوڑ گئی ہے کہ ہم اپنے وطن کی ہر شے سے نہ صرف احتراز کرتے ہیں بلکہ نفرت کرنے لگے ہیں - قصہ مختصر یہ ہماری غفلت ہے - جسکی وجہ سے اس قسم کا اکثر ذخیرہ ضایع ہوگیا ہے - اور جو کچھ باقی ہے - وہ بھی عنقریب برباد ہو جائیگا - اگر ہم ان چیزوں سے ناواقف ہیں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے - ورنہ اسمیں شک نہیں کہ یہ اشیا ضرور موجود تھیں

محمد جیون عالمگیر کے عہد کے ایک بزرگ ہیں انکا عرف محبوب عالم ہے اور جھجھر کے رہنے والے ہیں - انکی فقۂ ہندی - محشر نامہ خواب نامہ وغیرہ کا ذکر اسپرنگر نے اپنی فہرست میں کیا ہے - یہ ہندی اوزان میں لکھتے تھے - وزن معلوم کرنے کے لئے انکی فقۂ ہندی سے ایک شعر نقل کرتا ہوں ؎

فقہ ہندی کو موناں آنو زبان پر یاد　　مسلہ آوے دین کا مول نہووے فساد

محشر نامہ کا افتتاحیہ شعر ہے :-

ربا میرا ایک توں ناہیں کوئی دوجا　　تجھ سا سائیں چھاڈ کر کس لاؤں پوجا

مجمع المضامین' فارسی اشعار کی ایک بیاض ۱۰۲۳ھ میں جہانگیر کے لئے تیار کی گئی تھی اسکے مرتب کا تخلص کوکب ہے اسکے ساتھ نثر کا حصّہ بھی تھا - جس میں کوکب نے ان مقامات کے حالات بیان کئے ہیں جنکو خود انہوں نے بچشم خود دیکھا تھا اور اس حصّہ کا نام سیر کوکب رکھا تھا - کوکب فارسی اور اُردو کے شاعر تھے انہوں نے مجمع المضامین کے آخر میں اپنے ہندی اشعار بھی درج کئے ہیں - بدقسمتی سے مجمع المضامین کا جو نسخہ میرے پاس ہے اگرچہ قدیم ہے لیکن آخر سے ناقص ہے اور ہندی اشعار موجود نہیں ہیں -

شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری آٹھویں قرن ہجری کے مشہور و معروف بزرگ ہیں ان کے فارسی مکتوبات ہمارے ہاں ہمیشہ مقبول رہے ہیں - انکا " کج مندرہ " جو نصف عربی اور نصف اُردو میں ہے آج بھی موجود ہے - میں اسکا ایک دوہرہ یہاں نقل کر دیتا ہوں -

کالا ہنسا نرملا بسے سمندر تیر ٭ پنکھ پسارے بکہ ہری نرمل کری سریر ٭ دد رہی نہ پیڑ

ذیل کا دوہا بھی شرف الدین منیری کا ہے -

شرف حرف مایل کہیں درد کچھو نہ بسائے　　گرد چھویں دریار کے سو درد دُور ہو جائے

اس قسم کی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں لیکن مجھکو اندیشہ ہے کہ ایسا کرنے سے میں اپنے مضمون کے موضوع سے بھٹک جاؤنگا -

محمد افضل کی بکٹ کہانی درحقیقت ایک بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ

ہے - بلکہ میرے زیر نظر جو نسخہ ہے اسمیں اسکو "دوازدہ ماہہ محمد افضل" لکھا ہے - اگرچہ خود شاعر نے متن میں اسکو "بکٹ قصہ" کے نام سے یاد کیا ہے - یہ نسخہ میرے عزیز دوست پروفیسر شیخ سراج الدین آیم-اے' ایم- آو- ایل' انگریزی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی ملک ہے اور سمت ۱۸۸۷ بکرمی کا نوشتہ ہے - ہندی حروف کی تمیز کے لئے اس میں کوئی خاص علامات موجود نہیں ہیں - اس نظم کی قائل ایک فراق دیدہ عورت ہے جو اپنے خاوند کی جدائی میں اپنی سکھیوں یعنی سہیلیوں سے خطاب کرکے اپنی بیتابی کی سرگذشت الم سناتی ہے اور جیسا کہ ہمارے ملک میں بارہ ماسوں کا رواج ہے - ہر ہندی ماہ کے عنوان کے نیچے اپنی داستان غم ایک دلگداز پیرایہ میں دوہراتی ہے - فارسی ذوقیات کے اس نظم میں کافی آثار موجود ہیں لیکن بحیثیت مجموعی جذبات کے لحاظ سے بالکل ہندی ہے - حتیٰ کہ ہندو تہواروں ہولی - دوالی اور دسہرہ کا ذکر ایک حسرت خیز طریق سے بیان ہوا ہے - یہ کہانی یوسف زلیخائے جامی کے وزن (بحر ہزج مسدس محذوف) میں مثنوی کے طور پر لکھی گئی ہے جس سے ایک دو شعر بھی منقول ہیں اوزان اور قوافی کی کامل پابندی کی گئی ہے - اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جدائی - لائی - اور کہائی - گنوائی وغیرہ الفاظ کو جداہی - لاہی کہاہی اور گنواہی لکھا گیا ہے - علی ہذا بھئی - بھلایا کو بہئی اور بھولایا لکھا ہے - لیکن یہ خصوصیت زیادہ تر کاتب[1] سے علاقہ رکھتی ہے نہ شاعر سے اسکی زبان دکنی زبان سے مختلف ہے - اگرچہ بہت کچھ مشابہ ہے - لیکن ایسے غریب الفاظ سے پاک ہے جو دکنی مثنویات لیلیٰ مجنوں احمد قطب شاہی

---

[1] یہ یاد رہے کہ موجودہ نسخہ کا کاتب پنجاب سے علاقہ رکھتا ہے -

اور امین کی یوسف زلیخا میں ہماری نظر سے گذرتے ہیں اسکی وجہ یہی ہے۔
کہ اُردو زبان دکنی سے بہت پہلے منجھ کر صاف ہو چکی تھی۔
اِس نظم میں فارسی بندشیں اور ترکیبیں جا و بیجا باندھی گئی ہیں۔
جنکو موجودہ مذاق کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ ایک مصرع کی بندش آدھی
فارسی میں ہے۔ اور آدھی ہندی میں حتیٰ کہ افعال و ضمائر فارسی سے
بھی بے تکلف کام لیا گیا ہے۔ جب دو زبانیں ایک دوسرے کی طرف
دست اتحاد بڑھانے کے لئے ساعی ہوتی ہیں۔ تو قدرتاً یہی کیفیت
پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات آج بھی ہمارے انگریزی خوان اصحاب
میں موجود ہے۔ اور پنجاب میں خصوصیت کیساتھ اسکا لطف آتا ہے۔
جہاں ایک جملہ اُردو میں کہے جانے کی نیت سے شروع ہوتا ہے۔
درمیان میں ایک انگریزی بندش ٹھونس دیجاتی ہے اور پنجابی فعل
پر ختم کیا جاتا ہے۔ یہ صورت بغیر کسی خاص کوشش یا تصنع کے
پیدا ہو گئی ہے۔ اور عام طور پر آفسوں۔ کالجوں وغیرہ میں دیکھی
جاتی ہے۔ پرانی ریختہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں فارسی جملے
اور ترکیبیں بلا تکلف استعمال کی جاتی تھیں۔ اسی بنا پر میر تقی میر
نے اپنے تذکرہ میں ریختہ کی مختلف اقسام قرار دی ہیں چنانچہ
(۱) یہ ہے کہ ایک مصرع ہندی ہو اور ایک مصرع فارسی۔
(۲) دوسری یہ ہے کہ اسکا نصف مصرع ہندی ہو اور نصف فارسی۔
(۳) وہ ہے جسمیں فارسی کے صرف حرف و فعل استعمال ہوں۔
(۴) وہ ہے جسمیں فارسی کی ترکیبیں لائی جائیں۔
اگر یہ تقسیم اصلی ہے۔ اور فرضی نہیں ہے تو میں نہیں جان سکتا۔

کہ اس نظم کو ریختہ کی کونسی قسم میں شامل کیا جائے کیونکہ وہ تمام اقسام پر محیط ہے۔ بعض مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

چہ سازم چوں کنم کس کن پکاروں ۔۔۔ جتن کیا عشق کے غم کا بچاروں

دیگر

جنوں در ملک جاں جھنڈا گڑایا ۔۔۔ سمجھ اور بوجھ کا تھانا اوٹھایا

دیگر

چو شد مدت پیا کے سنگ رہتے ۔۔۔ مرم با یکدگر کہتے و سنتے

دیگر

چہ مے بینم کہ منگل گاوتی ہیں ۔۔۔ مرے گھر ناریاں سب آوتی ہیں

ضمائر متصلہ کی مثالیں:۔ مصرع کیا غم نے بچانم آہی ڈیرا

دیگر

ع نہیں جز وصل کا سو کھا نہالم

دیگر

ع کہو کیا اب مُنانش ما گمہ لینا

دیگر

ع ملے آکر چھُٹے جانم جلن شوں

بلکہ فارسی کا اثر اس سے بھی زیادہ گہرا ہے سیلئے لفظ "دہوم" ہندی ہے اسپر بقاعدہ فارسی شین اضافہ کرکے حاصل بالمصدر "دہوش" بنا لیا گیا ہے۔ مثال:۔

اٹھا کر گھر منیں دھومش مچاہی ۔۔۔ متاع صبر تسکیں دل لوتاہی

گریرسن نے اسکے قریب ایک اور مثال دی ہے کہ ہندی "مل" اور

ل اس قسم کی ایک اور مثال لفظ "رہا بیش" ہے جو بقاعدہ فارسی مصدر بنا کا حاصل مصدر بنالیا گیا ہو اور پنجاب میں بالعموم استعمال ہوتا ہے۔

عربی " والدہ " کے اتحاد سے ایک نیا لفظ " مالدہ " بمعنی والدہ بنا لیا گیا ہے ۔ اسی طرح فارسی و عربی الفاظ کو توڑا مروڑا گیا ہے ۔ مثلاً دلداری کو دلداوری اور سہل کو سہیلا بنا لیا ہے ۔

اسما و افعال میں اکثر اوقات لام کو راء مہملہ کے ساتھ بدل دیا ہے مثلاً :۔ جرنا = جلنا ، جارا = جالا بمعنی جلایا (حسد کی آگ نے جارا مرا انگ ، دکنی زبان میں جالنا رائج ہے ۔ کاری = کالی ، بادر = بادل ، دواری = دیوالی ، دیورے = دولے ، بوری = باولی ، ہوری = ہولی ، جری = جلی ، پہور = پہول ، مارا = مالا ، گر = گل = گلا ،

ضمیریں

تیں ، تو ، تجھ ، تہاری ، تم ، تمن ، تری ، تے ہیں ، مجھ ، ہم ، ہمن ، تجھ باج = تیرے بغیر ، لیا مجھ گھیر = مجھے گھیر لیا ، مجھ غمرسی کوں = میری غمرسی کو ،

حروف جارہ و استفہام وغیرہ

سیتی = سے ، منیں = میں ، کہا = کیا ، کت = کدہر (کہاں کرے کہو کت جائیے رہے ، کہوں = کہیں ، نیں = نے ، لگ = تک ، کانسوں = کس سے ، ایتا = اتنا ، پاچھے = پیچھے ، پا = پاس ، نانہ = نا = نہ ، کو = کوئی ، نال = ساتھ (پیا کے نال[1] بیٹھی سارین رے ، کاہے = کیلئے ، اجھوں = اب بہی ، کاہو = کاہے کو ،

---

[1] غالباً کاتب کا تصرف ہے ۔ کیونکہ نال کا رواج صرف پنجاب کے ساتھ مخصوص ہے ۔

افعال

ہمن چلت ہیں = ہم چلتے ہیں ' لویاں چلت ہیں = لوئیں چلتی ہیں '
آوتا ہے = آتا ہے ' شرماوتا ہے = شرماتا ہے '
گاوتی ہیں = گاتی ہیں ' آوتی ہیں = آتی ہیں '
پوکارت دادرو = مینڈک پکارتے ہیں ' دوکھ بھرت ہوں = دُکھ بھرتا ہوں
بن بن ہرت ہوں = جنگل جنگل تلاش کرتا ہوں ' آون نکینا = آنا نکیا
= نہیں آیا ' لکھہ ندینا = لکھ نہیں دیا ' مَیں کروں تہی = میں کرتی تھی '
پہی ہوں = ہوئی ہوں ' لاگا = لگا ' ڈنک لایا = ڈنک لگا یا یعنی
ڈنک مارا ' چرا = چڑھا ' بجا مارو نگارا = نقارہ بجا دو '
جہنگر جنگاڑا = جھینگر بولا ' گاجے = گرجے ' دستا = دِکھتا '
لوکاکر = چھپا کر ' مَیں ڈرتی پڑوں تھی = میں پڑی ڈرتی تھی '
الکھ جگانا = خدا کے نام پر بھیک مانگنا ' ناوڑی = پہونچی '
برجی نا رہی = منع کرنے پر نمانی ' سمجھائے کے = سمجھا کر '
لااو = لاؤ ' جلااو = جلاؤ ' گئی بال = جلا گئی ' چہاڈ = چھوڑ
اور چھوڑ کر ' ہنسن کہیلن = ہنسنے کھیلنے کو ' دیوں = دوں '
چھاڈو = چھوڑو ' آوو = آؤ ' تم سوکھ کرت ہیں = تم آرام کرتے
ہو ' پیا کی بات دیکھن = پیا کی بات دیکھنے کو '

اسماء وغیرہ

کاگت = کاغذ ' دھوئیں = دھونی ' بیکہہ = لباس ' اندیشار (بانون
غنہ) = اندیشہ ' پہورن = پہنوار ' بات = راستہ ' بیاکل = بیکل '

نمانی = خستہ و عاجز، مرم = راز، نس = رات، دیہہ = جسم، بھمن = برہمن، ناو = بانسری، دلداوری = دلداری (ذکر سازو فکر کچھ دلداوریکا)، ابس = عبث، سوہیلا = سہل، آسیو نکے = آنسوؤنکے، تونگاں = جمع تنگ (لمبی اور سکڑی گردن کا برتن)، بالم - سجن - کنت = شوہر و معشوق، مندر = گھر، اودو = سہیلی، دوتیاں = کٹنیاں اور شرانگیز عورتیں، وس = بس، سونہہ = سوگند نقل، عہد، صبر اور زہر بتحریک دوم، کرم بتسکین دوم، ماؤ = ماں (مجھے کا ہو جنی تھی ماو میری) جان اور دارو مذکر آئے ہیں، اگن غم سوں = آتش غم سے،

اِن مراتب کے بعد بکٹ کہانی ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے:—

دوازدہ ماھہ محمد افضل

سنوں سکھیو بکٹ میری کہانی — پھٹی[1] ہوں عشق کے غم سوں نمانی
نہ مجکو سوکھ دن نا نیند راتا — برہوں کی آگ سیں سینہ جراتا
تمامی لوک مجھ بوڑی[2] کہیں ری — خرد کم کردہ و مجنوں کہیں ری
نہیں اس درد کا دارو کسی کن — پھہئے حیراں سبھی حکما، ذوفن
اری جس شخص کو یہ دیو لاگا — سیاناں دیکھ اوسکوں دور بھاگا
اری یہ ناگ جسکوں ڈنگ لاوے — نپاوے کا ورو جیورا کوا وے
اری یہ عشق ہے یا کیا بلا ہے — کہ جسکی آگ میں سبھ جگ جلا ہے
کہ جسکے بیچ یہہ آتش پری رے — وہی دن رین سلکت ہی سری رے

---

[1] بھئی [2] باولی،

وہی جانے کہ جسکے تن لگی ہے — برہو نکی آگ تن من میں دگی ہے
بوائیکی نہیں جس شخص کو پیر — چہ داند درد دیگر را ارسے بیر
پہئی بوڑ[1]ی برہوں بیراک سہتی — جلے جیورا مرانت آگ سیتی
چہ سازم چوں کنم کس کن پوکاروں — جتن کیا عشق کے غم کا بچاروں
نہیں یکدم مجھے دن رین میں چین — اندھیری ہو چلی رووت مری نین
جنوں در ملک جاں جہنڈا گدایا — سمجھ ار بوجہہ کا تہانا او تہایا
اوتہا کر کہر منیں دہوش مچاہی — متاع صبر تسکیں دل لوتاہی
کیا مجھ دستگیر آں شاہ بیداد — چہ سازم چوں کنم فریاد فریاد
پیا لا حسن کی مے کا پلایا — کیا بیخود مجھے مجھ سوں بہولایا
گدا ہوکر بہروں کہر کہر و بازار — کبہو ہووے کہ پانوں بہیکہ[2] دیدار
بہت مدت کہی کرتے گداہی — پیا کے وصل کی تب بہیکہ[2] پاہی
پیا نے کر پکڑ کر سوں لگا ہی — تمامی آگ تن من کی بوجہائی
چو شد مدت پیا کے سنگ رہتی — مروم بایکدگر سنتی و کہتی
جو حیلہ عشقتی برمن او تپایا — فلک دشمن مری پیچہ[3] لگایا
مرا سوکہ دیکھ اوسکوں حسرت اہی — نہادہ بر دلم داغ جدائی
بکت قصہ نہایت مشکل کہانی — دیوانی کی سنوں سکہیو کہانی
ملن پاچہی بچہڑناں[3] بہی کہتن ہی — کہو اب زندگی کا کیا جتن ہی

ساون

چڑا[4] ساون بجا مارو نکارا[5] — سجن بن کون ہی ساتھی ہمارا

---

[1] باولی، [2] بہیک، [3] پیچھے، [4] چڑہا، [5] نقارہ،

کہتا کاری اودمد چہاتی سون آہی
برہونکی فوج پرکینی چڑہ آہی

پپیہا پیہ پیہ نس دن پوکارا
پوکارت داد رو چینکہر چینکارا

اری جب کوک کویل نین سوتا ہی
تمامی تن بدن میں آگ لاہی

اندھیری رین جگنوں جگ مگاتا
اری جلتی اوپر تین کیا جلاتا

سونی جب مور کی آواز بن سون
شکیب از دل شدہ آرام تن سون

پہئی جل تہل پیا سرسبز عالم
نہیں جز وصل کا سوکا نہ عالم

ہندولی جہولتی سب نار یہ سنک
حسد کی آگ نی جارا مرا انگ

چلا ساون دکر ساجن نہ آہی
اری کن سوکنی تو نی چلا ہی

بہادوں

سکہی بہادوں تپت ہوتی بریری
تمامی تن بدن میرا جری ری

سبہ بادر چہارون اور چہامین
لیا مجہہ کہیر پیہ اجہوں نیائیں

بہورن پہن نکی اور رآعد گرجا
تمامی تن بدن جیو جان لرجا

کہتا کاری کی اندر بیچ چمکی
جری جہورا اکن سون دیہہ لرجی

اکیلی دیکھ نس کاری ڈراوی
تمامی رین دن برہوں ستاوی

پیا پردیس جا ہمکوں بسارا
نجانوں کیا کنہ دیکہا ہمارا

کہتا گھمکی اودمد چہاتی سون آہی
اری دو نین نین برکہا لگاہی

اری نس دن بتاؤ پوچہہ ہاری
خبر پیہ کی نیا ہی ہای ہاری

جری پوتہی بہن سب مرگئی ری
پہی کب کاک او دوتہک ہی ری

کہو پیہ کی خبر پوچھوں کسے جای
لکھوں پتیاں کسی دیوں ہای ہای

۱؎ چڑہائی ۲؎ پیہ ۳؎ رعد ۴؎ لرزا

خدا را ای صبا ہیں حال میرا ۔ پیا کوں کہو کہ کری تک ایک پیرا
دہل رحلت کا پہادوں نے بجایا ۔ اجہوں لک ساورا پردیس چہایا

اسوج

سنوں سکہیو کہ رُت آسوج آہی ۔ پیارے کی خبر اب لک نیا ہی
کہو کیسی جیوں یہہ پاجہ ناری ۔ جنہی روتی گئی ہی عمر ساری
لکھوں پتیاں ارے اے کاک لیجا ۔ سلونی سانوری سندر پیا پا
کنا کت جب پیارا پیہہ آوی ۔ توجہی دیکہی مہر کرکی بولاوی
سلام از طرف ایں غمخوار کیجو ۔ پکن کوں پرس پاتی ناتہہ دیجو
اری یہ کاک باتیں سو کہہ نمانی ۔ مرم دل دردمندونکا سنجانی
پیا بن سیج ری ناگن پہی ری ۔ ہمن کہیان کی سب سو وہ بوڈہی سی
دہشترا پوجنی کہر کہر سکہی ری ۔ کرم میری بجانوں کیا پری ری
اری سبزک پیا کے باغ جاکر ۔ اپسکوں بیوفا سہتی لوکا کر
کہو ای سنگدل تب مکہہ دکہایوں ۔ تیری مکہہ سے اگر اک قول پاؤں
کہ گہر جا برہنی کوں گل لگا وو ۔ پکر بہیاں پلنگ اوپر تہبا وو
کہ تیری برہوں سیں دن رین روکی ۔ بغم سہہ جو بنا تجہہ باجہہ کہووے
تم اوراں سیں پیاری سو کہ کرتے ہیں ۔ ہمن سی برہنی سو دو کہہ بہرتے ہیں
دیا پردیس جا سوکن تہیں راج ۔ پہولایا کہر نہیں تجہہ نین میں لاج
توجہی ای سنگدل کیسی پری چین ۔ جری جت آہ سوں جل تہل دہاویں
اری ظالم نداری خوف رب کا ۔ قیامت ہی کہری کر فکر تب کا

۱؎ کہو، ۲؎ دہرو، ۳؎ خودکو،

دراکرنوں نہ آہ درد منداں — کہ می سوز دزآہش سنگ و سندان
سکہی اس سوچ میں سبہہ عمر جاتی — سبہو سیں غم پیاری کا سناتی
کہ ہووے جاگئے کوہی اس سجن سوں — سنی دل سون کبہی دیکہی ہمن کون
سکہی آسوج رت چلتی رہی ری — پیا بن برہنی جلتی رہی ری

کاتک

کیا اسوج کاتک ماس آیا — سلونی سیام کون پردیس بہایا
کئی برسات اب بادل[1] کہی سبہہ — نہیں جانوں کہ ساجن پہر ملی کب
پہی مجہہ سیج پیہہ بن ناگنی ری — ستاوی دوسری نس چاندنی ری
پہیا چاندن پیا سنک ناریاں کون — پہیا سیناں ہمن سی زاریاں کون
دوارٹی[2] چارہی کہر کہر و بازار — پہی گلزار راکئی دیوری بال
کناری لک رہی پیہہ بن اکیلی — بنی ہی زندگی مجہہ پر دو ہیلی
اری اس درد میں سری پہئی پہی — تمامی دیہہ برہوں نی دہی ری
سکہی یہ درد دوکہہ کانسوں کہوں[3] جای — نہ کسی جیو مرون بس کہای ری ہاے
کہی سو وہ بودہ پہی بوری نہیں چپ — دو کہاسر آہ سون رووت گئی نین
اری ای جوتسی تم سانچ بولو — ملی مجہہ سوں بدیسی سیام کو لو
بہن پوتہی دیکہی پہر کو جہہ تپایا — اری میں پوچہہ دونا دوکہہ بڑہایا
پہی بوری نہ پوچہوں اب کسی کون — نہیں دستا کوئی مجہہ غم رسی کون
کہا کریئی کہو کت جایئی ری — لکہا اپنی کرم کا پائی ری

---

[1] بادل [2] دوالی چہارہی ، [3] یعنی دکہتا ، پنجاب کیساتہ مخصوص نہیں ہی بلکہ قدیم اردو اور برج بہاکا میں بھی ملتا ہے - راجستانی میں آج بہی "دسنا اور دیکنا" بولتے ہیں ۔

نجانوں یہ جدا کب لگ رہی کا   نکس جیو کب تلک یہ دوکہ سہی کا ۰

گھر

سکھی انگن ستاون ماس آیا   سجن آئی نہ کاکت ہی پہتا یا
پپہیا موسم خنک سبزی پہی ری   اجوں سو غم اکن تن مون رتی ہی
پہروں بیا کل نہیں مجہہ چین یکدم   او تہوں بیتوں چڑوں ماڑی پہر دم
پیا کی بات نس دن دیکہہ ہاری   گئی بورای اکھیاں ز انتظاری
کہ دلکی وا کرستہہ سوں چہوٹ گئی ہی   سبھی سودہ بودہ ہماری لٹ گئی ری
نصیحت کب تلک مجہہ کون کہوری   میری پیچھی بنا حق مت پڑوری
اری مجہہ چہاد اپنی کام لاگو   دیوانی دیکہہ مجہہ سوں دور بہاگو
نہ ہم تمری نہ تم ہمری کہا یو   اری سو کہہ آپنی کون آگ لاؤ
نصیحت کر مجہی کا ہی جلاؤ   کرو کچہہ فکر پیاری کون ملاؤ
نہیں توں دل میرے یوں آوتا ہے   یہی سبہہ عاشقاں کو بہاوتا ہے
کروں کنتہا اری سب چیر پہاروں   سبہی میں پیکھہ جو کنکا سواروں
دہوئیں اروں پیا کی دیس جا کر   ہزاران نا و نالہ کی بجا کر
الکھہ جا دلربا کی در جگاؤن   پیاری کی درسکی بیکہہ پاؤن
پیا بن ایکلی کیسی رہوں ری   غم اوپر غم کہو کیسی سہوں سی
سکھی یہ ماس یک لکھہ ماس بیتا   بدیسی سیام نی پیرا نہ کیتا

پوہ

اکن دو دکہہ دی کیا اب پوس آیا   پیاری نی مجہی دلسوں بہولا یا

لہ کوٹھے پر   ٹہ بیس ؛

پڑی پالا کڑی تہر تہر مری دیہہ — سکہی کس بدکہڑی لاکا مرا نیہہ
کریں عشرت پیا سنگ ناریاں سب — نہیں کانپوں اکیلی ہائی یا رب
پہیا تن کو یلا جلبل پیا بن — پہئی نس ماس مجہہ سر سال شدون
نہیں اس ماس موں مجہہ جیو کی آس — کہو یہہ کون پکاروں جائے کس پاس
برہوں نی آہی چار آ اور گہیری — مجہی کا ہی جنی تہی ماؤ میری
کیا غم نی بجا نم آہی دیرا — کہنا میری کہو پیا پا سویرا
وگرنہ جان ز تن چلتا رہیگا — اگن غمسوں جگر جلتا رہیگا
اجی ملاں میرا ٹک حال دیکھو — پیاریکی ملن کی فال دیکھو
سنو سیانوں تمہیں تو ٹنا کروری — پیا کی وصل کی دعوت پہر ؤری
تمہارا مجہہ اوپرا احسان ہوکا — کویا . . . . جیوان ہوکا
سکہی میں پوچہ دیکہی سبہہ سیانی — پہئی اس فکر موں مجنوں دیوانی
چلا پوس ای سکہی لاہی بوہت ہاتہ — نسوہی سیج پر دلدار کی ساتہہ

ماگہہ

ہزاراں درد دوکہہ دی یوس بیتا — کہو کیا اب مکانش ماکہہ لیتا
نمیدانم کہ با من کیا کرے گا — نہیں ایسا کہ ساہیں سوں دیکا
اری اس ماس اپنا مولیا ری — مجہی غم کی اگن از نولیا ری
سکہی سبہہ ہی کہیں بوری دیوانی — سنوں دن رین کی میری کہانی
پہروں بوری بزوری درد دلدار — میان کوچہ وصحرا و بازار
چو شب شد چنگ قامت کا بناؤں — اری میں آسیونکی تار لاؤں

سلہ ٹوٹکا ، سلہ پڑ ہورہے ،

خیال او نشانم پیش دیدہ | سراپم دردِ جانِ غم کشیدہ
اری ظالم تو جھے بہایا بد یسا | مجھی ہی رین دن تیرا اندیشا
ایسا پردیس جا دل تنگ نکیجی | بجز برہن کسی کو دوکھہ ندیجی
کہ دلدارا بحالِ من نظر کن | سلیماں وار بر موری نظر کن
بہت مدت ہوہی آون نکینا | نکاکت ہی کسیکوں لکھہ ندینا
کیا سبھہ جوبناں ہیہات ہیہات | نپوچھی یکدو از من آنکی بات
جو جانے تہا کر یکا بیو فا ہی | کری تہا کیوں ہمن سوں آشنا ہی
کہی سو جانتہ اب آو کہر ری | اری ظالم خدا کا خوف کر ری
جو ایسا جانہی تو من نہ لیجئی | کپٹ کر پریت نچی سون نکیجی (کذا)
سکھی ن یوں کیا نس یوں بہائی | ہماری پریت لکھنی کچھہ بجائی (کذا)
عہد کر کر کہی اچھوں نیا ہی | اری کس برسہی باتیں لکا ہی
دغا بازی مسافر سوں نہ کیجی | جو اِتیا دوکھہ غریباں کون ندیجی
اری دہن پہاگ ری وہن پہاگ تہاری | سدا ہیں پاس ری دلبر تمہاری
تم اپنے لال سوں سبھہ سوکھہ کرت ہو | ہمن سکے کام موں دہیرج دہرت ہو
اری تکوں نہیں کو جہہ فکر میرا | مجھی چیادو کرو ہو کیوں نکھیرا
جہاں جاناں بسی اوس دیس جا اون | اری یہ آنک تمن کی بوجہا اون
اکر غم ہی تمی میری اکن کا | کرو کچھہ فکر پیاری کی ملن کا
سکھی پہتہ ہی پیا بن زندگی ری | کہی کو ہی پیا سوں بند کی ری

پھاگن

کیا جب ماگھہ پہاکن ماس آیا | سکھی ہی ہی پیا اس رت نیا یا

لہ تیاتے دے، ۵ ڈھیر،

اری او دوسنوں یہ دردمن سون   کہوتک جائے پردیسی سجن سون

کہی برہن کہ پپاکن پاس آیا   سبہوں نی روپ رنکا رنک بنایا

چلی پن تن سبہی آپنی مندر سوں   کہ کہیلی پہاک جا آپنی سندر سون

مزعفر چونری سبہہ نی رنکا ہی   سبہونی کہہ منی مانکاں پہرا ہی

بچشم سیاہ سرمہ سیاہ داڑہی   تبسم کر لب از دندان اوکہاری

بدنداں ہر یکی مسی جمائی   کریں کیا کوجہہ نہیں ہوتی پرا ہی

عجائب بن رہا مکہہ پر یہ خال   کلی بدہنی پتی در پائی خلخال

مژہ چوں تیر وار ابرو کماں کج   ستاوہ ہر یکی باشان دیا سج

نکہیاں کنج خوبیکی دو ناکن   تلکہتی مکہہ اوپر کجکا ہ ساجن

اکر وہ ناک جسکوں دنک لاوی   زہر اسکی قیامت تک بجاوی

اکر زاہد رود در کوہی انیشان   وکر سازد نکاہی سوی ایشان

سنی سبہہ ہر طرف جہوین کی چنکار   دیکہی اپہرن پرن سون ساتہہ سینکار

رود ہوشش شود مست سرشار   توری تسبیح نہد بر کتف زنار

ساونی ساوری اندر سبزکوری   سبہی کہیلی پیا اپنی سون ہوری

پہری رنکانکی تونکاں ہاتہہ سبہکی   ہتی پچکاریاں ہیں ہاتہ سبہکی

کولال اندر پہریں ہیں لعل نیاری   بجاوی دف پیا کی ساتہہ ساری

کہوں دہولک کہوں مردنک باجی   کہوں سرمنڈلا اور تونر کاجی

پہریں جنکل ابیرونکی اودا وین   کریں خوشحالیاں چہریں چہراوین

اپس موں وہری غزلان ستاویں   عجائب سوریاں کاویں کواویں

پڑی ہی دہوم کہنی موں نیاوی   حسد کی آگ میرا تن جلا دی

له ذالیه [illegible]

تو دل میں ہی رہتی مرجہای تم بن ہزاراں برس جاتی مجھہ اوپر دن
اری بالم تیری پانوں پڑوں رتی دل و جان تجھہ اوپر قربان کروں سی
تیری باندگی باندی ہو رہوں کی جو مجھکوں کو چہ تنہا دیکا سہوں کی
کبھی کا سو کرونگی آو گھر ری کمہ اپناں تک مجھے کہلاوای ری
تمیدانم چہ شد از من خطا ہی کہ تا امروز تم اچھوں نیا ہی
پیا تجھہ بن نمانی ہو رہی ہوں نمانی چہ دیوانی ہو رہی ہوں
وگرنہ جان ز تن جلتا رہیگا عبس توں . . . . . .
خدا کی سوتہہ بڑ ودی زود آوو کرم کر کی گلی سوں گل لگا وو
اری گھر آو جلن میری بجھادو کہتا میری سنو اپنی سنا وو
اری او دو کہا تنک دکھہ کہوں ری نہیں اور کی مجھی کب لک بکوں ری
تمیں تک کرم کر سمجھا ہی کہیو پکن پر سیں دہر کر لاہی کہیو
کہ بیجان ہو رہی ہی جا خبر لی مت اپنی توں نمانی کا صبر لی
سکھی اودو کوں سبہہ قصہ سنایا نپٹ سمجھا کی دو گھرا جتایا
نمانی ہوں کہو کیا جتن کیجی اری اپنی کرم کون دوس دیجی
نقل مشہور ہی جب وقت لوٹی تہیں سبہہ خویش اخواں نیت کہوتی"
ز نعرہ ہجر سبہہ دیہی جری ہی نیاہی کنت کر ہو رہی جری ہی

چیت

سکھی ری چیت رت آہی نواہی اجہوں امید میری بر نیا ہی
بعالم پھولیاں پھولواریاں رہی کری سیاں پیا سنگ ناریاں ری

---

۱ پہنے کا متعدی ہے، ۲ جسم ۳ کرم

رہی ہیں پہور پہولونکی کلی لاک میری سینہ جدائی کا لکا داغ
سکہی یہ رت مجہی ناکن دست ہی پہروں بوری تمامی جک ہست ہی
میری کلموں پری پریم پہاسی (کذا) پہیا مرناں مجہی اور ونکی ہانسی
اری میں عشق سوں ورتی پڑوں تہی نصیحت میں اپن سوں یوں کروں تہی
کہ پنچہی سوں لکن ہرگز نکیجی اری ولدی ہزاراں غم نہ لیجئی
کہ بس نسدن ہوسی چلتا رہیکا سدا غم سوں جکر جلتا رہیکا
جنوں نی دل مسافر سوں لکایا انہوں نے سبہہ جنم روتی کوایا
اری یہ نین برجی نار ہی رہی مجہی سنکلی پرا ہی بس پرہی ری
پرا ہی سنک لی چلتی رہی ری . . . . جلتی رہی ری
بہ بیپ حالم صبا بہری خدا ری پیا کون جا سنا پاتی ہما ری
کہ تجہکوں لاج جلکی کو چہپنیا ہی کرت ہیں لسوں ہم سین بیوفا ہی
اگر باشد خطا ہم بخشش لیجو خبر میری سویرا آء دیجو
اری یہ چیت رت جلتی رہی ری تمی بن برہنی جلتی رہی ری

بیساکھ

سنوں پیسا کہہ ماس آیا سکہی ری کرم میری بجاتوں کیا لکہی ری
نہایت درد دوکہ ہم[٢] نا یبی ری غم ہجراں مجہی ہردم دہی ری
اری اجان[٣] میں کہا یا دغا ری کہ تجہہ سے سنک[٤] لکیں دل دیا ری

---

[١] میر حسن نے اس شعر کو یوں لکہا ہے :-

پڑی ہے گل میں میرے بیم پہانسی مرن اپنا ہے اور لوگونکی ہانسی

[٢] سنک بیکر، [٣] ہمنے ، [٤] نا دانستہ ،

سجن اب آو کہر کی لاج کر ری — مردں ہوں ورغمت تک لاو کر ری (کذا)
میری جیو کا پہروسا دم نہ کیجو — شتابی آ کی دیدار دیجو
کہاں ساون کہاں پہادوں کہاں ہی — ملوتک آ ی یہ فانی جہاں ہی
ہماری یہہ اجہون کہرناوری ری — اری کن دوتیانکی وس پریری
سکہی کیسی سکہی رہی پیہہ نیایا — کویل نی انب پر چہر شور لایا
اری اس ماس سہہ عشرت کرنیری — ہمن سی خوار سرکرداں پہریں ری
پہیا انند سوکہہ در جملہ عالم — پیاین بر خدا معلوم حالم
میرا سوکہرا پیا کی سنک کیاری — تنم بیخواب خور پیرا پہاری
کہی کو اوکہتا میری سجن سون — یلی اکر چہوتی جانم جلن سون

جیٹھ

لوکاں ایہہ جہہ اب ہویاں پریری — ہمن حیران سرکردان پہریں ری
ہمن یوں اک غمگی موں جلت ہیں — ضمیمہ دوسرا لویاں چلت ہیں
بسایہ تخت اوپر ناریاں ری — پیا کی نال بیتہی ساسیاں ری
علاوہ دوسرا چہرکا و کیجئی — فراشی بادکش کی باد لیجئی
جنہوں کی ہیں سکہی اس رت پیا کہر — انہونکوں سرد خانہ ہیں میسّر
ہماری پانوںکی دہوپ برسر — پہروں ہوں ورتی پیہہ پاچہہ در در
دوپہری تہیک ہیں کیا دوکہہ پہرتی ہوں — پیا کی جست جوبن بن سرتی ہوں
پہپولی سراوپر چہالی پکوں موں — بہی لوہو چہ ہی ساری بدن موں
اری اس لاکتی پہتا چہکا ہی — پیا کی جستجو میں اب تہکا ہی

سلہ پہرتی ہوں،

دوتہن بیتین کی طاقت نان ہی ری — نجانوں جان بتن کب تک سہی ہی
اری ای مک تیری لیون بلیان — بیرجاں از تنم بہری کو سیاں
سکہی رسی جا کہی کو دلربا سوں — ستمگر بیوفا سوں پرجفا سوں
تمامی درد دوکہہ اس باوریکا — کہ سازد فکر کچہہ دل داوریکا
کہ باراں ماس میں روتی کو اہی — اری ظالم کہو تم کیوں نیا ہی
تیری غم نے نپت ہمکوں ڈہاعی — سکتا جیو لبوں پر آہلا ہی
غمت کرجان زتن باہر کریکا — کہو یہ خون کسکی گل پریکا
جو آپنی عاقبت کی خیر چاہو — ہ رخ جان بخش اپنی کون دکہا ہو
والا اختیار تست تودان — بگیرم دامنت را پیش یزدان

آسہار

سنوں آسہار ماس آیا سکہی ری — نرم میری نجا تو بن کیا لکہی ری
سنوں رسی بین کی میری کہانی — کمر کون مورکر بیتہی نمانی
پیا کی چاہ نی غلبہ کیسا رنی — نئی سرسوں ہمکنوں تو کہہ دیا ری
زدیدہ اشک افشاندن گرفتم — حدیث دوست را خواندن گرفتم
نمیدم ہیچکس را یار غمخوار — بجز حق خواستم نزد وصل دلدار
علاج کن خدایا نزد و ما را — بکن کلر یک روہی[1] زرد ما را
بجز درگاہ تو دیگر پناہ ہم — نبود و نیست نبود بار کاہم
بمقصودم رساں باجان سلامت — بروں آرم زاندوہ ملامت
جمال رحمت خود کن وصالم — بروں آور زدین کنج ملالم

---

[1] روئے

سکھی میں سو کبھی اندر مناجات
کشادہ شد ہمہ ابواب حاجات
چہ می بینم کہ منگل گاوتی ہیں
میری کہرناریاں سبہہ اوتی ہیں
بدی دیوان موں ہی شمع سوزاں
بنی ہی روشنی ساری مندرماں
یکایک اکہہ میری کہولگئی سی
ندیکہا کو جبہہ اری حیران میتی ری
مینی تعبیر اسکی یوں بنائی
کہ آخر گشت ایام جدائی
سکہی یہہ بات سن شادی بہی ری
پیا کی بات دیکہن میں کہی ری
چہ می بینم لٹکتا آوتا ہی
بجن ماہ را شرماوتا ہی
بحمداللہ رہا جیو یار پایا
تمامی عمر کا دوکہرا بہولایا
چہ خوشوقتی و خورم روزکاری
کہ یاری برخورد از وصل یاری
اری میں دور کر اپنی بری جای
پیانی پکر کر لینی کلی لائی
برافروزد چراغ آشنائی
رہا ہی باید از داغ جدائی

. . . .

اری ای بوالہوس یہہ عشق بازی
نجانوں چوپر و شطرنج بازی
اری آسان نجانوں عشق کرنا
تمن اس اک موں ہرگز نسرنا
ہماری بات یوں ہانسی نجانو ن
محبت خالہ و ماسی نجانو ن
اگر سبہہ عیش عشرت کون تجوری
پیا کا نام تب من موں بہجوری
و الا کیوں بنا حق دوکہہ بہرتا ہو
اپس کیوں مرگ غم موں کیوں پتاہو
درین رہ نیم دم آسودگی نیست
بجز اندوہ و غم پالودگی نیست
اری یہ عشق کا پنیڈا ابکٹ ہی
نپٹ مشکل نپٹ مشکل نپٹ ہی
اری میں اولاً جاتاں سوہیلا
پہیا ہی یکقدم مجہہ پر دوہیلا

---

۱ جہومتا جہاتا ۲ پانو ۳ سنجلنا ۴ عبث

تمامی روز شب جب سر دو کھایا　　عجائب صندلی تب یار پایا
اگر بر دار باشی ہمچو منصور　　نباشی از در دلدار مہجور
خموش افضل ازین مشکل کہانی　　کسونی حد اس دوکھہ کی نجانی
بیاد دلربا خوشحال میباش
کہی افضل کہی کوپال میباش

پروفیسر محمود شیرانی

پنجاب میں صحافت کی تاریخ جب لکھی جائے گی تو اسمیں رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ذکر ضرور عزت سے کیا جائیگا ۔ کیونکہ اس علمی رسالہ نے آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے اُردو میں ہر قسم کے مفید مضامین شائع کرنے کا اہتمام کیا اور اسکے نامہ نگاروں میں گذشتہ صدی کے بعض بہترین مصنفین اُردو کے نام نظر آتے ہیں ۔ مثلاً سر سیّد احمد خاں ۔ مولوی محمد حسین آزاد ۔ مولانا حالی ۔ اس رسالہ کی جلد بابت ۱۸۷۷ء جو میرے سامنے ہے ۔ اس سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ ان بزرگوں کے مضامین کہیں اور سے منقول ہیں گو اس سے قطعی طور پر یہ بھی ثابت نہیں ہوتا ہے کہ یہ مضامین براہ راست اس رسالہ کو موصول ہوئے تھے ۔

بجز مضامین آزاد کے کہ مولانا کے نام کو جنوری ۱۸۷۶ء کے رسالہ میں (صفحہ ۲۶ پر) اس رسالہ کے شائع کرنے والی انجمن مفید عام کے شعبۂ اشاعت علوم کے ممبروں میں درج کیا ہے ۔

اسی رسالہ کے صفحہ ۲۳ پر ۱۸۷۶ء کے شائع شدہ مضامین کی فہرست درج ہے اسمیں مولانا آزاد کے مضامین ذیل شامل ہیں :— راجہ بیربر (اگست کے رسالہ میں) ' احوال خانخاناں (مئی کے رسالہ میں)

اس فہرست سے یہ دلچسپ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا نے دربار اکبری کے ارکین کے سوانح کا مطالعہ ۱۸۷۶ء میں شروع کر دیا تھا اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا

(ایڈیٹر)

مثنوی گلستانِ خیال

در وصفِ اورنگ آباد

(از خالص استرآبادی)

سید حسین[1] خاں خالص اورنگ زیب کے زمانہ میں ایران[2] سے ہندوستان آیا۔ حزین نے تذکرۃ المعاصرین[3] میں لکھا ہے کہ وہ میرزا باقر وزیر قوچی کا بھائی تھا۔ مگر آزاد[4] کے نزدیک میرزا باقر سید حسین کا باپ تھا۔ میرزا باقر کی وفات کے بعد سید حسین نے ہندوستان کا رُخ کیا اور دکن پہنچا۔ اورنگ زیب اسوقت دکن میں تھا۔ وہاں پہنچکر وہ ملازمان سلطانی میں داخل ہوا۔ اور اکثر وقت اس کا وہیں گزرا۔ جب وہ عظیم آباد پٹنہ کا دیوان مقرر ہوا تو اسکو امتیاز خاں خطاب ملا۔ اس زمانہ میں اسنے بہت دولت پیدا کی۔ بہادر شاہ تخت نشین ہوا۔ تو یہ میر آخور پادشاہی بنایا[5] گیا اسی عہد میں اسنے واپسی ایران کا قصد کیا۔ لاکھوں روپیہ (جواہرات اور پارچات اور نقد کی صورت میں) ہمراہ لیکر بھکر سے ہوتا ہوا سیوستان پہنچا۔ وہاں اسکا ایک عزیز نائب خدمات تھا۔ اسنے اپنی حویلی میں ٹھہرایا سیوستان

---

[1] خالص کا مفصل ترین حال سرو آزاد (ص۱۳۹) میں ہے۔ مگر ذیل کے ماخذ بھی مفید ہیں:۔ سپرنگر کی فہرست اودھ (ص۱۱۱ و ص۱۳۱ و ص۱۴۷ و ص۱۵۱ و ص۴۶۰) منتخب الاشعار مبتلا - مخزن الغرایب - تذکرہ سرخوش اور فہرستیں جنکا ذکر حواشی میں آیا ہے [2] مبتلا نے خالص کو مشہدی لکھا ہے - آزاد نے صفاہانی اور پنجاب یونیورسٹی کے ایک مجموعہ خطی میں جسکا ذکر آگے آتا ہے اسکو استرآبادی بتایا ہے [3] سپرنگر ص۱۱۱ ، [4] سرو آزاد ص۱۳۹ ،

[5] فہرست مخطوطات فارسی بہ دیوان ہند ص۱۶۷۲ ،

اسوقت خدایارخاں عباسی کے قبضہ میں تھا جو حکومت دہلی سے خود سر ہو کر ایک مدت سے سندھ پر متصرف ہو چکا تھا۔ سید حسین کے اموال کی اطلاع ملنے پر خدایارخاں نے سید حسین کو سیوستان ہی میں حیلہ سے قتل کروادیا۔ یہ واقعہ ۱۱۲۲ھ میں پیش آیا۔

خالص نے ایک مختصر سا دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ مبتلا نے اس کے اشعار کی تعداد تین ہزار بتائی ہے۔ دیوان کے نسخے بانکی پور۔ انڈیا آفس اور برلین میں ہیں۔ سپرنگر نے موتی محل میں اسکے دو نسخے دیکھے تھے۔

آزاد نے خالص کا دیوان دیکھا تھا اور اسکے کلام کی نسبت یہ رائے لکھی ہے "صاف گو ست "تلاشہا ہم دارد" سرخوش کہتا ہے" دیوانی مختصر بطور قدما دارد۔ این بیت مشہور قوالان در ترانہا بستند۔ می دانستم کہ شعر قدیم است۔ در دیوانش بر آمدہ ؎

غبار راہ گشتم سرمہ گشتم توتیا گشتم — بچندین رنگ گشتم تا بچشمت آشنا گشتم

بہر صورت کہ گردیدم بہ بزم راہ در کویش — نوای بلبل و بوی گل و باد صبا گشتم

خالص نے کچھ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ انہیں سے طویل ترین مثنوی یہی گلستانِ خیال ہے۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

یہ مثنوی شاعر نے اورنگ آباد اور اسکے شاہی محل اور باغات کی تعریف میں لکھی ہے۔ اس مثنوی کے مطالب کے سمجھنے میں ذیل کی سطور جو اورنگ آباد گزیٹیر کے بیانات

---

۱ مآثر الامرا ۱: ۸۲۶ ۲ فہرست ج ۳ ص ۱۸۱ ۳ فہرست برزہ ۱۶۷ ۴ فہرست ص ۹۳۴

۵ سرو آزاد ص ۱۴۰ ۶ سپرنگر ص ۲۶۱ ۷ یہ مثنویاں انڈیا آفس کے نسخوں میں نہیں ہیں گو موتی محل کے نسخوں میں تھیں۔ البتہ پرٹش (ص ۶۹۰) نے برلین کے ایک جنگ کا ذکر کیا ہے جسکا نام گلشن عشق ہے۔ اسمیں فرج بعد شدت کے نام سے ایک مثنوی خالص کی دی گئی ہے۔ گلستان خیال کا متن پنجاب یونیورسٹی کے ایک خطی مجموعہ سے لیا گیا ہے۔ جہاں اسکی ایک مثنوی اور بھی دی ہے ۔ ۸ ۸۱۲ ببعد

ہی ہیں مدد دیں گی -

اورنگ آباد گندہ ندی کے کنارے (جو شہر کی مغربی دیواروں کے ساتھ بہتی ہے) وادی دودھنہ میں واقع ہے
کے شمال میں لکنواڑہ اور جنوب میں ستارہ کی پہاڑیاں ہیں - اس وادی کی اوسط چوڑائی دس میل
. مشرقی جانب سے یہ وادی کھلی ہے - مگر مغرب کی جانب شمالی پہاڑیاں خم کھا کر شہر کی طرف
آئی ہیں - اور ایک حصار اسکے نواح تک چلی آئی ہے - دامن کوہ میں مٹی کم اور زمین سنگلاخ ہے - مگر وادی
درمیانی حصوں میں مٹی گہری اور زمین زرخیز ہے - ۱۶۱۰ء میں ملک عنبر نے اس مقام پر ایک شہر
بسایا تھا جس کا نام پہلے کھڑکی پھر فتح نگر ہوا - ۱۶۳۳ء میں مغلوں نے یہ علاقہ فتح کر لیا -
برس بعد جب اورنگ زیب دوسری مرتبہ یہاں کا حاکم مقرر ہو کر آیا - تو اس نے
نگر کو اپنا دارالحکومت بنا کر اورنگ آباد اسکا نام رکھا اور خجستہ بنیاد بھی اسے کہنے
- اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے بعد ۱۶۹۲ء میں شہر کے شمال کی طرف بڑے
تالاب کے کنارے قلعہ (ارک) میں ایک عالیشان محل تیار کرایا جسکے کھنڈر اب بھی موجود
ہیں -

اورنگ آباد کے چار بڑے دروازے چار سمتوں میں ہیں - شمالی دروازے کو دہلی اور
مغربی دروازہ کو مکی دروازہ کہتے ہیں - قلعہ کی فصیل ان دو دروازوں کے درمیان کے قریباً
تمام رقبے پر حاوی ہے - اورنگ زیب کے زمانے میں شہر کی شمالی دیوار کے مقابل میں سرسبز
ایک بڑا تالاب تھا - محل کے سامنے کا حصہ بادشاہ کے حکم سے پُر کر دیا گیا اور اسمیں کشت کاری
ہونے لگی - اب جو حصہ اس تالاب کا باقی ہے اسکو خضری تلاؤ کہتے ہیں - اور وہ دہلی دروازے
کے سامنے واقع ہے ایک اور تالاب محل شاہی اور مکی دروازے کے درمیان ہے جسے کنول تلاؤ کہتے ہیں -
(اورنگ آباد باغات کے لئے مشہور تھا اور دکن کے بہترین فواکہات یہاں پیدا ہوتے تھے گزیٹیر ص۔۔)

اس مثنوی کا ایک مصرعہ ہے ع چو رقاصان ہندی کردہ تے تے (تتمۂ شعر آخر) جیسا کہ معلوم ہے
ہمیں تے وہی کلمہ ہے جو ساقی نامہ ظہوری (مطبع مصطفائی سنہ ۱۲۷۰ھ) میں اسطرح آیا ہے ؎

بیا آے نوا ساز بہ کردہ تے … زخویشم تہی ساز بردار نے

اور شارح اسے لکھتا ہے: ہندی تتی تہی کہ بر قاصان تعلیم کنند۔

اب ہم مثنوی گلستان خیال کو درج ذیل کرتے ہیں۔

مثنوی

بیا اے دل دمی شکّر فشان شو — چو طوطی بلبل ہندوستان شو
خوشا ہندوستانِ عشرت آباد — کہ آدم را ز جنّت می دہد یاد
چنان شد برشگال فیض تاثیر — کہ می رقصند طاؤسانِ تصویر
بود ہر قطرہ ابر برشگالی — چو مینای شراب پرتگالی
ہوا از سایہ ہای ابر شاداب — بہر گلزار بستہ چادر آب
چمن کردہ برنگِ باغبانان — سبوی غنچہا پرُ آب باران
درختان از ہوای فیض تاثیر — بدوش افگندہ شال سبز کشمیر
نماید ابر ہای باد جولان — چو بر روی ہوا تخت سلیمان
زبیم تر شدن کوہ از سطبری — بدوشش افگندہ بارانی ابری
نماید قطرہای ابر شاداب — بلورین شیشہ ہای پر می ناب
چمن از سبزہای چہرہ پرداز — در آمد چون پر طوطی بہ پرداز
چو روی گلرخان و خط دلکش — دمیدہ دود سبز از روی آتش

ز خوبیہای ہند این خوبیش بس
کہ ہرگز نیست کس را کار باکس

خصوصاً کشور اورنگ آباد — کہ شد از شاہ ہفت اورنگ آباد
شرف بر مصر و بر کشمیر دارد — خطاب از شاہ عالمگیر دارد
نسیمش بسکہ می آید فرحناک — دواند نخل کاغذ ریشہ در خاک
سوادش در نظر از قصر و ایوان — بود چون شہر زرّین سلیمان

بود در دامن هر کوهسارش
شفق زاری بجای لاله زارش

شب از زرین گیاهش کوه دامن
بود مانند کوه طور روشن

خصوصاً لعل آن کوه ستاره
که هر سنگش بود خورشید پاره

بود بیش از ستاره چشمه سارش
ز نهر کهکشان است آبشارش

بصحرایش ز بس گل توده گشته
نماید فیض تل تل پشته پشته

دو تالابش چو دو معشوق همدم
درین موسم یکی گردیده باهم

سخنها گویم از این هر دو تالاب
ز بحرین آورم دُرهای شاداب

درین بحرین دُر باشد همیشه
بغوّاصی فلک را سر بشیشه

دو تالابش چو دو دریای لشکر
شب و روزند باهم در برابر

کشیده موج تیغ آراسته صف
بهر جانب سپر افگنده از کف

ببین در آب صافش هرچه خواهی
که پیدا باشد از مه تا بماهی

درو زیبنده کشتی های رنگین
چو در دریای اخضر ماه و پروین

چه کشتی نقره خنگ آب رفتار
که باشد بر سرش از موج افسار

سواران را بهنگام شتابی
بود خوش راه تر از اسپ آبی

چنین طاؤس آبی کس ندیده
که پیوسته بسر چیزی کشیده

ز گلهای کول باشد نمایان
به برج آب صد خورشید تابان

گل نیلوفرش از عشوه سازی
بود هندی بتی در آب بازی

پی مرغابی انجم بهر شام
بود موج و حبابش دانه و دام

ز شوخی ماهیانش سیم پوشند
ز عکس ماه نو حلقه بگوشند

پی ماهی درین رخشنده تالاب
سپهر از نور مه افگنده قلاب

بود بر دور تالابش نمایان   عمارتها بسان چشم و مژگان
نماید قصر شاهی رو بتالاب   چو عکس چرخ در آئینهٔ آب
بدورش باغهای سایه گستر   چو طوطی بر کنار حوض کوثر
خصوصاً گلشن این روی تالاب   که چون خضر ایستاده بر لب آب
زبس زین باغ عکس گل در آبست   ز خوشبوئی همه دریا گلاب است

سخن در وصف این گلشن سرایم
قلم را سبز چون نرگس نمایم

صباحی دلکشا چون روی دلدار   گل از جام شراب رنگ گلزار
ز شوخی غنچها در عشوه سازی   صبا با شاخ گل در دستبازی
بگلشن غنچه ها از شاد آبی   ز شبنم گشته مینای گلابی
من از نظاره این باغ و بستان   شدم چون بوی گل هر سو پریشان
بدل گفتم کزین مینای شاداب   یکی گلدسته بندم بهر احباب

بنام هر گلش بیتی رسانم
که گل گل طبعها را بشگفانم

گل سرخش که عالم را قبول است   عرق پروردهٔ بوی رسول است
گل رعناش دارد از رسائی   می گلرنگ در جام طلائی
نهال یاسمن از شرم بلبل   کشیده بر سر خود چادر گل
گل زنبق ز دعوی برده اینجا   دماغ خویش را بسیار بالا
ز شوخی نرگسش منظور باغ ست   چمن را روز و شب چشم و چراغست
بدام سنبلش مرغان گرفتار   چو دلها در شکنج طرهٔ یار
بنفشه همچو طفلان دبستان   بصحن بوستان خواند گلستان

گل نیلوفرش پا تا به سر گل | بود چون دلبر پوشیده فرگل
گل آورنگیش از دلربائی | نماید چون سر انگشت حنائی
گل عباسی از بس می کشد جام | کشاید چشم گاهی صبح گه شام
نهال طره از چتر گل زر | بود طاؤس مست جیقه بر سر
شقایق را نگر کز داغ دلکش | بود هندو بتی رفته در آتش
نهال چنبه اش از سر بلندی | شکسته رنگ معشوقان هندی
نهال کیوڑه در صحن بستان | پی دعوی زبان را کرد سوهان
گل داؤدیش باشد بشبها | سپهر باغ را جای ثریا

نهال نازبوها در خیابان
نماید قطعهای خط ریحان

بشیرین میوها چون لب کشایم | قلم را شاخ نیشکر نمایم
نهال تاک او چون صوفی مست | بجای خوشه دارد سبحه در دست
به نخل انبه باید کرد تحسین | که باشد مادر سبزان شیرین
ز نخل کیله اش دلهاست خوشنود | که دایم می پزد حلوای بی دود
ز بس شفتالویش شاداب گردد | ز نامش در دهنها آب گردد
ترنجش همچو شاهان جهاندار | بکف دارد طلای دست افشار
بشاخ سیب پیداست انرگان | چو بر زلف بتان سیب زنخدان
اناریش همچو بازرگان سرمست | بود صد لعل رمانیش در دست
بشاخ بید پیدا خانهٔ زاغ | بود چون بر سر مجنون گل داغ
پی رقص بتان قشقه صندل | دهل بر گردن افگند است کدهل
بشاخ نیشکر طوطی پیاپی | چو رقاصان هندی کرده تی تی

به بسته ترز ریشه تار بر چنگ — که مینا راگ می خواهد بصد رنگ
ز شوق بلبلان نغمه چه چه — برنگ کبک خندد غنچه قهقهه
ز شوق جلوهای سرو دلجو — زند قمری بزیره بیضه کوکو

زهی زین گلشن پر میوه و گل
که طبعم در هوایش گشته بلبل

درین گلشن که مشهور جهان ست — مرا هم یک قفس وار آشیان ست
بکنج این قفس دارم ترانه — گل و شبنم مرا آب است و دانه
درین گلزار دیدم نوجوانے — ز غم آسوده چون سرو روانے
ز استغنا ندیدی بر رخ گل — نکردی گوش بر آواز بلبل
می جام غرور از بسکه خورده — ز مستی خیلکی بر خود سپرده
ز بس هم پلۀ خود کس ندیده — چو منبر پایها بر خویش چیده
نگاهش روز و شب در عیب بینی — زبانش چون قلم در نکته چینی
من از روشندلی دیدم بسویش — سخن ـ ـ ـ نه سان گفتم برویش
بخود تا چند بینی ای دلارا — سری بالا کن و بنگر خدا را
بیا خالص تو فکر خویشتن کن — بخوبی ختم نام این سخن کن

چو طبعم زد سراپا انتخابش
گلستان خیال آمد خطابش

(محمد شفیع)

خزائن مخطوطات

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین بابتہ مئی سنہ ۱۹۲۶ء)

خصوصی تاریخیں

۳۳۔ تاریخ داؤدی [اوراق ۲۱۵ ۔ سطور ۱۱ ۔ شکستہ آمیز ۔ قدرے کرم خوردہ ۔ تقطیع ۹ × ½۵]

یہ لودھی اور سُور افغانوں کی تاریخ ہے ۔ از بہلول لودھی تا داؤد شاہ ۔ تصنیف عبد اللہ خان ۔

یہ نسخہ سیّد محمدؐ درویش کے لئے لکھا گیا ۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۴۳

۳۴۔ خلاصۃ الانساب [اوراق ۵۵ ۔ سطور ۱۲ تا ۱۶ ۔ نیم شکستہ ۔ قدرے کرم خوردہ ۔ تقطیع ½۶ × ۹]

یہ افغانوں کا شجرۂ نسب ہے ۔ تصنیف حافظ رحمۃ اللہ خان

یہ نسخہ موضع تاتک میں بہ تاریخ ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۳ ہجری کو تحریر ہوا ۔

اس کتاب کے لئے دیکھو ریو صفحہ ۹۰۴ ،

۳۵۔ تذکرۃ الملوک (بزبان اردو)

[اوراق ۱۱۵ ۔ سطور ۱۶ تا ۲۰ ۔ شکستہ ۔ تقطیع ½۱۱ × ۹]

یہ سدّوزئی پٹھانوں کی تاریخ ہے ۔ جو "عالیشان" نے تصنیف کی تھی ۔ اور منشی غلام رسول عرائض نویس ایبٹ آباد ۔ ہزارہ نے اسکو فارسی سے اردو میں منتقل کیا ۔

سنہ ۱۸۷۶ء میں مترجم نے لکھی ؎

ہندوستان کی تاریخیں

۳۶۔ طبقاتِ اکبری [اوراق ۵۰۲ ۔ سطور ۱۹ تا ۲۱ ۔ نستعلیق ۔ جلدساز نے بعض حاشیے کاٹ ڈالے ہیں

تقطیع ۱۱ × ۶]

یہ آغاز عہد اسلامی سے لے کر ۳۸ جلوس اکبر تک کی تاریخ ہے۔
تصنیف نظام الدین احمد ہروی۔ دیکھو ریو ص۲۲۰ ،
اس نسخے میں سے ورق ۲۶۷ کے بعد ۱۷ صفحات غائب ہیں
اوّل میں محمد طفیل کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کچھ اقتباسات ہیں۔
محمد حسین کاتب نے لکھا ؛

۲-[اوراق ۴۱۵ - سطور ۱۸ - شکستہ آمیز - مختلف الخطوط - قدرے کرم خوردہ
تقطیع ۹ × ۵]

طبقات اکبری کا ناقص نسخہ - اسمیں صرف طبقہ دہلی ہے - شروع
کے ۹۵ اوراق ندارد ،

۳۷-لب التواریخ ہند [اوراق ۵۷ - سطور ۱۷ تا ۲۱ - شکستہ - تقطیع ۹½ × ۵]
یہ ہندوستان کی تاریخ ہے - از زمان شہاب الدین غوری تا
سنہ ۱۱۰۱ھ - تصنیف رائی بندرابن - دیکھو ریو ص۲۲۵
یہ کتاب دس فصول پر منقسم ہے - اس نسخے میں پہلی فصل نہیں
ہے - جو طبقہ سلاطین دہلی سے متعلق ہے -

۳۸-خلاصۃ التواریخ - ۱- [اوراق ۲۲۹ - سطور ۱۹ - مختلف الخطوط - شکستہ ونستعلیق - تقطیع ۱۳×۷½]
(ا) ورق ۱ تا ۲۱ - خلاصۃ التواریخ تصنیف سجان رائے
بھنڈاری - دیکھو ریو ص۲۳۰ -
یہ نسخہ سکھانند ونرائن وغیرہم نے ۱۲۲۴ھ میں میاں غلام حسین
کے لئے لکھا ؛

(ب) ورق ۴۰۲ تا ۴۴۸
ضمیمۂ خلاصہ تصنیف جے کشن داس مہرہ
یہ شاہ اورنگ زیب کی پچاس سالہ حکومت کی تاریخ ہے ۔ جو
بقول مصنف " ماثر عالمگیری" پر مبنی ہے ۔
یہ نسخہ نرکت سہای کے لئے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۲۷ھ میں لکھا گیا۔
۲ - [اوراق ۴۶۹ - سطور ۱۹ - شکستہ آمیز - مختلف الخطوط - لوح منقش
تقطیع ۱۱½ × ۵½]
(ا) ورق ۱ تا ۳۶۰ - خلاصۃ التواریخ تصنیف سجان رائی ۔
اوراق ۳۶۰ تا ۳۶۴ راجہ جدھشٹر سے لیکر اورنگ زیب تک
فرمانرواؤں کے اسماء ہیں - یہ حصہ ۱۵ جمادی الاولی ۱۲۲۸ھ میں لکھا گیا۔
(ب) ورق ۳۶۷ تا ۳۹۹ - ضمیمۂ خلاصۃ التواریخ تصنیف جے کشن داس مہرہ
(ج) ورق ۴۰۰ تا ۴۶۹ - ضمیمۂ خلاصۃ التواریخ - یہ وفات عالمگیر سے
لیکر احمد شاہ بادشاہ دہلی تک کی تاریخ ہے ۔ مصنف معلوم نہیں ۔
۱۱۵۸ھ آخری تاریخ ہے ۔
۳ - [اوراق ۳۴۴ - سطور ۱۷ تا ۱۹ - شکستہ آمیز - مختلف الخطوط تقطیع ۱۲×۶]
(ا) ورق ۱ تا ۳۰۵ خلاصۃ التواریخ - آخر میں ملوک وسلاطین کی
فہرست ہے ۔ چیل سکھ نے ۲۹ ذوالحجہ ۱۲۲۶ھ میں بمقام شاہجہان آباد
تحریر کیا ۔
(ب) ورق ۳۰۹ تا ۳۴۴ ضمیمۂ خلاصۂ تصنیف جے کشن داس مہرہ ۔
محمد طفیل نے ناصر حسن کے لئے بتاریخ ۱۲۱۵ھ لکھا ۔
۴ - [اوراق ۳۶۲ - سطور ۱۹ - نیم شکستہ - تقطیع ۱۱ × ۶½]

اس نسخے کے آخر میں فہرست ملوک و سلاطین کے علاوہ ائمہ اور
رسول اللہ صلعم کا شجرہ بھی ہے -
یہ نسخہ سردار شاہ سبزواری نے ۱۲۶۲ھ میں بمقام لاہور لکھا گیا -

۳۹- چہار گلشن [اوراق ۲۸۲ سطور ۱۷ تا ۲۰ - شکستہ - تقطیع ۱۰½ × ۵½]
یہ ہندوستان کی ۱۱۳۰ھ تک کی عمومی تاریخ ہے - تصنیف
رای زادہ چترمن - اسکو خلاصۃ النوادر یا اخبار النوادر بھی
کہتے ہیں - دیکھو ریو ص ۹۰۹
یہ نسخہ ناقص ہے - اسمیں صرف پہلا گلشن مکمل اور دوسرے
گلشن کا کچھ حصہ ہے -

۴۰- چہار گلزار شجاعی [اوراق ۶۰۹ - سطور ۱۷ تا ۲۱ - شکستہ - کئی مقامات سے منقطع ہے -
تقطیع ۱۰ × ۵]
آغاز سے اکبر ۱۲۰۰ھ تک کی عمومی تاریخ ہے - تصنیف ہرچرن داس
مصنف نے اسکو نواب شجاع الدولہ کے لئے ۱۱۹۹ھ میں
لکھنا شروع کیا اور ۱۲۰۰ھ میں اس سے فراغت پائی -
دیکھو ریو ص ۹۱۲ - اس کتاب میں "پانچ چمن" ہیں -
بظاہر یہ نسخہ بخط مصنف ہے - (۱۲۰۰ھ) اوّل اور آخر میں
مہریں ہیں - کتب خانہ سلیمان جاہ کی ایک مہر بھی ہے جو
۱۲۴۴ھ کو ثبت ہوئی - جسمیں یہ الفاظ کندہ ہیں :-
نقش ثبت کتب خانۂ سلیمان جاہ
بر کتاب مزین جو نقش بسم اللہ

۴۱- ریاض الملوک [اوراق ۸۳ - سطور ۱۷ - نستعلیق - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۹½ × ۵½]

یہ تاریخی حکائتوں کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر ہندوستان سے متعلق ہیں۔ تصنیف محمدؐ غوث بن محمدؐ فائق۔ مصنّف دیباچے میں لکھتا ہے۔ کہ اسنے بارہا ہندوستان کی سیر و سیاحت کا خیال کیا۔ مگر حالات مساعد نہ ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی نے جو وقت ہندوستان کے خلاف لشکرکشی کی تو مصنّف نے بھی رفاقت کی۔ مگر بوجہ شدّت عارضہ کے حسن ابدال پر رُک جانا پڑا۔ یہ کتاب تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی کے لئے احمد خان درّانی کے حکم سے لکھی گئی۔

ایک مقدمہ۔ دو روضے اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

بتاریخ ۵ رجب ۱۲۴۹ھ نقل کی گئی۔

۴۲۔ وقائع بابری ۱۔[اوراق ۲۶۰۔ سطور ۲۱۔ نستعلیق۔ مختلف الخطوط۔ خوشخط تقطیع ۱۰×۶]

بابر بادشاہ کے خود تحریر کردہ حالات کا ترجمہ جو بزبان ترکی لکھے گئے تھے۔ مترجمہ عبدالرحیم خانخاناں۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۴۴۔ صفحہ اوّل پر اسی خط میں یہ عبارت مرقوم ہے:۔

"ترجمہ تاریخ واقعات عالیحضرت کیوان رفعت علیین آشیانی کہ نواب افلاطون فرعطار و فطنت قبلہ گاہی سپہ سالاری فارسی کردہ درکمال عذوبت و بے تکلفی تاریخ بایں نفاست وراستی ظاہرا مرقوم نگشتہ باشد۔ صد حیف کہ تمام ایّام دولت آن بادشاہ غازی در نظر منزجم درنیامدہ تفحص و تجسّس آن بسیار پیدا نشدہ (کذا) ظاہراً در ایّام فترت گم شدہ باشد' بتاریخ ماہ تیر آلہی ۳ سنہ موافق غرہ جمادی الاوّل ۱۲۱۱ھ در حضرت دہلی کاتب با تمام رسانید"

اس نسخے کا خط نہایت پرانا ہے۔

۲-[اوراق ۲۵۲- سطور ۱۵- نستعلیق- لوح منقش و مطلا-
آب رسیدہ قدرے مجروح - تقطیع ۱۲×۷]

اسی کتاب کا ایک اور نسخہ- یہ ۱۴ ذی قعدہ ۱۲۱۵ھ
کو شاہ عالم ثانی کے لئے لکھا گیا۔

۴۳- تذکرۃ الواقعات [اوراق ۱۱۴ - سطور ۱۵- نستعلیق - تقطیع ۱۱½ × ۶½]
ہمایوں بادشاہ کی زندگی کے حالات - تصنیف اکبر جوہر۔
دیکھو ریو ص۲۴۶ ۔

مرزا حسین ہمدانی نے بتاریخ ۱۶ ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ یہ نسخہ نقل کیا۔

۴۴- اکبر نامہ [اوراق ۳۸۹ - سطور ۲۱ - خوشخط نستعلیق - لوح منقش - قدرے کرم خوردہ -
آب رسیدہ - تقطیع ۱۴×۹½]

یہ اکبر بادشاہ اور اسکے اسلاف کی تاریخ ہے - تصنیف ابوالفضل
علامی - دیکھو ریو ص۲۴۷

یہ اکبرنامہ کی پہلی جلد ہے - اسکا خط قدیم معلوم ہوتا ہے ۔

۲-[اوراق ۱۹۱ - سطور ۲۱ - نستعلیق - ناقص الاول والآخر - وسط سے بھی کچھ اوراق
کم ہیں - آب رسیدہ - تقطیع ۹½ × ۶]

۳-[اوراق ۱۷۲ - سطور ۱۶ تا ۲۲ - آب رسیدہ - ناقص - تقطیع متوسط]
اکبر نامہ کی جلد ثانی - اس نسخے میں کاتب نے ایک بڑا حصہ
حذف کر دیا ہے ۔

۴-[اوراق ۵۸۵ - سطور ۲۱ - نستعلیق - آب رسیدہ - تقطیع ۱۰½×۶]
یہ اکبرنامہ کی جلد ثانی ہے - اس کتاب کے آخر میں عنایت اللہ محب علی کا ضمیمہ خاتمے
کے بعد ہے ۔

۴۵۔آئین اکبری۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۵۱

۱۔[اوراق ۳۱۲ ۔سطور ۲۲ ۔ شکستہ آمیز ۔کرم خوردہ اور مجروح ۔ناقص الآخر۔
تقطیع ۱۳ × ۷] آخر سے ۱۹۱ اوراق گم ہیں ۔

۲۔[اوراق ۳۲۴ ۔سطور ۲۱ ۔ نستعلیق ۔لوح مطلّا ۔تقطیع ۱۸ × ۱۰]
اس کتاب کی ترتیب غلط ہے ۔ مضامین مخلوط ہیں اور عبارتوں
میں تقدیم و تاخیر سے کام لیا گیا ہے ۔
۱۹۱۳ء میں لکھا گیا ۔

۴۶۔نافع الطالبین [اوراق ۸۳ ۔سطور ۲۱ ۔تقطیع ۱۱ × ۶½]
اسمیں اکبر نامہ ، جہانگیر نامہ ۔ عالمگیر نامہ اور مغلوں کی دوسری
تاریخوں میں سے اکبر بادشاہ کے حالات نکال کر اکھٹے کئے گئے
ہیں ۔ شجرہ بھی دیا ہوا ہے ۔ اور دوسرے حصّے میں انشاء
ابوالفضل کے دقیق مقامات کا حل ہے ۔ تصنیف محمد حفیظ
مصنّف جالندھر کا باشندہ تھا ۔ پھر سکھوں کی شورش کے
باعث اُسے جالندھر کو خیرباد کہنا پڑا ۔ حضرت رُوح الامین جیو
کی فرمایش پر یہ رسالہ لکھا ۔ جو ۱۱۸۴ھ میں ختم ہوا ۔ اور
۱۲۳۳ھ میں نظرِ ثانی کی گئی ۔ یہ تین حصّوں پر منقسم ہے ۔
احمد علی بن قاضی پیربخش ساکن قصبہ بٹالہ نے ۱۲۵۹ھ میں رقم کیا

۴۷۔جہانگیر نامہ ۱۔[اوراق ۲۳۵ ۔سطور ۱۵ ۔خوشخط نستعلیق ۔ لوح مطلّا ۔کرم خوردہ
آب رسیدہ ۔تقطیع ۱۰ × ۱۰½]
جہانگیر بادشاہ کے خود نوشتہ سوانحعمری ۔اس جلد میں پہلے بارہ
سال کے واقعات ہیں ۔ دیکھو ریو صفحہ ۹۳

یہ نسخہ پرانا ہے ۔ اسکے علاوہ شروع میں جہانگیر اور شاہ جہان کی مُہریں ہیں اور کچھ نوٹ بھی ہیں ۔ ایک تاریخ بھی ہے یعنی ۱۰۶۸ھ آخر میں ایک مختصر سا فقرہ بدیں الفاظ درج ہے :۔

"خود حضرت قبلہ گاہی صاحب مرا عنایت کردہ بودند"

بندۂ درگاہ ملاّ محمد نے لکھی ۔ شاید ملا محمد سیستانی نے لکھی ہو ۔ جو جہانگیر کے دربار کے علما میں سے تھے ۔

۲ ۔ [اوراق ۱۶۴ ۔ سطور ۱۱ ۔ خوشخط نستعلیق ۔ لوح مطلا ۔ تقطیع ½۸ × ۵]

توزک جہانگیری کا نقلی نسخہ ۔ دیکھو ریو صـ۲۵۴

جیا رام دہلوی نے مرزا زین العابدین حسین بخت کے لئے ۱۵ رمضان ۱۲۶۲ھ میں لکھا ۔

۳ ۔ [اوراق ۹۱ ۔ سطور ۱۱ ۔ شکستہ آمیز ۔ تقطیع ۱۰ × ½۵]

یہ توزک جہانگیری نمبر ۲ کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے ۔ اسمیں پندنامہ بھی نہیں ۔ علی انصاری نے ۲ محرم ۱۲۴۲ھ میں چارلس گراہم کیلئے لکھا ۔

۴۸ ۔ **اقبالنامہ جہانگیری** [اوراق ۱۵۲ ۔ سطور ۱۴ ۔ نستعلیق ۔ قدرے کرم خوردہ ۔ کئی رنگ کے کاغذ پر ہے ۔ تقطیع ½۹ × ½۵]

یہ جہانگیر بادشاہ کی تاریخ ہے ۔ تصنیف معتمد خاں ۔ دیکھو ریو صـ۲۵۵

یہ اقبالنامہ کا حصہ سوم ہے ۔ خلیفہ غلام محمد ولد خلیفہ عبد الرشید نے لکھا ۔

۴۹ ۔ **فتح کانگڑہ** [اوراق ۶۴ ۔ سطور ۱۲ ۔ نستعلیق ۔ داغدار ۔ تقطیع ½۸ × ۵]

۱۰۲۷ھ میں شاہ جہان بادشاہ نے راجہ بکرماجیت کی سرکردگی میں سورج مل جاٹ کے خلاف ایک مہم بھیجی تھی ۔ اس رسالے میں اسکے

حالات ہیں۔ تصنیف جلالہ طباطبائی ۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۵۸

۵۰۔ بادشاہ نامہ۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۶

ا۔ یہ بادشاہ نامہ تین جلدوں میں بندھا ہوا ہے۔ خط شکستہ تقطیع ۱۲×۸

جلد اوّل [اوراق ۲۰۵ ۔ سطور ۲۲]

ورق ۱ تا ۳۱ "احوال شاہزادگی شاہجہان" تصنیف معتمد خان

ورق ۳۱ تا ۲۰۵ بادشاہ نامہ دفتر اوّل

جلد ثانی [اوراق ۱۲۶ ۔ سطور ۲۲] جلد ثالث [اوراق ۱۶۳ سطور ۲۵]

بادشاہ نامہ دفتر سوم تصنیف وارث محمد خان ورق ۱۳۴ پہ اختتام پذیر ہوتا ہے ۔ ورق ۱۳۴ تا ۱۶۳ عمل صالح میں سے وہ اقتباسات لئے ہیں جو شاہجہان کی حکومت کے آخری دو سال سے متعلق ہیں ۔

امر سنگھ نے ۱۶، ۱۷ سال جلوس محمد شاہ میں تحریر کیا۔

۲۔ [اوراق ۴۹۶ ۔ سطور ۲۳ ۔ لوح منقش ۔ تقطیع ½ ۱۱ × ۷]

یہ بادشاہ نامہ کی جلد اوّل ہو۔ تحریر ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۲ھ

۳۔ [اوراق ۱۴۶ ۔ سطور ۱۹ تا ۲۱ ۔ نستعلیق ۔ مختلف الخطوط ۔ کرم خوردہ ۔ ناقص تقطیع ۱۰ × ۶]

یہ جلد اول و جلد ثانی ہے ۔ لیکن کئی اوراق ضائع ہیں ۔ بعض اوقات کئی صفحوں کی عبارتیں مکرراً لکھی ہیں ۔ اس نسخے کا خط پرانا ہے

۵۱۔ عمل صالح [اوراق ۲۹ ۔ سطور ۱۹ ۔ شکستہ ۔ مختلف الخطوط ۔ تقطیع ۹ × ½ ۵]

یہ شاہجہان کی کمل تاریخ ہو تصنیف محمد صالح ۔ دیکھو ریو صفحہ ۲۶۳

۵۲۔ خلاصہ احوال بانو بیگم [اوراق ۹ ، ۔ سطور ۵ تا ۷ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ½ ۶ × ۴]

اسمیں ملکہ ممتاز محل، روضۂ تاج محل اور چند دیگر عمارات کے حالات
ہیں۔ دیکھو ریو صـ۳۳۳ و صـ۹۵۸

۵۲۔ عالمگیر نامہ ۱۔ [اوراق ۳۴۴۔ سطور ۲۱۔ مختلف الخطوط شکستہ و نستعلیق۔ آب رسیدہ
تقطیع ۸ × ۱۳]
عہد عالمگیر اورنگ زیب کے پہلے دس سال کے حالات۔ تصنیف محمد کاظم
دیکھو ریو صـ۲۶۶

۲۔ [اوراق ۱۹۱ سطور ۲۴۔ شکستہ۔ مجروح۔ تقطیع ۱۱ × ۹]
لکھی لعل نے ۱۸۸۹ء سمت میں لکھا۔

۵۴۔ انتخاب وقایع [اوراق ۲۶۔ سطور ۸ تا ۱۰۔ تقطیع ۱۱½ × ۶]
یہ عالمگیر نامہ کا ملخص ہے۔ تصنیف محمد ساقی مستعد خان۔
یہ نسخہ تذکرۃ الاحوال حزین۔ رقعات شیخ علی حزین کیساتھ مجلّد ہے۔
چند ربھان نے ۹ سال جلوس اکبر ثانی میں لکھا۔

۵۵۔ ظفرنامہ عالمگیری [اوراق ۶۹۔ سطور ۱۷۔ نیم شکستہ۔ داغدار۔ تقطیع ۸ × ۴½
یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کے پہلے پانچ سال کے حالات
تصنیف سید میر۔ دیکھو ریو صـ۲۶۵
عبد الهادی نے بمقام سموال ۲۳ صفر ۱۱۴۱ھ میں لکھا۔
آخر میں ایک مُہر بیربل پنڈت کی ہے۔

۵۶۔ وقائع حیدرآباد [اوراق ۹۸۔ سطور ۹۔ خوشخط۔ نستعلیق۔ لوح منقش۔ قدرے کرم خوردہ
تقطیع ۸½ × ۵½]
یہ تعریض کے رنگ میں محاصرۂ حیدرآباد کے حالات ہیں۔ تصنیف
نعمت خان عالی۔ دیکھو ریو صـ۲۶۵۔ ۱۱۳۱ھ میں لکھا۔

وقائع حیدر آباد کی دو شرحیں بھی ہیں -

(۱) شرح احدیہ بر وقائع محمدیہ - تصنیف عبد اللہ

[اوراق ۹۸ - سطور ۱۸ تا ۱۹ - تقطیع ½۱۱ × ½۶]

سید احمد علی رسا نے ۱۴ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ میں لکھی -

(۲) مائدۃ الفوائد - [اوراق ۱۸۲ - سطور ۱۹ - معمولی نستعلیق - تقطیع خورد]

تصنیف غلام مخدوم - مصنف مدرسہ ہگلی میں مدرس تھا - بعض احباب کی خاطر شرح کی -

۹ ذوالحجہ ۱۲۳۶ھ میں غالباً مصنف نے خود ہی لکھی -

۵۷ - جنگ نامہ - [اوراق ۱۸ - سطور ۱۸ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ½۶]

بہادر شاہ اور اعظم شاہ کے درمیان تخت کے لئے کشمکش کے حالات

تصنیف نعمت خان عالی - اسکو "رزم نامہ" بھی کہتے ہیں -

سنہ ۱۲۶۱ھ میں لکھی گئی -

۵۸ - عبرت نامہ - [اوراق ۲۱۲ - سطور ۱۳ - بدخط نستعلیق - کرم خوردہ ناقص الآخر - تقطیع ½۹ × ۴]

یہ اورنگ زیب کے جانشینوں کے حالات ہیں - زوال سادات بارہہ تک جملہ فرمانرواؤں کی مختصر تاریخ - تصنیف محمد قاسم عبرت - دیکھو ریو صفحہ ۹۳۹

۵۹ - مجموعۂ تاریخ شاہنشاہاں [اوراق ۹۸ - سطور ۱۵ تا ۲۰ - نستعلیق تقطیع ½۸ × ½۶]

وفات اورنگ زیب سے لے کر سادات بارہہ کے زوال تک کے مختصر حالات

تصنیف نا آمی -

جیمس پاٹن کیلئے غلام چشتی خان ٹریجہ نے ۱۴ ذوالقعدہ سنہ ۱۲۲۶ھ میں لکھی -

۶۰ - ظفر نامہ - [اوراق ۴۱ - سطور ۱۳ تا ۱۵ - شکستہ ونستعلیق - تقطیع ۸ × ۴ ۱/۲]
احمد شاہ درانی کے ہندوستان پر حملے اور قمر الدین خان وغیرہ کے مقابلے کی رُوداد - تصنیف - غلام محی الدین خاں - مُصنّف نے "معین الملک" کے لئے تصنیف کیا -
ورق ۲۲ تا ۳۱ پر صَرف عربی کا رسالہ ہے -

ہندوستان کی مقامی تاریخیں

۶۱ - چچ نامہ - [اوراق ۲۰۱، - سطور ۱۵ - نستعلیق - آب رسیدہ - کرم خوردہ - تقطیع ۸ × ۴ ۱/۲]
چچ راجہ کے حالات - محمد قاسم ثقفی کے حملہ سندھ کے واقعات افسانہ کے رنگ میں -
تصنیف علی بن حامد بن بوبکر کوفی - دیکھو ریو صفحہ ۲۹۱ -
اس نسخہ کی کتابت ۲۴ شوال ۱۰۶۱ھ کو ختم ہوئی -

۶۲ - تاریخ سندھ - [اوراق ۱۴۲ - سطور ۱۶ - شکستہ آمیز - داغدار - تقطیع ۱/۲ ۶ × ۸]
فتح سندھ سے لیکر اکبر کے وقت تک کے حالات - تصنیف محمد معصوم نامی دیکھو ریو صفحہ ۲۹۱ ۔
۲۹ شعبان ۱۰۵۹ھ میں لکھی گئی ۔

۶۳ - خلاصۂ تاریخ سندھ [اوراق ۵۸ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۶]
یہ محمد معصوم کی تاریخ سندھ کا خلاصہ ہے -

کتابت ۱۸ رجب ۱۲۸۷ھ کو ختم ہوئی -

۶۴ - **تاریخ بہاول خان** - [اوراق ۱۵۲ - سطور ۱۳ - نستعلیق - آب رسیدہ تقطیع ۸×۵]

بہاول خان نواب بہاولپور (از ۱۱۸۶ھ تا ۱۲۲۴ھ) کی تاریخ تصنیف ودیرہ جان محمد خان معروفانی -

۶۵ - **شیر و شکّر** - [اوراق ۱۳۴ - سطور ۱۴ تا ۱۵ - شکستہ و نستعلیق - تقطیع ۹×۵½]

۱۲۲۸ھ (۱۸۷۱ سمت) تک مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تاریخ تصنیف دیارام پنڈت -

مصنّف اصل میں کشمیر کا باشندہ تھا - پھر اپنے والد کے ساتھ دہلی آیا اور وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد لاہور آگیا -

دیوان گنگا رام نے جب ۱۲۲۸ھ میں قلعۂ پونچھ کی تسخیر کا عزم کیا - تو مصنّف اسکی معیّت میں پونچھ گیا اور وہیں یہ رسالہ رقم کیا -

(مصنّف کا فارسی دیوان بھی اسی کتاب خانہ میں ہے)

گلاب رائے پنڈت نے تحریر کیا -

۶۶ - **تاریخ رنجیت سنگھ** - [اوراق ۸۰ - سطور ۱۳ - کرم خوردہ - تقطیع ½۶×۹]

یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت کی تاریخ ہے - جو اسکے چالیسویں سال حکومت میں امرناتھ اکبری نے تصنیف کی - ناقص الآخر -

۶۷ - **تاریخ پنجاب** - دیکھو ریو صفحہ ۹۵۳

۱ - [اوراق ۱۰۸ - سطور ۱۳ تا ۲۷ - نیم شکستہ - تقطیع ½۱۲ × ½۶]

یہ آغاز تاریخ یعنی راجہ سدومن سے لیکر ۱۲۴۰ھ تک کی تاریخ ہے - تصنیف غلام محی الدین بوٹے شاہ -

دفتر دوم کچھ ناقص ہے ۔

۲ - [اوراق ۲۵۹ - سطور ۱۶ تا ۲۲ - شکستہ و نستعلیق - مختلف الخطوط - کرم خوردہ - تقطیع ۱۰½ × ۵½]

یہ "تاریخ پنجاب" کا دفتر پنجم ہے ۔

۶۸ - مسوّدات ۔

(۱) سمت ۱۸۹۲ ، ۱۸۹۸ ، ۱۹۰۲ کے متعلق ڈیرہ اسماعیل خاں اور پشاور کے وقائع نویسوں کی رپورٹیں - تین جلدوں میں ۔ تقطیع خورد ۔

۶۹ - (۲) سکھوں کے دربار کے مسوداتّ و کاغذات - جو لگان وغیرہ کے متعلق ہے ۔ دو جلدوں میں ۔

۷۰ - (۳) (تقطیع ½ ۸ × ½ ۶)

دہلی کی تاریخ تا زمان فرخ سیر - ابتدائی تاریخ مجمل ہے مگر اورنگ زیب سے لیکر فرخ سیر تک کے حالات مفصل ہیں - فرمانرواؤں کی آمد و رفت کے اوقات ، مناصب کی تفصیلی فہرست نہایت ہی مکمل طریق سے دی گئی ہے

۷۱ - تاریخ کشمیر ۔ ۱ - [اوراق ۹۱ - سطور ۱۲ - شکستہ - کرم خوردہ - تقطیع ½ ۹ × ½ ۴]

تصنیف نرائن کول عاجز - دیکھو ریو <u>ص۲۹۸</u>

کتابت ۱۰ ذوالحجہ ۱۲۳۰ھ کو بمقام شاہ جہان آباد ختم ہوئی ۔

۲ - [اوراق ۱۲۵ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۷ × ۴]

اس نسخے میں تاریخ کشمیر سے پہلے "کشف النوادر" نام ایک رسالہ ہے جو کسی سنسکرت رسالے کا ترجمہ ہے - اور جس میں مہادیو اور پاربتی دیوی کی گفتگو ہے ÷

۷۲ - واقعات کشمیر ۔ ۱ - [اوراق ۱۶۲ - سطور ۱۹ - خوشخط نستعلیق - ناقص ۔

تقطیع ۱۰ × ½ ۵]
تصنیف محمد اعظم خاں - دیکھو ریو صنہ ۳ اسمیں ہر ورق ۱ کے بعد ۱۰۷ اوراق غائب ہیں
۲ - [اوراق ۱۰۷ - سطور ۱۷ - خوشخط نستعلیق - کرم خوردہ - ناقص]
یہ بعینہ وہ حصہ ہے - جو پچھلے نسخے سے ضائع ہو گیا ہے - اسکا خط تقطیع
غرض ہر چیز وہی ہے - لیکن تعجب ہے کہ آزاد مرحوم کے مجموعے سے
نکلکر لائبریری کے سپیشل سیکشن میں کسطرح آ گیا -
۷۳ - مجمع التواریخ - [اوراق ۲۱۳ - سطور ۱۸ - بد خط نستعلیق - تقطیع ½۱۱ × ۷]
یہ کشمیر کے زمانۂ ہنود کے اوائل سے لیکر ۱۲۵۱ھ تک کی تاریخ ہے - پنڈت
بیربل معروف بہ کاچرو نے رنجیت سنگھ کے زمانے میں لکھی - دیکھو کتاب خانہ
بادلی عدد ۱۹۷۳ -
۷۴ - تاریخ کشمیر ۱ - [اوراق ۲۵۸ - سطور ۱۲ - خوشخط نستعلیق - تقطیع ۸ × ۵]
اکبر کے عہد تک نرائن کول کی تاریخ ہے - پھر مجمع التواریخ سے
اقتباسات لیکر ۱۸۴۶ء تک کے واقعات درج ہیں - آخر میں وہی
خاتمہ ہے - جو عاجز کی تاریخ کے پیچھے ہے - دیکھو فہرست مخطوطات
کیمبرج صہ ۱۱ -
۲ - [اوراق ۲۳۲ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۶]
اس نسخے میں خاتمہ کتاب سے پہلے ہے -
۷۵ - عماد السعادۃ - [اوراق ۲۹۰ - سطور ۹ تا ۱۳ - شکستہ - تقطیع ۱۰ × ½ ۶]
برہان الملک سے لیکر سعادت علیخاں تک اودہ کی تاریخ - تصنیف میر غلام علیخان
دیکھو ریو صہ ۳۰۸
اصغر علی - چھاولال دیوان - زین علی وغیرہم نے بمقام لکھنو ۱۲۶۶ھ میں لکھی -

۷۶ - **امیرنامہ** [اوراق ۲۵۰ - سطور ۱۶ - نستعلیق - آب رسیدہ - تقطیع ۶ × ۱۱]
افغان جنرل امیرالدولہ محمد امیرخاں کی تاریخ - بسادن لعل شادان بلگرامی - وکیل وزیر ۱۲۱۹
گنیش پرشاد نے امیرالدولہ محمد خان بہادر کے لئے ۱۲۴۲ھ میں لکھی -

۷۷ - **خلاصۂ تاریخ وزیر علی** - آغا محمد علی بہبہانی کی تاریخ وزیر علی کا مخص ہے -
[اوراق ۱۱ - سطور ۱۴ تا ۱۶ - شکستہ - نستعلیق - تقطیع ۵ × ۸]

۷۸ - **تواریخ راجگان ہنڈور** [اوراق ۲۶ - سطور ۱۱ - نیم شکستہ - تقطیع ۶ × ۱۰]
راجگان ہنڈور کی مختصر تاریخ - ہنڈور یا نالاگڑہ شملہ کے ضلع میں ایک
ہندو ریاست ہے -
اسمیں اولاً شجرۂ نسب تا راجہ رام سنگھ ہے - پھر ۲۰ دفعات میں
اس خاندان کی تاریخ کے چند مشہور واقعات - پھر ۱۲ فرامین و اسناد
ہیں - جو ہمایوں کے عہد سے لے کر ۱۸۶۲ء تک مختلف فرمانرواؤں
نے اس ریاست کے راجوں کو دیے -

۷۹ - **وقایع شورش افغانیہ** - [اوراق ۱۶ - سطور ۱۱ - نستعلیق - تقطیع ۵ × ۸]
۱۲۳۰ھ میں حیدر آباد میں مہدوی افغانوں کی شورش کے مختصر حالات
تصنیف برج ناتھ خیال -
پنڈت دیا ناتھ زتشی نے کتابت ۲۵ بھادوں سمت ۱۹۰۹ کو ختم کی -

۸۰ - **انگلینڈ قدیم کا بیان** - (بزبان اُردو)
[اوراق ۵۵ - سطور ۱۵ - خوشخط نستعلیق - تقطیع ۶ × ½۸]
یہ انگلینڈ کی از ۴۵۰ء تا ۱۰۷۱ء کی تاریخ ہے - بظاہر چار ابواب
پر منقسم ہے *

(باقی دارد)

سید محمد عبداللہ

نکاح مرتدّہ

گذشتہ سے پیوستہ نمبر میں نکاحِ مرتدہ کے فسخ یا عدم فسخ کے متعلق شرعی نکتہ نگاہ سے ایک مضمون لکھا گیا۔ جسمیں کافی طور پر فقہاء کی عبارات سے استشہاد پیش کئے گئے۔ کہ عورت کے مرتد ہونے سے اسکا نکاح اپنے شوہر سے فسخ نہیں ہوتا۔

بعد ازاں فیصلہ جات دیوانی کے سلسلے میں چیف کورٹ پنجاب کا ایک فیصلہ جو ۱۹۰۵ء میں جسٹس ریڈ صاحب اور جسٹس چیٹرجی نے صادر کیا۔ نظر سے گذرا۔ اس فیصلے میں ہمارے سابقہ مضمون کے خلاف ڈگری دی گئی ہے۔

فیصلہ مذکورہ کی بناء مندرجہ ذیل امور پر ہے:۔

(۱) مرتدہ کے نکاح کے فسخ یا عدم فسخ کے بارے میں خود فقہاء مختلف ہیں۔ بعض فسخ کے قائل ہیں۔ اور بعض عدم فسخ کے۔ ہم مختلف فیہ صورتوں میں کسی ایک جانب کو قطعی قرار نہیں دے سکتے۔ اور دوسری جانب کو بین البطلان نہیں ٹھہرا سکتے۔

(۲) ہندوستان کی عام سنی آبادی آیا عدم فسخ کو ترجیح دیتی ہے یا نہیں اسمیں ہم کو تامل ہے۔

(۳) ہندوستان میں فتاوی عالمگیری کو ہندوستان کے لوگ اپنے لئے دستور العمل اور مفتی بہ قرار دیتے رہے۔ وہ سراسر ہماری تائید میں ہے۔

(۴) ہملٹن صاحب کا ترجمہ ہدایہ بھی ہماری تائید کر رہا ہے۔
(۵) عدم فسخ صرف صفار اور دبوسی اور بعض علماء سمرقند کا خیال ہے۔
ذیل میں ہم ان مذکورہ بالا وجوہ کا ترتیب وار جواب ذکر کرتے ہیں :-

تمہید

اسمیں شک نہیں کہ احکام شرعیہ علل اور مصالح پر مبنی ہوا کرتے ہیں - انہی علل و مصالح کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اجرائے احکام یا فیصلہ صادر کیا جاتا ہے - زمانے کے تغیّر - مکان کے تبدل - اور عادات و عوائد کے انقلاب سے بہت سے فتاوے اور احکام میں تغّیر واقع ہو جاتا ہے - ہر مفتی کے لئے اس قاعدے کا سمجھنا اشد ضروری ہے - اس کے جہل کے باعث شریعت اسلامیہ پر بہت سی غلط فہمیوں اور تکالیف کا راستہ کھل گیا - شریعت اسلامیہ اس سے بالاتر ہے - کہ وہ مصالح معادی اور معاشی کو نظر انداز کرے - بلکہ اسکے تمام احکام رحمت اور عدالت اور حکمت پر مبنی ہیں - اگر کوئی مسئلہ جادۂ عدل اور رحمت - طریق مصلحت اور حکمت سے خالی ہوگا - تو شریعت اسلامی اس سے بری اور وراء الورار ہوگی - اس مسئلے کی دورِ حاضر میں توضیح کی چنداں ضرورت نہیں - بلکہ وہ اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہے - بطور مثال ہم دو ایک واقعہ کا ذکر کئے دیتے ہیں -

(الف) شریعت اسلامی میں امّت محمّدیہ پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر موکد ترین فرض عائد کیا گیا ہے - جسکے بغیر بقاء اسلام ہی ناممکن ہے -

اسکی جسقدر قرآن و حدیث میں تاکید آئی ہے وہ کسی عقلمند پر مخفی نہیں۔ با ایں ہمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے اجازت چاہی کہ جو اُمراء نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کریں۔ کیا ہم اُن سے لڑیں۔ آپ نے فرمایا کلا ما اَقاموُ الصّلوٰۃ اور فرمایا کہ جو کوئی اپنے امیر سے کسی قسم کی ناشائستہ بات دیکھے۔ اُسپر سکوت و صبر کرے۔ اور اسکی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی فرضیت میں کسی کو کلام نہیں۔ مگر حضور نے صحابہ کو ایسے امراء کیساتھ نزاع مول لینے کی اجازت نہیں دی۔ اسلئے کہ ایسے موقع پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک شدید ترین منکر کی طرف منجر ہو جایا کرتا ہے جسکا ازالہ یا سر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔

خود آنحضرت کی مکّی زندگی کو ملاحظہ کیا جائے۔ کہ آپ کے رُوبرو کفّار سے بڑے بڑے منکرات رُو نما ہوئے۔ مگر مصلحت کی بنا پر آپ نے اس وقت انکار نہیں فرمایا۔

فتح مکّہ کے بعد بناء ابراہیمی پر تعمیر بیت اللہ کو اسی لئے ملتوی کیا کہ نو مسلم لوگ کہیں اس سے بڑے جرم کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اور یہ نہ کہنے لگیں کہ اچھے نبی آئے کہ بیت اللہ بھی گرا دیا۔

(ب) چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے نص قرآنی اور کثیر التعداد احادیث نبوّیہ موجود ہیں۔ مگر آنحضرت نے جہاد کے موقع پر چور کا ہاتھ کاٹنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ کیونکہ اس جرم کی کسی دوسرے وقت میں بھی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ اگر عین جنگ کے وقت کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹا جائے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی ضعیف الاسلام اسلام ہی سے دست بردار ہو کر کفار سے

جا سکے ۔

اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہیں ۔ جنکی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے کہ مصالح اور حکم کے باعث احکام میں تبدیلی ہوا کرتی ہے ۔

مقصد

اس کے بعد عرض ہے کہ فقہ میں بظاہر نکاح مرتدہ کے فسخ وعدم فسخ کے متعلق دو قول منقول ہوتے چلے آتے ہیں ۔ جیسے ریڈ صاحب نے اپنے فیصلہ میں حوالہ دیا ہے ۔ مگر فسخ کا قول ایک علت سے وابستہ تھا ۔ کہ مرتدہ کو قید میں رکھا جائے ۔ اور جبراً اُسے اسلام میں واپس لایا جائے ۔ پھر پہلے ہی شوہر سے اسکا نکاح دوبارہ کیا جائے اسکی رضا اور عدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں ۔ جیسے فتاوی عالمگیری کی عبارت ذیل اسپر شاہد ہے :۔

ولو اجرت کلمۃ الکفر علی لسانہا مغایظۃ لزوجہا او اخراجا لنفسہا عن حبالتہ اولا ستیجاب المہر علیہ بنکاح مستانف تحرم علی زوجہا فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شئی ولو بدینار ۔ سخطت او رضیت ۔ ولیس لہا ان تتزوج الا بزوجہا ۔ قال الہندوانی اخذ بہذا ۔ قال ابو اللیث وبہ ناخذ کذا فی التمرتاشی اھ عالمگیریہ ص۱۱۳

دوسری جگہ اسی کتاب میں ہے ۔ وکذا لا یجوز نکاح المرتدہ مع احد مبسوط ۔ سرخسی ۔ ہدایہ ۔ فتح القدیر ۔ صنائع بدائع میں بھی یہی لکھا ہے ۔ جب تک حکومت اسلامی قائم تھی ۔ اور حکام وقت شریعت اسلامیہ

کے مطابق احکام نکاح وطلاق وغیرہ کو حسب منشا جاری کر سکتے تھے۔ تو مرتدہ کے بارے میں بھی مذکورہ بالا فتوے دیتے رہے۔

لیکن زمانے کے تبدل نے جب سلطنت اسلامی میں ضعف پیدا کر دیا۔ اور اجانب کا تسلط رُو بہ ترقی ہوا۔ تو مسلم حکام اور فقہاء جس بنا پر مرتدہ کے نکاح کو فسخ کہتے۔ اور اُسے جبراً اسلام میں واپس لاتے تھے۔ وہ بات اُن کے بس کی نہ رہی تو انہوں نے عدم فرقت کو اپنا مسلک قرار دیا۔ اور اسی کو مفتی بہ بنایا۔ تاہم اس میں اصلی حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ فقہا کا پہلا گروہ عورت کو بمنزلہ میّت کے تصوّر کر کے اور ردت کو حکم موت دے کر بوجہ قوت حکومت ہر قسم کے اختیارات اسپر نافذ کر سکتا تھا۔ ومنها ردة احد الزوجين لان الردة بمنزلة الموت۔ لانها سبب مفض اليه والميت لا يكون محلاً للنكاح ولهذا لم يجز نكاح المرتد في الابتداء فكذا في حال البقاء ولانه لا عصمة مع الردة وملك النكاح لا يبقى مع زوال العصمة الا انه لا يمكن ان تجعل الردة طلاقا لانها منزلة الموت وفرقة الموت لا يكون طلاقا لان الطلاق تصرف يختص بما يستفاد بالنكاح والفرقة الحاصلة بالردة فرقة واقعة بطريق التنافي لان الردة تنافي عصمة الملك وما كان طريقة التنافي لا يستفاد بملك النكاح فلا يكون طلاقا ۔ (بدائع الصنائع ص۳۳۶ ج۲)

جب ان کے اختیارات سلب ہو گئے۔ تو انہوں نے قول بالتفریق کی تاویل کر دی۔ اور کہ دیا کہ ارتداد سے نکاح اوّل فسخ نہیں ہوتا عورت کو اختیار نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح کرے۔ چنانچہ عبارت

، اسپر شاہد ہے۔

قال تلمیذ المصنف فی منحہ ومن تصفح احوال نساء زماننا و
ہ منہن من موجبات الردۃ مکررًا فی کل یوم لم یتوقف فی
فتاء بہذہ الروایۃ اھ وفی النہر ولا یخفی ان الافتاء بما اختارہ
ن ائمۃ بلخ اولی من الافتاء بما فی النوادر۔ ولقد شاھدنا
ن المشاق فی تجدیدھا فضلاً عن جبرھا بالضرب ونحوہ مالا
ما ولا یجد وقد کان بعض مشائخنا من علماء العجم ابتلی بامرأۃ
م فیما یوجب الکفر کثیرا۔ ثم تنکر وعن التجدید تابی ومن
واعد ان المشقۃ تجلب التیسیر اھ منحۃ الخالق حاشیۃ بحر
۳ ص۲۱۵

مذکورہ بالا سطور کے ملاحظہ سے واضح ہو سکتا ہے کہ جن فقہا نے مرتدہ
نکاح کے فسخ اور حبس اور جبر علی الاسلام اور تجدید نکاح بالزوج الاول
فیصلہ کیا ہے انکا عدم قائلین بالفرقت کے ساتھ کوئی خلاف اور تدافع نہیں
ں جماعت کے ساتھ زور بازو ہے۔ جسکی بنا پر انہوں نے فرقت
تے ہوئے اور حرمت کا حکم نافذ کرتے ہوئے زوج اوّل ہی کے
اتھ اسکا دوبارہ نکاح کر دیا۔ اور دوسری جماعت نے جب دیکھا
حکومت کے ہاتھ سے نکل جانے کی بدولت ارتداد اب حکم موت
ں نہیں رہا۔ مرتدہ چلتی پھرتی آزادی سے حیات بسر کر رہی ہے۔
ی سے اُسے کھٹکا نہیں۔ کسی کی پرواہ نہیں۔ تو انہوں نے عدم
وع فرقت کو اپنا مسلک قرار دیا۔ مگر مآل دونوں کا ایک ہی ہے۔
(جواب حصّہ اوّل) ترجیح عدم ترجیح کا سوال وہاں پیدا ہو سکتا

ہے۔ جہاں دو قول باہمی مختلف اور متضاد ہوں۔ یہاں در اصل اقوال میں کوئی اختلاف ہی نہیں۔ تاکہ کسی قول کے وجوہ ترجیح تلاش کئے جائیں
(وجہ ثالث کا جواب) فتاوی عالمگیری میں یہ کہیں بھی نہیں لکھا کہ مرتدہ کو آزادی دی جائے۔ اسکا جو جی چاہے کرے۔ اگر جج صاحبان کو فتاوی عالمگیری میں سے فتوئی دیتا ہے۔ تو اسکے مطابق ہم بھی عمل کرنے کو تیار ہیں۔ مرتدہ کو قید کیا جائے۔ ہر روز اُسے کوڑے لگائے جائیں۔ اور اُسے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت نہ دی جائے جیسے کہ فتاوی عالمگیری کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔
فتاوی عالمگیری کو محض مقصد برآری کے لئے۔ اور لفظ تحرّم سے فائدہ اُٹھانے کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ اسکی اگلی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عورت مذکورہ کی رضا عدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں۔ بلکہ اُسے جبراً اسلام میں واپس لاکر پہلے ہی شوہر سے اسکا نکاح کیا جائے۔
ریڈ صاحب کا یہ جملہ "کہ فتاوی عالمگیری ہندوستان کی عام سُنّی آبادی کے مذاق کے مطابق تصنیف ہوئی ہے" اصلاح طلب ہے۔ اسلئے کہ اسلامی حکومت کے ہوتے ہوئے اگر فسخ اور حرمت کا حکم کہیں دیا گیا بھی ہو۔ تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے۔ کہ برٹش انڈیا کی عام سنی محکوم آبادی بھی اسے اپنے مذاق کے مطابق جانتی ہے۔ حاشا وکلاّ کوئی غیرت مند اپنے حلقہ اثر میں اسے جائز نہیں رکھ سکتا۔ چہ جائیکہ اسلام۔
(وجہ ثانی کا جواب) یہاں سے وجہ ثانی کا جواب بھی واضح ہوگیا۔ ہندوستان یا غیرہندوستان کے سنّی مسلمانوں کا سوال یہاں نہیں کہ

آیا ان کے ہاں فسخ راجح ہے یا عدم فسخ - بلکہ ہر سلیم الفطرت خواہ ہندو ہو یا مسلم - عیسائی ہو یا یہودی - سنی ہو یا غیر سنی - اسکی غیرت کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتی - کہ اسکی عورت بغیر اسکی مرضی کے اور وہ بھی مذہب کو داغ لگا کر اس سے جُدا ہو - البتہ فسخ کا حکم عیسائی مشنول کے مذاق کے مطابق اور انکی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہو تو ہو -

(وجہ رابع کا جواب) ہدایہ کی عبارت کو اپنے مفاد کے لئے پیش کیا گیا ہے - جو سراسر غلط ہے - ہدایہ میں ہے :-

هكذا المرتدة لا يتزوجها مسلم ولا كافر لانها محبوسة للتامل وخدمة الزوج تشغلها - ولانه لا ينتظم بينهما المصالح والنكاح ما شرع لعينه بل لمصالح اه ج۲ ص۳۱۶ دوسری جگہ ہے - واما المرتدة فلا تقتل لكن تحبس حتى تسلم لانها امتنعت عن ايفاء حق الله تعالى من الاقرار وتجبر على ايفائه بالحبس كما في حقوق العباد اه ج۲ ص۵۸۰ ولا ينكح مرتد ولا مرتدة احدًا لان النكاح يعتمد الملة ولا ملة له وما انتقل اليه لا يقر عليه ولان النكاح شرع للبقاء والمرتد يقتل فلا يحصل به ما شرع لاجله فلا يشرع والتاخير ضرورة التامل وفيما وراء هما كانه لاحياة فيه واشغاله بالنكاح يشغله عن شئ حياته لاجله وكذا المرتدة لانها تحبس للتامل وخدمة الزوج تشغلها عنه ولان النكاح شرع لمصالحه وهي السكن والازدواج والتوالد والتناسل لا لعينه فاذا فات ما شرع له لم يشرع اصلا الا ترى ان البيع لما كانت شرعية لافادة الملك لم يشرع في محل لا يقبل حكمه وكذا النكاح (زیلعی شرح کنز الدقائق ص۱۷۲ ج۲) »

معلوم نہیں کہ جج صاحبان نے ہدایہ کی کونسی عبارت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عورت شوہر اوّل کو نہ دی جائے۔ ہدایہ کی مذکورہ عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو جبراً مسلمان کیا جائے اور اسے کسی دوسرے کے حوالے نہ کیا جائے بلکہ اسکو قید رکھا جائے۔ تا وقتیکہ اسلام لائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جج صاحبان کو اس مخمصے میں ہملٹن صاحب نے پھنسایا ہے۔ انہوں نے ترجمہ ہدایہ میں اپنی سمجھ کے مطابق دانستہ یا نادانستہ کسی قسم کا تصرف کر دیا ہوگا۔ جب سے غلط فہمی پھیلی۔

(وجہ خامس کا جواب) عدم فسخ کا قول صرف دبوسی اور صفار کا نہیں بلکہ علمار سمرقند اور بلخ وغیرہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ عموماً اسلامی آبادی میں اسوقت اسی قانون کو دستور العمل بنایا جاتا ہے کہ مرتدہ کے ارتداد کے بعد اسکا نکاح اپنے شوہر سے فسخ نہیں ہوتا۔

(نوٹ) مذکورہ بالا صورت میں حکام وقت جو فیصلہ صادر کیا کرتے ہیں۔ وہ کسی روایت کے بھی مطابق نہیں۔ نہ فسخ والوں کے رائے کے مطابق ہے اور نہ ہی عدم فسخ والوں کے منشاء کے مطابق ہے۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات نکاح طلاق وغیرہ میں حکومت کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتی۔ بلکہ شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل شریعت اسلامیہ کے خلاف فیصلہ ہے۔ جسکی اصلاح کی اشد ضرورت ہے ۔

نجم الدین

علمِ کیمیا کی مختصر ابتدائی تاریخ

لفظ کمسٹری (Chemistry) کے اشتقاق کے متعلق وقتاً فوقتاً مختلف خیالات کا اظہار ہوتا رہا ہے۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ اس لفظ کا اصلی ماخذ ملک مصر کا پُرانا نام کیمی (Chemi) ہے۔ کیمی کے لغوی معنی سیاہ کے ہیں۔ اور یہ نام اس ملک کو اسوجہ سے دیا گیا ہوگا کہ دریائے نیل کی طغیانی کے فرو کرنے کے بعد ملک کی زمین کا رنگ سیاہ نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اشتقاق بھی درست نہ ہو۔ لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ دنیا کی پُرانی قوموں میں سے مصریوں کو نسبتاً زیادہ واقفیت علم کیمیا سے حاصل تھی۔ چنانچہ اس علم کا نام علم مصر یا علمِ کیمی (Kemi) پڑگیا اور اسی نام نے عربی لفظ کیمیا (Kemia) میں سے ہوتے ہوئے یورپی زبانوں میں کیمسٹری (Chemistry) نام پایا۔

یہ کہنا کہ مصر سے باہر اس علم سے کوئی قوم بھی آشنا نہیں تھی۔ درست نہیں۔ کیونکہ یہ بالکل ثابت ہے کہ کلدانی اور ہندو قوموں کو علم کیمیا سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور تھی اور غالباً پرانی دنیا کی اور قوموں نے بھی اپنے اپنے وقت میں اس علم میں کسی حد تک ترقی کی اور اسکو موجودہ صورت اور شہرت دینے میں حِصّہ لیا۔ پرانے زمانے کے عُلما سے یہ امید رکھنا کہ انکی علمِ کیمیا کے متعلق واقفیت ایسی ہو جیسی کہ زمانۂ حال کے

---

[1] ماخوذ از کیمیائے معدنی مصنفہ ای۔ جی۔ ہیوم یارڈ افسر اعلےٰ شعبۂ سائنس کلفٹن کالج برسٹل۔

علما کی - بالکل عبث اور بے سود ہے - لیکن دھاتوں کی تیاری - شیشہ اور رنگ سازی - سمیات کا تیار کرنا اور انکا استعمال صابن - لاشوں کو زمانے کی دست برد سے بچانے کا سامان اور ادویات وغیرہ پر متقدمین کی زیادہ توجہ صرف ہوتی رہی - نتیجہ یہ ہوا کہ علم کیمیا تو عملی طور پر کچھ نہ کچھ ترقی کرتا گیا - لیکن قیاسیات کے میدان میں اسپر طبع آزمائی بہت کم ہوئی اور جن تھوڑے بہت خیالات کا اظہار کیا گیا - انکو تجربہ اور مشاہدہ کی مدد سے ثابت کرنے کی بہت کم کوشش ہوئی - جہانتک ہمارا علم ہمیں مدد دیتا ہے - علم کیمیائی قیاسی پر سب سے پہلی کتاب یونانی علما نے لکھی - فیثاغورث (Pythagoras) ارسطو (Aristotle) افلاطون (Plato) ہرکلیتوس (Heraclitus) اور انکے علاوہ اور بہت سے حکمائے یونان نے ۶۰۰ء قبل مسیح سے لیکر ایک ہزار سال کے عرصے میں علم کیمیا کے متعلق بہت سی ڈھکوسلہ بازی کی ہے - اور کبھی کبھی پتے کی بات بھی کر گئے ہیں - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک یونان میں علم کیمیا میں جو اضافہ بھی ہوا وہ مشہور حکما نے نہیں بلکہ ایسے گمنام اشخاص نے کیا جنکے نام بھی دنیا کو معلوم نہیں ایسے لوگ غالباً صنعت کار مثلاً رنگ ساز اور دھاتوں کا کام کرنیوالے ہونگے کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ تعلیم یافتہ یونانی عملی کام سے نفرت اور اسکو اپنی قومی شان اور عزت کے منافی خیال کرتے تھے -

مادہ کی ساخت کے متعلق یونانی حکما کے خیالات کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دھات کا دوسری دھات میں تبدیل کرنا ایسا مشکل کام نہیں - بعض معمولی مشاہدوں نے اس قیاس کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا - مثلاً طوطیا سبز کو پانی میں حل کرکے اگر اس میں لوہے کا صاف

ٹکڑا رکھا جائے تو لوہے پر تانبے کی سرخی مائل تہ چڑھ آتی ہے اس یقین کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحقیقات کا دائرہ بہت تنگ ہو گیا۔ اور محققین کی کوششیں صرف طلا سازی پر صرف ہونے لگیں۔خوش قسمتی سے سن عیسوی کی ساتویں صدی کے آغاز میں ایک عظیم الشان انقلاب رُونما ہوا۔جس نے علم کیمیا کے عملی اور قیاسی پہلوؤں کو پہلے کی نسبت قریب تر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کیمیا کی بنیاد بہت مستحکم ہو گئی۔ یہ عظیم الشان انقلاب اسلام کی آمد تھی۔

ملکی فتوحات سے جب مسلمانوں بادشاہوں کو قدرے فراعت ہوئی تو انہوں نے جہاں تک ہو سکا۔ علوم و فنون کی سرپرستی اور اشاعت شروع کی۔ چنانچہ خلفاے بغداد کے زمانہ میں جہاں سے بھی علم کا ذخیرہ مل سکتا تھا۔ اسے بغداد میں لانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اگر کسی وجہ سے کتابیں بغداد میں نہیں آ سکتی تھیں۔ تو مترجموں کو وہاں بھیجکر کتابوں کے ترجمے منگوائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ استنبول اور دیگر شہروں سے شہر بغداد میں کتابیں لانے کے لئے صدہا اونٹوں کی قطاریں اکثر چلتی رہتی تھیں۔ اس طرح سے بہت سی یونانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہو گیا۔ بعض صورتوں میں عربی میں ترجمہ یونانی سے نہیں۔ بلکہ سریانی سے ہوا۔ کیونکہ بعض کتابوں کا ترجمہ سریانی میں اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ یونانی علم کیمیا عرب میں داخل ہو گیا۔ اور عربوں میں اس علم کے حصول کے لئے ایسا جنون پیدا ہو گیا کہ بہت تھوڑے عرصے میں انہوں نے یونان کے قیاسات اور مصر کے عمل کو یکجا کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ مصر پر قابض ہونے کی وجہ سے

ان کو اس بارے میں آسانی ضرور ہو گئی۔ لیکن پھر بھی یہ عربوں کا ایک بہت عظیم الشان کارنامہ ہے۔ کیونکہ عملی کیمیا سے یونانی لاعلم تھے۔ اور عملی کیمیا کو قیاسات سے مطابق کرنا بہت اہمیت رکھتا ہے بہ الفاظ دیگر حکیمانہ طور پر علم کیمیا کی تحقیقات ایک بہت بڑا کام تھا۔ جسے عربوں نے سرانجام دیا۔ عربوں کی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مختلف خلفاء کی قائم کردہ درسگاہیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ عربی علماء کیمیا کی تجربہ گاہیں اس وقت بے نشان ہیں۔ لیکن موجودہ علم کیمیا پر عربی اثرات تک موجود ہے۔ مثلاً لفظ الکمی (Alchemy) الف لام تعریفی کے ساتھ لفظ کمسٹری کے سوا اور کچھ نہیں۔ الیمبک (Alembic) جو کہ ایک قسم کے آلۂ کشید ریٹارٹ (Retort) کو کہتے ہیں۔ عربی النسل ہے۔ ایسے ہی ایلوڈل (Aludel) اور الکحل (Alcohal) وغیرہ موجودہ کیمیائی اصطلاحات ہیں۔ عربی الفاظ کی آمیزش یہ ظاہر کرتی ہے۔ کہ ایک وقت عرب علم کیمیا کے بہت بڑے عالم ہونگے سہ

از نقش و نگار در و دیوارِ شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

عرب محققین میں سے جن کی شہرت کیمیائی تحقیقات کی وجہ سے مسلّم ہے۔ مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

(۱) جابر ابن حیان۔ مغربی لوگ اسے عام طور پہ گیبر (Geber) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں گذرا ہے۔

(۲) عبد الحسن علی الاندلسی جسے بعض ابن ارفع رعاص بھی کہتے ہیں۔ ۱۱۹۷ء میں فوت ہوا۔

(۳) ابوالقاسم محمدؒ ابن احمد علی عراقی تیرھویں صدی عیسوی میں ہوا۔
(۴) عزیز الدین عابد امیر علی ابن عابد امیر الجلد کی ۱۳۶۱ء کے قریب فوت ہوا۔ ان سب میں سے جابر نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔ لیکن غالباً ابوالقاسم العراقی سب سے اعلےٰ پایہ کا کیمیا دان تھا۔ جابر نے علم کیمیا کے متعلق پانچ سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ جن میں سے اسوقت بہت کم دستیاب ہوسکتی ہیں۔

ابن ارفع رعاص نے ایک طویل کیمیاوی نظم لکھی۔ جس کا نام "ذرآت طلا" تھا۔ اسکی بہت سی نقلیں اب بھی ہمارے عجائب خانوں میں ملتی ہیں۔ ابوالقاسم العراقی نے ایک مشہور کتاب موسوم بہ "المکتسب" یا سونا پیدا کرنے کا علم حاصل کرنے کا طریقہ۔ لکھی۔ اس کتاب میں اس زمانے کے علم کیمیاوی کے متعلق مفصّل حالات ملتے ہیں۔ اور مصنف کے اپنے تجربے جو اسنے سونا بناتے پر کئے۔ درج ہیں۔

اسلامی حکومت کا سب سے مغربی صوبہ ہسپانیہ تھا اور یورپ میں سب سے پہلے علم کیمیا کو عروج یہیں حاصل ہوا۔ مسلمان حکمران علم و حکمت کی حمائت اور سرپرستی کرتے تھے۔ چنانچہ اور علوم کے علاوہ علم کیمیا نے خاص طور پر ترّقی کی۔ اور اسوقت اسکی موجودہ حیثیت اس سے بھی بڑھ چڑھکر ہوتی۔ اگر اسلامی افواج نے ۷۳۲ء میں بمقام تورس (Tours.) عیسائیوں سے شکست نہ کھائی ہوتی۔ رجعت پسند عیسائی طاقت کی کامیابی سے سب اقسام علم و حکمت کو عام طور پر اور علم کیمیا کو خاص طور پر بہت بڑا صدمہ پہنچا۔ گو اسلامی حکومت ہسپانیہ میں ۱۴۹۲ء تک رہی۔ لیکن علم و حکمت ۷۳۲ء میں ناقابلِ تلافی نقصان

پہنچ چکا تھا۔ ہسپانیہ سے علم کیمیا کے مطالعہ کا شوق آہستہ آہستہ باقی یورپ میں پہنچا۔ چنانچہ قرطبہ۔ غرناطہ۔ طلیطلہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے عیسائی طالبعلم یورپی ممالک سے بڑی تعداد میں آتے تھے۔ قرونِ وسطیٰ کے یورپی علمائے کیمیا نہایت شوق سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمات کا اس حد تک اعتراف کرتے تھے۔ جہانتک وہ یونانیوں کا احسان ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

یورپ میں علم کیمیا کا قدم جم جانے کے باعث بڑی سُرعت سے ترّقی شروع ہو گئی۔ کیونکہ مغربی دل و دماغ میں باقاعدگی بہ نسبت مشرقیوں کے زیادہ تھی۔ ایشیائی قوموں میں مختلف واقعات کے درمیان رابطہ قائم کرنے کا مادہ کم ہے۔ گو اس بات کی علمی تحقیقات میں بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تیرھویں اور چودھویں صدی کی لاطینی کیمیاوی تصنیفات میں ربط و ضبط زیادہ ہے۔ اور جس وقت یہ ربط و ضبط مسلمانوں کے عملی طریقوں سے مل گیا۔ تو بہت جلدی نہایت مفید نتائج برآمد ہوئے ؎

(چودہری) سردار محمد خان

(ایم۔ ایس سی)
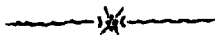
قربِ پادشاہان

ذیل کا قطعہ میر محمد ہاشم سنجر ولد میرزا رفیع الدین حیدر معمائی کاشانی کے دیوان سے یہاں نقل کیا گیا ہے۔ سنجر کا باپ ہندوستان میں آکر اکبر کا ملازم ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد سنجر بھی آیا۔ اور بندگان درگاہ میں داخل ہوا۔ مگر بادشاہ نے اسکے سخنان ناخوش اور ادا ہای خارجی سے ناراض ہو کر اسکو قید کر دیا آخر رہائی پا کر وہ پہلے احمد آباد اور بعد میں ابراہیم عادلشاہ کے پاس بیجا پور پہنچا۔ دکن میں اسنے خوب شہرت پائی اور وہیں ۴۱ برس کی عمر پا کر ۱۰۲۳ھ میں فوت ہوا۔ سنجر کا دیوان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتاب خانہ میں ہے اور یہ قطعہ اسی سے منقول ہے۔

اس قطعہ میں وہ مشرقی مطلق العنان بادشاہوں کے درباریوں کی ناقابل رشک حالت کا نقشہ کھینچتا ہے اور ان درباروں کے بعض سخت قیود کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔

مشو مغرور قربِ پادشاہان ٭ کہ شکر شان کند یک دم شرنگی[1]
غرور اندر دماغ شان چنان است ٭ کہ مستی در سر پیلان جنگی
نشاند گرچہ بر سر پیل مستت ٭ بزیر پات گیرد گر پلنگی
ترا دل خوش کہ از خاصان شاہم ٭ وزین غافل کہ خاصان راست تنگی
گہی از رشک غمازت بر آرند ٭ کہ تا کی با خداوندان دو رنگی
زیک غفلت بخبث چشم و ابرو ٭ سیہ رو وا نمایندت چو زنگی
نیاری گفت حرفی تا نہ پرسند ٭ وگر گوئی زہی شوخی و شنگی
بروی سینہ باید دست پیوست ٭ کہ تا خاصان بخوانندت تلنگی[1]
زبان و دست در حبس مؤبد ٭ باین نسبت خوشا قید فرنگی!
بباید صورت دیوار بودن ٭ کہ از حکمت نہ سرفی و نہ لنگی
اگر رستی ازین مرگِ معلق ٭ زہی جانِ سگی و جسمِ سنگی!

---

[1] شرنگ = زہر، حنظل۔ [1] تلنگی = نیازمند و گدا ے محتاج (بہار عجم)

ਸਹੇਲੀਆਂ ਦਾ ਠੀਕ ਨਕਸ਼ਾ ਖਿਚਨ ਵਿੱਚ ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਨੇ ਕੀਹ ਕਮਾਲ ਨਹੀਂ ਕਰ ਵਖਾਯਾ ? ਹਰ ਜ਼ਾਤ ਤੇ ਕੌਮ ਦੀ ਜਨਾਨੀ ਦਾ ਇਸ਼ਕ ਦਸੱਨ ਲੱਗੇ, ਆਪਣੇ ਸਾਰੇ ਤਜਰਬੇ ਦਾ ਨਚੋੜ ਦੁਨਿਆਂ ਦੇ ਸਾਹਮਨੇ ਰਖੱਨ ਵਿੱਚ ਕੀਹ ਘੱਟ ਕਰਾਮਾਤ ਦਖਾਈ ਹੈ ? ਜੰਜ ਤੇ ਵਿਆਹ ਦਾ ਵਰਣਨ ਪੜ੍ਹ ਕੇ ਕੇਹੜਾ ਕਹਿ ਸੱਕਦਾ ਹੈ, ਜੋ ਏਸ ਦੇ ਵਿੱਚ ਕਿਸੇ ਤਰਾਂ ਦੀ ਕਸਰ ਰਹਿ ਗਈ ਹੈ ? ਫੇਰ ਸਹਿਤੀ ਤੇ ਜੋਗੀ, ਰਾਇਬਾਂ ਸੈਰਫਾਂ ਤੇ ਹੀਰ ਦੇ ਸਵਾਲ ਜਵਾਬ ਘੜਨ ਵਿੱਚ ਕੀਹ ਕੋਈ ਘੱਟ ਕਾਰੀਗਰੀ ਦੱਸੀ ਗਈ ਹੈ ? ਸੱਚ ਪੁੱਛੋ ਤੇ ਅਸਾਂ ਨੂੰ ਸਾਰੀ ਹੀਰ ਵਿੱਚ ਇੱਕ ਟੱਪਾ ਵੀ ਏਹੋ ਜੇਹਾ ਨਹੀਂ ਲੱਭਦਾ, ਜਿਸਦੇ ਵਿੱਚ ਰਸ ਕੁੱਟ ਕੁੱਟ ਕੇ ਨ ਭਰਿਆ ਹੋਵੇ ।

ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਦੀ 'ਹੀਰ' ਸੁਖਨਾਂ ਦੀ ਖਾਨ ਹੈ। ਇਸ ਵਿੱਚ ਥਾਂ ਥਾਂ ਉੱਤੇ ਰਮਜਾਂ ਨਾਲ ਮੱਤ ਦੀਆਂ ਗੱਲਾਂ ਦੱਸੀਆਂ ਗਈਆਂ ਹਨ । । ਬੈਂਤ ਬੈਂਤ ਵਿਚ ਸ਼ਬਦ ਚੁਨ ਚੁਨ ਕੇ ਰੱਖੇ ਹੋਏ ਹਨ। ਕਦਰ ਜਾਨਨ ਵਾਲਿਆਂ ਨੂੰ 'ਹੀਰ' ਦੇ ਸ਼ੇਰ ਓਤੇ ਈ ਸੋਹਨੇ ਲੱਗਦੇ ਹਨ, ਜਿੱਤੇ ਜਵਾਹਰੀ ਨੂੰ ਜਵਾਹਰਾਤ। ਜਗਾ ਜਗਾ ਤੇ ਫਕਰ ਦੀਆਂ ਰਮਜਾਂ ਤੇ ਮਾਰਫਤ ਦੀਆਂ ਗੱਲਾਂ ਵੀ ਕਹਿ ਦਿੱਤੀਆਂ ਹਨ, ਮਤੇ ਪੜ੍ਹਨਵਾਲੇ ਇਸ਼ਕ ਮਜਾਜੀ ਵਿੱਚ ਫਸ ਕੇ ਇਸ਼ਕ ਹਕੀਕੀ ਨੂੰ ਭੁੱਲ ਈ ਜਾਨ। ਗੱਲ ਕੀ, 'ਹੀਰ' ਪੰਜਾਬੀ ਬੋਲੀ ਦੇ ਮੁਕਟ ਵਿੱਚ ਕੋਹਨੂਰ ਹੀਰਾ ਹੈ, ਅਤੇ ਪੰਜਾਬੀਆਂ ਦੇ ਕਮੁਲਾਏ ਦਿਲਾਂ ਨੂੰ ਖਿੜਾਨ ਦਾ ਸਾਧਨ ਹੈ। ਧੱਨ ਹੈ ਓਹ ਅਕਲ ਦਾ ਕੋਟ, ਤੇ ਵਿਦਯਾ ਦਾ ਧਨੀ, ਜਿਨ ਆਪਣੀ ਸਾਰੀ ਉਮਰ ਦੀ ਕਮਾਈ ਆਪਣੀ ਮਾਤ੍ਰੀ ਭਾਖਾ ਦੀ ਭੇਟ ਕਰਕੇ ਅਸਾਂ ਪੰਜਾਬੀਆਂ ਉੱਤੇ ਵੱਡਾ ਉਪਕਾਰ ਕੀੱਤਾ ਹੈ ॥

ਦੁਨੀਚੰਦ, ਐਮ. ਏ.

ਸਾਡਾ ਹੁਸਨ ਪਸੰਦ ਨ ਲਿਆਵਨਾ ਐਂ,

ਜਾ ਹੀਰ ਸਿਆਲ ਵਿਆਹ ਲਿਆਵੀਂ।

ਵਾਹ ਵੰਝਲੀ ਪ੍ਰੇਮ ਦੀ ਘੱਤ ਜਾਲੀ,

ਕਾਈ ਨੱਢੀ ਸਿਆਲਾਂ ਦੀ ਫਾਹ ਲਿਆਵੀਂ। ਇਤਯਾਦਿ।

ਜਦ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦੀ ਗੱਲ ਨਸ਼ਰ ਹੋਗਈ, ਤੇ ਲੋਕਾਂ ਦਿਆਂ ਵਿਚਾਰਾਂ ਤੇ ਗੁਝਿਆਂ ਮਿਹਨਿਆਂ ਨੇ ਚੂਚਕ ਤੇ ਮਲਕੀ ਦਾ ਤਨ ਮਨ ਲੂਹ ਸੁੱਟਿਆ, ਉਨ੍ਹਾਂ ਅੱਕ ਕੇ ਰਾਂਝੇ ਨੂੰ ਜਵਾਬ ਚਾ ਦਿੱਤਾ। ਪਰ ਏਹ ਸੰਸਾਰ ਕਿਸੇ ਛਾਂਬੇ ਪੂਰਾ ਨਹੀਂ ਉਤਰਨ ਦੇਂਦਾ। ਪਹਿਲਾਂ ਰਾਂਝੇ ਦੇ ਕੱਢਨ ਲਈ ਗੱਲਾਂ ਹੁੰਦੀਆਂ ਸਨ, ਹੁਨ ਮੁੜ ਰੱਖਨ ਲਈ ਹੋਨ ਲਗੀਆਂ:—

ਆਖਨ ਦਾਨੀਆਂ ਮਾਹੀ ਨੂੰ ਢੂੰਡ ਮਲਕੀ,

ਖਾਕ ਉੱਡਸੀ ਧੀ ਜੋ ਨੱਸੀ ਹੈ ਨੀ।

ਮਹੀਂ ਫਿਰਨ ਖਰਾਬ ਵਿੱਚ ਬੇਲਿਆਂ ਦੇ,

ਅੰਦਰ ਖੋਬਿਆਂ ਦੇ ਫਸਾ ਫਸੀ ਹੈਨੀ।

ਮਾਹੀ ਮੰਨਸੀ ਤਾਂ ਗੱਲ ਭਲੀ ਥੀਸੀ,

ਸੁਨਿਆਂ, ਹੀਰ ਓਹਦੇ ਪਿੱਛੇ ਰੁੱਸੀ ਹੈ ਨੀ।

ਵਾਰਿਸਸ਼ਾਹ ਔਲਾਦ ਨ ਮਾਲ ਰਹਿਸੀ,

ਓਹਦਾ ਸਬਰ ਜਿਦੀ ਸੇਹਨਤ ਘੁਸੀ ਹੈ ਨੀ।

ਮੂਲ ਕੀ, 'ਹੀਰ' ਵਿੱਚ ਏਹੋ ਜੇਹਾ ਇੱਕ ਬੈਂਤ ਵੀ ਨਹੀਂ ਦਿਸਦਾ, ਜੇਹੜਾ ਰਸ ਦਾ ਭਰਿਆ ਹੋਯਾ ਨ ਹੋਏ, ਕੋਈ ਸੁਖਨ ਅਜੇਹਾ ਨਹੀਂ ਲੱਭਦਾ, ਜੇਹੜਾ ਡਾਢੇ ਸੋਹਨੇ ਤੇ ਫਬਦੇ ਠੇਠ ਪੰਜਾਬੀ ਸ਼ਬਦਾਂ ਨਾਲ ਗੁੰਦਿਆ ਹੋਯਾ ਨ ਹੋਏ।

ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਨੂੰ ਮਨੁੱਖਾਂ, ਪਦਾਰਥਾਂ ਆਦਿ ਦਾ ਪੂਰਾ ਪੂਰਾ ਗਯਾਨ ਸੀ। ਘਾਵਾਂ, ਗੋਕਿਆਂ ਅਤੇ ਮੈਹਰੂਆਂ ਦਾ ਹਾਲ ਪੜ੍ਹ ਕੇ ਕੇਹੜਾ ਹੈ, ਜੋ ਉਨ੍ਹਾ ਦੀ ਵਡਿਆਈ ਨ ਕਰਣ ਲੱਗ ਪਏ। ਦਰਿਆ ਦੇ ਵਿੱਚ ਨ੍ਹਾਂਦੀਆਂ ਹੀਰ ਦੀਆਂ

ਕੋਲੋਂ ਲੜਾਈ ਵਿੱਚ ਹਾਰ ਜਾਨ ਦਾ ਸਾਰਾ ਹਾਲ ਦਸਿੱਆ ਗਿਆ ਹੈ, ਤੇ ਦੂਜੀ ਵਿੱਚ ਏਸ ਗੱਲ ਦਾ ਨਾਂ ਥੇਹ ਈ ਨਹੀਂ। ਇੱਕ ਹੀਰ ਵਿੱਚ ਜੇਕਰ ਰਾਂਝੇ ਦੇ ਭਰਾ ਓਹਦੇ ਵੈਰੀ ਦੱਸੇ ਜਾਂਦੇ ਹਨ, ਤੇ ਦੂਜੀ ਵਿੱਚ ਭਰਜਾਈਆਂ ਹੀ ਵੈਰਨਾਂ ਦੱਸੀਆਂ ਗਈਆਂ ਹਨ। ਏਹਨਾਂ ਸਾਰੀਆਂ ਗੱਲਾਂ ਦੀ ਛਾਨਬੀਨ ਕਰਣ ਲਈ ਪੰਜਾਬੀ ਦਿਆਂ ਪ੍ਰੇਮੀਆਂ ਨੂੰ ਜਰੂਰ ਈ ਏਧਰ ਧਿਆਨ ਦੇਨਾ ਚਾਹੀਦਾ ਹੈ।

ਸਭਨਾਂ ਹੀਰਾਂ ਵਿੱਚੋਂ ਸਯੱਦ ਵਾਰਿਸਸ਼ਾਹ ਦੀ ਹੀਰ ਈ ਬਹੁਤੀ ਮਸ਼ਾਹੂਰ ਹੈ। ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਜੰਡਿਆਲਾ ਸ਼ੇਰਖਾਂ, ਜਿਲਾ ਗੁਜਰਾਂਵਾਲੇ ਦੇ ਰਹਿਨ ਵਾਲੇ ਸਨ। ਕਈਆਂ ਲੋਕਾਂ ਦਾ ਕਿਆਸ ਹੈ, ਜੋ 'ਹੀਰ' ਹਿਜਰੀ ਸੰਮਤ ੧੧੮੦ ਵਿੱਚ ਤਿਆਰ ਹੋ ਚੁੱਕੀ ਸੀ। ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਦੀ ਹੀਰ ਦਾ ਦਰਜਾ ਬਹੁਤ ਉਚੱਾ ਹੈ। ਕਿਓਂ ਨ ਹੋਏ ? ਸਯੱਦ ਸਾਹਿਬ ਪੂਰੇ ਪੂਰੇ ਵਿਦਵਾਨ, ਕਵੀ, ਦੁਨਿਆਦਾਰ ਤੇ ਤਜਰਬਾਕਾਰ ਸਨ ਈ, ਇਸ਼ਕ ਦੀਆਂ ਗੱਲਾਂ ਨੂੰ ਲਟਕਦਾਰ, ਰਸੀਲ਼ੀਆਂ ਤੇ ਸਵਾਦਲੀਆਂ ਬਨਾਨ ਲਈ ਓਹਨਾਂ ਨੂੰ ਇਸ਼ਕ ਦੇ ਰੰਗ ਵਿੱਚ ਰੰਗੇ ਜਾਨ ਦੀ ਈ ਲੋੜ ਸੀ। ਸੋ ਭਾਗਭਰੀ ਦੇ ਪ੍ਰੇਮ ਨੇ ਓਹ ਰੰਗ ਵੀ ਐਡਾ ਗੂੜ੍ਹਾ ਚਾੜ੍ਹਿਆ ਜੋ 'ਹੀਰ' ਦੇ ਅੰਗ ਅੰਗ ਤੇ ਲੂੰ ਲੂੰ ਵਿੱਚੋਂ ਇਸ਼ਕ ਈ ਬੋਲਦਾ ਜਾਪਦਾ ਹੈ।

ਵਾਰਿਸਸ਼ਾਹ ਸਾਹਿਬ ਨੇ 'ਹੀਰ' ਵਿੱਚ ਆਪਨੇ ਸਮੇ ਦਾ ਠੀਕ ਪੂਰਾ ਨਕਸ਼ਾ ਖਿੱਚ ਕੇ ਰੱਖ ਦਿੱਤਾ ਹੈ, ਕਿਸੇ ਹਾਲ ਦੀ ਕਸਰ ਨਹੀਂ ਛੱਡੀ। ਹੀਰ ਵਿੱਚ ਅਸੀਂ ਓਹੋ ਈ ਗਲਾਂ ਪੜ੍ਹਦੇ ਤੇ ਸੁਣਦੇ ਹਾਂ, ਜੇਹੜੀਆਂ ਅੱਜਕਲ ਵੀ ਸਾਡੇ ਦੇਖਨ ਸੁਨਣ ਵਿੱਚ ਔਂਦਿਆਂ ਰਹਿੰਦਿਆਂ ਹਨ। ਹੀਰ ਦਾ ਕੋਈ ਇੱਕ ਪਾਤਰ ਕਿਸੇ ਦੂਜੇ ਪਾਤਰ ਨਾਲ ਨਹੀਂ ਮਿਲਦਾ। ਜਿਹੋ ਜੇਹਾ ਪਾਤਰ ਹੈ, ਤੇਹੀ ਓਹਦੀ ਬੋਲੀ ਹੈ। ਹਰ ਇੱਕ ਪਾਤਰ ਦਾ ਆਪਣਾ ਆਪਣਾ ਸਭਾ ਹੈ, ਤੇ ਆਪਣੇ ਸਭਾ ਦੇ ਅਨੁਸਾਰ ਹੀ ਓਹ ਗੱਲਾਂ ਬਾਤਾਂ ਕਰਦਾ ਹੈ। ਦੇਖੋ ਜਦ ਰਾਂਝਾ ਘਰ ਛੱਡ ਕੇ ਜਾਨ ਲੱਗਦਾ ਹੈ, ਤੇ ਓਹਦੀ ਭਰਜਾਈ ਓਹਨੂੰ ਕਹੀਆਂ ਟਕੋਰਾਂ ਲੌਂਦੀ ਹੈ:—

ਹੀਰ ਵਾਰਿਸਸ਼ਾਹ।

ਪੰਜਾਬ ਵਿੱਚ ਕੋਈ ਵਿਰਲਾ ਈ ਅਜੇਹਾ ਬੰਦਾ ਹੋਏਗਾ ਜਿਨ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦਾ ਨਾਂ ਨ ਸੁਣਯਾ ਹੋਏ। ਪਿੰਡ ਪਿੰਡ ਤੇ ਥਾਂ ਥਾਂ ਹੀਰ ਦਾ ਕਿਸੱਾ ਪੜ੍ਹਿਆ ਜਾਂਦਾ ਹੈ। ਵਿਆਹਾਂ ਤੇ ਸ਼ਾਦੀਆਂ ਵਿਚੱ ਜਰੂਰ ਈ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦੇ ਗੀਤ ਸੁਨਣ ਦਾ ਮੌਕਾ ਮਿਲ ਜਾਂਦਾ ਹੈ।

ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦੇ ਇਸ਼ਕ ਦੀ ਕਹਾਨੀ ਭਾਵੇਂ ਹਰ ਇੱਕ ਨੂੰ ਮਲੂਮ ਹੈ, ਪਰ ਏਸ ਗੱਲ ਦਾ ਕਿਸੇ ਕਿਸੇ ਨੂੰ ਈ ਪਤਾ ਹੋਏਗਾ, ਪਈ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝਾ ਕਦ ਹੋਏ ਤੇ ਕਦ ਤੋਂ ਏਹਨਾ ਦੇ ਕਿੱਸੇ ਕਹਾਨੀਆਂ ਬਨਨ ਲੱਗੇ।

ਪੰਜਾਬ ਵਿੱਚ ਪਹਿਲਾਂ ਪਹਿਲ ਝੰਗ ਦੇ ਰਹਨਵਾਲੇ ਨਮੋਦਰ ਪਟਵਾਰੀ ਨੇ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦਾ ਕਿੱਸਾ ਤਿਆਰ ਕੀਤਾ। ਏਹ ਨਹੀਂ ਪਤਾ ਲਗਦਾ ਜੋ ਨਮੋਦਾਰ ਪਟਵਾਰੀ ਦਾ ਸਮਾਂ ਕੇਹੜਾ ਹੈ।

ਹਿੰਦੀ ਅਤੇ ਕਈ ਇੱਕ ਹੋਰਣਾਂ ਬੋਲੀਆਂ ਵਿੱਚ ਵੀ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝੇ ਦੇ ਕਾਵਜ ਬਨੇ ਹੋਏ ਹਨ। ਏਹਨਾ ਸਭਨਾਂ ਵਿੱਚੋਂ ਪੁਰਾਣਾ ਓਹ ਹੈ, ਜੇਹੜਾ ਗੁਰਦਾਸ ਕਵੀ ਦਾ ਰਚਿਆ ਹੋਯਾ ਹੈ। ਏਹ ਗੁਰਦਾਸ ਕਵੀ ਔਰੰਗਜ਼ੇਬ ਦੇ ਵੇਲੇ ਹੋਏ ਹਨ। ਏਸ ਥੋਂ ਪਤਾ ਚੱਲਦਾ ਹੈ ਜੋ ਹੀਰ ਤੇ ਰਾਂਝਾ ਅਕਬਰ ਬਾਦਸ਼ਾਹ ਦੇ ਵੇਲੇ ਈ ਹੋਏ ਹੋਨਗੇ।

ਪੰਜਾਬੀ ਵਿੱਚ ਹੀਰ ਵਾਰਿਸਸ਼ਾਹ, ਹੀਰ ਮੁਕ਼ਬਿਲ, ਹੀਰ ਫ਼ਜ਼ਲਸ਼ਾਹ, ਹੀਰ ਭਗਵਾਨਸਿੰਘ, ਹੀਰ ਹਾਮਿਦਸ਼ਾਹ ਆਦਕ ਬਹੁਤੀਆਂ ਹੀਰਾਂ ਲਿਖੀਆਂ ਅਤੇ ਛਪੀਆਂ ਮਿਲਦਿਆਂ ਹਨ। ਏਹ ਕਈਆਂ ਥਾਵਾਂ ਉੱਤੇ ਮੋਟਿਆਂ ਤੇ ਜ਼ਰੂਰੀ ਗੱਲਾਂ ਵਿੱਚ ਵੀ ਇੱਕ ਦੂਜੀ ਨਾਲ ਮੇਲ ਨਹੀਂ ਖਾਂਦੀਆਂ। ਇੱਕ ਹੀਰ ਵਿੱਚ ਜੇਕਰ ਲੁਡੱਨ ਝਬੇਲ ਦਾ ਪਹਿਲੇ ਮਾਲਕ ਤੁਰਖਾਂ ਤੋਂ ਡਰਦਿਆਂ ਬੇੜੀ ਲੈਕੇ ਝੰਗ ਪਹੁੰਚਨ ਦਾ, ਤੂਰੇ ਦਾ ਝੰਗ ਤੇ ਚੜ੍ਹਾਈ ਕਰਣ ਦਾ, ਅਤੇ ਹੋਰ

ਘਰ ਵਿਚ ਦਰ ਵਿਚ ਇਹੀਓ ਬੋਲਣ, ਐਵੇ ਜਾਂਦੇ ਇਸਤੇ ਡਰ।
ਹੈ ਸਿਵਨਾਥ ਇਹੋ ਗਲ ਚੰਗੀ ਪੜ ਇਸਨੂੰ ਤੇ ਸੌਭਾ ਕਰ ॥
ਹੁਣ ਮੈ ਇਹੀਓ ਗਲ ਆਖਦਾ ਵਿਚ ਕਮੇਟੀ ਬਿਨਤੀ ਕਰ।
ਕਰੋ ਦੇਸੀਓ ਇਸਦਾ ਵਾਧਾ ਜਿਸਤੋ ਹੋਏ ਤੁਸਾਡੀ ਦਰ ॥
ਨਹੀਂ ਤਾਂ ਹੋਵੇ ਹਾਲ ਅਜੇਹਾ ਜਿਓ ਪੰਖੀ ਬਿਨ ਹੋਵੇ ਪਰ।
ਪੜਨੀ ਹੈ ਤਾਂ ਪੜੋ ਪੰਜਾਬੀ ਨਹੀਂ ਤਾਂ ਜਾਕੇ ਬੈਠੋ ਘਰ" ॥

ਸੋ ਹੁਨ ਆਸ਼ਾ ਹੈ ਕਿ ਸਭ ਦੇਸ ਨਿਵਾਸੀ ਸਜਨ ਹਿੰਦੂ, ਮੁਸਲਮਾਨ, ਸਿਖ, ਇਸਾਈ ਆਦਿ ਜਰੂਰ ਹੀ ਇਸ ਲੇਖ ਪਰ ਧਿਆਨ ਦੇਕੇ ਅਪਣੀ ਪਿਆਰੀ ਪੰਜਾਬੀ ਦੇ ਪ੍ਰਚਾਰ ਤੇ ਅਜ ਕਲ ਦੇ ਤਰੀਕ ਤਾਲੀਮ ਦੇ ਸੁਧਾਰ ਲਈ ਮਨਤਨੋਂ ਹੋਕੇ ਯਤਨ ਕਰਨਗੇ ਅਤੇ ਲਾਹੌਰ ਜੇਹੇ ਵਡੇ ਸ਼ਹਰ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਪ੍ਰਚਾਰ ਲਈ ਪੰਜਾਬੀ ਸਭਾ ਕਾਇਮ ਕਰਨਗੇ।

ਬੇਅੰਤਸਿੰਘ

—+:o:+—

ਸਾਡਾ ਪਾਠ ਪਰਵਾਨ ਹੋਵੇ ਤਾਂ ਸਾਨੂੰ ਚਾਹੀਦਾ ਹੈ ਕਿ ਅਸੀ ਆਪ ਭੀ ਅਤੇ ਬਾਲਾਂ ਨੂੰ ਭੀ ਅਜੇਹੀ ਜਬਾਨ ਵਿਚ ਪ੍ਰਾਰਥਨਾ ਕਰਨ ਸਿਖਾਈਏ ਕਿ ਜਿਸਨੂੰ ਓਹ ਮਨੋ ਤਨੋ ਅਦਾ ਕਰ ਸਕਨ। ਜੇਕਰ ਕੋਈ ਗੁਰ ਸ਼ਬਦ ਦਾ ਮਹਿਰਮ ਹੀ ਨਹੀਂ ਤੇ ਐਵੇਂ ਪਇਆ ਬੋਲਦਾ ਹੈ, ਜੇਕਰ ਕੋਈ ਕਿਸੇ ਰਿਚਾ ਨੂੰ ਬਿਨਾ ਸੋਚੇ ਸਮਝੇ ਉਚਾਰਨ ਕਰ ਰਿਹਾ ਹੈ ਤਾਂ ਕਦਾਚਿਤ ਭੀ ਉਸਦੀ ਅਰਦਾਸ ਉਸ ਸਰਬ ਸਕਤੀਮਾਨ ਅੰਤਰਜਾਮੀ ਦੀ ਦਰਗਾਹ ਵਿਚ ਮਨਜ਼ੂਰ ਨਹੀਂ ਹੋ ਸਕਦੀ।

ਇਸ ਲਈ ਜੋ ਚਾਹੁੰਦੇ ਹਨ ਕਿ ਓਹਨਾ ਦੇ ਧਾਰਮਕ ਅਸੂਲਾਂ ਦੀ ਭੀ ਤ੍ਰੱਕੀ ਹੋਵੇ। ਜੇਹੜੇ ਚਾਹੁੰਦੇ ਹਨ ਕਿ ਦੇਸ ਵਿਚੋਂ ਕੁਰੀਤੀਆਂ ਜਲਦੀ ਦੂਰ ਹੋਵਨ, ਜੇਹੜੇ ਚਾਹੁੰਦੇ ਕਿ ਔਲਾਦ ਤੰਨਦਰੁਸਤ ਰਹੇ ਤੇ ਜਲਦੀ ਇਲਮ ਵਿਚ ਤਰੱਕੀ ਕਰਨ ਅਤੇ ਜੇਹੜੇ ਦੀਨ ਦੁਨੀਆਂ ਵਿਚ ਲਾਭ ਉਠਾਨਾ ਚਾਹੁੰਦੇ ਹਨ ਓਹਨਾਂ ਦਾ ਸਭ ਤੋਂ ਵੱਡਾ ਤੇ ਮੁਖ ਧਰਮ ਹੈ ਕਿ ਆਪਣੀ ਪਿਆਰੀ ਪੰਜਾਬੀ ਦਾ ਮਨੋ ਤਨੋ ਪ੍ਰਚਾਰ ਕਰਨ। ਫੇਰ ਦੇਖੋਗੇ ਕਿ ਕਿਸ ਤਰਹ ਸਾਡੇ ਦੇਸ ਨਿਵਾਸੀ ਹੋਰਨਾ ਦੇਸਾਂ ਵਾਂਗੂ ਦਿਨ ਦੂਨੀ ਤੇ ਰਾਤ ਚੌਨੀ ਤ੍ਰੱਕੀ ਕਰਦੇ ਹਨ। ਜੇਕਰ ਸਭ ਦੇਸ ਨਿਵਾਸੀ ਹਿੰਦੂ ਮੁਸਲਮਾਨ ਸਿੱਖ ਇਸਾਈ ਆਦਿ ਹੱਠ ਛਡਕੇ ਸੱਚੇ ਦਿਲ ਨਾਲ ਸੋਚਨ ਤਾਂ ਤਾਂ ਸਾਫ ਮਲੂਮ ਹੋ ਜਾਵੇਗਾ ਕਿ ਸਾਡੀ ਅਸਲੀ ਬੋਲੀ ਪੰਜਾਬੀ ਹੀ ਹੈ ਤੇ ਅਸੀਂ ਹਰ ਪ੍ਰਕਾਰ ਦੀ ਤ੍ਰੱਕੀ ਦੀ ਚੋਟੀ ਪਰ ਇਸ ਦੁਆਰਾ ਹੀ ਪਹੁੰਚ ਸਕਦੇ ਹਾਂ। ਜੇਕਰ ਸਾਡੇ ਦੇਸ ਨਿਵਾਸੀਆਂ ਨੇ ਆਪਣੀ ਪਿਆਰੀ ਪੰਜਾਬੀ ਵਲੋਂ ਮੂੰਹ ਮੋੜਿਆ ਰਖਿਯਾ ਤੇ ਉਸਨੂੰ ਬੋਲਨ ਤੋਂ ਝਕਦੇ ਰਹੇ ਤਾਂ ਅਸੀਂ ਕਦਾਚਿਤ ਭੀ ਹੋਰਨਾ ਦੇਸਾਂ ਦਾ ਮੁਕਾਬਲਾ ਨਹੀਂ ਕਰ ਸੱਕਾਂਗੇ। ਜਿਸ ਤਰਹ ਕਿ ਜੋਗੀ ਸਿਵਨਾਥ ਜੀ ਭੀ ਇਸ ਸੰਬੰਧ ਵਿਚ ਲਿਖਦੇ ਹਨ ਕਿ——

''ਬੋਲੀ ਇਥੋਂਦੀ ਪੰਜਾਬੀ ਸਭ ਇਲਮਾਂ ਦਾ ਜਾਣੋ ਘਰ।
ਇਸਦੇ ਬਾਝ ਨਹੀਂ ਕੰਮ ਸਰਦਾ ਭਾਂਵੇਂ ਹੋਵਨ ਹੋਰ ਹੁਨਰ॥

(੭) ਮਹਿਕਮਾ ਰੇਲ ਨੂੰ ਜ਼ੋਰ ਦਿਤਾ ਜਾਵੇ ਕਿ ਓਹ ਰੇਲ ਦੀਆਂ ਟਿਕਟਾਂ ਪੰਜਾਬੀ ਵਿਚ ਛਾਪਨ ਤਾਕਿ ਆਮ ਲੋਕਾਂ ਨੂੰ ਟਿਕਟਾਂ ਪੜ੍ਹਨ ਵਿਚ ਦਿਕਤ ਨ ਹੋਵੇ।

(੮) ਕਾਰਖਾਨਿਆਂ ਦੇ ਹਿਸਾਬ ਤੇ ਵਹੀਆਂ ਭੀ ਪੰਜਾਬੀ ਵਿਚ ਹੀ ਹੋਵਨ ਤਾਕਿ ਲੋਕ ਅਪਣੀ ਬੋਲੀ ਨੂੰ ਇਜ਼ਤ ਦੀ ਨਿਗਾਹ ਨਾਲ ਵੇਖਣ।

(੯) ਮਹਿਕਮਾ ਡਾਕ ਨੂੰ ਲਿਖਿਆ ਜਾਵੇ ਕਿ ਓਹ ਸਭ ਫਾਰਮ ਪੰਜਾਬੀ ਵਿਚ ਛਾਪਨ।

ਫੇਰ ਇਹ ਭੀ ਜਰੂਰੀ ਹੈ ਕਿ ਹਰ ਇਕ ਮਤ ਵਾਲੇ ਆਪਣੀਆਂ ਧਰਮ ਪੁਸਤਕਾਂ ਦੇ ਤਰਜਮੇ ਅਥਵਾ ਧਰਮ ਉਪਦੇਸ ਆਪਣੀ ਬੋਲੀ ਵਿਚ ਹੀ ਬਾਲਕਾਂ ਨੂੰ ਸਿਖਾਵਨ ਤਾਕਿ ਓਹਨਾ ਦੇ ਦਿਲਾਂ ਵਿਚ ਧਰਮ ਦੀ ਪੂਰੀ ੨ ਰੰਗਤ ਚੜ੍ਹੇ ਅਤੇ ਤੋਤੇ ਦੀ ਤਰਹ ਕਿਸੇ ਗਲ ਨੂੰ ਕੰਠ ਕਰਨ ਦੀ ਥਾਂ ਅਸਲੀ ਗਲ ਨੂੰ ਚੰਗੀ ਤਰਹ ਵਿਚਾਰਨ। ਇਹ ਕਾਇਦਾ ਹੈ ਕਿ ਜਿਸ ਗਲ ਨੂੰ ਸਮਝਕੇ ਪੜ੍ਹਿਆ ਜਾਵੇ ਉਸ ਪਰ ਚੰਗੀ ਤਰਹ ਧਿਆਨ ਲਗਦਾ ਹੈ ਤੇ ਜਲਦੀ ਹੀ ਯਾਦ ਹੋ ਜਾਂਦੀ ਹੈ। ਜਦ ਅਸੀਂ ਸਮਝਦੇ ਹੀ ਨਹੀਂ ਕਿ ਕੀ ਪੜ੍ਹ ਰਹੇ ਹਾਂ ਤੇ ਕਿਸ ਗਲ ਦੀ ਪ੍ਰਾਰਥਨਾ ਪਰਮਾਤਮਾ ਅਥਵਾ ਖੁਦਾਵੰਦ ਕਰੀਮ ਪਾਸ ਕਰ ਰਹੇ ਹਾਂ ਤਾਂ ਉਸ ਪਾਠ, ਨਿਮਾਜ, ਸੰਧਿਆ ਗਾਇਤ੍ਰੀ ਦਾ ਕੁਝ ਭੀ ਲਾਭ ਨਹੀਂ ਹੋ ਸਕਦਾ ਧਰਮ ਦਾ ਸੰਬੰਧ ਦਿਲ ਨਾਲ ਹੈ। ਤੇ ਦਿਲ ਭੀ ਕਿਸੇ ਚੀਜ ਵਲ ਤਦ ਹੀ ਲਗਦਾ ਹੈ ਜੇਕਰ ਸਮਝ ਸੋਚਕੇ ਪੜ੍ਹੀ ਜਾਵੇ। ਬਿਨਾ ਸੋਚੇ ਸਮਝੇ ਬਾਣੀ ਨੂੰ ਰਟਨ ਨਾਲ ਕੁਝ ਭੀ ਲਾਭ ਨਹੀਂ ਤੇ ਨ ਖੁਦਾਵੰਦ ਕਰੀਮ ਯਾ ਪਰਮਾਤਮਾ ਉਸ ਨਿਮਾਜ ਯਾ ਪੂਜਾ ਪਾਠ ਨੂੰ ਕਬੂਲ ਹੀ ਕਰਦਾ ਹੈ ਜੋ ਮਨ ਤਨੋ ਹੋਕੇ ਨ ਕੀਤੀ ਜਾਵੇ। ਪਰਮਾਤਮਾ ਸਾਡੇ ਦਿਲ ਵਲ ਦੇਖਦਾ ਹੈ ਤੇ ਦਿਲ ਤਦ ਹੀ ਲਗਦਾ ਹੈ ਜਦ ਕਿਸੇ ਚੀਜ ਨੂੰ ਸਮਝਿਆ ਜਾਵੇ ਤੇ ਸਮਝ ਤਦ ਹੀ ਜਲਦੀ ਆ ਸਕਦੀ ਹੈ ਜਦ ਕੋਈ ਗਲ ਸਾਡੀ ਆਪਣੀ ਬੋਲੀ ਵਿਚ ਹੋਵੇ।

ਸੋ ਜੇਕਰ ਅਸੀਂ ਚਾਹੁੰਦੇ ਹਾਂ ਕਿ ਸਾਡੀ ਨਿਮਾਜ ਕਬੂਲ ਹੋਵੇ ਅਥਵਾ

ਇਸ ਜਗਾਹ ਦੇਸ ਨਿਵਾਸੀ ਸੱਜਨ ਪੁਰਸਾਂ ਦਾ ਧਿਆਨ ਪੰਜਾਬੀ ਦੇ ਵਾਧੇ ਲਈ ਹੇਠ ਲਿਖੀਆਂ ਕੁਛ ਗੱਲਾਂ ਵਲ ਦਿਵਾਇਆ ਜਾਂਦਾ ਹੈ। ਪੂਰਾ ੨ ਭਰੋਸਾ ਹੈ ਕਿ ਜੇਕਰ ਓਹ ਆਪਣਾ ਤੇ ਆਪਣੀ ਸੰਤਾਨ ਦਾ ਭਲਾ ਚਾਹੁੰਦੇ ਹਨ ਤਾਂ ਜਰੂਰ ਹੀ ਇਹਨਾ ਨੂੰ ਗੌਰ ਨਾਲ ਪੜ੍ਹਕੇ ਵਿਚਾਰਨਗੇ। ਸਭ ਤੋਂ ਪਹਿਲਾਂ ਇਹ ਜਰੂਰੀ ਹੈ ਕਿ ਲਾਹੌਰ ਵਿਚ ਇਕ ਪੰਜਾਬੀ ਸਭਾ ਬਨਾਈ ਜਾਵੇ ਜਿਸਦੇ ਹੇਠ ਲਿਖੇ ਕੰਮ ਹੋਵਨਃ—

(੧) ਹਰ ਇਕ ਸ਼ਹਰ ਤੇ ਪਿੰਡ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਪੜ੍ਹਾਵਨ ਦੇ ਸਕੂਲ ਖੋਲੇ ਜਾਵਨ, ਜਿਨ੍ਹਾਂ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਦੁਆਰਾ ਹੀ ਸਬ ਹੁਨਰ ਸਿਖਾਏ ਜਾਵਨ ਤਾਕਿ ਆਪਣੀ ਜਬਾਨ ਦੁਆਰਾ ਛੋਟੇ ਬੱਚੇ ਜਲਦੀ ਹੀ ਹੁਨਰਾਂ ਅਥਵਾ ਕਾਰੀਗਰੀਆਂ ਵਿਚ ਤ੍ਰੱਕੀ ਕਰ ਸਕਨ।

(੨) ਸਾਇੰਸ ਤੇ ਹੋਰ ਹੁਨਰਾਂ ਦੀਆਂ ਕਿਤਬਾਂ ਦੇ ਤਰਜਮੇਂ ਪੰਜਾਬੀ ਵਿਚ ਕੀਤੇ ਜਾਵਨ।

(੩) ਕਦੀ ੨ ਹਰ ਇਕ ਸ਼ਹਰ ਅਥਵਾ ਪਿੰਡ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਕਵੀ ਦਰਬਾਰ ਕੀਤੇ ਜਾਵਨ ਜਿਸ ਵਿਚ ਵਡੇ ੨ ਕਵੀ ਬੁਲਾਏ ਜਾਵਨ ਤੇ ਚੰਗੀਆਂ ੨ ਕਵਿਤਾਂ ਲਈ ਇਨਾਮ ਮੁਕਰਰ ਕੀਤੇ ਜਾਵਨ।

(੪) ਕਚੈਹਰੀਆਂ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਵਿਚ ਹੀ ਅਰਜੀਆਂ ਦੇਵਨ ਤੇ ਫੈਸਲੇ ਸੁਨਾਵਨ ਲਈ ਸਰਕਾਰ ਪਾਸ ਦਰਖਾਸਤ ਕੀਤੀ ਜਾਵੇ।

(੫) ਪੰਜਾਬੀ ਯੁਨੀਵਰਸਟੀ ਨੂੰ ਹਰ ਇਕ ਇਮਤਿਹਾਨ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਨੂੰ ਲਾਜ਼ਮੀ ਮਜਮੂਨ ਰਖਨ ਲਈ ਲਿਖਿਆ ਜਾਵੇ।

(੬) ਸਕੂਲਾਂ ਤੇ ਕਾਲਜਾਂ ਵਿਚ ਪੰਜਾਬੀ ਮਜਮੂਨਾਂ ਲਈ ਖਾਸ ਇਨਾਮ ਰਖੇ ਜਾਨ ਤਾ ਕਿ ਵਿਦਯਾਰਥੀਆਂ ਦੇ ਦਿਲਾਂ ਵਿਚ ਅਪਣੀ ਬੋਲੀ ਲਈ ਉਤਸਾਹ ਤੇ ਸ਼ੌਕ ਵਧੇ ਤੇ ਓਹ ਅਪਣੇ ਖਿਆਲਾਂ ਨੂੰ ਅਪਣੀ ਬੋਲੀ ਵਿਚ ਹੀ ਪ੍ਰਗਟ ਕਰਨ ਦਾ ਯਤਨ ਕਰਨ।

ਪੰਜਾਬੀ ਦੇ ਵਾਧੇ ਦੇ ਉਪਾਓ।

ਦੱਸੋ ਕੇਹੜੇ ਦੇਸ ਵਿਚ, ਇਹ ਅਨੋਖੀ ਰੀਤ।
ਅਪਣੀ ਬੋਲੀ ਛਡਕੇ, ਗੈਰ ਜਬਾਨ ਪਰੀਤ॥
ਜੇਕਰ ਚਾਹੋ ਦੇਸ ਦਾ ਬੇੜਾ ਹੋਵੇ ਪਾਰ।
ਮੁਸਲਮ ਹਿੰਦੂ ਸਿਖ ਮਿਲ ਕਰੋ ਪੰਜਾਬੀ ਪਿਯਾਰ॥

ਸਭ ਤੋਂ ਵੱਡਾ ਤੇ ਜਰੂਰੀ ਸਵਾਲ ਜਿਸ ਪਰ ਹਿੰਦੂਆਂ ਮੁਸਲਮਾਨਾਂ ਤੇ ਸਿਖਾਂ ਨੂੰ ਧਿਯਾਨ ਦੇਣਾ ਜਰੂਰੀ ਹੈ ਓਹ ਅਪਣੀ ਪਿਯਾਰੀ ਪੰਜਾਬੀ ਦੇ ਪ੍ਰਚਾਰ ਤੇ ਵਾਧੇ ਦੇ ਉਪਾਓ ਸੋਚਨ ਦਾ ਹੈ। ਪਰੰਤੂ ਬੜੇ ਹੀ ਅਫਸੋਸ ਦਾਂ ਗਲ ਹੈ ਕਿ ਇਸ ਜਰੂਰੀ ਮਾਮਲੇ ਨੂੰ ਛੱਡਕੇ ਅਜ ਕਲ ਦੇ ਲੋਕਾਂ ਦੇ ਖਿਆਲ ਕਿਸੇ ਹੋਰ ਪਾਸੇ ਹੀ ਲਗ ਰਹੇ ਹਨ। ਕਈ ਤਾਂ ਸ੍ਵਰਾਜ ਪ੍ਰਾਪਤੀ ਪਰ ਹੀ ਅਪਣਾ ਸਭ ਜੋਰ ਲਗਾ ਰਹੇ ਹਨ ਕਈ ਆਪਸ ਵਿਚ ਫੁਟ ਪੁਆਨੀ ਹੀ ਲਾਭਦਾਇਕ ਸਮਝਦੇ ਹਨ। ਪਰ ਜੇਕਰ ਸੱਚ ਪੁਛੋ ਤਾਂ ਆਪਸ ਵਿਚ ਮੇਲਕਰਾਵਨ, ਵਿਛੜਿਆਂ ਨੂੰ ਮਿਲਾਵਨ, ਤੇ ਹਿੰਦੂ ਮੁਸਲਮਾਨਾਂ ਵਿਚ ਪ੍ਰੇਮ ਵਧਾਉਨ ਤੇ ਦੇਸ ਦੀਆਂ ਸਭ ਕੌਮਾਂ ਨੂੰ ਇਕ ਥਾਂ ਮਿਲਕੇ ਬਠਾਦੇਨ ਦਾ ਜੇ ਕੋਈ ਸਾਂਝਾ ਕੰਮ ਹੋ ਸਕਦਾ ਹੈ ਤਾਂ ਇਹ ਹੀ ਹੈ ਕਿ ਅਸੀ ਅਪਣੀ ਮਾਦਰੀ ਜ਼ਬਾਨ ਦੇ ਵਾਧੇ ਲਈ ਉਪਾਓ ਸੋਚੀਏ। ਕਿਉਂਕਿ ਇਸਦੇ ਵਾਧੇ ਨਾਲ ਹੀ ਧਰਮ; ਵਿਦਯਾ ਤੇ ਹੁਨਰ ਦਾ ਵਾਧਾ ਹੋਸਕਦਾ ਹੈ। ਪਿਆਰੀ ਪੰਜਾਬੀ ਦੇ ਵਾਧੇ ਨਾਲ ਹੀ ਦੇਸ ਵਿਚ "ਸੈਕਸਪੀਅਰ" "ਸਕੌਟ", ਅਥਵਾ ਵਾਰਸ ਸ਼ਾਹ ਜੇਹੇ ਕਵੀ ਹੋਸਕਦੇ ਹਨ ਜਿਨਾਂ ਦੀ ਜਾਦੂ ਵਤ ਅਸਰ ਕਰ ਜਾਨ ਵਾਲੀ ਕਲਾਮ ਨਾਲ ਹੀ ਦੇਸ ਵਿਚ ਹਰ ਇਕ ਕਿਸਮ ਦਾ ਪ੍ਰਚਾਰ ਹੋ ਸਕਦਾ ਹੈ।

वंशीनिनादवशनीतचराचराय

गीतार्थबोधन-कराय नमो नमस्ते ॥ ९९ ॥

काव्यं यथामति पद्यावलिसारसारं

यत्प्रेरणार्पितमिदं हि यदीयभाले ।

सद्यो वसन्ततिलकातिलकायितं तद्

वन्दे सिताञ्जलिमना मधुसूदनन्तम् ॥१००॥

इति श्रीमहोपाध्याय-देवीदासतनुजनुषा सतीश्रीविष्णुदेवीगर्भजेन कवितार्किकनृसिंहदेव-शास्त्रिणा दर्शनाचार्येण प्रणीतं "श्रीकृष्णशतकं स्तवकं" नाम समाप्तम् ।

आरम्भकालः वि. सं० १९७९ आषाढवदि । बुधैकादशी ।

समाप्तिकालः आषाढशुदि गुरुपञ्चमी ॥

——:०:——

तांस्तान्नराञ्जहि यमा अपि भर्त्सयन्ति
ये कृष्णपावनसुधां नयनैः पिबन्ति ॥ ६२ ॥

हे ! कृष्ण ! यादव ! यथा द्रुपदात्मजाया
रक्षां व्यधाः कुरुदवानलमध्यगायाः ।
तद्वन्ममापि गृहदावघनातुरस्य
साहाय्य मातनु तवान्तिकमागतस्य ॥ ६३ ॥

यां यां गतिम्प्रतिगतोऽपिभवेयमार्त्त-
बन्धो ! स्वभक्तजनशोकविमोचनेश !
सेवे भवत्पदसरोजरजोनितान्तं
चित्तं तनोतु मम भक्तिरसेऽपि चिन्ताम् ॥ ९४ ॥

आपास्यते वपुषा मनसा मयैतत्
त्वद्दर्शनासवरसोऽति पिपासितेन ।
बन्धो ! कदा वद ! सुरासुरचर्चिताङ्घ्रे !
स्वाघौघघूर्णितघृणेन नराधमेन ॥ ६५ ॥

काव्यैककौशलकलासुभवच्चरित्र-
चित्रातिचित्ररचना रचयन्तु मेऽद्य ।
कामा न कामिजनकामितकल्पनास्ता
यासां रसेन मनुजा मलिनीभवन्ति ॥ ६६ ॥

यश्चन्द्रचन्दनपिकालिसुमालिमेघ-
नीलालकालितरुणीरसमग्नभावः ।
भावोऽस्ति सोऽद्य मम तावकसत्स्वरूपे
लीनो भवेद्भवमहामयधूमकेतुः ॥ ९७ ॥

आः ! सन्तनोतु भगवन् ! भवदीयपाद-
कञ्जे परां रतिमपारदयाधनेश !
मेधामकुण्ठितरसां सरसे च काव्ये
स्वान्तं ममाद्य नितरां तव सन्निधाने ॥ ६८ ॥

कृष्णाय भूमिपतये भविकेश्वराय
भव्याय भावुकजनाघविदारकाय ।

सम्मित्रयन्ति रिपुवर्गमनर्गलं वा।
सञ्चित्रयन्ति विषयैगणलोकचित्ती
येकृष्णनामरसनामभितो रटन्ति ॥ ८५ ॥

उद्धर्षयन्ति निजसङ्गवशेन लोकान्
सङ्कर्षयन्ति निगमागमतत्त्वमार्गान्।
संवर्षयन्ति शुभकर्मसुधासुधारा
ये कृष्णदर्शनरसाकुलचित्तभागाः ॥ ८६ ॥

लोकान्स्वकीर्तिपयसा ननु धावयन्ति
मित्राणि चित्रचरितैरपि हासयन्ति।
सम्मादयन्ति मदयन्ति गृणन्ति साधून्
ये कृष्णपादरजसि प्रविलोठयन्ति ॥ ८७ ॥

ते शोषयन्ति निजदुष्कृतिपङ्कजालीम्
आत्मानमात्मनिरतावपि पोषयन्ते।
सर्वस्वबन्धुहृदयं परितोषयन्ते,
ये कृष्णगीतिमधुवर्षमिहार्थयन्ते ॥ ८८ ॥

उन्मूलयन्ति किल कर्मजटाः स्वकीया
उद्धूलयन्ति सपदि स्वतमांसि यानि।
ते लङ्घयन्ति भववारिधिमुत्सवेन
हे! कृष्ण! ये तव गुणान्पटयन्ति सन्तः ॥ ८९ ॥

नैते जगज्जटिलजालकिनो भवन्ति
नोवाङ्क्षयन्ति शमलैरपि मानमानि।
नो शङ्कयन्ति समलानमलान्पदार्थान्
ये कृष्ण! तावकरतिं परिपोषयन्ति ॥ ९० ॥

तेऽज्ञानपाशविततिं ननु खण्डयन्ति
चेतांसि सज्जनरसैरपि मण्डयन्ति।
सूर्यस्य मण्डलमपीह सुभेदयन्ति
ये कृष्णचिन्तनरसायनपुष्टिभाजः ॥ ९१ ॥

कान्ताकटाक्षविशिखा नहि वेधयन्ति
शान्त्यादिनिर्मलगुणा न च दूरयन्ति।

केचित्परागुनिचयं अणुकादिमार्गाद्
हेतुं वदन्ति परकेऽपि जडं प्रधानम् ।
शून्यं स्वभावमपि केचिदिहास्तिकालं
ते कृष्ण ! तेऽखिलपतेर्महिमानमज्ञाः ॥ ७८ ॥

गुम्फो गिरा मतितरां किल कुण्ठभावं
चित्तेन साकमपि सम्भजते त्वयीश !
तन्नेति नेतिवचसा सहसाऽपि वेदा-
स्त्वां वागगोचरतया कथयन्ति यस्मात् ॥ ७९ ॥

तत्त्वं स्वयम्प्रभमलुप्तनिजप्रबोधं
रूपं न यत्र रविरंशुभिराः ! प्रभाति ।
सौदामिनी न च तथोडुपतिर्न चान्यः
कोप्यस्ति भासनकरः स च यः पुरस्ते ॥ ८१ ॥

शुद्धस्य मागुणगणात्परतः स्थितस्य
माया प्रवेशवशतो गुणिता तवेष्टा ।
पुष्पप्रसङ्गवशतोऽपि हरेऽत्र लोके
दृष्टा यथा स्फटिकवर्ष्मणि शोणिमाऽयम् ॥ ८१ ॥

उत्तारयन्ति निजवंशकरादिपूर्वान्
सम्बोधयन्ति मनसोऽपि विलासयन्ति ।
निर्धूनयन्ति शमलानि पुराकृतानि
ये कृष्णपादकमलभ्रमरा भवन्ति ॥ ८२ ॥

उन्निद्रयन्ति हृदयं विषये शयानं
सम्मुद्रयन्ति सुतरां किल कामभित्तीः ।
सन्तर्जयन्ति यमराजभटानभीकान्
ये कृष्णपादकमलभ्रमरा भवन्ति ॥ ८३ ॥

विस्रावयन्ति परितः सरितः शुभानां
विद्रावयन्ति कुमनीषिकुलङ्कुरान् ।
संमानयन्ति हरिकीर्तनकीर्त्तिकान्ता
ये कृष्णचन्द्रचरणानुगुणा भवन्ति ॥ ८४ ॥

सम्पूतयन्ति निजसूक्ति-सुधाभिवृष्ट्या

आनन्दलाभकरणे च सदा सुदक्षा ॥ ७० ॥
यत्पादशौच परिमार्जन शौचभावो
नित्यं शिवोपि शिवमूर्त्ति रघौघहारी ।
लोकान्नु शिक्षयति शास्त्रनिदर्शनेन
कृष्णं प्रशान्तवपुषं नमतादरेण ॥ ७१ ॥
स्फारानन विकचकञ्जविशालनेत्रं
नेत्रं सतां सगुणमङ्गलमङ्गलानाम् ।
दृष्ट्वैव कौरवबलक्षपितार्थलोकं
लोकं सदाभजनतत्परमानवानाम् ॥ ७२ ॥
संसारवारिधिसमुत्तरणैकसेतुं
पुण्यप्रभासरणसञ्चयशुद्धहेतुम् ।
पापप्रथापरविनाशनधूमकेतुं
वेदप्रथातुलसुरक्षणलोकनेतुम् ॥ ७३ ॥
ब्रह्मादिदेवजनबोधनदेवगातुं
मिथ्याप्रपञ्चरचनानिचयस्य भातुम् ।
भक्तव्रजार्त्तिहरणाय सदैव यातुं
लोकप्रथाकलितमानसतत्त्वमातुम् ॥ ७४ ॥
मायागुणात्परतरोऽसि महामहिम्नां
प्रख्याततेजविभवोसि मुकुन्द ! कृष्ण ! ।
रूपं च ते समयवस्तुभिदाद्यतीतं
गीतं यदस्तिनिगमान्तवचोभिरद्धा ॥ ७५ ॥
अस्यातिविस्मयकरस्य सिसृक्षतस्ते
सङ्कल्पमात्रजनितस्य विकारभावः ।
अम्भोनिधेः प्रकृतिभाव इवास्ति लोके
वीचीतरङ्गलहरीष्वनुगामिनोऽपि ॥ ७६ ॥
माया जडापि तनुते तव सन्निधानात्
त्रैगुण्यपूर्णविषयान्पटतन्तुवृत्तिः ।
लोहं जडं क्षणत एव चलस्वभावं
सञ्जायतेऽचपलचुम्बकसन्निधानात् ॥ ७७ ॥

वैद्यप्रमाथकरणाय युधिष्ठिरार्थे
देदीप्यमानविभवाय चमत्कराय ॥ ६३ ॥

नृत्यन्मयूरपरिबर्हधराय वंशी-
वाद्यस्वनोल्लसित-शाम्भवमानसाय ।
आमोदकारिशुभदर्शनपूतनीच-
लोकाय शोकचयमोक्षकरेक्षणाय ॥ ६४ ॥

भक्तव्रजार्त्तिहरणक्षमदर्शनाय
कुन्तीव्यथाजलधितारणनाविकाय ।
श्रीलोकलोचनचकोरसुधाकराय
श्रीनारदागमसमुच्छ्वसितान्तराय ॥ ६५ ॥

आपन्नतापहरणाय तपस्विलोक-
शान्तान्तरात्मनि सदैव कृतासनाय ।
पीयूषदीधितिकरप्रसरप्रमुष्ट-
ध्वान्तक्षपासु कृतरासमहोत्सवाय ॥ ६६ ॥

प्राग्जन्मचीर्णपुरुपुण्यमहासमाज-
प्रोद्भूतमानवभवं नहि ये श्रयन्ते ।
श्रीकृष्णपादयुगलाश्रयमाधिवर्जे
ते तैलचक्रवृषभाः परितो भ्रमन्ति ॥ ६७ ॥

शब्दार्थयोजननयप्रतिभानवन्तः
सद्यः परिस्फुरितरीति-गुण-प्रवाहाः ।
वाणीं न ये परिणयन्ति यदूत्तमेश-
कीर्त्तिस्वरेण कवयः किमु ते भवन्ति ॥ ६८ ॥

सन्त्यत्र केचिदतिशास्त्ररसप्रवीणा-
भूपाः समर्थितगुणाः प्रियरीतयोऽपि ।
यः कृष्णकीर्त्तिसुधयाप्लवितान्तरात्मा
सोऽयं जनो विरल एव भवेद्भवेऽस्मिन् ॥ ६९ ॥

तं दूरतः परिहरन्तु कविं कवीन्द्राः !
सान्द्रा न यस्य मधुवर्षिणि वाक्प्रसारे ।
श्रीकृष्णभक्तिरतुला सकलाघनाशे

मार्गद्वयं निगदितं यदि किं ततः स्याद्
भावप्रधानमनसा नहि चिन्तितश्चेत् ॥ ५६ ॥
प्रह्वीभवामि परमार्थनिजस्वरूप-
विध्वस्तमायिकगुणावरणाय कस्मै* ।
स्वेच्छावभासितमृषारचनाय तस्मै
कृष्णाय सात्त्ववपुषे सकलेश्वराय ॥ ५७ ॥
इन्द्रादिदेवगणमौलिकिरीटकोटि-
संघट्टितामलपदे परमेश्वराय ।
आत्मप्रभापिहितसर्वचराचराय
मोक्षप्रदाय विबुधादिभिरर्चिताय ॥ ५८ ॥
वंशीविनोदरवमूर्च्छितविश्वलोक-
सन्दर्शितात्मसुखरूपमहामहिम्ने ।
गोपाङ्गनाङ्गणमभिङ्गितमङ्गलाय
स्वामन्दहासपरिशीलितवल्लवाय ॥ ५९ ॥
मृत्स्नातिपूर्णमुखवल्गितवल्गुवाक्य-
सन्त्रासिताय जननीभयकातराय ।
त्रैलोक्यदर्शनकृते विकसन्मुखाय
विस्मापितस्वजननीमनसे महाय ॥ ६० ॥
संसारतापभयहारिभिषग्वराय
वाचामगोचरमतत्त्वमहेश्वराय ।
संशान्तयोगिहृदयेलितलोकलीला-
लावण्यकालिमवशीकृतविश्वकाय ॥ ६१ ॥
हंसाय हंसजनमानसशोधकाय
गोवर्धनोद्धरणदर्शितसद्बलाय ।
सूर्यात्मजातटनिवेशविशेषवेष-
सम्मोहिताखिलसुराय सदाचलाय ॥ ६२ ॥
सङ्ग्रामकालभवपार्थमहाप्रमाद-
ध्वान्तप्रसारहरणक्षमभास्कराय ।

---

* सुखात्मने ।

गीतादिशास्त्रपरिगीतमहामहस्य ।
सक्ता मृगीव पदमेकमपीह धर्त्तुं
नालं चलम्बननिरीह ! मदीयवाणी ॥ ४९ ॥
स्वामिन् ! त्वदीयचरितं श्वसनं मृतानां
सञ्जीवनं भवमहागदपीडितानाम् ।
आलम्बनञ्च कवितारचनामरीणा-
मुच्चाटनं विविधजन्मकृतैनसाञ्च ॥ ५० ॥
यावन्न ते पदसरोजरजोविलीनः
स्वान्तालिरेष रसचाटुकृतावतारः ।
तावन्न मुञ्चति मनोजकृतामयार्त्तिं
कान्ताकटाक्षकटुसायकपातजाताम् ॥ ५१ ॥
तेषामुदेति भवभीतिहरी सुसम्पत्
स्तुत्या भवन्ति ननु ते च निलिम्पवृन्दैः ।
लक्ष्मीर्जहाति न च तान्विभवैः सुपूर्णान्
ये पूरिता स्तव पवित्र-चरित्रवाग्भिः ॥ ५२ ॥
चित्रं प्रभो ! भवति तेऽर्चनपुण्यकर्मा
नर्माण्यपास्य हरिणीनयनाभिरामिः ।
त्वत्पादुके हृदि निधाय तपश्चरित्वा
भूयोऽपि नाकभुवि नृत्यति नाकिनीभिः ॥ ५३ ॥
चित्राद्विचित्रततरां भव ! ते विचित्रं
गोप्यो भवन्मुखसरोजमदं निपीय ।
हर्म्ये न पातमलभन्त विशीर्णपापाः ।
मत्ता न चापि विषयेषु हरे ! निपेतुः ॥ ५४ ॥
तावद्भवेद्यममहाधिप-भैरवस्य
भीतिर्भवे विविधतापभवे मुकुन्द !
यावन्न ते मुखकलाधरगोषु सङ्गः
श्रीकृष्ण ! यावदपतं ! मम निश्चयोऽयम् ॥ ५५ ॥
प्राप्त्यै निरामयपदस्य पदस्य तेऽस्य
श्रुत्या समर्थिततमस्य तमः परस्तात्

श्रीकृष्णस्तवकशतकम् ।

(पूर्वतोऽनुवृत्तम)

(कवितार्किक-नृसिंहदेवशास्त्रि-दर्शनाचार्यप्रणीतं खण्डकाव्यम्) ।

आ ! मल्लिकाकुसुमनिर्मलकर्णभूषां
माणिक्यकुण्डलवलेपमपि प्रहाय ।
श्रीकृष्णचन्द्रचरणस्तवनैस्तनुध्वं
नक्तन्दिवा श्रवणशोभिवतंसलीलाम् ॥ ४३ ॥

जाम्बूनदीयवलयैर्वलितैर्न शोभा
लोभाभिमानजनिकारिभिरङ्ग ! नूनम् ।
श्रीकृष्णनामवलयस्य तु धारणेन
शोभास्ति यादृशमनोमणिकेन तेन ॥ ४४ ॥

ते पामराः प्रणतिसन्ततिनाट्यदक्षा
ये तोषयन्ति धनमानमदावलिप्तान् ।
सत्यं बुधो न सकलार्तिहरात्परेशात्
कृष्णात् परं प्रभुमवैति विविक्तभावः ॥ ४५ ॥

हे ! कृष्ण ! यादव दयाम्बुनिधे ! निधेहि
त्वत्पादपद्मरजसां निचयं ममाङ्गे ।
यत्रालुठन्निजमनोजविनोदहेतो
गोप्योऽन्यसर्वविषयव्यसनादतीताः ॥ ४६ ॥

संसारघोरवडवानलजानशेषां-
स्तापान्विनाशय विभो ! निजदृष्टिपातैः ।
तैः शारदेन्दुकिरणप्रतिगर्जनैश्री-
राप्यायनैरपि सुधामयवृष्टिपातैः ॥ ४७ ॥

हे ! नाथ ! नैकभवदायिमदीयपाप-
दुर्वासनानिचयकालभुजङ्गयोघान् ।
द्राङ्नर्तनं कुरु पदाम्बुजपाततालै
र्वंशीं निनादय महाद्भुतमोहनश्रीम् ॥ ४८ ॥

स्वामिंस्त्वदीय-चरितस्य विचित्ररीति-

विवाहोत्तरचतुर्थरात्रौ वधूवरयोः संयोगसंभवो विहितः। तदन्यथाऽनुपपत्त्या
'त्रिंशद्वर्षो वहेत् कन्यां हृद्यां द्वा(वा)दशवार्षिकीम्।'

इति मनूक्तविवाहकालाङ्गीकार एव सर्वस्मृतिगृह्यसंवादः, नत्वष्टवर्षादि-विवाहे। अष्टवर्षशब्द एकशेषाङ्गीकारस्तु रामामिश्राणां प्रौढिवादेनैव, एकशेषसूत्र-स्थभाष्यविरोधात्, 'त्र्यष्टवर्षः' इत्यत्र त्रिशब्दोच्चारणवैयर्थ्याच्च॥

निजदेवरासम्भवे तु निरुक्तोपदर्शितयोगार्थोऽङ्गीकार्यः। तथा चोक्तं पराशरेण—

'नष्टे मृते प्रव्रजिते क्लीबे च पतितेऽपतौ।
पञ्चस्वापत्सु नारीणां पतिरन्यो विधीयते॥

अत्र चासुसमासपदोत्तरपदभूतसुसमासपदलोपेन 'अपतौ' इत्यत्र निरुक्त-संवादाङ्गीकाराय समासाङ्गीकारे घिसंज्ञापि निराबाधैवेति तत्त्वम्॥

दाक्षिणात्यमते तु पूर्णप्रतिज्ञातमूल्यालाभे कन्या द्वितीय पूर्णमूल्यदातारं वरमाश्रयत्येवेति * वैश्यादिजातौ वेश्यादिव्यभिचारिणीषु च दृश्यत एव तादृशो व्यवहारः। तत्र किं परोक्षं व्यवहारनिपुणानामिति दिक्॥

एवं च चतस्रो गतयो विधवानां प्रतिभान्ति—तत्र पत्यौ प्रेते ब्रह्मचारिणी उत्तमा। ब्रह्मचर्ये स्थातुमसमर्था पतिमनुगच्छन्ती मध्यमा। ब्रह्मचर्यपत्यनुगमन-योरसमर्था पुनर्भूत्वमङ्गीकुर्वती अधमा। पुनर्भूत्वमप्यनङ्गीकुर्वती व्यभिचार-जातगर्भादि निःसारयन्ती भ्रूणहत्यादिदोषाधिक्याद् अधमाधमा॥ एवं चतु-र्विधासु विधवागतिषु तिस्रो गतीरुत्तममध्यमाधमा उपदिदेशायं मन्त्रः। न त्वधमाधमगतिं चतुर्थीमिति सर्वमनवद्यम्॥

पण्डित शिवदत्त शर्मा।

---

* वैश्यशूद्रयोरासुरविवाहातिरिक्तविवाहस्याविधानात्। आसुरविवाहे च कन्याक्रयणे नियते कन्याक्रेतृषु च सर्वाधिकद्रव्यदात्रैव कन्या क्रीयत इत्येव सारम्॥ अधुना सर्वैः स्वजातिधर्ममपहाय ब्राह्मणीभवितुं यतमानैः क्षत्रिय-वैश्यशूद्रैरपि जलपूर्वकं कन्या गृह्यत इति 'सैषा पुरुषगर्हा न शास्त्रगर्हा' इत्यनेन निरुक्त कृतैव समाहितम् इति दिक्॥

"देवरः कस्मात्? द्वितीयो वर उच्यते" इति निरुक्ताश्रयणे तु भिन्नैव व्यवस्था ॥ तथा हि 'नाभियोगात्' इत्यनयस्याधिशब्दस्यापि व्याख्याने 'दिजामातुः-असुसमाप्ताज्जामातुः। दिजामातेति शश्वद् दाक्षिणात्याः क्रीतापतिमाचक्षते। असुसमाप्त एव वरोऽभिप्रेतः' इति (६। ९। १) निरुक्तदर्शिनैव प्रोक्तेति 'तस्य पत्युरसुसमाप्तयोगाद् विधवा कथ्यते। योगश्च वधूवरयोश्चतुर्थीकर्मण्येव भवति, न तु ततः प्राक्। तथा चोक्तम्-गृह्यसूत्रेषु—

"तावुभौ तत्प्रभृति त्रिरात्रमक्षारलवणाशिनौ ब्रह्मचारिणौ भूमौ सह शयीयाताम् ॥ ऊर्ध्वं त्रिरात्रात्संभवः" इति।

एवं च चतुर्थीकर्मणि क्षतात्वम्, न ततः प्राक् ॥ तथा च चतुर्थीकर्मणः प्राक् तस्याः पतिगोत्राद्यप्राप्त्याऽनन्यपूर्वात्वमेव निर्णीयते। तस्या विवाहे 'अनन्यपूर्विकाम्' इत्यनेनापि न विरोधः ॥ तथात्र स्मृतयः—

"विवाहे चैव निर्वृत्ते चतुर्थेऽहनि रात्रिषु।
एकत्वमागता भर्तुः पिण्डे गोत्रे च सूतके ॥
चतुर्थीहोममन्त्रेण त्वङ्मांसहृदयेन्द्रियैः ॥
भर्त्रा संयुज्यते पत्नी तद्गोत्रा तेन सा भवेत् ॥
अद्भिर्वाचा च दत्तायां म्रियेतोर्ध्वं वरो यदि।
न च मन्त्रोपनीता स्यात्कुमारी पितुरेव सा ॥
पाणिग्राहे मृते बाला केवलं मन्त्रसंस्कृता।
सा चेदक्षतयोनिः स्यात्पुनः संस्कारमर्हति ॥
देशधर्मानवेक्ष्य स्त्री गुरुभिर्या प्रदीयते।
उत्पन्नसाहसाऽन्यस्मै सा द्वितीया प्रकीर्तिता ॥
असत्सु देवरेषु स्त्री बान्धवैर्या प्रदीयते।
सवर्णाय सपिण्डाय सा तृतीया प्रकीर्तिता" ॥

"असत्सु देवरेषु" इत्यनेन 'देवरसत्त्वेऽन्यस्मै नैव देया' इति यौगिकदेवरशब्दस्याश्रयणेन सूच्यते—

'यस्या म्रियेत कन्याया, वाचा सत्ये कृते पतिः।
तामनेन विधानेन निजो विन्देत देवरः ॥'

इति लेखेन क्रीडामात्रासक्तोऽत्र स्वोदरपूर्त्युपायज्ञानविकलो बालः स्तनंधयोऽपत्यमेव गृह्यते 'देवर' शब्दार्थः । तथाच तादृशं बालापत्यं पालयितुमस्मिन्नेव लोके तिष्ठेत्, नैव मृतपतेरनुगमनेन लोकान्तरं गच्छेदित्येकोऽर्थः । एवंच

'बालसंवर्धनं मुक्त्वा बालापत्या न गच्छति ।'

इत्यादिस्मृतिषु प्रामाण्यं दर्शयत्ययं शब्दः । मातुश्च स्तनंधयापत्येन सह स्वापमुपमया बोधयति ।

यद्वा—'येन पत्याऽस्मिंल्लोके क्रीडिना तेनैव सह क्रीडार्थं भर्तारमनुगच्छेत्' इत्यर्थसूचनेन—

"व्यालग्राही यथा सर्पं बलादुद्धरते बिलात् ।
तद्वदुद्धृत्य सा नारी तेनैव सह मोदते ॥
तत्र सा भर्तृपरमा स्तूयमानाप्सरोगणैः ।
क्रीडते पतिना सार्द्धं यावदिन्द्राश्चतुर्दश ॥"

इत्यादिस्मृतिषु प्रामाण्यं दर्शयन् अन्वारोहणमेवाह ॥

यद्वा—'दिविरैश्वर्यवचनः' इति "पङ्क्तिविंशति" इति सूत्रे भाष्यप्रामाण्येन देवरशब्द ईश्वरार्थकः तथा च 'यस्तद्भरणे समर्थः पिता भ्राता पुत्रो वा तमाश्रयेत्' इत्यर्थाश्रयणेन—

"पितृमातृसुतभ्रातृश्वश्रूश्वशुरमातुलैः ।
हीना न स्याद्विना भर्त्रा, गर्हणीयाऽन्यथा भवेत् ॥"

इत्यादि स्मृतिषु प्रामाण्यं दर्शितवान् ॥

यद्वा—देवरशब्दस्य परमेश्वरार्थकत्वेन 'परमेश्वरभक्तिपरायणा ब्रह्मचर्येण कालं क्षपयेत्' इत्यर्थं सूचयन्—

"आसीतामरणात्क्षान्ता नियता ब्रह्मचारिणी ।
यो धर्म एक पत्नीनां काङ्क्षन्ती तमनुत्तमम् ॥
अनेकानि सहस्राणि कौमारब्रह्मचारिणाम् ।
दिवं गतानि विप्राणामकृत्वा कुलसंततिम् ॥"

इत्यादिस्मृतिषु प्रामाण्यं सूचयन् ब्रह्मचर्यमुपदिशति ॥

इत्येन सर्वथाऽनवद्योऽयं मार्गः ॥

अतएव मेधातिथिना मनुव्याख्यायां "गुरुपत्नीनां संस्कृतप्रयोगज्ञानामपि" इति व्याख्यातम् ॥

("उपनयनविवाहशब्दयोरर्थनिर्णयः")

उप=हीनं—अल्पकालकं नयनम्—पितृगोत्राद्यत्यागेन प्रापणम्, आचार्य्योपसेवनम्, समावर्तनोत्तरं पितृगृह एव वापिचागमनात् ॥

नैष्ठिकानां काचित्कत्वेन उपकुर्वाणकानामेव भूयस्त्वात्–भूयसो व्यवहारस्य करणात् तदेव व्याचिख्यासितम् ।

कुमारीणामपि ब्रह्मवादिनीनां विरलप्रचारत्वेन, सद्योवधूनां भूयस्त्वात्तदपेक्ष एव विवाहशब्दप्रयोगः, तत्र विशिष्टस्य पितृगोत्रादित्यागपूर्वकपतिरूपाचार्यगोत्रादीनामेव ग्रहणेनापुनरावृत्तिरूपस्य वहनरूप प्रापणस्य वर (पाणिग्राहपति) कर्तृकस्य वाहनरूपप्रापणस्य वधूपित्रादिकर्तृकस्य सत्वात्। अल्पकालनयनाभावान्नोपनयन शब्दप्रयोगः। उक्तरूपभेदस्य दिदर्शयिषितत्वात् ॥

यज्ञोपवीतधारणं तु कुमाराणामिव कुमारीणामपि भवत्येव जातकर्मादिवत् ॥ अत एव—

"प्रावृतां यज्ञोपवीतिनीमभ्युदानयन् जपेत्—'सोमो ददद्—गन्धर्वाय' इति"

इतिगोभिलीयगृह्यसूत्रे "यज्ञोपवीतिनीम्" इति विशेषणं संगच्छते।

यज्ञोपवीतधारणं विनाऽजिनादिधारणस्याप्राप्त्या—

"वर्जयेदजिनं चीरम्"

इतिनिषेधस्य वैयर्थ्यापत्तिः स्यात्।

समावर्तनं च सद्योवधूनां स्त्रीणामाश्वलायनगृह्यसूत्रविहितं (३।७।१३)

संगमयितुं—वेदव्रताचरणमप्यावश्यकम् ॥

ग्रहणान्तिकब्रह्मचर्य्यपक्षे तद्दिन—एव करणीयमिति ॥

विक्रम संवत् १९६९ (१९१२ A. D.) श्रीवेंकटेश्वर मुद्रिते निरुक्ते २२१–२२३ पृष्ठेषु टिप्पणी—

"विधवेव देवरम्" इति मन्त्रस्य निरुक्ते (अ० ३, खं० १५)

'अपि वा धव इति मनुष्यनाम, तद्वियोगाद् विधवा। देवरो दीव्यतिकर्मा'

"नैष स्थाणोरपराधः—यदेनमन्धो न पश्यति" (१।१६।१०)
इति निरुक्तमेव स्मारयति ॥

किञ्च—

"अथ य इच्छेत्—"दुहिता मे पण्डिता जायेत"।"

इति बृहदारण्यकश्रुतौ "पण्डिता" इति विशेषणं विद्याविरहितत्वे न संभवति, इति श्रुतिविरोधोऽपि समापतति ॥

न च—"गृहकर्मकुशला" इत्यर्थः सम्भवति।

तथा सति 'कुशला' 'चतुरा' इत्युपादानमेव' कुर्यात् ॥

किञ्च—'कः सः यो न वाञ्छेत्—गृहकर्मकुशलतां दुहितुः, गृहकर्मकुशलतायां सर्वस्त्रीसाधारणत्वेन कामनाविशेषविषयत्वानवगमात् ॥

अस्माकं मते तु तस्याः सद्योवधूत्वमनिष्ट्वा ब्रह्मवादिनीत्वेच्छाबोधिकेयं श्रुतिः। यथा पुरुषेषु कौमारब्रह्मचारिणां नैष्ठिकब्रह्मचारिणां प्रशंसोत्तमलोकप्राप्तिश्च, तथैव कौमारब्रह्मचारिणीनां ब्रह्मवादिनीनां प्रशंसोत्तमलोकप्राप्तिश्चाविरुद्धेति।

अध्यापन सामर्थ्याभावे 'उपाध्यायी—उपाध्याया' इत्यादि प्रयोगसाधकवार्तिकरचनमपि व्यर्थं स्यात् ॥

अत एव—

"नामधेयस्य ये केचिद् अभिवादं न जानते।
तान्प्राज्ञोऽयमहं ब्रूयात् स्त्रियः सर्वास्तथैव च ॥ (२।१२३)

इति मनुस्मृतौ—

अविद्वांसः प्रत्याभिवादे नाम्नो ये न प्लुतिं विदुः।
कामं तेषु तु विप्रोष्य स्त्रीष्विवायमहं वदेत् ॥

इतिमहाभाष्योपन्यस्तस्मृतौ च स्त्रीविषयकविधिः संगच्छते।

स्त्रीणां विद्याराहित्यत्वाभिनिवेशग्रहाविष्टानां मते त्वविद्वत्त्वेनैवाभिवादनयोग्यत्वाभावे सिद्धे व्यर्थ एवायं विधिः स्यात् ॥

" आवृतैव स्त्रियाः कुर्यादमन्त्रम् "

" समन्त्रं चेत् पश्चाज् जुहुयात् "

इति जैमिनीयगृह्यसूत्र (१ । ११—१२) योः —

" नहि शूद्रायोनौ ब्रह्मक्षत्रविशः प्रजायन्ते । "

" तस्माच्छन्दसा स्त्रियः संस्कार्य्याः "

इति हारीत (२१ । २२—२३) स्मृतेश्च संवादेन, गर्भाधान-पुंसवन-सीमन्त-संस्कारसमये गर्भस्थव्यक्तौ स्त्रीत्व-पुंस्त्वविवेकस्य विना विशिष्ट-पुरुषमसम्भवेन, संख्या—वाचक "नव" शब्दप्रयोगस्य संगत्यभावेन निषेध-विकल्प एव व्यासस्याभीष्टत्वेन विकल्पप्रांसंग्व—

" न वैताः कर्णवेधान्ता मन्त्रवर्ज क्रियाः स्त्रियाः " ।

इति व्यासस्मृतिरनुवादिकेति यथोपलब्धशास्त्र—प्रमाणकाः ॥

न चेदम् अविशेषकथनम्

" तस्या यावदुक्तमाशी—र्ब्रह्मचर्यमतुल्यत्वात् ॥"

इति पूर्वमीमांसा (६ । १ । २४) सूत्रस्थेन—" अतुल्यत्वात् " इतिपदेन " विद्यारहितत्वात् " इत्येवं शबरस्वामिकुमारिलप्रभृतिव्याख्यातृभिर्व्याख्यानेन विरुद्धमेवेति वाच्यम् ।

" अवैद्यत्वादभावः कर्मणि स्यात् " इति पूर्वमीमांसा (६ । १ । ३७) सूत्र इव " अवैद्यत्वात् " इत्यनुक्त्वा ।

"अतुल्यत्वात्" इतिवदनः सूत्रकारस्य—"विद्यारहितत्वात्" इत्यर्थे स्वरसाभावेन गुरौ संनिहिते शिष्यस्येव राज्ञि संनिहिते प्रधानामात्यस्येव पत्यौ संनिहिते स्त्रिया अप्रधानत्वेनास्वतन्त्रत्वेनैव 'अतुल्यत्वात्' इत्यर्थे एव स्वारस्येन विरोधाभावात् ॥

एवञ्च स्त्रीणां पतिसमानाधिकारे शास्त्रसिद्धेऽपि शास्त्रासं-मतत्वकथनं—

" सैषा पुरुषगर्हा, न शास्त्रगर्हा " (१ । १४ । ६)

इतिश्रौष्यपरः" तथा च 'वृद्धकुमारी' इति प्रयोगेपि मुख्येऽर्थे सुलाभं पश्यति न गौणत्वावश्यकतेति बोध्यम् ॥

पुराकल्प इति ।

कल्पपदमत्र न ब्रह्माहोरात्रपरम्, यतः—अस्मिन्नपि कल्पे सीतादेव्याः संध्योपासनं रामायणे, गार्गीमैत्रेयीप्रभृतीनां ब्रह्मपरायणत्वं बृहदारण्यकादौ स्पष्टं प्रतीयते। किन्तु षडङ्गान्तर्गतवैदिककर्मप्रक्रियाप्रदर्शनसूत्रपरम्। अत एव—

"प्रावृतां यज्ञोपवीतिनीमभ्युदानयन्"

इतिगोभिलीयगृह्यसूत्रे 'यज्ञोपवीतिनीम्' इति पदम्।

'द्विधाः स्त्रियो ब्रह्मवादिन्यः सद्योवध्वश्च । तत्र ब्रह्मवादिनीनामुपनयन मग्नीन्धनं वेदाध्ययनं स्वगृहे भिक्षाचर्या, सद्योवधूनां तूपनयनं कृत्वा विवाहः कार्यः,"

इति हारीतवाक्यं च संगच्छते । एतदेवाभिप्रेत्य "वैवाहिको विधिः स्त्रीणा मौपनायनिकः परः" इत्यनेन विवाहमुहूर्त्ते एवोपनयनं कार्यम्, इत्युक्तम्।

स्त्रीणां पतिव्यतिरिक्तगुरोरभावादुपनयनतः परं गुरूपासनस्यावश्यकत्वा-देव—"पतिसेवा गुरौ वासः" इत्युक्तम्। ततश्च कन्यादानतः पश्चात्—'सोमो ऽददत्' इति पाठतः प्रागेवोपनयनेन यज्ञोपवीतादिधारणम्।

तत्र स्त्रीणा मजिनादि धारणं तु—

'वर्जयेदजिनं चीरम्'-

इति निषिद्धम्। इति त्वन्यत् । इतोऽप्यधिकं सकलार्षवचनानामविरोधेन भाष्यालोचने निरूपयिष्यामः ।

——o——

आर्यविद्यासुधाकरव्याख्यायाम् "आर्यसिद्धान्तकौमुद्याम्" ।

" स्त्री चाविशेषात् " ॥ ७ ॥

" दर्शनाच्च " ॥ ८ ॥

इति कात्यायनश्रौतसूत्रयोः—

" जातिं*" " तु बादरायणोऽविशेषात्, तस्मात्स्त्र्यपि प्रतीयते—जात्यर्थस्याविशिष्टत्वात् " ।

इति जैमिनीयपूर्वमीमांसा (६ । १ । ८) सूत्रस्य—

---

* अत्र सूत्रे जातिपदं सामान्यलक्षणप्रत्यासत्तिसाधकजाति-गुण-क्रिया परमेव । अतएव—

'स्वर्गकामो यजेत' इति क्रियाशब्द एव भाष्यादौ निर्दिष्टः ॥

'तस्या यावदुक्तमाशीर्ब्रह्मचर्यमतुल्यत्वात्' (६ । १ । २४) इति सूत्रेऽनुल्यत्वं न विद्याभावेन, किन्तु राजसंनिधानेऽमात्यस्येव गुरुसंनिधाने शिष्यस्येव पतिसंनिधानेऽस्वतन्त्रत्वरूपाप्राधान्येनैव ।

स्त्रीशूद्रयोः समानत्वे शूद्राणामधिकाराभावः, स्त्रीणां त्वधिकारः, इति वैषम्यं कथ मुपपद्यते ।

आर्षग्रन्थेषु तु न क्वापि स्त्रीणामध्ययनाभाव उपलभ्यते ।

प्रत्युत 'काशकृत्स्निना प्रोक्तां मीमांसामधीते काशकृत्स्ना ब्राह्मणी' इत्युदाहरणेन सूचितस्य मीमांसाध्ययनस्य

'इङश्चेत्यपादाने स्त्रियामुपसंख्यानं तदन्ताच्च वा ङीष्' इति (३ । ३ । २१ सू०) वार्तिकस्य—"उपेत्याधीयतेऽस्याः उपाध्यायी उपाध्याया' इत्युदाहरणेन सूचितस्य वेदैकदेशाध्यापनस्य ।

"कथं हि स्त्री नाम सभायां साध्वी स्यात्"

इति ग्रन्थेन भगवता स्त्रीणां सभागमन इव यद्मीमांसाध्ययने निन्दाया असूचनात् स्वसम्मतत्वमेव दर्शितम् ।

किञ्च तद्वैयर्थ्यत्वेन नाऽऽच्छद्ये तु ककयीत्यादाविव पुंयोगविवक्षायाम्—'उपाध्यायी' इति प्रयोगसिद्धौ वर्तिकेन ङीष्विधानं व्यर्थं स्यात् ॥

श्रुतिस्मृतिगृह्यसूत्रेषु पुत्रकुमारपदमपि क्रियाजातिपरमेव, न पुंव्यक्तिमात्रपरम् ।

अत एव 'पुमांसं पुत्रमाधेहि' इति श्रुतौ 'पुत्रम्' इत्यस्य 'पुमांसम्' इति विशेषणोपादानं पितृऋणापाकरण—समर्थस्यैव संतानस्य कामनाविषयत्वेन क्लीबस्य कामनाविषयत्वाभावेनैव व्यावृत्तौ स्त्री व्यक्ति कामनाव्यावृत्त्यर्थं संगच्छते । "कुमारा विशिखाइव" इति श्रुतिसूचितचौलकर्म कुमाराणामिव कुमारीणामपि स्वीकृतम् ।

तथा चोक्तं प्रकृतसूत्रभाष्ये–जातेर्लक्षणद्वयमभिधाय 'कः पुनरेतयोर्जातिलक्षणयोर्विशेषः' इति पूर्वपक्षस्य "यथापूर्वं (आकृतिग्रहणा) जातिलक्षणम्, तथा 'कुमारीभार्यः' इति भवितव्यम् ।

यथोत्तरम् (प्रादुर्भाव-) तथा कुमारभार्यः, इति भवितव्यम्" इति समाधानम् । आकडारसूत्रभाष्यशेषेऽपि प्रथमलक्षणस्यैव कथनात्तदेव संमतमिति 'कुमारी' इति प्रयोगो द्विधा साधनीयः—'वयसि प्रथमे' इति ङीप्येकः । 'जातेः-

'पिता पितृव्यो भ्राता वा नैनामध्यापयेत् परः ।
स्वगृहे चैव कन्याया भैक्षचर्य्या विधीयते' ॥
वर्जयेदजिनं चीरं जटाधारणमेव च' ॥

(पराशर—माधव २ अ०—आ० का० —पृ० ४८५) ।"

इति स्वोक्तिद्वयं संगच्छते । तस्मान्निश्चीयते स्त्रीपदमत्र केन चिन्महात्मन
प्रक्षिप्तम् ॥

एतदधिकरणानुसारेण सर्वेषु यागेषु स्त्रिया अधिकारप्राप्तौ वेदाऽध्ययन
मन्तरा तदनुपपत्त्या 'अष्टवर्षं ब्राह्मणमुपनयीत तमध्यापयीत' इत्यत्रापि तस्या अधि
कारित्वसिद्धौ का हानिः ॥

उत्तराधिकरणेन (६ । १ । ५) दम्पत्योः सहैवाधिकारो बोधितो न तु पृथक्
तेन पत्यौ जीवति तस्या अप्रधानत्वात् स्वातन्त्र्यं नास्तीत्येव सूचितमिति त्वन्यत्

१९६६ तमे विक्रमाब्दे 'श्री वेङ्कटेश्वर' मुद्रिते तत्त्वबोधिनीग्रन्थे स्त्रीप्रत्ययप्रकरणे

'यद्यपि स्त्रीणामध्ययनं प्रतिषिद्धम् ।' इति ॥

अत्र विचारटिप्पण्याम्—

प्रतिषिद्धमिति । आधुनिकानामैतिह्यमेवात्र प्रमाणम् । पूर्वोत्तरमीमांसयोर
केवलं शूद्राणामध्ययनप्रतिषेध उपलभ्यते—

तथा च जैमिनिः—

'अवैद्यत्वादभावः कर्मणि स्यात्'
'तथा चान्यार्थदर्शनम् (६ । १ । ३७—३८) इति ।

व्यासदेवोऽपि—'श्रवणाध्ययनार्थप्रतिषेधात्'
'स्मृतेश्च' (१ । ३ । ३८—३९) इति ॥

प्रत्युत स्त्रीणां

'जातिं तु बादरायणोऽविशेषात्तस्मात् स्त्र्यपि प्रतीयेत जात्यर्थस्याविशिष्टत्वात्' ॥
'फलोत्साहाविशेषात्' ॥ १३ ॥
'अर्थेन च समवेतत्वात्' ॥ १४ ॥
'फलार्थित्वात्तु स्वामित्वेनाभिसम्बन्धः' ॥ २० ॥

(६ । १ । ८—२०) इति सूत्रैर्वैदिके कर्मणि पुंस इवाधिकारो वर्णितः ॥

'स्त्रिया न सोऽस्त्यस्ति वा, नो पुल्लिङ्गेन तदीक्षणात् ।
प्रकृत्यर्थतया लिङ्गं संख्यावन्नाविवक्षितम् ॥ ६ ॥'
'अस्त्युद्देश्यगतत्वेन संख्यया सदृशत्वतः ।
यद्विभक्तिविकारादेरर्थस्तत्प्रकृतेर्नतु ॥ ७ ॥'

'स्वर्गकामो यजेत' इति पुल्लिङ्गशब्देनाधिकारिणः विधानात् सोऽधिकारः स्त्रिया नास्ति । न च—ग्रहैकत्ववल्लिङ्गमविवक्षितम्—इति वाच्यम्, एकत्ववल्लिङ्गस्य प्रत्ययार्थत्वाभावात् । प्रकृत्यर्थतया तु ग्रहवद् विवक्षितं पुंलिङ्गम् । इति प्राप्ते ब्रूमः—अस्ति स्त्रियाः कर्माधिकारः । कुतः—पुल्लिङ्गस्याविवक्षितत्वात् । न ह्येकत्वस्य प्रत्ययार्थत्वम् अविवक्षायां निमित्तम् । किन्तूद्देश्यगतत्वम् । इहापि 'यः स्वर्गकामः स यजेत' इति वचनव्यक्तौ पुल्लिङ्गस्योद्देश्यगतत्वेनैकत्वसंख्यया सदृशत्वाच्चास्ति अविवक्षितत्वम् । न च—प्रकृत्यर्थो लिङ्गम् । किन्तु—स्त्रीलिङ्गं तावट्टाबादिभिः स्त्रीप्रत्ययैरभिधीयते । पुल्लिङ्गं तु 'वृक्षान्' इत्यस्मिन् द्वितीयाबहुवचने विभक्तिविकारेण नकारादेशलक्षणेनाभिव्यज्यते । 'एवम् कुलम्' इत्यस्मिन् प्रथमैकवचने नपुंसकाभिव्यक्तिः । तस्माल्लिङ्गस्य प्रकृत्यर्थत्वाभावादुद्देश्यगतत्वेनाविवक्षितत्वाच्च स्त्रिया अप्यधिकारः ॥"

"अथ च—विवाहरहितानामपि ब्रह्मवादिनीनामुपनयनादिभिरुत्तमलोकसम्भवात् । अत एव हारीतेनोक्तम्—'द्विविधाः स्त्रियो ब्रह्मवादिन्यः सद्योवध्वश्च ॥ तत्र ब्रह्मवादिनीनामुपनयनमग्नीन्धनं वेदाध्ययनं स्वगृहे भिक्षाचर्या:" इति ॥ सद्योवधूनां तूपस्थिते विवाहे कथञ्चिदुपनयनमात्रं कृत्वा विवाहः कार्य, इति ॥

[मैवम् । तस्य कल्पान्तरविषयत्वात् । तथा च यमः—

पुराकल्पे कुमा (तु ना)रीणां मौञ्जीबन्धनमिष्यते ।
अध्यापनं च वेदानां सावित्रीवाचनं तथा* ॥]

---

*बहुषु पुस्तकेषु 'सावित्रीवचनम्' इति पाठो दृश्यते स तु प्रामादिकः, यतः—
"मनसा भर्तुरतिचारे त्रिरात्रं यावकं क्षीरौदनं वा भुञ्जानाधः शयीत, ऊर्ध्वं त्रिरात्रादप्सु निमग्नायाः सावित्र्याष्टशतेन शिरोभिर्जुहुयात् पूता भवति" इति वसिष्ठस्मृतौ (अ० २१ ख० ७) तत्तत्प्रायश्चित्तार्थं स्त्रीणामपि गायत्रीजपहोमविधानस्यान्यथानुपपत्त्या गायत्रीवचनस्यावश्यकत्वात् । तस्मात् सावित्र्या वाचनम् इति पाठस्यैव प्रामाणिकत्वे 'अध्यापनम्' 'वाचनम्' इत्युभयत्रापि णिजर्थभूतप्रयोजकत्वस्यास्मिन्कल्पे निषेधेऽपि धात्वर्थव्यापाराश्रयत्वरूपप्रयोज्यत्वस्य निषेधे मानाभावः॥

परिक्रिया" इति वचनात् 'अहतेन वाससा पतिः परिदध्यात् या अकृन्तन्नित्येतयर्चा, परिधत्त धत्त वाससेति च, प्रावृतां यज्ञोपवीतिनीमभ्युदानयन् जपेत्–"सोमो ददद्गन्धर्वायेति, इति गोभिलगृह्यतः यज्ञोपवीतधारणं वसिष्ठस्मृतावेकविंशेऽध्याये तत्तत्प्रायश्चित्तार्थं स्त्रीणामपि गायत्रीजपहोमविधानस्यान्यथानुपपत्त्या गायत्र्यङ्गीकारं पतिरेव कारयेत्।

'पुराकल्पे तु नारीणां मौञ्जीबन्धनमिष्यते।'

'अध्यापनं च वेदानां सावित्र्या वाचनं तथा।'

इति वचनेनापि णिजर्थभूतप्रयोजकत्वस्यास्मिन्कल्पे निषेधेऽपि धात्वर्थव्यापाराश्रयत्वरूपप्रयोज्यत्वस्यानिषेधात्। ततश्च यथावकाशं पतिरेव स्वशाखावेदं पाठयेत्॥

अत एव "शतषष्टेः षिकन् पथः" इति वार्तिके 'क्रतूक्थादि–' सूत्रस्थे षिकनि षित्वं तस्य 'शतपथिकी' इत्युदाहरणं च "जातेरस्त्रीविषयात्" इतिसूत्रभाष्ये जातिलक्षणकथनावसरे कथितस्य "अपत्यप्रत्ययान्तः शाखाध्येतृवाची च जातिवाचकः" इत्यर्थकस्य "गोत्रं च चरणैः सह" इति वार्तिकस्य "कठी बह्वृची अध्वर्युः" इत्युदाहरणानि वेदाध्ययनमन्तराऽनुपपन्नानि संगच्छन्ते। अत एव तत्तद्यागेष्वपि यजमानपत्न्यास्तत्तन्मन्त्रपाठः। याज्ञे कर्मण्यपशब्दभाषणस्य निषिद्धत्वेन संस्कृतेनैव यज्ञगतैर्वक्तव्यतया तत्तदुक्तेतिकर्तव्यताज्ञानस्य व्याकरणाध्ययनमन्तराऽनुपपन्नत्वेन व्याकरणमप्यध्यापयेत्।

'नामधेयस्य ये केचिदभिवादं न जानते।

तान्प्राज्ञोऽयमहं (मिति) ब्रूयात्स्त्रियः सर्वास्तथैव च॥'

इति (मनु० २।१२३) मनूक्तौ संस्कृताज्ञातृत्वेनैव सिद्धौ 'स्त्रियः सर्वाः' इति विध्यन्तरस्यानुपपत्त्या 'संस्कृतज्ञा अप्याचार्यपत्नीरपि तथैव ब्रूयात्' इति मेधातिथिव्याख्यानमेव वरम्॥

१९६० तमे विक्रमाब्दे ऋक्सूक्तसंग्रह टिप्पण्याम्

पूर्वमीमांसायां (अ० ६ पा० १ अ० ३) उत्तरमीमांसायां (अ० १ पा० ३ अ० १०) च शूद्रस्यैव वेदाध्ययनानधिकारो दर्शितः।

न तु स्त्रीणाम्।

अतस्तासां पतिसमानाधिकारत्वमेव। अत एव–(जै० न्या० अ० ६ पा० १, अ० ३)।

ब्राह्मण्यपि हरं विष्णुं न स्पृशेच्छ्रेय इच्छती ।

सनाथा मृतनाथा वा तस्या नास्तीह निष्कृतिः ॥

इति व्याख्यायते—

"कौसल्यापि तदा देवी रात्रिं स्थित्वा समाहिता ।

प्रभाते चाकरोत्पूजां विष्णोः पुत्रहितैषिणी ॥ १४ ॥

सा क्षौमवसना हृष्टा नित्यं व्रतपरायणा ।

अग्निं जुहोति स्म तदा मन्त्रवत्कृतमङ्गला ॥ (९७ सर्ग १५)

मयार्चिता देवगणाः शिवादयो महर्षयो भूतगणाः सुरोरगाः' ॥

(१०२ सर्ग ४३) इति ॥

संध्याकालमनाः श्यामा ध्रुवमेष्यति जानकी ।

नदीं चेमां शुभजलां संध्यार्थे वरवर्णिनी' ॥

(३५२ सर्गे ४९) इति च रामायणदर्शनेन,

कादम्बर्याख्यायिकायामपि महाश्वेतावर्णने

'अथ क्षीणायां क्षपायां भगवतीं सन्ध्यामुपास्य शिलातलोपविष्टायां पवित्राण्यघमर्षणानि जपन्त्यां महाश्वेतायां, परिसमाप्तजपा च महाश्वेता" इत्यादिदर्शनेन

"भीमोद्भवापि कृतदैवतभक्तिपूजा' इति नैषधीयचरितदर्शनेन स्त्रीणामपि विष्ण्वादिपूजने दोषाभावस्य सिद्धत्वेनाग्र्यापि श्लोकस्य "या सनाथा मृतनाथा वा ब्राह्मण्यपि श्रेय इच्छती सती हरं विष्णुं वा न स्पृशेत् तस्या इह निष्कृतिर्नास्ति' इत्यस्यार्थस्याश्रयणेन न कोऽपि विरोधः। पूर्वोत्तरवाक्येषु स्त्रीणामित्यस्यानुपनीतानामित्येतद्विशेष्यत्वेन न तद्विरोधः। एवं च रामायणाद्येकवाक्यतया स्त्रीणामधिकाराभावसूचकवाक्येषु प्रामाणिकत्वे स्त्रीपदमनुपनीतस्त्रीपरमेव व्याख्येयम् ॥

'यन्नास्ति वेदे नच यत्पुराणे रामायणे भारतसागरे वा ।

मन्वादिशास्त्रेषु च यद्धि नोक्तं तन्नास्ति नास्तीति न तेन कार्यम् ॥

इत्यभियुक्तोक्त्या वेदगृह्यरामायणादिविरुद्धस्य धर्मत्वाभावेनाधुनिकपण्डितंमन्यकल्पितस्य स्त्रीणां वेदाद्यध्ययनाद्यनधिकारित्वसूचकवचनस्य न धर्मनिर्णये उपयोगः। इति दिक् ॥

१९५० तमे विक्रमाब्दे 'श्रीवेङ्कटेश्वर' मुद्रिते निर्णयसिन्धौ (२९८ पृष्ठे) टिप्पण्याम्-"वैवाहिको विधिः स्त्रीणामौपनायनिकः परः," इत्युक्तेर्विवाह एवोपनयनस्यार्थः। अतस्तद्दिन एव "पतिरेव गुरुः स्त्रीणाम" "पतिसेवा गुरौ वासो गृहार्थोग्नि-

स्त्रिया अप्यधिकारः। न चाद्रव्यत्वमस्याः, कर्तनादिभिरर्जनसम्भवात्, पित्रादिदत्तसंभवाद्दायादिसंभवाच्च। 'पुत्राभावे दुहितेत्यादिस्मरणात्'। पत्यार्जितस्य चोभयसाधारणत्वात्—

"धर्मे चार्थे च कामे च नातिचरितव्या पाणिग्रहणात्तु सहत्वं कर्मसु तथा पुण्यफलेषु द्रव्यपरिग्रहेषु च"।

इत्यादि वचनात्।

'ये यज्ञपत्नीं यज्ञानी' त्यादि मन्त्रवर्णेभ्यश्च स्पष्टः स्त्रिया अधिकारः। पत्नीशब्दस्य स्वामिवचनत्वात्।

'भार्या पुत्रश्च दासश्च त्रय एवाधनाः स्मृताः'

इति वचनं तु बहुश्रुतिस्मृतिविरुद्धत्वादस्वातन्त्र्यपरं व्याख्येयम्॥ इति॥

१८१४ शाके (१९४९ तमे विक्रमाब्दे) आनन्दाश्रममुद्रणालयमुद्रिते 'जैमिनीयन्याय मालाविस्तरे (३०५ पृष्ठे) टिप्पण्याम्—"अस्यैवाधिकरणस्यानुसारेण "अष्टवर्षं ब्राह्मणमुपनयीत, तमध्यापयीत" इत्यत्रापि स्त्रिया अप्यधिकारः। अत एव "प्रावृतां यज्ञोपवीतिनीमभ्युदानयञ्जपेत्" (अ०२।१।१९) "पश्चादग्नेः संवेष्टितं कटम्, एवं जातीयं वाऽन्यत्, पत्नी प्रवर्तयन्तीं वाचयेत् "प्रमे पतियानः पन्थाः कल्पताम्" (२।१।२०) इति गोभिलसूत्रम्, "मनसा भर्तुरतिचारे त्रिरात्रं यावकं क्षीरौदनं वा भुञ्जानाऽधः शयीत, ऊर्ध्वं त्रिरात्रादप्सु निमग्नायाः सावित्र्याऽष्टशतेन शिरोभिर्जुहुयात् पूता भवति" (अ० २१ ख० ७) इति वाशिष्ठस्मृतिः, "अथ य इच्छेत्— दुहिता मे पण्डिता जायेत सर्वमायुरियात्—इति, तिलौदनं पाचयित्वा सर्पिष्मन्तमश्नीयातामीश्वरौ जनयित वै" इति बृहदारण्यकोपान्त्यश्रुतिश्च, 'कठी, बह्वृची' इत्यादि प्रयोगसाधकम् 'शाखाध्येतृवाची च शब्दो जातिकार्यं लभते' इत्यर्थकम् "गोत्रं च चरणैः सह" इति वार्तिकं च संगच्छते। किञ्च यजमानपत्न्या अध्ययनमन्तरेण ऋत्विगादिप्रोक्तार्थस्य ज्ञानाभावात् तदुक्तकर्मणि प्रवृत्तिरेव न स्यात्। संस्कृतातिरिक्तभाषणन्तु "नायक्षियां वाचं वदेत्" इत्यादिना निषिद्धमेव। उपलभ्यते च प्राचीनेतिहासादिषु सीतामहाश्वेतादीनां सन्ध्योपासनमपि॥"

१९५० तमे विक्रमाब्दे 'श्रीवेङ्कटेश्वरमुद्रित' निर्णयसिन्धौ "३०६ पृष्ठे" तृतीयप्रकरणे "देवपूजाप्रकरणे" टिप्पण्याम्—

स्त्रीकृत्यनिर्णयः—

स्त्रियो वेदेऽधिकृता न वा ?

"स्त्रीशूद्रद्विजबन्धूनां त्रयी न श्रुतिगोचरा." न स्त्रीशूद्रौ वेदमधीयीयाताम् ,' इत्यत्र स्त्रीपदोपादानात् स्त्रियोऽनधिकृता एव ।

द्विजातिस्त्रीबालिकानामपि जातकर्मादि—कर्माण्येतानि. क्रिया मन्त्रानुच्चारणेनैव कार्याः -

" अमन्त्रिका तु कार्य्येयं स्त्रीणामावृदशेषतः " ।

(मनु० अ० २ श्लो० ६६

इत्यत्र 'अमन्त्रिका' इति विशेषोपादानात् इति दुराग्रहग्रहाविष्टा मन्यन्ते ॥

शास्त्रदीपिकायाम् (अ० ६ . पा० १ . अ० ३)

इदानीं किं पुंस एवाधिकारः उत स्त्रिया अपीति संशयः

लिङ्गविशेषनिर्देशात्पुंयुक्तमैतिशायनः ॥ ६ ॥

' तत्र पुँल्लिङ्गनिर्देशात् पुंस एवाधिकारिता ॥

प्रकृत्यर्थतया लिङ्गं सङ्ख्यावन्नाविवक्षितम् ' ।

विभक्त्यर्थस्य हि सङ्ख्याया ग्रहाधिकरणेऽविवक्षितत्वमुक्तम् । लिङ्गं तु प्रातिपदिकार्थो ग्रहवद् विवक्षितः उद्देश्योऽपि फलकामो विवक्षितलिङ्गः. अतः पुंस एव स्यात् अद्रव्यत्वाच्च स्त्रियाः द्रव्यसाध्यत्वादनुष्ठानासम्भवादननुष्ठाने चाधिकारासम्भवादनधिकारः ।

उच्यते—

"जातिं तु बादरायणोऽविशेषात्,

तस्मात्स्त्र्यपि प्रतीयेत जात्यर्थस्याविशिष्टत्वात् ॥ ८ ॥"

'प्रकृत्यर्थोऽपि खल्वेतदुद्देश्यस्य विशेषणम् ॥

संख्यया तुल्यनीतित्वान्न विवक्षां प्रपद्यते ॥'

ग्रहस्योद्देश्यत्वाद्विवक्षिता—न प्रातिपदिकार्थत्वात् लिङ्गं तु प्रातिपदिकार्थोऽप्युद्देश्यविशेषणत्वादविवक्षितं वाक्यभेदप्रसङ्गात् । अनपेक्षितपरिच्छेदत्वाच्चोद्दिश्यमानस्य । न चायं प्रातिपदिकार्थो विभक्तिविकाराणां दाक्षादीनां चान्वयव्यतिरेकाभ्यां लिङ्गाभिधायित्वात् । अतः संख्यावदविवक्षितमिति

॥ ओरियण्टल कालेज मेगज़ीन ॥

विज्ञप्ति

उद्देश्य:—इस पत्रिका के प्रकाशन का उद्देश्य यह है कि प्राच्यविद्यासम्बन्धी परिशीलन व तत्त्वानुसन्धान की प्रवृत्ति को यथासम्भव प्रोत्साहन दिया जाय और विशेषत: उन विद्यार्थियों में अनुसन्धान का शौक पैदा किया जाय जो संस्कृत, अरबी, फारसी और पंजाबी के अध्ययन में संलग्न हैं।

किस प्रकार के लेखों का प्रकाशित करना अभीष्ट है:—

यत्न किया जायगा कि इस पत्रिका में ऐसे लेख प्रकाशित हों जो लेखक के अपने अनुसन्धान का फल हों। अन्य भाषाओं से उपयोगी लेखों का अनुवाद भी स्वीकार किया जायगा और संक्षिप्त तथा उपयोगी प्राचीन हस्तलेख भी क्रमश: प्रकाशित किये जायेंगे। ऐसे लेख जो विशेषत: इसी पत्रिका के लिये न लिखे गये हों, प्रकाशित न होंगे।

प्रकाशन का समय:—

यह पत्रिका अभी साल में चार बार अर्थात् कालेज के पढ़ाई के साल के अनुसार सितम्बर, नवम्बर, फर्वरी और मई में प्रकाशित होगी।

मूल्य:—

इसका वार्षिक चन्दा संपूर्ण (संस्कृत, गुरुमुखी उर्दू) का ३॥) रुपये और जो केवल संस्कृत भाग या केवल उर्दू भाग लेना चाहें उन्हें १॥) वार्षिक चन्दा देना होगा और कालेज के विद्यार्थियों से चन्दा कालेज में दाखिल होने के समय यथा-नियम रियायत से लिया जायगा।

पत्र व्यवहार और चन्दा भेजना:—

पत्रिका के खरीदने के विषय में पत्र व्यवहार और चन्दा भेजना प्रिंसिपल ओरियण्टल कालेज लाहौर के नाम होना चाहिये। लेख सम्बन्धी पत्र व्यवहार सम्पादक के नाम होना चाहिये।

प्राप्तिस्थान:—

यह पत्रिका ओरियण्टल कालेज लाहौर के दफ्तर से या शेख मुबारकअली ताजर कुतब अन्दरून लोहारी दरवाज़ा लाहौर से खरीदी जासकती है।

सम्पादक:—

अभी प्रधान सम्पादक का कार्य प्रो० मुहम्मद शफी एम. ए. ओरियण्टल कालेज के अधीन है। अरबी, फारसी, उर्दू, विभाग का सम्पादन डा० मुहम्मद इकबाल एम. ए. पी. एच. डी. की सहायता से होता है। संस्कृत, हिन्दी, विभाग के सम्पादक डा० लक्ष्मण स्वरूप एम. ए., डी. फिल. (आक्सफ़ोर्ड) और पंजाबी विभाग के सम्पादक [illegible] एम. ए. हैं। और यही दोनों महाशय क्रमश: इन दोनों विभागों के पूर्णतया निरीक्षक हैं।

॥ ओरियण्टल कालेज मेगज़ीन ॥

भाग २य।	सितम्बर १९२६।	संख्या ४

सम्पादक—

डाक्टर लक्ष्मणस्वरूप एम. ए. डी. फिल. (आक्सफोर्ड)
(संस्कृत तथा हिन्दी विभाग)

भाई बेअन्तसिंह (पञ्जाबी विभाग)।

पृ० सं०

१. विज्ञप्ति — प्रधान सम्पादक प्रोफेसर मुहम्मदशफी।

२. स्त्रीकृत्यनिर्णयः— (ले०—पण्डित शिवदत्त शर्मा) १–१४

३. अथ श्रीकृष्णस्तवकशतकम् (ले०—नृसिंहदेव शास्त्री) १५–२३

४. पंजाबी दे बाले दे उपाओ [गुरमुखी] (ले०—बेअन्तसिंह) १–[illegible]

५. हीरवारिसशाह ,, (ले०—दुनीचंद एम. ए.) १–[illegible]

सूचना—

सम्पादक लेखकों के लेख का उत्तरदाता नहीं होगा।

प्रकाशक—बाबू एन. एन. मित्र।

([illegible] प्रेस, लाहौर ने करीमी प्रेस, लाहौर में [illegible] छपा)

اورینٹل کالج میگزین

جلد (۳) نمبر (۳)
نمبر سلسلہ (۹)

بابت

مئی ۱۹۲۷ء

(حصہ اوّل)

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع۔ ایم اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این مترا
نے
اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	مولانا ابوالبرکات منیر لاہوری	پروفیسر محمود شیرانی	۱
۲	فرہنگ فارسی میں بعض اضافات	پروفیسر محمد اقبال ایم۔اے پی ایچ ڈی	۹
۳	محمد شاہ بن تغلق	مولانا محمد عبدالرحمان دہلوی	۱۶
۴	کوائفِ حجاز	"سیّد"	۳۱
۵	فارسی تذکرے	ایڈیٹر	۴۸
۶	انشاے فارسی	سید محمد عبداللہ ایم اے	۵۳
۷	خزائن مخطوطات	" " " "	۶۷
۸	تنقید و تبصرہ		۷۴

مولانا ابوالبرکات منیر لاہوری

سرو آزاد میں آزاد بلگرامی نے انکے حالات حسب ذیل دئے ہیں :-

"منیر ابوالبرکات لاہوری بن عبد المجید[1] ملتانی - صاحب طبع منیر نظم و نثر دلپذیر است - در منشات خود گوید "من بے خانماں کہ در قلمرو سخن وطن گزیدہ ام صد ہزار بیت بلند بنیاد نہادہ ام" منثورات او و شرحیکہ بر قصاید عرفی شیرازی نوشتہ متداول است - مولد و منشائے منیر دار السلطنت لاہور است - در عہد شاہجہانی اول با میرزا صفی مخاطب بسیف خاں ناظم الہ آباد بسر می برد - ایں سیف خاں داماد میرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں بن میرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ طہرانی جہانگیری است و بعد ازاں منیر با اعتقاد خاں حاکم جونپور پسر خورد اعتماد الدولہ مذکور مربوط گشت و از خوان احسان او زلہ برداشت و ہفتم رجب سنہ اربع وخمسین والف (۱۰۵۴ھ) در مستقر الخلافت اکبرآباد رخت حیات بر بست نعش او را بلاہور نقل کردہ زیر خاک سپردند"۔

یہ وہ مختصر حالات ہیں جو عام طور پر منیر کے سوانح حیات کے متعلق ملتے ہیں - سطور ذیل میں ایسی اطلاع جو زیادہ تر بہار سخن محمد صالح اور انشائے منیر سے حاصل کی گئی ہے اور عام طور پر معلوم بھی نہیں ہے ہدیۂ ناظرین کی

---

[1] آزاد اور شیر خاں لودھی دونوں انکا نام عبد المجید ملتانی بیان کرتے ہیں - لیکن محمد صالح جو منیر کا قریبی رشتہ دار ہے - عبد الجلیل ابن حافظ ابو اسحٰق لاہوری بیان کرتا ہے ۔

جاتی ہے - یہ واضح رہے کہ محمد صالح رشتہ میں منیر کا برادر ہونے کے علاوہ اسکا
معتقد اور دوست بھی ہے اسلئے اسکی معلومات منیر کے سوانح حیات کے متعلق
بیحد قابل وثوق اور معتبر مانی جاسکتی ہے -

محمد صالح کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا منیر کے والد کا نام
عبدالجلیل ابن حافظ ابو اسحٰق ہے جو لاہور کے رہنے والے تھے اور فن خوشنویسی
میں تمام ہندوستان میں مشہور تھے - جلال الدین اکبر بادشاہ کے درباری
خوشنویسوں کے زمرے میں ملازم تھے - اکبرنامہ کے مسوّدات انہی بزرگ
نے ابوالفضل کے سامنے بیٹھ کر سب سے پیشتر تسوید کئے ہیں - آخری عمر
میں لاہور اپنے وطن آکر خانہ نشین ہوگئے - انکو استادوں کے مشکل اشعار کے
حل کرنے اور ان کے معنے بیان کرنیکا بہت شوق تھا - ابوالبرکات کے
سوا انکے دو اور فرزند تھے - ایک ابوالفیض جنکا تخلص فیض تھا اور دوستوں
میں حسب رسم عصری فیضا کے نام سے مشہور تھے - ایک دیوان یادگار
چھوڑا - خط نستعلیق نہایت پاکیزہ لکھتے تھے اور اعلٰے پایہ کے شعر فہم
تھے - تمام عمر لاہور میں رہے - ارباب دول سے مطلق سروکار نہ رکھا نہ
کسی کی ملازمت کی - درویشانہ وضع اور گوشۂ قناعت میں زندگی گذار
دی : سنہ ۱۰۰ھ میں اس دار فانی سے رحلت کی - دوسرے ابوالفتح انکا
تخلص ضمیر تھا - مشکل قافیوں اور سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی
کرتے تھے - آغاز شباب میں بنگالہ گئے - اور اپنے بڑے بھائی منیر کے
ساتھ رہے - بعد میں بھائی سے ناراض ہوکر غالباً شاہزادہ شجاع کے

ملازمین میں داخل ہوگئے چنانچہ منیر ایک رقعہ میں لکھتے ہیں" بالجملہ بوجہ ازمن رُو گردانیدہ بہیچ صورت مافی الضمیر خود را اظہار نکرد و اکنوں در حلقہ بگوشان شاہزادۂ کامگار در آمدہ است" منیر بنگالہ میں وفات پاتے ہیں۔

مولانا منیر چہار شنبہ کے دن ۱۲ رمضان المبارک ۱۰۱۹ھ کو شہر لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابوالبرکات نام رکھا گیا۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ طبیعت بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف راغب تھی اسلئے استادوں کے اکثر اشعار حفظ کر لیا کرتے تھے لوگ انکی یادداشت اور قوت حافظہ پر عش عش کرتے تھے۔ چودہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ فلکی، سنائی اور انوری کی تقلید کرتے۔ منیر تخلص رکھ لیا۔ اس عمر کے کلام میں چونکہ خامیاں موجود تھیں اور معترض اعتراض کرتے تھے اسلئے اسکا بیشتر حصّہ جو پندرہ ہزار اشعار پر شامل تھا بعد میں بالکل منسوخ کر دیا اور دیوان سے نکال ڈالا اگرچہ ان کے دوستوں کی بیاضوں میں اسکا کچھ حصّہ محفوظ رہ گیا۔ موجودہ کلیات میں کم و بیش ۲ ہزار اشعار ہیں جو ابتدائی عمر کے کلام سے علاوہ ہیں اسکے سوا کسی قدر حصّہ کلام ایسا بھی تھا جو متاخرین کی طرز سے مختلف تھا اور مولانا منیر بوجہ شہرت اسکو برباد نہیں کر سکتے تھے اسلئے ضروری حک و اصلاح کے بعد اسکو درست کر دیا۔

۱۰۴۵ھ میں مولانا ابوالبرکات اکبرآباد گئے اور سیف خاں کے ملازم بن گئے۔ رقعات کے ایک فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف خاں کے ہاں انکی تنخواہ دو سو بیس روپیہ ماہوار تھی۔ یہ میرزا صفی خلف امانت خاں ہیں انکی زوجہ ملکہ بانو آصف خاں یمین الدولہ کی بڑی صاحبزادی اور ممتاز محل کی بڑی بہن ہیں۔ میرزا صفی عہد جہانگیری میں صوبۂ گجرات کی دیوانی پر ممتاز تھے

گجرات شاہزادہ خرم شاہجہان کی جاگیر میں تھا۔ جب شاہجہان نے بغاوت کی اور حوالی دہلی میں جنگ ہوئی میرزا صفی نے پادشاہ کی نمک حلالی کے خیال سے موقعہ پاکر قلعۂ احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ شاہجہان ان ایام میں مانڈو میں مقیم تھا اسنے قلعہ کی استرداد کیلئے عبداللہ خاں کو بھیجا۔ لیکن اسکو شکست ملی۔ اس حسن خدمت پر جہانگیر نے میرزا صفی کو سہ ہزاری و دوہزاری منصب اور خطاب سیف خانی عطا کیا اور صوبہ دار گجرات مقرر کر دیا۔ سیف خاں نے جس میدان میں فتح پائی تھی وہاں ایک باغ تعمیر کیا جسکا نام جنّت باڑی رکھا۔ جہانگیر کی وفات پر سیف خاں شاہجہان کے حکم سے نظر بند کرئے گئے۔ مگر ممتاز محل کی سفارش پر انکا قصور معاف ہو گیا اور بہار کے صوبہ دار بنا دئے گئے۔ سال پنجم جلوس شاہجہانی میں الہ آباد کے صوبہ دار بنے اور سال ہشتم میں گجرات بھیجدئے گئے۔ وہاں سے اکبر آباد تبدیل ہو گئے۔ بارھویں سال جلوس شاہجہانی میں جب صوبہ داری بنگالہ شاہ شجاع کو عنایت ہوئی۔ چونکہ شاہزادہ مذکور کابل میں تھا۔ اسلئے سیف خاں کو حکم ہوا کہ شاہزادہ کی آمد تک اس ملک کا انتظام کریں اور شاہزادہ کے پہنچنے پر اس ملک کے نگراں رہیں کیونکہ شاہزادہ نوجوان ہے سیف خاں سال سیزدہم جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۴۹ھ میں ملک بنگالہ میں انتقال کرتے ہیں۔

جن ایام میں مولانا منیر اکبر آباد پہنچے ہیں سیف خاں اندنوں اکبر آباد کے صوبہ دار تھے انکی مجلس اہل کمال کا مجمع تھی انمیں سے بعض کا ذکر خود مولانا منیر نے اپنے رقعات میں کیا ہے مثلاً (۱) مولانا نسیمی جو ایک مشاق اور ماہر شاعر تھے انکا کلام تخیل کی بلند آہنگی اور شیرینی الفاظ میں ممتاز تھا (۲) مولانا جلال جنہوں نے تازہ گوئی کا از سر نو احیا کیا (۳) مولانا کلامی جو ایک نکتہ شناس اور لطیفہ سنج شاعر تھے۔ انکے لطائف و ظرائف مشہور تھے۔

(۴) مولانا بدیہی جو بدیہہ گوئی اور ظرافت میں بے نظیر تھے۔

ان باکمالوں نے منیر کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سیف خاں نے قدردانی کی اور انکا زمانہ خان کی صحبت میں نہایت شادمانی اور فارغ البالی سے گذرنے لگا۔ جب خان موصوف بنگالہ گئے۔ منیر بھی سیف خان کے ساتھ بنگالہ پہنچ گئے۔ یہاں منیر نے اپنی مثنوی مظہر گل بنگالہ کے میووں کی تعریف میں اور کارستان سلاطین مشرق کے حالات میں تالیف کیں۔ ابھی بنگالہ پہنچے مشکل سے ایک سال گذرا ہوگا کہ ۱۰۴۹ھ میں سیف خاں کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعۂ ہوشربا نے انکے درباریوں کا شیرازۂ جمعیت منتشر کر دیا۔ بعض شہزادہ شاہ شجاع کے درباریوں میں شامل ہو گئے۔ مولانا جلال اور مولانا نسیمی بہار کی طرف روانہ ہو گئے۔ مولانا منیر ان ایّام میں راج محل میں مقیم تھے شہزادہ شاہ شجاع نے طلب کیا لیکن نہ گئے۔ راج محل سے اٹھکر سیدھے پٹنہ آکردم لیا۔ یہاں شائستہ خاں نے آؤ بھگت کی اور اپنے پاس رکھنا چاہا۔ لیکن انہوں نے ملازمت سے انکار کر دیا۔ جونپور میں اپنے دوست مولانا ابوالبقا کی کشش انہیں الہ آباد کھینچ لائی۔ یہاں آکر ابوالبقا کو خط لکھا کہ چونکہ مجھکو تم سے ملنے اور تمہاری صحبت میں وقت گزارنے کی آرزو ہے اسلئے اگر کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ اعتقاد خاں پروانہ بھیجکر مجھکو بلوالیں تو بہت مناسب ہوگا چنانچہ مولانا کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں۔

" دانش پژوہا درمحلیکہ در راج محل بودم ناصیہ سایان والا مجلس رتبہ سنج رہ نگار شاہزادۂ کامگار خواستند کہ من بندہ را بپایۂ بندگی خویش رسانیدہ سرفراز سازند۔ ازآنجا کہ خیال دیگر در سرداشتم بحکم سرنوشت سر از خط پذیرائی پیچیدم و طومار جادہ را بیک قلم درنوشتہ بسواد خطۂ پٹنہ رسیدم۔ چند روز در آں شہر مقام کردم و در گوشۂ جا گرفتم۔ ہرچند دمسازان خان بلند آوازۂ شائستہ خاں زمزمۂ دعا بگوشم رسانیدند۔ چوں من بینوا را آہنگ دیگر

بود ناشنیدہ انگاشتم و ازاں دیار مانند نغمہ از تار بیروں آمدم - اکنوں بخطۂ فیض لباس الہ آباد رسیدم اگرچہ فرحی اخترم مقتضی آنست کہ مہر نواب سپہر کوکبہ شجاعت خاں کار این فرّہ را فروغے بخشد امامن بے آب میخواہم کہ اگر آبخورد باشد از فیض صحبت آں بحر پیماے سخن آب رفتہ بجوئے آرزو باز آرم - ازیں رگذر دلم از صحبت آشنایاں دیگر آب نمیخورد و بے اختیار طبعم بشہر جونپور گرایش میکند - اگر بمین و نگارمی آں گرم آشنائے سخن پروانۂ شمع دودۂ اقبال چمن چراغ انجمن اجلال نواب خرد مآب نور جبین معانی تاب چراغ فیض جاودانی مجلس افروز اہل خرد اعتقاد خاں بطلب من بندہ رسد و پرتو التفات ازاں پروانہ روشن گردد پروانہ وار پرواز کناں راہ را در نوردم و با ہزاراں شوق سرگرم رہ نوردی گشتہ از گرمیہائے صحبت احباب افسردہ دماغی خویش را چارہ سازم و در حلقۂ اعتقاد پرستاں در آمدہ حلقۂ بندگی درگوش جاں اندازم"

اعتقاد خاں نے پروانۂ طلبی انکے نام جاری کر دیا اور مولانا بخیریت جونپور پہنچ گئے - چار روپیہ روزانہ مشاہرہ مقرر ہوا چنانچہ مولانا اپنے رقعات میں فرماتے ہیں -

"چوں صاحب جوہر شناس سیف اللہ خاں تغمدہ اللہ بغفرانہ قطع علائق جسمانی کرد و با روحانیاں دمسازی گرفت - پروانۂ نواب خرد مآب اعتقاد خاں کہ شمع انجمن اقبال است و چراغ دودماں اجلال مانند ہمائے سعادت بر فرق من بندہ سایہ انداخت برہنمونی توفیق بخطۂ جونپور رسیدم و بیاوری بخت در انجمن آں خورشید ضمیر راہ یافتم آنوالا درجہ از مہر نسبت باین ذرّہ دقیقۂ فروگذاشت نکرد - نخستین فرزند آبائے علوی را بعدد اخشیجاں وجہ یومیۂ بندہ مقرر فرمودہ" -

باوجودیکہ مولانا اپنی خواہش سے جونپور آئے تھے لیکن خلاف امید یہاں

انکا دل نہ لگا نہ اعتقاد خاں کا سلوک انکے ساتھ قابل ستایش تھا انکی تنخواہ ایکسو
بیس ماہوار سے ایکسو پانچ ماہوار کر دی گئی - مولانا نے ایک رقعہ میں اسکی شکایت کی
"ہمانا کہ فلک تنگ چشم کہ جانگزائے خرد وراں وانش سگال است، نتوانست
دید کہ مواجب رہی با عمر طبعی انسان در عدد مساوی باشد ناچار از صد و بیست
بصد و پنج انجامید و دریں معنی ایں قطعہ از زبان قلم بیروں تراوید **قطعہ**

انکہ ہست از جود وبخشش ماہ و سال — گوہر افشانی و زر ریزی غنمت
وجہ ماہ بندہ حیرانم چرا — گشت کم چوں سال عمر دشمنت"

ادہر تنخواہ کی وصولی میں دقتیں پیش آتی تھیں - خان کے دفتر کے آدمی اکثر
اوقات تساہل اور تجاہل سے کام لیتے اور مولانا کو بار بار دفتر میں آکر تقاضا کرنا
پڑتا اور وہ متوجہ نہ ہوتے الغرض ان باتوں سے انکا دل اچاٹ ہوگیا اور جونپور
کو خیر باد کہکر آگرہ آ گئے - تقدیر نے اس مرتبہ یاوری کی اور مولانا اس منصب
پر فائز ہو گئے جسکے ہر طرح سے وہ مستحق تھے یعنے دربار شاہی کے شعرا کے
زمرہ میں داخل ہو گئے -

سنہ ۱۰۵۰ھ میں انہوں نے اپنے رقعات کا مجموعہ شایع کیا جس میں بعض
خطوط جو ابتدا میں ملتے ہیں سیف خاں کے لئے لکھے گئے ہیں باقی اکثر خطوط
انکے اپنے ہیں جو انہوں نے اپنے دوستوں اور خوانین کے نام لکھے ہیں
مولانا کے واقعات زندگی پر یہ رقعات کافی روشنی ڈالتے ہیں -

سنہ ۱۰۵۲ھ میں شعرائے ہند کے حالات میں ایک تذکرہ لکھا - یہ رمضان
کا مبارک مہینہ تھا اور خاص فیضان کا زمانہ - مولانا تمام شب بیدار رہتے

اور اس تذکرہ پر کام کرتے اکثر حصہ اسی ماہ میں ختم ہوگیا۔ رمضان کے بعد
جب اسپر نظر ثانی کی تو اسمیں بعض خامیاں اور بے ربطیاں نظر آئیں لیکن
چونکہ در فیضان باطنی اب بند ہو چکا تھا اسلئے اسکی اصلاح کسی اور وقت
پر موقوف رکھی۔ رمضان ۱۰۵۳ھ میں پھر تذکرہ کو ہاتھ لگایا ضروری اصلاح
کی اور تذکرہ کو ختم کردیا۔ صرف دیباچہ لکھنا باقی رہ گیا تھا اس کمی کو محمد صالح
نے ۱۰۶۰ھ میں پورا کردیا۔ لیکن افسوس کیسا تھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تذکرہ
آج بالکل مفقود ہے۔ انہوں نے اسی زمانہ میں قصاید عرفی کی ایک مفید
شرح بھی لکھی ہے۔ جو غالباً ناتمام ہے۔ بہار سخن میں محمد صالح نے
اس پر ایک دیباچہ لکھا ہے۔ یہ شرح مولانا کے ایک معتقد نے ۱۰۵۲ھ
میں محمد صالح کو لا کر دی تھی۔

مولانا منیر عرفی کی طرح عین عالم نوجوانی میں جبکہ چھتیسویں سال کا
دسواں مہینہ طے کر رہے تھے۔ رجب ۱۰۵۴ھ میں انتقال کرتے ہیں۔
انکے کلام اور تصنیفات کا بڑا حصہ ضایع ہوگیا ہے۔ مولانا کے پسماندگان
میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کے کلام کو جمع کرتا۔ انکے بھائیوں نے اس
طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

انکی نظم و نثر پر تبصرہ آیندہ کسی قسط میں ناظرین کے پیش کر دیا
جائے گا ؎

فرہنگِ فارسی میں بعض اضافات

(سلسلے کے لئے دیکھو میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۲۶ء)

ستارچہ ۔ لغت میں اس کے معنی "شرارہ" کے ہیں یا لفظ ستارہ کی تصغیر، لیکن اس کے علاوہ غالباً جواہرات یا زیورات میں سے کسی چیز کا نام ہے ۔ " دیناری [و] دو ستارچہ ہا و دو پیروزہ نگین سخت بزرگ بر انگشتری نشانده بدست خواجہ داد " (تاریخ بیہقی صفحہ ۱۷۷)

سدابی ۔ سداب بمعنی حرمل ہے لیکن ذیل کے شعر میں چرخ سدابی سے غالباً مراد "تاروں بھرا آسمان" ہے ؎

نام نہ چرخ سدابی چوں فقع بر تیغ نویس
گر بہ بخشش نام دستش نیل وجیحوں کردہ اند

(مجیر بیلقانی)

سر ۔ بسرِ چیزی افتادن ۔ کسی چیز کا اتفاقی طور سے ہاتھ آنا ۔ (بعربی ـ عثر علی شیٔ) ۔ " دفائن و ذخائر کہ بسر آن نیفتیا خند خدای داند کہ چند بود " (راحة الصدور ۲۶۲)

سرِ کسی در سرِ چیزی شدن ۔ کسی چیز کا باعث ہلاکت ہونا ۔ " تا در خدای عاصی نہ شود با سایۂ خدا عصیاں کہ کند و رکند سرش

در سرِ عصیاں شود"۔ " سرہای فرزندان در سرِ ایشان شد"
(ایضاً ۲۲ و ۲۲۵)'
سرِ باز دادن ۔ غالباً اس کے معنے کارِ خیر کرنا۔ " اندک خیری کہ در عراق ماندہ است از اتیغمش است کہ بانگی بر می زند و سری باز می دہد" (ایضاً ۲۰۲)'
سرزدہ بمعنی سرافگندہ ' " سرزدۂ خجالت می باید بود" (مرزبان نامہ ۷۶)'
سربست بمعنی انتظام ' حکومت ۔ " سربست و ایالت ہمدان بقراقز اتابکی داد" (راحۃ الصدور ۳۷۵)'
سلطانیات ۔ بمعنی سرکاری یا دفتری مکاتبات ۔ برخلاف اس کے وہ خطوط جو دوستانہ یا نجی کے طور پر لکھے جائیں ۔ اخوانیات کہلاتے ہیں ۔ دیکھو حواشی چہار مقالہ ص ۱۰۳'
سم خر ۔ غالباً سم خر عیسیٰ سے مراد ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں فرقۂ جاثلیق کے نزدیک وہ صلیب کی طرح قابلِ پرستش رہا ہے ۔ " چگوئی در عبدۂ نار و متعبدان چلیپا و زنار و آنہا کہ بنی پیش نہادہ اند و آنہا کہ مسخر سم خری ماندہ اند؟"
(مقاماتِ حمیدی)'
سمسول ۔ بمعنی گستاخی و بے حیائی ۔ " رقص و کپول آغازیدند و لیر و سمسول در زیدند" (راحۃ الصدور ۲۴۴)'
شراب بہا ۔ یعنی بہای شراب بمعنی وہ رشوت جو سرکاری افسر لوگوں سے بہای شراب کے طور پر لیتے تھے جیسا کہ آجکل بھی

مانگنے والے کہہ دیتے ہیں کہ "شربت پانی کے لئے کچھ دلوائیے"
(دیکھو راحۃ الصدور ۳۴)،

شکستہ بستہ - لکنت زبان کے ساتھ - رک رک کر - "گفت ای جوان بیتی بگو آن جوان شکستہ بستہ بیتی بگفت" (اسرارالتوحید فی مقامات ابی سعید ص۲۰۱)،

نیز بمعنی افتاں و خیزاں - "تا بہوش باز آمد و برخاست و شکستہ بستہ آہستہ از آن کوہ فرود آمد" (ایضاً ص ۱۳۰)،

شمشیر خطیب یا تیغ خطیب - وہ تلوار جو خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت لگائے جیسا کہ آجکل بھی مصر میں دستور ہے اور چونکہ وہ تلوار محض دکھانے کے لئے ہوتی ہے لہذا شمشیر خطیب سے کنایۃً بیفائدہ اور بے اثر چیز سے مراد لیتے ہیں ؎

بر آں گری تو کہ از صبر ہمچو تیغ خطیب
بہ پیش صاعقۂ ہجر تو سپر سازد
(مجیر بیلقانی)،

شمشیر دو دستی یا تیغ دو دستی: غالباً شمشیر دو پیکر سے مراد ہے منوچہری ؎

تیغ دو دستی زند بر عدوان خدای
ہمچو پیمبر زدست بر در بیت الحرام

"شمشیر دو دستی مردان مرد توانند زد" (مرزبان نامہ ۵۷)،

شَنَقْقَہ - جور و تعدّی - "تنوّر شنققہ چناں گرم شد کہ ہمدان و نواحی آں بسوخت" (راحۃ الصدور ۳۸۸)،

شید - بمعنی واضح و روشن ؎

باخرد گفتم از ملوکِ جہاں کیست کو خلل کاں ہمی بخشد
گفت کیں بر دل تو شید ترست شاہ سلطان نشاں ہمی بخشد

(ایضاً ۲۰۷ - ۲۰۸)،

شیر علم - بمعنی "تصویر شیر کہ بر جامۂ علم دوزند برای ہیبتِ ناظرین"
(بہار عجم)

شیر مجمر - غالباً شیر کی تصویر جو مجمر پر بنائی ہو - مثال ہر دو ؎

روزی کہ جہاں باد پیشہ در سر گیرد ز خاک چادر
برہم کوبند گرد گیراں مانند جبال روز محشر
از دود چناں شود کہ گوئی شیر علم است شیر مجمر

(عمادی شہریاری)،

عواتان - مؤکلان عذاب - زبانیہ - " و خواب بر اہل دوزخ برافگند تا مالک را و عواتان و زبانیۂ دوزخ را و سگان و ماران و کژدمان دوزخ را ہمہ خواب ببرد" (تفسیر قرآن نسخۂ خطی کمبرج)، "فحشر مُنادی پس عواتانرا بفرستاد تا قوم او راہمہ گرد کردند" (ایضاً)،

عمخوارہ بمعنی سست و بے حرکت ؎

از یشاں سہ و چار سیارہ اند دگر ساکنانند و عمخوارہ اند

(راحۃ الصدور صفحہ ۱)،

فرع - تنخواہ - اجرت - " فرع دبیراں و پامزو سرہنگان بر سر آ علاوہ کہ تحصیل ایں نا واجب می کنند" (ایضاً ۳۲)،

قائم انداختن یا قائم ریختن - بمعنی دو حریفوں کا لڑائی میں یا بازی میں یا
پیچ میں برابر رہنا - دیکھو مرزبان نامہ ۲۰۹ ح '
قُرط - من تحت القرط - " از بُن گوش" - بسر وچشم - بعجز تمام - "ہمگان
من تحت القرط برفتندی" (بیہقی ۷۲۱) '
قیر اسفہسالار - قیر (ترکی) بمعنی سرحد' لہذا قیر اسفہسالار یعنی محافظ سرحد
مملکت ' غازی وغیرہ - نام کے ساتھ بطور لقب یا خطاب کے آتا ہے
(راحۃ الصدور ۳۹۶ - ۳۹۷) '
کردن - بمعنی بنا کردن - تعمیر کرنا - " اگر [آں حصار] پیش از ولادت
گیرندہ کردہ باشد بگیرد و اگر پس از ولادت کردہ بود گرفتن ممکن نیست"
ایضاً ۴۵۶)
کلاہ از بہر کسی دوختن = بفکر مساعدت کسی بودن - " باشد کہ خدای کلاہ
از بہر من دوختہ است" (ایضاً ۴۰۰)
گازرشست - دھوبی کا دُھلا ہوا - سفید - " کتان وکرباس نرم گازرشست کہ
بتن باز نگیرد در باید پوشید" (رسالہ حفظ صحت) ' " وکرباسہا
گازرشست بیاری و ایں سفرہ در مسجد جامع بہنی" (اسرار التوحید ۸۶)'
گزیرد - از مصدر گزیردن بمعنی چارہ کردن - " از خوردن نمی گزیرد"
یعنی از خوردن گزیر نیست (راحۃ الصدور ۴۲۲) '
گستاخ - بمعنی بے تکلف ' " گستاخ و ایمن بنشین کہ خانہ وآنچ در دست
ملک تست" (مقاماتِ حمیدی نسخۂ خطّی برٹش میوزیم ورق ۱۱۹) '
مال السلاح وہ روپیہ جو رعایا سے اسلحۂ سپاہ کی قیمت کے طور پر
ٹیکس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا (راحۃ الصدور ۱۲۲) '

مال قرار قانونی ۔ مالیاتِ سرکاری ۔ " از ولایت مال قرار قانونی و دخل اقطاعات . . . . . برگرفت" (ایضاً ۴۵۶)،

ماندن ۔ ہار جانا ۔ " ہر کدام از ما کہ بماند دہ دینار بفلاں کس دہد " (ایضاً ۴۲۳)،
" آوردہ اند کہ مامون خلیفہ نرد باختی گفتی اگر بمانم گویم کعبتین بد آمد" (ایضاً ۴۱۵)،

محفوری ۔ قالین، تاریخ بیہقی میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے ۔ مثلاً دیکھو صفحہ ۵۰۹، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۷۱ وغیرہ)،

مدہون ۔ روغن یا وارنش کیا ہوا ۔ " تشت مدہون" کنایہ از آسمان ؎

علم طشت و خایہ از زاغانِ ظلمت بیں کہ باز
صد ہزاراں خایہ در یک تشتِ مدہون کردہ اند
(مجیر بیلقانی)

ملکی ۔ خلعت و انعام شاہی ۔ " بعضی را لقب خانی داد و قومی را ملکی و خلعت و تشریف و ایشانرا برکشید" (جہانگشای جوینی ج ۲ ص ۱۷۰)،

منج آشیاں ۔ آشیانِ منج یعنی شہد کی مکھی کا چھتہ ؎

قطرۂ از لعابِ حلم وے است   آنچہ منج آشیاں ہمی بخشد
(راحۃ الصدور ۲۰۷)،

مواضعہ ۔ باج و خراج ۔ " بسیار خدمتہا کردند و بر صد ہزار دینار دیگر مواضعہ نہادند" (جوینی ۲، ۴۷) ۔ " التستر . . . زر مواضعہ قبول کرد کہ سال بسال . . . . بدو می رساند" (ایضاً ۸۸)

نابیوس ۔ نابیوسی ۔ نابیوسیدہ، بمعنی ناگہاں ۔ اچانک ۔ فرہنگ کی کتابوں

میں صرف نابیوسان دیا ہے ۔ لیکن یہ تین شکلیں اس لفظ کی اور موجود ہیں ۔ " فتہائی کہ در ابتدا پیدا نیاید نابیوسیدہ توقع باید کرد " (جوینی ۲ ، ۹۹) ، سے

افسوس کہ عمر نابیوسی بگذشت　　وین عمر چو جان عزیز ازسی بگذشت

(جوینی ۱ ، ۹) ،

نانِ تاوگی (یا تابگی) خوردن ۔ کنایہ از رنج و محنت کشیدن ۔ " رنج یاوگی نابردہ و نان تاوگی ناخوردہ بر سر خوان آراستہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و خزانۂ پر خواستہ نشستہ " (راحۃ الصدور ۳۲۱) ،

نزولہ ۔ مہمانی کا خرچ ، وہ روپیہ (یا جنس) جو سرکاری عہدہ دار کسی گاؤں میں مقام کرتے وقت بطور خرچ کے اہل دیہہ سے وصول کریں ، " فلاں ظالم چندیں دستارچہ و نزولہ و شراب بہا ۔ ۔ ۔ ۔ بستد " (ایضاً ۳۳) ،

نظر دادن ۔ مہلت دینا ۔ بظاہر عربی اِنظار کا ترجمہ ہے ۔ " من ایشاں را نظر ندہم کہ مرا از ایشاں اندیشۂ تواند بود " (ایضاً ۹۳)

نقش کسی خواندن ۔ کسی بھولے بسرے کو یاد کرنا ۔ " دیگر کس نقش او نخواند " (ایضاً ۳۴۴) ،

نہادن (باکسی) کسی سے ساز باز کرنا ۔ موافقت رائے کرنا ۔ " باوی بنہاد کہ بشش روز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہرات رود نزدیک امیر مسعود سخت پوشیدہ " (بیہقی ۱۳۶) ،

واقعہ ۔ وفات ، تاریخ جوینی میں اکثر جگہ آیا ہے ،

وجوہ انگیز ۔ ٹیکس وصول کرنے والا ۔ " ہر چ عوان تر و وجوہ انگیز تر

است بازار او تیز تر است" (راحۃ الصدور ۱۲۹) "ہر کہ وجوہ انگیز تر و دروں یش آویز تر ..... وزیر می شود" (ایضاً ۲۴۱)

(پروفیسر) محمد اقبال

محمد شاہ بن تغلق

(۳)

(سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ بابت فروری ۲۷ء)

سلطان کا حسب و نسب سلطان محمد تغلق اپنے خاندان کا دوسرا حکمران تھا اس لئے اس کی تاریخ میں خاندان کی بحث بے محل سی ہے - ہمارا موضوع ہے "سلطان محمد کی تاریخ" اور یہ بحث فی نفسہٖ غیاث الدین تغلق کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن با اینہمہ ہم اس بحث کو یہاں نظر انداز نہیں کر سکتے کہ تغلق و سلطان کے حسب و نسب کا مسئلہ ہماری تاریخوں میں نہ ہونے کے برابر ہے اور بعض مورخوں کو تغلق کے نام میں بھی کلام ہے اگر ہم اس خاندان کی پوری پوری مرتب تاریخ لکھتے تو یہ بحث بھی غیاث الدین تغلق کی تاریخ میں کرتے ۔اب کہ چھوڑ بھی نہیں سکتے ہیں ۔ سمجھ لیتے ہیں کہ باپ کی تاریخ میں نہیں تو بیٹے کی تاریخ میں سہی ۔ اسکے

علاوہ غیاث الدین تغلق کی سلطنت کے قیام و استحکام میں چونکہ سلطان برابر کا شریک رہا ہے - یہانتک کہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہیں کہ جن اسباب سے تغلق کی سلطنت قائم ہوئی - ان کے میدان میں پہلا قدم سلطان کا اٹھا تھا - اس لئے سلطان محمد کی تاریخ میں جہاں تغلق کے اور بہت سے حالات ناگزیر ہیں وہاں اسکی قومیت اور اہمیّت کا مسئلہ بھی زیادہ نامناسب نہیں رہتا -

ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ سلطان قوم سے ترک قرونہ ہے - جو سندھ و ترکستان کے درمیان آباد ہیں - وہ خراسان سے ہندوستان آیا - اور معمولی حیثیت سے بادشاہی کو پہنچا - تیرھویں صدی مسیحی کے مشہور سیاح مارکوپولو نے بھی اپنے سفرنامہ میں قرونہ یا قروناس نام ایک قوم کا ذکر کیا ہے اور اسکا مسکن و موطن بھی اسی سرزمین کے آس پاس لکھا ہے - جو ابن بطوطہ نے بتایا ہے - مگر وہ اس قوم کو اصلاً مخلوط النسل منغول یا تاتار کہتا ہے یوں دونوں میں باہم اختلاف ہو جاتا ہے -

مارکوپولو کے سفرنامہ کے انگریزی میں کئی ترجمہ ہیں - ان میں سے دو اسوقت میرے پاس ہیں - ایک کسی قدر مختصر اور بہت پرانا اڈیشن ہے - یہ نہیں معلوم کہ کس کا ترجمہ ہے - مگر جان ہنکر ٹن کے مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے[۱] - دوسرا جو طویل و مکمل کہلانے کا مستحق ہے سرہنری یول کا ترجمہ ہے - اور اسکا تیسرا ایڈیشن' اس میں یول کی

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ صفحہ ۲۱ ج[۱] اسکی بنیاد ہے رامو سیو کا اطالوی نسخہ '

طول و طویل تعلیقات پر یہنری کا رڈیر کی نظر ثانی کے نتائج اور اس کی مزید تحقیقات کا اضافہ بھی شامل ہے۔ اسلئے یہ نسخہ جسکو آخری اڈیشن کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ مفید و اہم ہو گیا ہے۔ اور آجکل عموماً قابل اعتبار یہی سمجھا جاتا ہے۔ اس نسخہ میں مارکوپولو کا بیان در باب قرونہ بحیثیت خلاصہ و اختصار یوں ہے۔

اس جماعت کو قرونہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسکی مائیں ہندی ہیں اور باپ تاتاری (گویا یہ فرقہ مخلوط النسل ہے) اس قزاق پیشہ قوم کا سردار نگودار کہلاتا ہے۔ یہ نگودار ایک دفعہ اپنے دس ہزار سوار لئے ہوئے اپنے ماموں یا چچا چغتا کے دربار میں پہنچا۔ جو(اوکدا، قاآن کا بھائی (چنگیز خاں کا بیٹا) ہوتا ہے۔ کچھ دنوں دربار میں رہا۔ مگر پھر از راہ شرارت و عیاری چغتا کی غیبت میں وہاں سے ایک فوج لے کر نکلا۔ اور ادھر ادھر لڑتا مرتا آخر (حدود) ہندوستان میں جا پہنچا۔ اور سلطان اسدین سے دلی[1] واڑ کا علاقہ چھین کر اپنی مستقل حکومت جما لی۔ اور پھر آس پاس کی تاتاری ریاستوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگا[2]۔

اس بیان سے اگرچہ یہ بصراحت نہیں معلوم ہوتا کہ قرونہ کیسے پیدا ہوئے۔ محض قیاس ہے۔ استنباط ہوتا ہے۔ مگر یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ قرونہ پر وہی نگودار حکمران ہے۔ یا رہا۔ برخلاف اس کے دوسرے مختصر ترجمہ کا ماحصل اس باب میں یہ ہے۔

"یہ قرونہ مخلوط النسل ہیں جو ہندی ماؤں اور تاتاری باپوں سے

---

[1] DALIVAR.

[2] صفحہ ۹۸،

پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے دس ہزار ایک نگودار کے ماتحت ہیں۔ جو چغتا سابق فرمانروائے ترکستان کا بھتیجا یا بھانجا ہے۔ یہ نگودار ایک دفعہ اپنے چچا یا ماموں چغتا کی بیخبری میں فوج لے کر ہندوستان پر چڑھ گیا۔ اور سلطان اسدین کی قلمرو میں سے ڈیلی اور اس کے مضافات پر حکومت جما بیٹھا۔ جہاں ہندی عورتوں اور تاتاری مردوں کے اختلاط سے یہ قرونہ پیدا ہوئے۔ جو اب اس گرم سیر علاقہ اور اس کے قرب و جوار کو غارت و تباہ کرتے پھرتے ہیں[۱]"

اس بیان سے جیسے قرونہ کی پیدائش کی صورت صاف صاف معلوم ہوتی ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار قرونہ سوار نگودار کی قیادت میں ہیں اور یہ نگودار ان قزاق پیشہ لوگوں کے سردار کا نام نہیں لقب ہے۔ یا کم از کم نگودار ایک سے زیادہ ہیں۔ اسی لئے ایک نگودار لکھا ہے نہ محض نگودار۔ اس میں شک نہیں کہ چنگیز خان کے جانشین اوکدا قاآن کے عہد، خاصکر اسکے آخری زمانہ سے کہ وہی چغتا کی حکومتِ ترکستان کا زمانہ تھا۔ بہت سے مغول شہزادے اور سردار صاحب داعیہ بن بیٹھے تھے۔ اور جدھر کو منہ اٹھ جاتا تھا نکل جاتے تھے۔ مگر ہم اس تیس چالیس سال کی تاریخ میں صرف تین نگودار سے آشنا ہیں۔ ایک نگودار یا قمر نگودار ختائی ہے۔ جو التون خاں حکمران ختا کا ایک سپاہ سالار تھا۔ اور اوکدا قاآن کی فوج سے جبکہ چغتا بھی ساتھ تھا نبرد آزما ہوا تھا۔ مگر

---

[۱] معزالدین عزالدین ہوکر مارکوپولو کے ہاں اسدین ہوگیا ہے۔ ڈیلی دلی ہے اور دلی واڑ، دلی وال کی خرابی ہے۔ مارکوپولو کے بیان کی بقدر ضرورت تفصیل سے پڑھنے کے بعد یہ مسامحت بھی صاف سمجھ میں آجائیگی۔ ہم اسکی تفصیل نہیں کرینگے +

میدان سے بھاگ کر ایسا غائب ہوا کہ پھر تاتاری مغول کی تاریخ میں اسکا کہیں سراغ نہیں ملتا ۔ دوسرا نگودار نگودار آغول ہے جو علی وجہ التحقیق ہلاکو خاں کا بیٹا، اباقآن کا بھائی ہے ۔ مارکوپولو جس نگودار کا نام لیتا ہے ۔ بظاہر وہ کوئی تیسرا نگودار ہونا چاہیے جو صرف نگودار کا کوئی ہوسکتا ہے[1]۔

یہ تحقیق و تنقید ہمارا کام نہیں کہ سفرنامۂ مارکوپولو کے ان تراجم میں یہ اختلاف کیوں ہے ۔ اور ان میں سے کونسا ترجمہ یا نسخہ قابل ترجیح اور لائق اعتبار ہے ۔ مگر اس تعین کے بعد بھی آسانی سے یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ مارکوپولو نے جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے ۔ جیسے کہ سیاحوں کے سفرنامہ میں عام طور سے ہو جایا کرتی ہیں ۔ تاہم میرے خیال میں مارکوپولو کا بیان حقیقت سے بالکل خالی بھی نہیں ہے ۔ خلط مبحث ضرور ہوگیا ہے اس لئے یول نے بھی اپنی تعلیقات میں اس پر جرح کی ہے ۔ اور مجھے بھی تنقید سے چارہ نہیں ۔

یول جس اصل کا پابند ہے وہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ باہمہ تفصیل قرونہ کی پیدائش کے باب میں مبہم ہے ۔ اسی لئے یول کہتا ہے کہ مارکوپولو نے قرونہ کو تاتاری باپوں اور ہندی ماؤں کے اختلاط کا نتیجہ کہنے میں غلطی کی ہے ۔ لیکن خود اسکا بھی جی نہیں چاہتا کہ قرونہ کے مخلوط النسل ہونے سے انکار کردے ۔ اس لئے وہ اس اختلاط کے ثابت کرنے کے لئے بہت سے بے سروپا اقوال نقل کرنے ۔ فیلالوجی کے اکھاڑے میں قرونہ کا جوڑ کرانی وغیرہ سے لڑانے اور پھر بھی مطمئن نہ ہونے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مغل اپنی اصطلاح میں ارغون اس بچّہ

---

[1] یہ نگودار ملتان و لاہور تک پہنچا ہے مگر ۶۹۶ھ میں اور پھر ترکستان چلا گیا ۔ ایران سے اسکو کوئی سروکار نہیں رہا ۔ جامع التاریخ ۱۳۹

کو کہتے ہیں جو زرد منگول ماں اور سفید رنگ باپ سے پیدا ہوتا ہے۔
اس لئے کیا عجب ہے۔ کہ اسکے بالمقابل قرون (از قرا بمعنی سیاہ) اس
اولاد کو کہتے ہوں جو زرد منگول باپ اور سیاہ نسل والی ماں سے پیدا
ہوئی ہو۔ اور مارکوپولو اسی علم و خیال کی بنا پر یہ کہہ گذرا ہو کہ
قرونہ یا قرو ناس تاتاری باپوں اور ہندی ماؤں کی اولاد ہیں۔ یعنی
وہ ہندی ماں بجائے سیاہ ماں کے استعمال کرگیا ہو۔

سر ہنری یول نے ارغون کی نسبت جو دعوے کیا ہے اسکو وہ اپنی
موعودہ تعلیقات میں ثابت نہیں کر سکا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی
وہ قابل اعتنا نہیں۔ مارکوپولو نے بھی کہیں اسکی تصریح نہیں کی ہے۔
بایں ہمہ یول نے اپنے اس خیالی دعوے کی تصدیق میں بغیر اس کے کہ
صراحتہً تقویت و تائید کا کچھ ذکر کیا ہو، لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔ کہ
عہد مغول کی ایران کی تاریخ میں۔ اکثر قراوناس کا ذکر آیا ہے۔ فوج
مغول میں ان کے دس ہزار سواروں کا ایک تمن بھی نظر آتا ہے۔ اور
یہ بھی کہ وہ نہایت وحشی اور خونخوار ہیں۔ اور فارس کے مشرقی اطراف و
حدود اُن کی غارتگری کی خاص جولانگاہ۔ اور اصل اُن کی اس کوہستان
کی ہے۔ جو قراجدون کہلاتا ہے۔ رشید الدین (صاحب جامع التاریخ)
اُن کو کنگر وریٹ نامی شعب مغول کی ایک شاخ کہتا ہے جو قراجدون
میں آباد تھی۔ اور لکھتا ہے کہ قروناس کا ایک تمن، رغون خاں کی فوج
خاصہ کا ایک حصہ ہے۔ وصاف اور میر خوند دیو پیکر اور خونخوار ترین مغول
جیسے الفاظ سے اُن کا ذکر کرتے ہیں[1]۔

---

[1] لشکر قراوناس کہ درمیان مغول ازاں قوم بیباک ترنے باشند، روضۃ الصفا جلد پنجم ۱۱۰
حبیب السیر جلد سوم ۶۰،

سرہنری یول نے ان تمام روایات کے سہارے سے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ قراوناس از قبیل مغول و تاتار ہیں - اسی لئے عہد چنگیز سے پہلے ایران کی تاریخ میں کہیں انکا ذکر نہیں آتا - اسی بنا پر اُسنے اور بہت سے نظریے نظر انداز کر دئے ہیں - اور سچ یہ ہے کہ وہ اسی کے مستحق تھے ۔ اسکا یہ دعوے بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حمزۂ اصفہانی کی تاریخ ایران میں جو ظہور چنگیز سے بہت پہلے لکھی گئی ہے لفظ قراونہ جو آیا ہے اور قرونہ کی جمع خیال کیا جاتا ہے اصل میں وہ قزاونہ جمع قزوین و قزوینی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ قرونہ کو محض اس لئے تاتار یا مغول ماننا کہ ظہور چنگیز سے پہلے کہیں انکا ذکر نہیں آتا ہے ایک نہایت کمزور توجیہ ہے - خاصکر جبکہ یہ مسلم و معلوم ہے، کہ غیر تاتار قبائل بھی جو تاتار کے ساتھ ہو لئے تھے - وہ کم از کم غیروں کی نگاہوں میں تاتار ہی بن گئے تھے - نیز قرونہ ایرانی نہ تھے - کہ ایران کی تاریخ میں انکا ذکر آتا - اگرچہ کسی ملک کی تاریخ میں اس کی ہر قوم اور ہر قبیلہ کا ذکر آنا بھی کچھ ضروری نہیں - ممکن ہے کہ وہ دخیل ہوں - اسی لئے ایک عرصہ کے بعد تاتاری فوج میں نظر آتے ہیں - اور انکا سراغ ابتدائی تاتاری قبائل میں نہیں ملتا۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرونہ کا وجود بحیثیت ایک پرزور اور شوریدہ سر قبیلہ کے عروج تاتار کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد شروع ہو جاتا ہے - میں نہیں کہتا کہ اتنے زمانہ میں تاتاری و ایک مخلوط

---

[1] یہ کتاب ہمارے پاس نہیں ہے - لیکن ہم اس قیاس کو اسلئے صحیح خیال کرتے ہیں کہ فارسی کی جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں انمیں اکثر قرونہ کو قراوناس لکھا ہے نہ قرونہ و قراونہ،

نسل پیدا ہوکر میدانِ جنگ میں آنے کے قابل نہیں ہوسکتیں لیکن یہ بات عادتاً قطعاً محال ہے کہ اتنے زمانہ میں ایک پراگندہ مخلوط نسل کے افراد اجتماعی صورت میں آکر ایک قوم و قبیلہ بن جائیں اور ایک خاص نام پا کر اپنا جداگانہ تمن بنانے اور آزادانہ ملک میں لوٹ مار کرنے پھرنے کے قابل ہوجائیں - اس لئے زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ قراوناس دخیل تاتاری ہوں نہ خالص تاتار اور نہ محض تاتار کی مخلوط اولاد - یوں تاتار کی مخلوط النسل اولاد کو کہیئے تو اس سے انکار کس کو ہوسکتا ہے - وہ لاکھوں عورتیں جنکو تاتاری بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے گئے اور ساتھ لئے پھرے - ان سے جو تارتار کی اولاد ہوئی - کہیں ہوئی ہو وہ سب مخلوط تھی - اور تاتار نہیں تو کیا کہلاتی تھی - کلام جو کچھ ہے وہ اس میں ہے کہ قرونہ کو مِنْ حَيْثُ الْمَجْمُوعِ اور مِنْ حَيْثُ الاصل تاتار کی مخلوط اولاد قرار دیا جائے - میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ قرونہ کا قبیلہ اختلاط سے پاک رہا ہوگا - میرے نزدیک تو یہ بھی ممکن اور بہت ممکن ہے کہ ہندی عورتوں کا خون بھی اس قوم تک پہنچ گیا ہو - جیسا کہ مارکوپولو نے لکھا ہے - مگر مارکوپولو کے نگودار کا ہندوستان آنا - یہاں اپنی حکومت جمانا - اور اسکے تاتاریوں اور ہندی عورتوں سے قرونہ کی نسل کی بنیاد پڑنا میرے نزدیک صحیح نہیں - اسلئے کہ اسکا نگودار قمر نگودار نہیں - اسنے اپنے نگودار کو چغتا کا بھتیجا یا بھانجا بنایا ہے - اور قمر نگودار کو چغتا سے کوئی قرابت نہیں - نگودار آغول بھی جسکا پتہ نشان ہم پہلے بیان کرچکے ہیں - نہ چغتا کا بھانجا ہے نہ بھتیجا - بلکہ وہ ہلاکو کا بیٹا - اباقآن کا بھائی ہے - قوبوی خاتون

کے بطن سے پیدا ہوا - اس لئے قبیلۂ قنقورات کا نواسہ ہے - جہانتک مجھے معلوم ہے چنگیز خان کی کوئی بیٹی اس قبیلہ میں نہیں پائی گئی - تاہم وہ ہلاکو کی اولاد ہونے کی وجہ سے چغتا سے اچھا خاصہ قریب کا رشتہ رکھتا ہے - بعض نے اسکو حفید چغتا بھی لکھا ہے - اسکے علاوہ نکودار کے بعض اوصاف جو مارکوپولو نے بیان کئے ہیں - وہ بہت کچھ اس نکودار میں پائے جاتے ہیں - وہ چغتا کے دربار سے نہیں بھاگا - ہاں اپنے بھائی آباقاآن سے برگشتہ ہو کر بھاگا - اور باغوائے براق اسکا طرفدار ہو کر آباقاآن سے برسرپیکار ہوا[1] -

اس نکودار کے حالات میں "تومان ہزارہ" کا کئی جگہ ذکر آیا ہے - اور خراسان کا بھی - اور بھی بعض ایسی باتیں ہیں جو مارکوپولو کے نکودار سے ملتی ہیں - اسلئے یہی وہ نکودار ہے جسکو مارکوپولو نے سنی سنائی روایت کی بنا پر - چغتا کا بھانجا ٹھہرایا - اور اسکے دربار سے بھگا کر ہندوستان پہنچایا اور قرونہ کی نسلی ابتدا کا باعث ٹھہرایا ہے - حالانکہ یہ سب غلط ہے - نہ وہ ہندوستان آیا - نہ اسدین سے اس نے کوئی علاقہ چھینا - نہ اسکی تاتاری فوج سے اور ہندی عورتوں سے کسی نئی نسل کی بنیاد پڑی - اور نہ کبھی قرونہ سے اسکا خاص ربط رہا -

---

[1] خاوندشاہ ہروی صاحب روضۃ الصفا خود بھی ان تمام باتوں کا قائل ہے اور نکودار آغول کو بصراحت ہلاکو کا بیٹا اور اباقاآن کا بھائی مانتا ہے - لیکن بایں ہمہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے نگودار آغول کہ از احفاد چغتائی خان بود جلد پنجم (ص ۹۶) یہ رشتہ اگر درست ہو سکتا ہے تو اسی طرح کہ قوبوی خاتون اس کی نواسی ہو - اور یوں نکودار اغول اسکا نواسہ ہوتا ہو۔ [2] روضۃ الصفا ص ۹۶ ج ۵ برکا،

بلکہ قراوناس ہمیشہ اس کے دشمن رہے ۔ وہ اس کے بھتیجے ارغون بن اباقاآن کی فوج خاص کا ایک حصہ تھے ۔ اور وہی احمد خاں بن ہلاکو یا نکودار آغول کی تباہی و بربادی کا باعث ہوئے ۔ جنکو مارکوپولو اسکا ماتحت بتاتا ہے ۔ اور اسی کے تاتاریوں کی دوغلی نسل قرار دیتا ہے ۔ معلوم ہوا کہ نکودار کو قراوناس سے کوئی واسطہ نہیں ۔ لیکن اسکا یہ کہنا بھی بالکل بے اصل و بےبنیاد نہیں ہے کہ تاتاری مردوں اور ہندی عورتوں سے ایک مخلوط تاتاری جماعت پیدا ہوئی ۔ اس لئے کہ اسکا امکان ہندوستان کی تاریخ سے پایا جاتا ہے ۔

چغتا چونکہ اوکتا قاآن کے کچھ ہی بعد مرا ہے ۔ اسلئے اسکی موت کو ۶۴۲ھ کے آس پاس سمجھنا چاہیئے ۔ اگر اسکے دربار کا کوئی فراری امیر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہوگا تو ضرور اسی زمانہ کے آس پاس ہوا ہوگا یہاں ہندوستان میں شمس الدین التمش جسکے نام کی دھاک تاتار کے یاجوج ماجوج کے لئے سدّ سکندری بنی ہوئی تھی ۶۳۳ھ میں خود لقمۂ اجل ہوا ۔ آنیوالے پُر اختلال زمانہ میں رکن الدین و رضیہ بیگم دو تاجدار صاحب تخت چار برس کے اندر اندر تختہ و تابوت تک پہنچ چکے تو تیسرا بدنصیب معز الدین بہرام شاہ قربان ہونے کے لئے تخت پر بیٹھا ۔ مگر فتنہ و فساد کی آگ تھی کہ کسی طرح نہیں بجھتی تھی ۔ ہندوستان کی یہ خبریں مغلوں کو بھی پہنچیں ۔ اور انکے سابقہ شکست خوردہ حوصلے بڑھے اور وہ ہندوستان کی طرف چلے ۔ چنانچہ ہم ۶۳۹ھ کے آغاز میں دیکھتے ہیں کہ تاتاری اس دفعہ

---

[1] بعض مؤلفین تاریخ لکھ گئے ہیں کہ چغتا اپنے بھائی قاآن (اوکتا) سے پہلے مرا یہ غلط ہے ۔

ہندوستان میں گھس آئے ۔ لاہور تک کو آگھیرا ۔ شہر کا نام نشان تک باقی نہ رہا ۔ اور خدا کی ایک مخلوق ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی ۔ پنجاب کا گورنر ان سے عہدہ برا نہ ہو سکا تو بھاگ کر دہلی معزالدین کے پاس آیا ۔ اسنے وزیر کو پنجاب سے مغلوں کو نکالنے کے لئے بھیجا ۔ وہ خود بادشاہ کو نکالنے کی فکر میں تھا ۔ سلطانپور کے قریب سے جو انہیں دنوں آباد ہوا تھا الٹا پھرا ۔ اور معزالدین کو پہلے زندان میں ڈالا اور پھر قید حیات ہی سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا ۔ یوں تاتاری پنجاب میں بیٹھے دن عید اور رات شب برات مناتے رہے ۔ اب علاء الدین مسعود شاہ بادشاہ ہندوستان ہوا ۔ اسکے عہد میں امرائے مغول لکھنوتی اور سندھ میں بھی آئے ۔ پنجاب کی کامیابی نے حوصلہ بڑھایا ہوگا ۔ اگرچہ یہ دونوں تازہ آنے والے جرگے علاء الدین ہی کے زمانہ میں ہندوستان سے نکال دئے گئے ۔ مگر وہ پہلا جماؤ مغلوں کا سنہ ۶۴۲ھ میں کہیں ناصرالدین کے زمانہ میں جاکر ٹوٹا ۔ اس پنجسالہ قیام کے زمانہ میں مغلوں نے جو گھوڑا چڑھے جریدہ آتے تھے ۔ ہندوستانیوں خاصکر عورتوں پر کیا کچھ قیامت نہ ڈھائی ہوگی یقیناً تاتاری مردوں اور ہندی عورتوں کے اختلاط سے ایک نئی مخلوط نسل کی بنیاد پڑگئی ہوگی ۔ اور تاتار کا ایک جز بنگئی ہوگی ۔

ابھی سنہ ۶۴۲ھ کو کوئی پینتیس چھتیس سال گزرے تھے کہ ارغون خراسان سے اپنے مایۂ ناز قراوناس وغیرہ کی فوج لے کر چچا تگودار کے خلاف چلا ۔ اولاً وہ ہارا اور یہ جیتا ۔ مگر پھر قسمت نے پلٹا کھایا ۔ احمد تگودار گرفتار ہو کر مارا گیا ۔ اور قراوناس کے ہاتھوں جو کچھ اسکے حرم پر گزرا ۔ اسکو خواوندشاہ جامع التاریخ اور وصاف وغیرہ سے یوں نقل کرتا ہے :

"قوم قراوناس غارت کناں در رسیدند۔ رسیدن ہماں وخود زا بالشکر زدن ہماں و آں بہائم سیرتاں برسر آہو چشماں خیگی وحور وشاں مقصورات فی الخیام در ریختند وحلل و ملابس ایشاں خلع کردند و تمامت فروش وبساط وزر وسیم و شیاب واقمشہ کہ در اردو یافتند بربودند و توقی را پیرایہ از گوش بیروں کردند و از ناپاکی آنچہ ممکن بود بہ تقدیم رسانیدند کہ شیاطین قراوناس کہ نسناس یراں جماعت رجحان دارد چناں از شیشۂ ضبط بیروں جستہ بودند کہ بلا حول ہیچکس منزجر نے گشتند"

آپ نے دیکھا کہ تاریخ مغول میں نگودار بھی ہے اور قراوناس بھی، اور تاتار و ہندی عورتوں کی مخلوط اولاد بھی اور مارکو پولو نے تینوں باتیں لکھی ہیں۔ مگر تینوں غلط ہیں نہ نگودار ہندوستان آیا نہ قراوناس کے تمن پر اسکی کبھی حکومت ہوئی۔ پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ تاتاری مردوں اور ہندی عورتوں کے اختلاط سے جو قوم بنی وہ قراوناس کہلائی۔ جسکے معنی مخلوط کے ہیں۔ نہ عادتاً اور عقلاً یہ ممکن ہے کہ تیس سال کے اندر اندر ایک نوخیز مخلوط النسل جماعت یہ شان وشکوہ حاصل کر سکے۔ اور اسمیں امرائے صاحب نام و نشان پیدا ہو جائیں جیسا کہ تاریخ سے پتہ لگتا[1] ہے۔ مارکوپولو نے تینوں باتوں کو جو بجائے خود صحیح تھیں، غلط نسبت سے۔ بالکل غلط بنا دیا ہے۔ یول نے بھی تعلیقات میں سب کچھ لکھا مگر بیکار رہا۔

مدعا اس طول کلام سے یہ ہے قرونہ یا قراوناس جو خراسان میں رہتے تھے اور ارغون[2] کا ایک تمن تھے۔ وہ مخلوط النسل ہونے یا

---

[1] روضۃ الصفا [2] شاہزادہ ارغون نہ آغا ارغون، وہ اور شخص ہے۔

تاتاری مردوں اور ہندی عورتوں کے مخلوط خون کا نتیجہ ہونے کی وجہ سے قراوناس نہیں کہلاتے تھے۔ اور نہ اس قوم کا آغاز ۶۴۰ھ کے آس پاس سے ہوتا ہے۔ جبکہ تاتار پہلی مرتبہ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے ہاں تاتار چونکہ ہندوستان میں اکثر خراسان کی طرف سے آئے۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس کامیاب تاتاری حملہ میں قراوناس شریک ہوں۔ اور ہندی عورتیں بھی ساتھ لے گئے ہوں۔ اور یوں ان میں ماؤں کی طرف سے ہندی خون بھی شامل ہو گیا ہو۔ لیکن اصل میں پھر بھی وہ کسی اور ہی پرانی قوم کی کوئی شاخ تھے۔ اور میرے نزدیک وہ قراعدون اپنی جنم بھوم کی طرف منسوب ہو کر قراوناس کہلاتے تھے۔ اسکے کم و بیش قرائن بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چلکر باختصار بیان کریں گے۔

جب قراوناس نوخیز مخلوط النسل متولد تاتاری نہیں تو پھر کیا ہیں؟ میں سمجھتا ہوں وہ ترک ہیں چنانچہ ابن بطوطہ انکو ترک قرونہ کہتا ہے۔ اگر تغلق کا باپ بلبن کے زمانہ میں ہندوستان پہنچا۔ جیسا کہ فرشتہ بعض تاریخدانان لاہور کے حوالہ سے لکھتا ہے۔ اور مجھے بھی یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوگا، تو قرونہ کو ترک ہی ہونا چاہیئے۔ بلبن ترکوں کا دلدادہ تھا۔ اور مغول و تاتار کا دشمن، وہ جان بوجھ کر تاتاری کو نہ خریدتا۔ تاہم شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرونہ خالص ترک نہ تھے۔ ان کا جد امجد جو قرونہ کو ترکوں کی دوسری شاخوں سے الگ کرتا ہے۔ اپنی ترکی ماں سے بادشاہ ایران بہرام ساسانی کا بیٹا تھا۔ اسکا سراغ ہمیں سلطان محمد بن تغلق

کے درباری شاعر بدرچاچ کے قصائد سے ملتا ہے جو ایک زبردست شہادت کا حکم رکھتا ہے۔

شاعر اپنے ممدوح بادشاہ کو سب کچھ کہتا ہے۔زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔مگر اسکے نسب کو نہیں بدل سکتا۔اس باب میں وہ ہمیشہ وہی کہتا ہے جسکو سارا زمانہ جانتا اور مانتا ہے۔اور یہ نہیں تو پھر بادشاہ کے دعوے پر مہر تصدیق لگاتا ہے۔اسلئے بدرچاچ کے کلام سے اتنا ضرور پایۂ تصدیق کو پہنچتا ہے کہ سلطان اپنے آپ کو بہرام کی اولاد کہتا تھا۔بہرام شاعری کی ایک ضرب المثل شخصیت بھی ہے اور بدرچاچ کے کلام میں لفظ بہرام اس حیثیت سے بھی آیا ہے۔لیکن میں اس قسم کے اشعار چھوڑ کر صرف وہی اشعار درج ذیل کرتا ہوں۔جو صاف صاف اظہارِ نسب ہی کرتے ہیں اور بس۔بدرچاچ کہتا ہے۔

جمِ بہرام اصل حاکمِ ملک اے کہ بہرام چرخ چاکرِ تست

چراغِ دیدۂ بہرام کاستانِ درش فراز کنگرۂ ہفت طاق کیوان است

خدائگان جہاں فخر آل بہرامی کہ مشتری لقبش شاہ مہ جناب نہد

محمد شاہ بن تغلق کہ برترشد ز اقبالش لوائے آلِ بہرامی زاوج طارمِ کیواں

اب بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہرام سلطان محمد کے کسی دادا پردادا کا نام ہوگا۔مگر نہیں۔بدرچاچ سلطان کے نسب کو فریدوں وجمشید

تک پہنچاتا ہے۔ جیسے بہرام ساسانی پہنچایا جاتا ہے۔ بلکہ بہرام چوبیں کو بھی حقارت سے یاد کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اسکی مراد بہرام گور ہی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

بندہ را شاہ بر سرِ خواں خواند　　آنکہ اصلش ز نسل جمشید است

شاہ بہرام نسب آنکہ نماید چوبیں　　روز کیں در نظرش خنجر صد رستم زال

[اگر سلطان ترکِ قرونہ بھی ہے اور اولاد بہرام بھی تو یہ نظریہ صحیح اور ضرور صحیح ہے۔ لیکن ابن بطوطہ جو سلطان کو بروایت رکن الدین ملتانی قرونہ کہتا ہے۔ بہرام کی نسبت کا ذکر نہیں کرتا اور بدرچاچ اسکے قرونہ ہونے کا اس ئے یہ نظریہ اگرچہ بجائے خود صحیح ہو۔ وقت استدلال نظری ہو جاتا ہے۔ اگر تغلق نامہ[1] ہمارے پاس ہوتا تو شاید اسکی کچھ تائید یا تضعیف کرسکتا۔ اب کہ

---

[1] ہم سمجھتے تھے کہ امیر خسرو علیہ رحمۃ کا تغلق نامہ گم ہو چکا۔ عنقا کی طرح نام ہی نام باقی ہے لیکن نواب محمد اسحاق خان مرحوم نے جو امیر کی تصانیف کی فراہمی و اشاعت کا بیڑا اٹھایا تو اسکا ایک نسخہ نواب محمد حبیب الرحمان خان شروانی کے کتبخانہ سے برآمد ہوا۔ جو جہانگیر کے زمانہ میں کسی قدر ناقص پایا گیا تھا اور حیاتی نے جہانگیر کے حکم سے اسمیں پیوند لگایا تھا۔ سنا ہے مولانا رشید احمد انصاری نے اس پیوند کو بھی بحوالہ و ثبوت اسی کا اصل پرزہ ثابت کیا ہے اور وہ نسخۂ واحد ابتک مولانا مرحوم کے خاندان کے قبضہ میں ہے۔ نواب محمد حبیب الرحمٰن خانصاحب تک بھی نہیں پہنچا۔ کہ طبع ہو کر پھر عالم کثرت میں آسکتا۔ ہم سے ایک کرمفرمانے وعدہ کیا تھا کہ نسخہ استفادہ کے لئے منگا دینگے یا دکھا دینگے۔ مگر وہ اپنی کوشش میں ناکام رہے اور ہم استفادہ سے محروم ؎

وائے محرومی قسمت کہ کہاں رکھا ہے　　جبکہ دو چار قدم ہم درِ جاناں سے رہے

وہ نہیں ہے۔ہم صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ تا بہ امکان سراغ لگائیں کہ قرونہ ترک یا کم از کم غیر تاتار ہیں یا نہیں اور ابن بطوطہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ کہاں تک قابل اعتبار ہے۔مگر نہ اس لئے کہ سلطان کا علو نسب ثابت کیا جائے بلکہ محض علم و تحقیق کی خاطر +

(مولانا) عبدالرحمان

کوائفِ حجاز

(ایک حاجی کے قلم سے)

طبعی حالات عرب کے مفصل بیان کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔عرب کے جغرافیہ طبعی کے حالات مستقل کتابوں میں موجود ہیں ۔ ہمارے ایک عزیز حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی ایم بی بی ایس ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھ رہے ہیں۔ یہاں صرف اسقدر امور بتلانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عرب ایک صحرائی ملک ہے اور پانی نہایت کمیاب ہے ۔ یہ درست ہے ۔ مگر پانی عموماً چار پانچ گز کھودنے پر نکل آتا ہے ۔اکثر جگہ زمین مرطوب معلوم ہوتی ہے ۔ پانی کی یہ قلت کنوؤں کی کمی کی وجہ سے ہے مکہ اور حوالی مکہ میں پانی بیشک بہت کم ہے ۔ بلکہ روئیدگی تک مشکل

سے نظر آتی ہے لیکن مکہ سے ذرا شمال کی طرف ہٹ کر یہ حالت نہیں وادئ فاطمہ مدینہ کے راستہ کی پہلی منزل ہے اسمیں قدرتی چشمے ہیں کہ اچھی خاصی نہر جاری ہے۔ نخلستان ہیں۔ شریف کے خاندان کے اکثر لوگوں کی زمین اسی مقام پر ہے۔ جبل سرات جسکا سلسلۂ کم و بیش تمام عرب میں پھیلا ہوا ہے غیر مختتم حلقوں کی شکل میں ہے مسافر کو ہر جگہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بس چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہے۔ راستہ نہو گا کہ یکایک چھوٹا سا درہ نظر آ جاتا ہے اور پھر دوسرا حلقہ طے کرنا پڑتا ہے۔ بعض جگہ پہاڑوں کا سین بہت دلچسپ ہے۔ مدینہ سے دو منزل پہاڑوں کا سلسلہ قلعہ کی دیوار کی طرح دور تک معلوم ہوتا ہے کہیں کہیں پر برجیوں کی طرح پہاڑوں پر بلندی آ جاتی ہے۔ مکہ سے مدینہ جانیوالے مسافر کو نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پستی سے بلندی کو جارہا ہے سیڑھیوں کی طرح زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ پہاڑوں پر سبزہ وغیرہ نہیں ہے۔ معدنی اشیا بکثرت ہونگی۔ چنانچہ مکہ کے قریب سب پہاڑوں پر زہر مہرہ بکثرت ملتا ہے۔ جو ایک آنہ تولہ سے لے کر ایک روپیہ تولہ تک کے نرخ کا ہوتا ہے۔ مگر مکہ سے دُور نہیں ملتا۔

گرمی خوب ہوتی ہے مگر ہندوستان کے اکثر اضلاع میں بھی ویسی گرمی ہوا کرتی ہے۔ حج کے دن عرفات میں پارہ ۱۰۵ درجہ پر تھا۔ زائد سے زائد ۱۱۰ تک۔ بعض مقامات میں رات عموماً ٹھنڈی ہوتی ہے۔ لیل تہامہ تو مشہور ہے مزدلفہ میں ذوالحجہ کی دسویں شب حجاج گزارتے ہیں۔ چاندنی اور بڑی پُرلطف خنکی کا سماں پیش کرتی ہے۔ مدینہ کے راستہ میں بغیر اوڑھے آدمی رات نہیں گزار سکتا۔

وادیٔ فاطمہ میں صبح کو سورج نکلنے سے پہلے ۸۵ درجہ پر پارہ تھا۔ شہر مکہؔ کے علاوہ ہر جگہ رات کو کافی خنکی ہوتی ہے۔ مکہ میں کم و بیش ڈیڑھ مہینہ کے قیام کے باوجود کبھی رات کو اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ دھوپ آخر عصر کو بھی سفید ہی نظر آتی ہے۔ زردی نمایاں ہوئے بغیر آفتاب غروب ہو جاتا ہے۔ زوال کے کچھ دیر بعد نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہاں اس حدیث کا مفہوم خوب سمجھ میں آیا ابردوا بالظہر فان الخ

شہر مکہؔ کے چاروں طرف پہاڑ ہیں جن کے سبب سے گرمی قدرتاً زاید ہوتی ہے۔ درمیانی فاصلہ بہت کم ہے۔ ورنہ جبل سراۃ کا اس قدر تنگ حلقہ کہیں اور شاید ہی ہو۔ مکانات چار چار منزل تک کے ہیں۔ بمبی کے پرانے حصہ کے مکانات سے ملتے جلتے ہیں ایک نہایت بری رسم یہ ہے کہ سنڈاس کمائے نہیں جاتے۔ کچھ عرصہ کے بعد بہت سا نمک ڈالدیا جاتا ہے۔ وہ گندگی کو فنا کر دیتا ہے۔ یہ برا طریقہ مکہ مدینہ جدہ تینوں جگہ پر ہے۔ دیواروں تک اس گندگی کا اثر ہوتا ہے اور کھار جمی ہوتی ہے ؎

بازار تنگ ہیں صرف مسعیٰ مقام سعی درمیان صفا و مروہ پچیس تیس فٹ چوڑا ہوگا۔ بازار سویقہ (بڑا بازار مکہ کا) لکڑی کے تختوں سے چھپایا ہوا ہے۔ — جدہ کا بازار بھی عموماً اسی طرح کا بنا ہوا ہے۔ مدینہ کے بازار کھلے ہوئے ہیں۔ مکہ میں یورپ کے تمام ملکوں کا مال خوب فروخت ہوتا ہے۔ کپڑے اور سامان آرائش وغیرہ کی تجارت خوب فروغ پر دیکھی گئی ہے۔ متمول عرب فرنیچر کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ ہر متوسط الحیثیت آدمی کے یہاں قالین اور کم سے کم اتنا طولیہ کی دری

ضرور ہوتی ہے - قالین سے کچھ ہی کم درجہ کی چیز ہے - نہایت پایدار اور خوش وضع بیٹھکوں میں چاروں طرف بنچ نما چبوترہ بنا ہوتا ہے - اُسپر تکیے رکھے ہوتے ہیں اور قالین یا دری کا فرش - مکّہ کے لوگ مرفہ الحال اور خوش پوشاک ہیں - تجارت پیشہ ہیں اسی لئے اخلاق میں درشتی اور بے مروتی ہے -

مدینہ - مدینہ جاکر مولوی الطاف حسین صاحب حالی کے اس شعر کی وجہ سمجھ میں آئی ؎

جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت
کعبہ سے کشش اسکی ہر دلمیں سوا ہے

صرف جذبات اسکے باعث نہیں ہیں - بلکہ شہر کا محل وقوع موسم کی خوشگوار اشیاء خوردنی کی بہتات - باغوں کی کثرت - پانی کی افراط اس امر کے باعث ہیں کہ جو شخص ہجرت کرتا ہے مدینہ کا رخ کرتا ہے - مدینہ سے کچھ دور مکّہ کی طرف آبیار علی نام ایک مقام ہے جہاں شیعہ آبادی بکثرت ہے - ابھی شہر پانچ چھ میل تھا کہ ہم لوگ پیدل ہو گئے - شہر کا پتہ ونشان نہیں - ایک بلند راستہ آیا اُسپر چڑھے تو سارا طیبہ سامنے تھا - عجیب منظر نظر آیا گویا سیر بین کا کوئی پتہ ہے - جو نظر کے سامنے ہے - شرقاً غرباً ہر دو طرف نخلستان کا سلسلہ بیچ میں شہر منتہائے شمال میں القبۃ الخضرا - جنوبی کنارہ پر ریلوے سٹیشن ہے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے - اسٹیشن کا نام مدینہ منورہ ہے - چند گاڑیاں چند انجن کھڑے تھے - اصل بازار تنگ ہے - مگر بازار تک کا راستہ کافی کشادہ اور سیدھا تھا - عمارات دو تین منزلوں کی ہوتی ہیں - مگر نا بلند نہیں ہوتیں

مکہ کے مکانات کی طرح یہاں کے مکانات پختہ نہیں ہوتے۔ لوگ عموماً با اخلاق۔نرم۔نیک ہیں۔ مگر افلاس بہت عام ہے۔معمولی سے معمولی رقم بھی لے لیتے ہیں۔اعلےٰ سے اعلےٰ جبہّ پہنے نظر آئینگے مگر سوال کرکے تھوڑے پر راضی ہو جاتے ہیں۔

مشاہد تاریخ میں سب سے اعلےٰ اور برتر مسجد نبوی ہے۔ جو دہلی کی مسجد سے چھوٹی ہوگی۔مگر کافی بڑی ہے۔ دالان جگیارہ بارہ درجہ کا ہے۔ قبلہ سمت جنوب میں ہے۔ مغربی جانب کا دالان دوہرا ہے۔ مسجد کے ایک کنارہ پر کوئی ۴ گز جگہ چھوڑ کر حجرہ شریف ہے۔ اصل حجرہ چھوٹا سا ہے۔مگر اسکے چاروں طرف ایک جالی دار دیوار ہے۔ جو سلطان قائدبائی بادشاہ مصر نے نویں صدی میں بنوائی ہے ایک مقام پر سلطان مذکور کا نام بھی لکھا تھا اور بہ معمولی معمولی سی ترمیمیں کی ہیں۔ستون مسجد کے نہایت خوبصورت۔ سنہری کام کیا ہے۔ مختلف ادوار کے مسجد کے ترمیمات ظاہر کرنے کے لئے ستونوں میں خاص خاص نشان ڈالدئے گئے ہیں۔سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ محفوظ ہے۔ اسپر مصلی النبی صلعم کندہ ہے۔ وہ مقام مسجد کے مشرقی جانب کی طرف وسط سے ہٹ کر ہوگیا ہے کیونکہ مسجد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ حجرہ شریف کے چاروں طرف عربی خط میں سنہری حرفوں سے ہر اہم موقع کی طرف اشارہ ہے مثلاً بابؔ الحرس چوکیدار کا دروازہ باب الوفود وغیرہ۔حجرہ کے بالمقابل جانب شمال عورتوں کے لئے جگہ مخصوص ہے جو دروازہ تک چلی گئی ہے۔ باقاعدہ پردہ کی دیوار ہے۔ دالانوں میں قالین

کا فرش ہے۔ عورتوں کی نماز کی جگہ کے قریب ایک کنواں عین مسجد
میں ہے۔ پانی اچھا ہوتا ہے۔ اور سبیل لگی رہتی ہے۔ کسی شریف نے
لوگوں کے برخلاف یہ کنواں بنوایا ہے۔ باب النسا کے نام سے ایک
دروازہ ابتک موجود ہے۔ غالباً یہ وہی دروازہ ہے جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے لئے مخصوص کیا تھا۔
جالیوں کے باہر جالی پر اطلس کے پردے پڑے رہتے ہیں مگر کثرت زائرین
کی وجہ سے انکو لپیٹا رکھتے ہیں ہے۔ اصل حجرہ پر سیاہ رنگ کا کپڑا
منڈھا رہتا ہے جو باہر سے دھندلا نظر آتا ہے۔ اصل حجرہ کے شمال
میں جالی کے اندر ایک چھوٹی سی جگہ منڈھی نظر آتی ہے۔ اسکو لوگ
بیت فاطمہ کہتے ہیں۔ صاحب وفا نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ حجرہ کے
قریب مشرقی جانب مسجد کے حجرات اُمہات المومنین تھے جو اب سب
مسجد میں شامل ہیں۔ ۸۰۸ھ میں ولید بن عبد الملک کی خلافت میں یہ
حجرے داخل مسجد کیئے گئے جس پر سعید بن المسیب نے فرمایا کاش لوگ
ان حجروں کو اصلی حالت پر چھوڑتے تاکہ مابعد کی نسلیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سادگی بودو باش دیکھتے۔ انتہائے شمال مشرق کے کونے پر
دروازہ باب مجیدی کے نام سے ہے وہاں بقول صاحب وفاء الوفا حضرت
عبداللہ بن مسعود کا مکان تھا۔ حجرہ کی جنوبی سمت (سمت قبلہ) مسجد
کا جو حصہ ہے وہاں سے حجرہ محیط جالی سے دیکھنے سے ایک کپڑا سرخ
نظر آتا ہے جو سنہری حرفوں میں بترتیب اوپر سے نیچے کو ہٹے ہوئے لکھا
ہے قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ و
قبر عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ روضہ کے پاس ایک جماعت مزورین کی سی

رہتی ہے جو نو وارد کے گرد ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ خود ساختہ سلام پڑھوانا شروع کر دیتے ہیں - موجودہ تعمیر ۱۲۷۰ھ کی ہے اور غالباً سلطان عبدالمجید خان کی ہے - سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو کنویں مدینے میں مشہور تھے ان میں سے اکثر اب بھی موجود ہیں - اور خوب پانی سے پُر ہیں - جو بیرحا نامی کنواں حضرت ابوطلحہ کے باغ میں تھا - اور مسجد کے قریب آنحضرت نے اکثر پانی تناول فرمایا - اور صاحب موصوف نے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ترجمہ ہرگز نیکی کو نہ پہنچوگے جبتک اس چیزیں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے) اس آیت کے نازل ہونے پر عرض کیا کہ سب سے زیادہ محبوب یہ کنواں اور باغ ہے - فضعها یا رسول اللہ حیث اراك اللہ (جہاں کے لئے آپ کو خدا سمجھائے اسی مصرف میں اسکو صرف کر دیجئے) چنانچہ صاحب موصوف کے رشتہ داروں ابی ابن کعب حسان بن ثابت وغیرہ کو تقسیم کر دیا گیا مسجد سے بہت قریب ہے - ہم نے بھی اسکا پانی پیا - نہایت عمدہ شیریں مگر کنویں کا تھوڑا سا حصہ کھلا ہوا ہے -

بیر رومہ - یہ وہ کنواں ہے جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کو جب پانی کی تکلیف زاید ہونے لگی من یشتری بیر رومہ فیکون دلوہ کدلاء المسلمین یعنی بیر رومہ کو کون ہے جو خرید کر وقف کر دے - حضرت عثمان نے وقف کیا - انکا مناقب میں امام بخاری نے اسکو بڑی منقبت شمار کیا ہے یہ شہر کے شمال مغرب کی طرف وادی عقیق کے قریب قریب ہے - پانی نہایت عمدہ ہے باقی اور کنویں جنکا پتہ وفاء الوفاء میں ہے یہیں دیکھئے -

وادئ عقیق - مدینہ کا شمالی حصہ مذکور الصدر پہاڑیوں کے نیچے وادی

عقیق کے نام سے نامزد ہے۔ اسی کے متعلق حدیث میں ہے کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے کہا اس مبارک وادی میں نماز پڑھو۔
باریک باریک سنگریزہ ہیں۔ سال میں صرف دو تین دن سیلاب کی سی حالت ہوتی ہے۔ اہل مدینہ باہر نکلتے ہیں اور ان دنوں میں خوب کھاتے پیتے اور تفریح کرتے ہیں۔

بیر بضاعۃ۔ یہ وہ کنواں ہے جسکے متعلق سنن ابی داؤد میں ہے کہ بیر بضاعۃ میں گندگی وغیرہ پڑجاتی ہے۔ اس سے وضو کیا جائے یا نہیں۔ اسکا پانی کچھ کھاری ہے۔ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکا پانی تناول فرمایا اور وضو نہیں کیا۔ قریب ہی چھوٹا سا باغ بھی ہے۔ ابی داؤدؒ صاحب سنن ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس کنوئیں کا قطر اپنی چادر سے ناپا تھا تو وہ چھ ذراع تھا باغ والے جب انہوں نے دریافت کیا۔ تو اسنے کہا اسمیں کوئی تغیر نہیں ہوا اب بھی تقریباً اتنا ہی ہے۔

مسجد ذوالقبلتین۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں کے لوگ عصر کی نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ تحویل قبلہ کی خبر سنکر رخ قدس سے پھر کر کعبہ کی طرف کرلیا۔ دو آمنے سامنے کی دیواروں پر آثار محراب بنا رکھے ہیں جس سے آدمی خود سمجھ لیتا ہے کہ وہی مسجد ہے۔ ایک اور مسجد پہاڑ پر تھی جہاں غزوہ احزاب میں آنحضرت نے نماز پڑھی تھی یا قیام فرمایا تھا۔ اسی شمال جانب میں خندق کھودی گئی تھی۔ انہیں اطراف میں مشہد زکی کے نام سے ایک قبر ہے جو نفس الزکیہ کی ہے۔ جو منصور کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ اور ہمارے سلسلہ نسب میں تھے اسی نواح میں لاسکی کا اسٹیشن ہے۔ شمالی حصہ کے ایک پہاڑ پر ایک جگہ کہف بنی حرام کے نام سے ہے

وہاں بھی غزوۂ خندق میں آنحضرت نے قیام فرمایا تھا میں اس مقام پر نہ جا سکا۔

مسجد قباء۔ یہ وہ مسجد ہے جسکی شان میں بقول اکثر محدثین یہ آیت اتری ہے لمسجد اسس علے التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ "جس مسجد کی بنیاد اول ہی روز سے ہے وہ زاید مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو"۔

کتب احادیث میں اس مسجد کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں اول ہجرت میں مدینہ تشریف لیجانے سے پہلے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے قباء میں قیام فرمایا تھا اکثر مہاجرین کے بھی یہاں گھر تھے۔ مسجد کے قریب ایک مکان پر دار علی النسب بھی لکھا ہوا ہے۔ جس جگہ سرور عالم نبی صلعم کی اونٹنی بیٹھی تھی وہ جگہ صحن مسجد میں محفوظ ہے۔ مزورین ہر جگہ دعائیں پڑھواتے ہیں۔ اور خوب وصول کر لیتے ہیں ان کی دعائیں عجیب ہوتی ہیں مثلاً اللھم ھذا ابرک ناقۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اے اللہ یہ نبی صلعم کی اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ ہے سو یہ کرا دو یہ کر یہ باتیں اب حکومت نجدیہ نے ممنوع کرا دیں قباء میں اب بھی آبادی ہے ایک پختہ ٹوٹی پھوٹی عمارت کو حضرت علی رض کا گھر بتلاتے ہیں۔ قباء کے قریب ترکوں کے زمانے کا قلعہ ہے۔

بیت ابی ایوبؓ سب سے زاید دلآویز چیز حضرت ابی ایوبؓ انصاری کا گھر تھا۔ جو مسجد کی مغربی دیوار سے دو گز کے فاصلہ پر ہے وہاں کتبہ لکھا ہے کہ یہ سرور عالم صلعم کا قیام گاہ تھا۔ مکان کسی شخص کا ہے۔ نیچے کی منزل میں بسبب پردہ کے نہ جا سکے اوپر جا کر دیکھا جو ابی ایوب

نے اول اول سرور عالم صلعم کو اوپر کی منزل میں رکھا تھا جب آپ کو تکلیف ہوئی تو نیچے کی منزل میں تشریف لے آئے چنانچہ ایکدن چھت پر سے پانی ٹپکا تو نیچے سے پکار ہوئی اور حضرت ابی ایوب نے کپڑے وغیرہ لگا کر پانی جذب کیا۔ اسی کے قریب مشہد عثمان ہے۔ جہاں وہ شہید ہوئے تھے ۔ایک گھر بیت العشرہ کے نام سے مشہور ہے۔ دہ حرم شریف کا مال گدام ہے ۔کچھ فاصلہ پر اسمٰعیل الامام لوروں کے ایام کا گھر بھی محفوظ ہے ۔آل حسن کے گھر میں کتب خانہ شیخ الاسلام ہے۔ جسکا ذکر آئیگا ؎

بیر خاتم قبا میں ہے حضرت عثمان غنی کے ہاتھ سے سرور عالم صلعم کی انگوٹھی اس کنوئیں میں گرگئی تھی۔ یہ کنواں ابتک محفوظ ہے۔

کہف بنی حرام - مدینہ کے جانب شمال لاسکی اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک سفید سی چھوٹی عمارت بنی ہے مشہور ہے کہ غزوہ خندق میں آنحضرت نے اس جگہ کو بھی اپنے وجود سے مشرف فرمایا تھا۔اس سے ذرا ہٹ کر حضرت ابوبکر و دیگر حضرات کے چوکی کا مرکز بتلایا جاتا ہے ۔ ذرا مشرق کو ہٹ کر ایک پہاڑی ہے۔ اسپر چھوٹی سی مسجد ہے ۔اسمیں آنحضرت صلعم نے غزوۂ خندق یا اور کسی موقع پر نماز پڑھی تھی ۔

لاوہ کے ٹیلے کے حال جنوب مکہ سے آتے وقت ایک دو میل پر لاوے کے ٹیلوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کی رنگت بالکل لوہے کی سی ہے ۔بلکہ ایک ٹکڑا لے کر دوسرے سے بجایا جائے تو لوہے کی سی آواز نکلتی ہے۔ اس لاوہ کا اور مختلف زمانوں میں آتش فشانی

کا تذکرہ مدینہ کے متعلق تاریخوں میں درج ہے۔
مقبرۂ بقیع - یہ مسلمانوں کے نقطۂ خیال سے مقدس ترین مقبرہ اپنے میں ہزاروں برگزیدہ خلائق کو لئے ہوئے ہے - بقول حافظ ابن حجر دس ہزار صحابہ مدینہ میں مدفون ہیں - ۳ھ ہجری میں حضرت عثمان بن مظعون جو سرورِ عالم کے رضاعی بھائی تھے - انہوں نے وفات پائی تو خود آنحضرت نے انکو بقیع میں دفن کیا اور ایک پتھر بطور علامت قبر پر نصب کیا تا کہ قبر کی پہچان رہے - جب حضرت ابراہیم ابن سرورِ عالم نے انتقال فرمایا تو حضرت عثمان بن مظعون کے قریب انکو بھی دفن کیا - وفاء الوفاء میں ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے کئی حضرات صاحب موصوف کے قریب ہی دفن ہیں - جب کسی کا انتقال ہوتا تو وصیت کرتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس دفن کرنا - لیکن افسوس کہ صاحب موصوف کی قبر کا پتہ نہیں البتہ حضرت ابراہیم کی قبر موجود معروف ہے - اس سے اندازہ کیا جاتا ہے۔
بقیع کا طول شرقاً غرباً کوئی سو سوا سو گز ہوگا - عرض تیس چالیس گز - شرقی دروازہ سے گھستے وقت داہنے ہاتھ کو اہلِ بیت کے مزارات ہیں جن میں حضرت سیدہ کا مزار پر انوار سب سے علیحدہ ممتاز ہے - باقی حضرت عباس حضرت امام حسن امام زین العابدین - امام محمد باقر امام جعفر صادق ان سب صاحبوں کے مزار ملے جُلے بلا امتیاز تین چار گز کے چبوترہ میں ہیں - بجانب جنوب (قبلہ) ازواج مطہرات کے مزارات ایک چبوترہ میں بلا امتیاز ہیں - اور اسی کے قریب حضرت زینب و حضرت ام کلثوم و غالباً حضرت رقیہ کے مزارات کا چبوترہ ہے۔

اس سے ذرا جنوب کو حضرت عقیل بن ابی طالب کی قبر ہے۔ صاحب وفا
لکھتے ہیں کہ سرورِ عالم انہی کی قبر کے پاس دعا فرمایا کرتے تھے اور اکثر صحابہ
اسکا تتبع کرتے تھے ۔ حضرت عقیل کی قبر کے جانب جنوب ذرا مغرب
کو ہٹ کر حضرت ابراہیم ابن النبی صلوات اللہ علیہ کا مزار ہے اور
اس سے جنوب کو وہ شہدار احد ہیں جنکی لاشیں میدانِ کارزار سے
اٹھا لائی گئیں اور مثل سیّد الشہدار (حمزہ) وہیں دفن نہیں کئے گئے
اسکے بعد عرض ختم ہوجاتا ہے ۔ حضرت ابراہیم سے ذرا شرق کو
ہٹتے ہوئے امام مالکؒ و انکے استاد مشہور جناب نافع مولی عبداللہ
ابن عمر کے مزارات ہیں ۔ انتہائے غرب میں بالکل دیوار مقبرہ
کے قریب خلیفۂ سوئم کا مزار پر انوار ہے ۔ جنوب مغرب کے کونے
پر حضرت حلیمہ سعدیہ کا مزار بتلاتے ہیں مگر بقول صاحب وفا
یہ غلط ہے ۔ یہی دس بیس مزارات ہیں جو معروف عندالناس ہیں
ورنہ بقیع کا چپہ چپہ اکابر دین و مقتدایانِ مذہب کے پاک اجسام
کا گنجینہ ہے ۔

بقیع کے شرقی جنوبی کونہ سے چار پانچ گز ایک چھوٹا سا احاطہ
ہے ۔ جہاں حضرت صفیہ و حضرت عاتکہ اور ایک تیسری پھوپھی
سرور عالم کی مدفون ہیں ۔

مشاہیر کی قبر پر ٹین منڈھا ہوا ہے ۔ بقیع میں گھستے ہی دروازہ
سے متصل بجانب شمال ایک چھوٹی سی سفید مربع عمارت ہے جس
کو لوگ حضرت ابی بن کعبؓ کی مسجد کے نام سے پکارتے ہیں لیکن
اب یہ عمارت مسجد کا کام نہیں دیتی ۔

حرمین کے علما۔ مکہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کردہ مولانا رحمت اللہ صاحب میں ایک صاحب حبیب اللہ الشنقیطی ہیں۔ علمارِ مکہ میں غالباً انکا کوئی ہمسر نہیں۔ عربیت میں اعلےٰ مذاق رکھتے ہیں۔ شاعر ہیں۔ حدیث کا بھی کافی علم ہے۔ مذہباً مالکی ہیں۔ مدتوں حرم مدینہ میں درس دیتے رہے۔ اب مکہ میں پڑھاتے ہیں۔ فقہ و اصول میں اعلےٰ قابلیت رکھتے ہیں۔ اشعارِ عرب خاصی تعداد میں یاد ہیں۔ مسائل نحو و عربیت خوب یاد ہیں۔

وہاں کے علما میں قدر مشترک یہ امر ہے کہ قوت حافظہ سے خوب کام لیتے ہیں۔ اور مسائل خوب یاد ہوتے ہیں۔ جو شخص جس امام کا مقلد ہے۔ اسکے مذہب کے اہم علما کو خوب جانتا ہے اور یہ کہ اس مذہب والوں میں اسکا کیا درجہ ہے۔ چونکہ اکثر مالکی حضرات سے ملنا ہوا۔ ہر ایک کو امام مالک کے اجلۂ اصحاب کا اور مذہب میں انکے مرتبہ کا پورا پورا علم تھا۔ ہندوستان میں جو معیار علم ہے وہاں اس سے حالت بالکل مختلف ہے۔ یہاں زیادہ تر علوم عقلیہ پر زور ہے اور بڑا عالم وہ سمجھا جاتا ہے جو استعداد اچھی رکھتا ہو اور ایک خاص نصاب کو اچھی طرح پڑھا سکتا ہو۔ وہاں علوم دینیہ کی طرف زاید توجہ ہے اور بڑا عالم وہ ہے جسکو مسائل زیادہ یاد ہوں۔ اس معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان اور وہاں کے علما میں بیّن فرق ہے۔

مدینہ کے علما۔ حرم نبوی میں ایک صاحب محمد بن علی الترکی نامی بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ طلبہ کے سامنے کتاب ہوتی تھی۔ وہ بلا کتاب مسئلہ زیر تدریس پر تقریر کرتے تھے۔ اختلاف مذاہب اس خوش اسلوبی سے بیان کرتے کہ کسی پر طعن نہ ہوتا۔ مذہباً حنبلی

ہیں۔ لیکن جسوقت احناف کا مذہب ان الفاظ سے بیان کرتے وا ما عند ساداتنا الحنفیہ تو انکی یہ ادا بہت اچھی معلوم ہوتی۔ مسائل ضروریہ کافی طور پر بیان کرتے تھے۔

الشیخ احمد بن محمد العمری الجزائری۔ مالکی المذہب ہیں۔ اخلاق کا مجسمہ ہیں۔ علوم ادبیہ میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ شیخ عبدالجلیل برّادہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ۱۳۰۳ھ سے برابر مدینہ میں مقیم ہیں۔ انہوں نے شیخ محمد محمود الشنقیطی سے بھی پڑھا ہے۔

الشیخ محمد الفہ ھاشم۔ مالکی المذہب ہیں۔ انکو فخر حبشہ سمجھنا چاہیے۔ ایک حبشی سے انکے متعلق پوچھا تو حسرت سے کہنے لگا۔ کہ ہمارے شیخ اگر گورے ہوتے تو لوگ انکو مانتے۔ حالانکہ شیخ کے فضل کا ہر شخص معترف ہے۔ شیخ کو حدیث اور اسکے متعلقات پر کافی سے زیادہ عبور ہے۔ نہایت متواضع اور منکسر آدمی ہیں۔ تقریباً ہر وقت مسکراتے رہتے ہیں۔ خالی زمین پر اکڑو بیٹھے دیکھا کہ درس دے رہے ہیں۔

الشیخ محمود شول کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ بڑے با اخلاق اور دوست نواز آدمی ہیں۔ آجکل مدینہ کے قاضی ہیں۔ خاصی معلومات رکھتے ہیں۔ اور سیاسی امور سے بھی کچھ کم باخبر نہیں۔ یہ تمام مذکورین ہندوستان کے علما کی نسبت ضروریات زمانہ اور معلومات جدیدہ سے بھی کافی خبر رکھتے ہیں۔ چنانچہ اثناء تقریر میں جغرافیائی معلومات جن کا اثر سیاست پر پڑتا ہے۔ یہ لوگ اس سے خوب واقف معلوم ہوتے تھے۔

حکومت اور اسکا انتظام - امن و امان جو کہ حکومت کا فرضِ اولیں ہے - عرب میں وہ یورپ کے مہذب ترین ملک سے زاید پایا جاتا ہے - بدوؤں کے قصّے فسانے ہوگئے - ایک شخص جو بہت سے جمّالوں کا افسر تھا جسکو وہاں مقوم کہتے ہیں - اور جس نے دو تین سال قبل مدینہ سے ایک یا دو منزل پر ایک بڑا قافلہ روک کر فی کس کچھ رقم وصول کی تھی - اسکو ایک لڑکے نے جو بحیثیت معلمی ایک جماعت حجاج کے ساتھ تھا صرف اس بنا پر مارا اور اسکی چولھے پر چڑھی ہنڈیا الٹ دی کہ وہ ایسے راستہ پر لایا ہے جہاں لکڑی اور پانی بافراط نہیں ملتا مگر وہ شخص دم بخود رہا - موجودہ حکومت سے پہلے صرف بڑے بڑے قافلے ہی سفر کر سکتے تھے - اب اکّا دکّا آدمی بیسیوں نظر آتے تھے سنتے ہیں کہ غریب حبشیوں کو بدو بطور غلام فروخت کر ڈالتے تھے - مگر اب حبشی ایک ایک دو دو بلکہ ایک ماں اور ایک بچّہ بھی بلا تکلف سفر کرتے ہیں - ایک حبشی نے کیا خوب فیصلہ کیا - کسی نے پوچھا کہ ترک اچھے تھے یا نجدی - بولا ہمارے لئے وہ اچھے تھے - اور تمہارے لئے یہ اچھے ہیں - معمولی سے معمولی چیز بدو بلا مانگے نہیں لیتے تھے -

کارکن تھوڑے ہیں - مدینہ کے پولیس افسر مہدی بے نامی بڑی عنایت کرتے تھے - اکثر پولیس کی صدر چوکی پر بعد عصر جانا ہوتا - بہت سے معمولی جھگڑے زبانی طے کر دیتے - اور اکثر فریقین راضی چلے جاتے - انسداد رشوت کا یہ حال ہے کہ وہ کہتے

تھے ایک سپاہی نے ہرے دھنیے کی تین پوٹلیاں کسی سے لی تھیں۔ تو مَیں نے اسکو پٹوایا اور موقوف کیا۔ بازاروں میں دکاندار بے ایمانی نہیں کرسکتے تھے۔ حالانکہ پولیس کا آدمی حد نظر تک نظر نہ آتا صاحب موصوف سے معلوم ہوا کہ صرف تین سوٗ نظام" (باقاعدہ) فوج ہے جو پولیس بھی ہے اور بوقت جنگ فوج بھی۔ مدینہ میں سپاہی کی تنخواہ بیس مجیدی تقریباً پچیس روپے اور مکّہ میں فی کس تیس مجیدی ہیں۔ وہاں کے نظام حکومت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت اور سلطنت کے اہم تریں فرایض . . یعنی قیام امن و انصاف و عدل وہاں باتم وجوہ موجود ہے۔ ہاں دکھلاوا اور نمائش نہیں نہ عمدہ وردیاں نہ سامان آرائش وغیرہ۔

سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن۔ اس فرمانروا کو دنیا کے بڑے آدمیوں میں سے نہ شمار کرنا بڑا ظلم ہے اور اس شخص کی سب سے بڑی لیاقت اس فتنہ کا فرد کرنا تھا۔ جو منیٰ میں حج سے ایک رات پہلے مصری فوج اور نجدیوں کے درمیان ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس موقع پر جو صفات قیادت اس شخص سے ظاہر ہوئیں وہ صفات تاریخ میں ہمیشہ یاد رہینگی۔ حلم سے کام لینا۔ اپنی فوج پر قابو رکھنا وغیرہ وہ امور ہیں کہ اگر ذرا سی کوتاہی ان باتوں میں ہوتی تو دشت منیٰ میدان کارزار بنا ہوتا۔ نماز جمعہ کے بعد بطور وعظ کچھ کہا کرتے ہیں۔ مذہبی معلومات بقدر ضرورت خاصے معلوم ہوتے ہیں۔ تواضع و انکسار کا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی آدمی برابر بیٹھ جاتا تو انکو ناگوار نہ ہوتا۔

حکومت میں شامی اور مصری زاید دخیل ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ زیادہ تر اہل قلم شامی یا مصری ہیں۔ ان لوگوں میں نہ وہ تدین ہے جو نجدیوں میں ہے۔ نہ وہ خلوص۔

عام نجدی رعایا۔ بڑے مذہبی ہوتے ہیں اور نہایت جوشیلے مگر رواداری اور نرمی امور مذہبی میں بالکل نہیں کرتے۔ اُن کا دائرۂ خیالات بہت محدود اور تنگ معلوم ہوتا ہے +

ضمیمہ

چند الفاظ زبان مروّج الوقت

بِدّی ۔ چاہتا ہوں میں (مدینہ) اَبْزِل (مدینہ) اَبْزل (مکّہ) ابغیٰ (چاہتا ہوں) مکّہ فُکّ الباب اَفتحْ ۔ حنش (سانپ) بِئْن ۔ مَنْ ۔ نربیل اولمنبل ۔ سیاّرہ مور (نجدی مُوٹر کہتے ہیں) سیارہ تحریری لفظ ہے ۔ رِخْصْ ۔ بالفتح رِخْصَا ۔ اہل نجد و اہل البلاد اِنْتَ اِنْتم ۔ متین ۔ موٹا چاءِ ثقیل ۔ تِگْیل ۔ اتکبوس ۔ ہاتھ پاؤں دبانا ۔ رفیع ۔ دُبلا حنبل ۔ دری ۔ مِتفلہ ۔ اگالدان ۔ حلالہ ۔ قالین (حلائل) مُخدّہ ۔ تکیہ (قُص) ر گُصّ ۔ کپڑا کاٹنا ۔ جھاڑ کاٹنا ۔ قینچی وسروتہ ۔ قطع ۔ گوشت وغیرہ کاٹنا ۔

(توفل جنالیہ) کات - کہنہ - نوُرہ - چونا - سوّالنہل - ہرلیہ - فیہ - ہے
عدس مطلق دال - عدس قمص چنے کی دال - شدّ - باندھنا -
شریط - چارپائی کا باندہ - رجل - پایہ - عجلہ بلبیہ - عربیہ گاڑی - عربجی گاڑی والا -
دُعزی - سیدھا - حلب دودھ - لبن دہی - گدش کتنا - سوار - برابر
گدنک - گدسی - میرے برابر - بلکن شاید - کرآسہ جزو - کمان بھی - اور (دیگر)
بذرہ - بچہ خورد سالہ تین سال کا تک - بنعات جمع حرمہ - حریم عورت عورتیں -

(اسید)

(سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۲۷ء)

پچھلے نمبر میں قریباً ۱۰۳ فارسی تذکروں اور دیگر کتب کا ذکر ہوا تھا -
جو فارسی شعرا کے حالات پر مشتمل ہیں - اور یہ امید ظاہر کی گئی تھی -
کہ اس قسم کی اور کتابیں اگر ناظرین کے پیش نظر ہوں تو اس فہرست
میں تا بہ امکان اضافہ کرنے میں مدد دیں - چند کتابیں اسی فن کی اس عرصہ
میں اور نظر سے گذری ہیں - انکا حال ذیل میں درج ہے -

۱۰۴ - انیس العاشقین - مؤلفہ رتن سنگھ زخمی لکھنوی، ۱۲۲۵ھ میں

لکھنؤ میں تالیف ہوا - شعرا کے حالات اختصار سے درج ہیں، انتخاب اشعار صرف غزل اور رباعی میں منحصر ہے، قصیدہ و مثنوی کو صرف "بضرورت" لیا گیا ہے - شعرا کے تخلص بحروف تہجی مرتب ہیں اور کتاب کو بہ اعتبار حروف تہجی ۲۸ حرفوں میں تقسیم کیا گیا ہے - شروع میں چار صفحہ کا ایک مختصر سا مقدمہ ہے - جس میں نصیرالدین حیدر بادشاہ متخلص بہ بادشاہ کی تعریف نثراً و نظماً کی گئی ہے -

مؤلف نے اپنا حال بذیل زخمیؔ[1] لکھا ہے - اس میں کہتا ہے کہ وہ ۲۳ محرم ۱۱۹۷ھ (= ۲۹ دسمبر ۱۷۸۲ء) کو لکھنؤ میں پیدا ہوا - فارسی - عربی - انگریزی اور ہندی زبانیں اسنے سیکھیں اور ان زبانوں میں علوم عقلیہ و نقلیہ پڑھے - میرزا محمد حسن قتیل کی شاگردی میں شعرگوئی شروع کی - اور اکثر بلاد ہند کی سیر کی - پہلے بریلی پھر کلکتہ گیا - واپسی کے بعد مختلف اوقات میں مختلف بلاد میں گھومتا رہا - تالیف کتاب کے وقت سے چند سال پہلے تک وہ معمولاً ... کبھی لکھنؤ اور کبھی بریلی میں مقیم رہتا تھا - اسی کتاب میں بذیل صبوری لکھا ہے کہ یہ تخلص مولف کے باپ رائے بالک رام کا ہے جو لکھنؤ میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کے بعد مدتوں تک نواب وزیر الممالک آصف الدولہ کا صاحب دیوان تھا، غرّہ شوال ۱۲۱۱ھ میں وہ عظیم آباد گیا - تو نواب "تاب جدائی نیاوردہ بتاریخ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ بہ سیر گلستان جناں گام سبح شدند' اور صبوری نے بھی اس دن سے نوکری چھوڑ دی اور دنیا و مافیہا سے بے پروا ہوگیا، کبھی کبھی بیٹے سے ملنے کے

---

[1] ریو نے اسکا تخلص ص ۲۱۱ و ص ۹۶۱ پر ص ۱۰۷۱ پر زختی دیا ہے مگر اس کے اشعار میں زخمی تخلص جا بجا آیا ہے اور نثر میں بھی ہر جگہ زخمی لکھا ہے اور یہی درست ہے ؛

لئے اسکے گھر آجاتا۔ ورنہ "بسبب وارستگی" مختلف شہروں میں پھرتا رہتا تھا۔

اگرچہ عموماً انتخابی اشعار اس تذکرے میں چنداں زیادہ نہیں ہیں مگر مؤلف نے اپنے کلام سے ۲۷ صفحہ رنگین کئے ہیں۔ اسی مؤلف کی کتاب سلطان التواریخ کا ذکر ریو (ص ۹۶۲) نے کیا ہے۔ یہ کتاب شاہان اودھ کی مفصل تاریخ ہے اور ۱۲۵۸ھ تک کے واقعات اسمیں درج ہیں۔ مولف نے اپنے حالات اسمیں زیادہ تفصیل سے دئے ہیں وہ سکسینہ کایستھ تھا اور اسکی چند پشتیں شاہان اودھ کی ملازمت میں گذریں۔ اسکا دادا راجہ بھگوان داس آصف الدولہ کا دیوان اور اتالیق تھا۔ بعد میں ناظم بریلی مقرر ہوا۔ اسکا باپ رائے بالک رام مہاراجہ جھاؤ لال کا نائب تھا اور ۱۲۶۰ھ میں فوت ہوا۔ رتن سنگھ ۱۲۱۸ میں کلکتہ گیا اور چند سال تک کمپنی کا ملازم رہا، ۱۲۳۰ھ میں وہ لکھنؤ واپس آیا اور شاہ اودھ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ اسکے پورے القاب یہ تھے: منشی الملوک فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ بہادر ہوشیار جنگ' ریو (ص ۱۰۹۶) نے رتن سنگھ کی ایک اور تصنیف "جام گیتی نما" کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ فلسفہ پر ہے۔

لہ زخمی نے اپنے لڑکے کنور دولت سنگھ شکری تخلص کا ترجمہ بھی دیا ہے جو ۱۲۱۸ھ میں پیدا ہوا اور آغاز شباب ہی میں علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوا اور اقسام ریاضی میں مہارت پیدا کر کے استفادہ اور افادہ میں مشغول ۔ اور نظم و نثر کی انشا میں مشہور ہو گیا۔ مولف تذکرہ نے ۹ صفحوں پر اسکا کلام بھی دیا ہے۔ عہ رتن سنگھ کا دیوان پروفیسر شیرانی کے کتاب خانہ میں ہے۔ عہ اسکی کتاب حدائق النجوم ہیئت پر (صفحات ۱۱۵۰) ۱۲۶۵ھ میں لکھنؤ میں چھپی تھی۔

انیس العاشقین غالباً دو جلدوں میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے حال ہی میں اسکی صرف پہلی جلد لکھنؤ سے خریدی گئی ہے جو صنیائی کے حالات پر ختم ہوتی ہے۔

ورق ۱۵۱، تقطیع ۸ × ۵، سطور ۱۵، مجدول بہ طلا، خط نستعلیق۔

(۱۰۵) فارسی شاعرہ عورتوں کا تذکرہ - حال ہی میں یہ ۱۸ ورق کا رسالہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے لکھنؤ سے خریدا گیا ہے۔ تراجم بہ ترتیب تہجی مرتب ہیں - یہ رسالہ ناقص الاول ہے - حرف "تا" سے شروع ہوتا ہے اور پہلا ترجمہ "تونی آتون"[1] کا ہے اور آخری ہمدمی (شریفہ بانو) کا - اسکے بعد شیخ فرید الدین عطار مولانائے روم - سیفی اور یاری کے چند شعر دے کر حاجی محمد جان قدسی کا ایک ترکیب بند دیا ہے - اس سے گمان گذرتا ہے کہ گویا یہ کسی بیاض کے اوراق ہیں جن میں نساء شواعر کا تذکرہ بھی شامل کر دیا گیا ہے -

---

[1] فہرست تراجم درج ذیل ہے: تونی، جہان خاتون، حجابی بنت ہلالی، حجابی دختر بادی استرآبادی، خانزاد تبریزی، دختر کاشغری، آغا دوست، رابعہ بنت کعب، رضیہ شکستہ نویس، رندی، زایری، سیدہ بنت ناصر، سید بیگم، سلیمہ سلطان بیگم، خدیجہ سلطان بیگم، شاہی، ضعیفی، عصمتی، عائشہ سمرقندی، فاطمہ، فصیحہ، فاطمہ (۲)، گلبدن بیگم، گلرخ بیگم، کاملہ بیگم، لطیفہ، مستی، مہری جلایرہ ہروی، محترم، مخفی، نورجہان، نہانی قاینی، نہانی کرمانی، نہانی (۲)، ہمدمی،

ایک جگہ "تامین تحریر ایں سطور کہ ۱۲۸۲ھ است" بھی لکھا ہے۔
مآخذ رسالہ میں جواہر العجایب، حبیب السیر، مرآۃ الخیال، تذکرہ والہ داغستانی وغیرہ شامل ہیں۔
ورق ۱۸، تقطیع ۹×۵، سطور ۱۲، خط نستعلیق،

(۱۰۶) اختر تاباں یا تذکرۃ النساء، مولفہ ابو القاسم محتشم خلف محمد عباس رفعت نبیرۂ شیخ احمد شروانی مصنف نفحۃ الیمن، یہ ساٹھ صفحہ کا فارسی رسالہ بھوپال میں ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوا۔ اسمیں ۸۲ عورتوں کے مختصر سے تراجم اور انکے کلام کا نمونہ ہے۔ دیباچہ میں مولف نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف شمع انجمن و نگارستان سخن و صبح گلشن و روز روشن، (دیکھو فقرہ دری نمبر) کے بعد ہوئی۔
اسی دیباچہ میں مؤلف نے اسفار اربعہ مذکورہ بالا کے مآخذ میں بعض اور تذکروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنکے نام اس فہرست میں شامل نہیں ہوئے یعنی
تذکرۂ جوہر بے زری، جواہر زواہر شفیق اورنگ آبادی، تذکرۂ باغ ارم، خریطۂ جواہر، گلزار ابرار،

گلزار ابرار مولفہ غوثی مانڈوی اولیاء اللہ کے حالات میں ہے۔ چونکہ ان میں سے بعض شاعر بھی تھے۔ اسلئے اس کتاب سے بھی کچھ مستند مواد مل سکتا ہے۔ اسکا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتابخانے میں ہے۔ دیکھو فہرست آئوناو صفحہ ۹۶۔ ان کے علاوہ تذکرہ مولفہ ضیاء بخشی کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ جسکا حال اسی رسالہ کے شروع میں پروفیسر شیرانی نے لکھا ہے۔

محمد شفیع

انشائے فارسی

فن انشا اگرچہ مسلمانوں کی معاشرت کا سب سے بڑا آئینہ دار ہے مگر اس فن پر کما حقہٗ توجہ مبذول نہیں کی گئی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ طغرا، ابوالفضل اور ظہوری وغیرہ کی طرز تحریر کے لئے موجودہ زمانہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں صرف ابوالفضل ہی نہیں جس کا ذکر ہوگا یا جس کے انداز تحریر و کتابت کا ہمیں مطالعہ کرنا ہوگا۔ بلکہ یہ فن دوسرے فنون کی طرح اتنا وسیع اور مختلف النوع ہے کہ جہاں ایک ادب کا طالبعلم اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ وہاں ایک مورخ اور اسلامی تہذیب و معاشرت کا مطالع بھی اس خزانے سے کافی مواد حاصل کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ میدان ابھی ناپیمودہ ہے۔ اسلئے اس فن کے متعلق چند ابتدائی باتیں لکھتا ہوں۔

چونکہ اس فن کی اصل، عربی زبان میں ہے۔ اس لئے یہ قطعاً نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے فن انشا کے پیدا ہونے کے متعلق کچھ لکھا جائے تاکہ اس فن کی ابتدا، ترقی کے مدارج و مراتب آنکھوں کے سامنے آجائیں۔

عربی میں اس فن کا نام علم الانشا ہے۔ اسی کو علم الترسل[1] بھی کہتے ہیں

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی "انشا"

انشا کے لغوی معنے "پیدا کرنا" یا شروع کرنا ہیں[1]۔ لغوی اصطلاح میں اسکا اطلاق انشاء شعر، انشاء نثر اور انشاء کتابت پر ہوتا ہے[2]۔ لیکن مرورِ زمانہ سے انشاء کا اطلاق، صرف علم الترسل والکتابۃ پر ہونے لگا۔ مفاتیح العلوم میں لکھا ہے کہ انشاء سے مراد وہ خط ہے جو پہلے پہل تیار ہوتا ہے اور پھر میر منشی کے سامنے، اضافہ و تصحیح کے لئے پیش ہوتا ہے گویا ڈرافٹ جو محتاج تصحیح[3] ہو۔

اس فن کو تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف نام ملے ہیں چنانچہ ایک زمانے میں اسی کا نام "کتابت[4]" رہا۔ ابن الاثیر نے اس فن پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ جسکا نام "المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر رکھا۔ یہ نام آٹھویں نانویں صدی تک اس پر بولا جاتا رہا۔ پھر کاتب سے مراد کاتب[5] المال ہوگیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاتھ میں "مالیات" کا ربط و ضبط ہوتا تھا۔

اسی فن اور منصب کو "کتابۃ الانشا" بھی کہا کرتے تھے۔ لیکن عوام الناس میں ایک اور زیادہ مشہور نام مستعمل ہوگیا یعنی توقیع[6]۔ جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہوگیا تو گویا عربی علم و فضل کا ایک حیثیت سے نام و نشان مٹ گیا اور حکومت کے ساتھ ساتھ اس فن اور اس کے ماہر کے مختلف نام

---

[1] فرہنگ اندراج۔ لفظ منشی [2] دائرۃ المعارف بستانی "انشا" [3] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "انشا" [4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "انشا" [5] صبح الاعشیٰ ج ۱ صـ ۳۳۔ [6] صبح الاعشیٰ ج ۱ صـ ۳۳۔

ہوگئے - دواتدار[۵۱] - دبیر اور منشی - چہار مقالہ فارسی کی ایک قدیم تصنیف اسی دبیر کی تعلیم و ہدایت کے لئے بنائی گئی تھی - ہندوستان میں یہی معنی "منشی" کے لباس میں آیا - چونکہ اختلاطِ زمانہ کے باعث الفاظ اکثر خاص معنوں سے نکلکر عمومیت کا جامہ پہن لیتے ہیں - اسلئے ہندوستان میں ہر لکھے پڑھے آدمی کو منشی کہنے لگے[۵۲] - اور اٹھارھویں انیسویں صدی میں ہندو خواندہ لوگوں کا یہ لقب ٹھہرا[۵۳] -

اگرچہ یہ امر بھی میرے موضوع سے خارج ہے - کہ اوائل زمانہ میں کاتبوں کے فرائض ان کے اوصاف اور ان کی عظمت کے متعلق کچھ لکھا جائے - لیکن چونکہ بعد کے زمانے کے منشیوں کی حالت پہلے کی نسبت مختلف ہوگئی تھی - اس لئے اس فرق کو نمایاں کرنے کے لئے کچھ نہ لکھنا غیر موزون ہوگا -

ابتداً زمانہ میں مناصب اور عہدوں کی ترتیب کچھ اس قسم کی ہوا کرتی تھی - کہ ایک ہی شخص کو آجکل کے مفہوم کے مطابق کئی کام کرنے پڑتے تھے[۵۴] - ناظر برید کا یہ کام بھی ہوا کرتا تھا کہ علاوہ ڈاک کی نگرانی کے، وہ منتش اور جاسوس کے فرائض بھی ادا کرے[۵۵] - لیکن جب بعد ازاں کام کی زیادتی ہوئی - تو ایک ایک عہدے سے کئی کئی کام

---

[۵۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "انشا" [۵۳] بلوکمن - کنٹری بیوشنز صـ۲۸ ،

[۵۴] اورینٹ انڈر دی کیلفس (ترجمہ صلاح الدین خدابخش خاں) صـ۲۲۰

[۵۵] اورینٹ الخ صـ۲۳۳ ،

نکلنے لگے ۔ چنانچہ جب تک " وزارت " کا مستقل منصب مسلمانوں
میں پیدا نہیں ہوا ۔ اسوقت تک " کاتب " ہی بادشاہ کا سب سے نزدیکی
ملازم ہوا کرتا تھا جو تمام انتظامی معاملات کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ "وزارت"
کی علحدگی عباسیوں کے زمانے میں ہوئی[1] ۔

اگرچہ ادب ' اور فن انشا پردازی بھی ایسی چیزیں نہیں
جن سے کسی صورت میں قطع نظر کیا جا سکے ۔ مگر اس سے بڑھکر جو
چیز خاص اہمیت کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ آج جو طریقے ماضی کی
تاریخ کی تدوین کے اختیار کئے جا رہے ہیں ان میں تاریخی تصنیفات
سے کہیں بڑھکر ان اشیا کو دخل ہے جو اگرچہ اپنے زمانے میں ...
تاریخ کے طور پر نہیں وضع کی گئیں مگر چونکہ وہ ایک حیثیت سے اس
زمانے کی تاریخ پر آج کے نکتۂ نگاہ کے مطابق خاص اثر ڈالتی ہیں
اسلئے ایک مورخ کو تاریخی کتابوں کے ساتھ ساتھ انکا دیکھنا نہایت
ضروری ہے ۔ جس سے تمام واقعات کی قدرتی ترتیب تسلسل اور
انکا آپس میں منطقی لگاؤ واضح ہوتا رہے ۔ میری مراد فی الوقت
انشا سے ہے جو باوجود اتنی اہمیت کے ابھی تک بالکل کسی غائرہ نظر
کی مرہونِ منت نہیں ہوئی[2] ۔

انشا کی کتابوں میں ' اکثر سیاسی تحریرات اور شاہی فرامین جو وقتاً
فوقتاً دفتر سے صادر ہوتے تھے بقید سن جمع ہوتے ہیں ۔ ان میں اکثر

---

[1] ادرینٹ (فٹ نوٹ) صفحہ ۲۲ [2] تاریخ ادبیات ایران ج ۴ ص ۹

ایسے ہیں جن سے حکومتوں کے بین الاقوامی تعلقات کا پتہ چل سکتا ہے۔ مثال کے طور پہ، ترکوں کے زمانے کی تواریخ تو بیشمار ہونگی مگر زمانۂ حال کے مذاق نے پروفیسر براؤن کو مجبور کیا کہ وہ تاریخوں کے علاوہ، اس مجموعہ، فرامین کو بھی زیر نظر رکھیں جو منشآت السلاطین یا منشآت فریدوںؔ بے کے نام سے مشہور ہیں چنانچہ لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد چہارم میں اسکو بہت فراخ دلی سے استعمال کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۹۸۲ھ میں فریدوں بے نے منشآت السلاطین کے نام سے شایع کیا تھا۔ اسمیں ترکی کے علاوہ فارسی اور عربی کے خطوط بھی ہیں[۱]۔ اگرچہ ان میں سے اکثر پر تاریخ کتابت مرقوم نہیں۔لیکن مطالعہ سے انکا زمانہ بخوبی واضح ہوتا ہے۔ اسی مجموعے کی مدد سے پروفیسر موصوف نے سلاطین ترکی اور شاہان صفوی کے تعلقات پر نہایت وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے ایسی کتابوں کو ایک تاریخ مرتب کرنے کے وقت نظرانداز کرنا علمی نقص ہی ہوگا۔

اگرچہ میری غرض اس مضمون میں انشاؤں کی مکمل فہرست پیش کرنا نہیں۔ بلکہ صرف کچھ ابتدائی باتیں عرض کرنا ہے۔لیکن چونکہ انشا کا زیر بحث حصہ، نہایت اہم ہے۔ اسلئے ہندوستان اور ایران کی تاریخ کیساتھ جن انشاؤں کا تعلق ہے۔ انکا مجمل طور پہ ذکر کیئے دیتا ہوں۔

---

[۱] تاریخ ادبیات ایران ص ۶۶ - ۶۷،

نسخۂ جامعۂ مراسلات اولی الالباب[1] - یہ ان تحریرات اور فرامین کا مجموعہ ہے - جنکو ابو القاسم ابوا علی حیدر نے شاہ عباس صفوی ثانی المتوفی ۱۰۵۰ھ کے زمانے میں مرتب کیا تھا اور جو الپ ارسلان سلجوقی (۴۶۵ھ) کے زمانے سے لیکر صفویوں کے دور تک کی اکثر شاہی تحریرات پر مشتمل ہے تفصیلات فہرست ریو' محولۂ ذیل میں مسطور ہیں

منشآت طاہر وحید[2] - یہ شاہ عباس ثانی کے نام سے سلاطین ترکی اور ہندوستان کو طاہر وحید (۱۰۵۵-۱۰۷۷ھ) نے تحریر کئے تھے -

ترسل منصوری[3] - منصور بن محمد علی شیرازی (۱۰۳۲ھ) نے شاہانِ ماضی کے فرامین جمع کئے ہیں -

رسائل الاعجاز مصنّفہ امیر خسرو (متوفی ۷۲۵ھ) - یہ کتاب اگرچہ تمام تر تاریخی نہیں - لیکن اسکا ایک حصّہ فرامین پر مشتمل ہے جس میں اس فن کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے نمونے فراہم کئے گئے ہیں -

نامۂ نامی - مرتبہ خوند میر مصنّف 'حبیب السیر' اسکا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے - اسمیں ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے کچھ فرامین ہیں -

انشاء یوسفی یا بدائع الانشا - اسکا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے - ہمایوں بادشاہ کے وزیر اور حکیم 'یوسف' نے مرتب کیا ہے جس میں ہمایوں کے کچھ فرامین ہیں -

---

[1] ریو' ص ۳۸۹   [2] ریو ص ۸۱۰   [3] ریو ص ۵۲۹   [4] ریو ص ۳۹۸ '

انشاء عبداللہ تبریزی (سنہ ۹۱۰ھ) اس میں عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن وغیرہ کی خط وکتابت درج ہے۔

ابوالفضل علامی کی تصنیفات تو اسقدر موجود ہیں کہ وہ اوجھل ہی نہیں ہوسکتیں۔ غرض یہ کتابیں تاریخی مواد سے پُر ہیں۔ اس کے بعد کی کتابیں منشیوں کے ذکر میں آئیں گی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی خط وکتابت وغیرہ بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ دیکھو فہرست ریو۔

کاتب علاوہ سیاسی خط وکتابت کے ڈاک وغیرہ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ نامہ بر کبوتروں کی پرورش اس کے ذمے تھی۔ امور فداویہ کی نگہداشت وہ کیا کرتا۔ غرض تمام وہ معاملات جنکا تعلق حکومت سے ہوتا تھا۔ وہ سب "کاتب" کے ذمے ہوا کرتے[1]۔

یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ جس منصبدار کی تعلیم وتلقین کیلئے کتابیں لکھی گئی ہیں وہ کاتب ہی ہوتا تھا۔ اس شخص کے لئے ضروری ہوا کرتا تھا کہ وہ نہ صرف علوم ظاہری میں ہی یدطولیٰ رکھتا ہو بلکہ محاسن باطنی کے علاوہ وجاہت والا بھی ہو۔ اسی ضرورت نے پہلے پہل مسلمانوں کو انسائیکلوپیڈیا کی طرز کی تصانیف پر مجبور کیا۔ صرف صبح الاعشیٰ کو ہی لے لیا جاوے۔ اور اسکی فہرستِ مضامین پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جو کچھ معلوم ہوسکتا ہے کاتب کو اسپر عبور ہونا چاہیئے۔ یہ کتاب ۱۴ جلدوں میں ہے اور اسمیں مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت کی جزئیات تک بند ہیں۔ مؤید کا قول ہے کہ یہ "اشرف المناصب الدنیا بعد الخلافہ ہے۔ میرا خیال ہے

[1] صبح الاعشیٰ ج ۱ ص ۶۹ تا ۸۰۔

کہ خلیفہ اور امیر کے لئے اتنی شرائط نہ تھیں جتنی کاتب یا وزیر کے لئے
غرض ایک زمانہ وہ تھا کہ کاتب یا منشی کا یہ حال تھا لیکن زمانے کا انقلاب
سمجھئے۔ یا نئی ضرورتوں کا احساس کہ بعد کے زمانے میں "منشی" کو وہ وقعت
حاصل نہ ہوئی جو کاتب کو حاصل رہی۔ سب سے پہلے عبدالحمید بن یحییٰ نے
جو مروان ثانی کے کاتب تھے اس فن میں کمال پیدا کیا[۱]۔

حملۂ تاتار نے سیاسی انقلاب سے بڑھ کر، علم میں انقلاب پیدا
کیا۔ یہی مقام ہے جہاں سے صحیح طور پر "فارسی انشا" کی ابتدا
ہوئی ؛

اگرچہ بعض لوگوں نے منشیوں کی چار قسمیں بنائی ہیں۔ (۱) منشی عملی
(۲) منشی نقلی (۳) منشی مکتوبی اور (۴) منشی تصویری[۲]۔ لیکن تمام لٹریچر
کو مدنظر رکھ کر اسکو ذیل کی مختلف اقسام میں تقسیم کرتا ہوں۔

(۱) چونکہ یہ فن عربی کی آغوش میں پلکر جوان ہوا۔ اسلئے پہلے پہل جو
کتابیں فارسی میں تصنیف ہوئیں وہ عربی کی طرز پر ہوتی تھیں۔ یہ کتابیں
عام اصول و قواعد کی ہوا کرتی تھیں۔ جن میں کاتب یا منشی کے لئے
نہایت ضروری ہدایات ہوتیں۔ چہار مقالہ تصنیف نظامی عروضی سمرقندی
کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ذیل کی کتابیں بھی کم و بیش اسی طرز کی تصانیف ہیں
صرف مثالاً لکھتا ہوں۔ رسائل الاعجاز خسرو ۷۲۵ھ انشا ر معین الزمجی

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام "انشا" [۲] خلاصۃ المکاتیب (قلمی) تصنیف
سبحان رائے بٹالوی ؛

(۸۴۳ھ)[1] اور مناظر الانشار تصنیف خواجہ محمود گاواں[2] (۸۸۶ھ) وغیرہ ان کتابوں میں منشیوں کے لئے ضوابط قلمبند ہیں۔

(۲) انکے علاوہ بعض انشاؤں کا انداز بالکل جداگانہ ہے۔ مذکورہ بالا کتابیں تو اس غرض سے بنائی جاتی تھیں کہ عام منشی ان سے استفادہ کریں۔ لیکن اس صنف میں صرف وہ ابتدائی کتابیں ہیں۔ جو مبتدیوں کی مشق کے لئے تالیف ہوتی تھیں۔ ان میں الفاظ مناسبہ اور اشعار موزون مقام درج ہیں۔ مکتوب الیہ کی پوزیشن، انکے صفات وغیرہ کے مناسب، برمحل اور چیدہ الفاظ جمع ہوتے ہیں۔ غرض ہر وہ بات جو کتابت میں ضروری ہوتی ہے اور رسمی طور پر اسکا لکھا جانا ضروری ہوتا ہے ان کتابوں میں ان کے مختلف طرق ادا مندرج ہیں۔ مشہور مصنف تفسیر حسینی ملا حسین واعظ کاشفی المتوفی سنہ ۹۱۰ھ نے اس قسم کی ایک کتاب "صحیفۂ شاہی"[3] کے نام سے ترتیب دی ہے۔ جسمیں مختلف مواقع کے لئے عربی، فارسی، ترکی کے اشعار جمع کئے ہیں۔ نزہۃ الکتاب و تحفۃ الاحباب[4] مولانا عبدالمجید جوکی نے ۸۲۹ھ سے پہلے اس قسم کا ایک مجموعہ تیار کیا جس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم میں قرآن مجید سے ۱۰۰ آیتیں۔ دوسری قسم میں ۱۰۰ حدیثیں۔ تیسری قسم میں ۱۰۰ اقوال علماء و صلحا اور چوتھی قسم میں عربی کے

---

[1] انڈیا آفس لائبریری کی فہرست عدد ۲۰۴۱ [2] بوڈلین لائبریری کی فہرست عدد ۱۴۴۸
[3] اسکا ایک نسخہ ہماری لائبریری میں ہے [4] بوڈلین۔ نمبر ۱۳۴۸

۱۰۰ اشعار بمعہ ترجمہ کے جمع کر دئے ہیں۔ تاکہ ان سے مبتدی فائدہ اٹھا سکیں[۱]۔ غرض اس طرح کی کئی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ جن میں بچوں اور عام منشیوں کے لئے مناسب الفاظ و اشعار درج ہیں۔

(۴) ذاتی خطوط کے مجموعے۔ ایک نہایت ہی دلچسپ مجموعہ اس قسم کے خطوط کا وہ ہے جو رشیدالدین فضل اللہ طبیب کی طرف منسوب ہے۔ موصوف ساتویں ہجری کے ایک ہی نہایت ہی زبردست عالم گذرے ہیں ان کے تفصیلی حالات کے لئے 'تاریخ ادبیات' براؤن[۲] کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہ مجموعہ منشآت رشیدی کے نام سے مشہور ہے۔ جو ان کے سکرٹری محمد ابرکوہی نے مرتب کیا تھا۔ اسکا ایک نسخہ Sir A. Houtumn[۳] (Schindler) کے پاس تھا۔ اگرچہ یہ خطوط شایع نہیں ہوئے اور بوسیدہ حالت میں ہیں۔ لیکن ان کے اندر اتنے بڑے آدمی کی زندگی کے تمام بڑے بڑے واقعات پوشیدہ ہیں۔ جو غیر معمولی طور پر قابل واقع ہوا تھا[۴]۔ ایشیاٹک سوسائٹی کرزن کالیکشن[۵] میں ایک انشا 'رسائل الاعجاز' کے علاوہ امیر خسرو دہلوی کی طرف منسوب ہے جس کا نام عنوان نامۂ خیالات رکھا ہے اسکا ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے۔ اس میں ذاتی خطوط جمع ہیں لیکن فہرست نگار کو اس میں غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے انڈیا آفس (عدد ۱۲۲۱)

---

[۱] بوڈلین۔ نمبر ۱۳۲۸ ' [۲] ج ۳ - ۶۸ تا ۸۷ [۳] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۷ ص ۹۳۰ ۔ [۴] تاریخ ادبیات ج ۳ - ۸۶، ۸۷، [۵] مرتبہ ایوانف عدد ۱۲۶'

کی پیروی میں اُسے خسرو کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ اسمیں اعظم کاشفی (سنہ ۹۱۰ھ) کے اشعار و اقوال درج ہیں۔ رقعات جامی۔ ریاض الانشاء۔ انشاء میرم سیاہ وغیرہ چند پرانی کتابیں ہیں۔ ابوالفضل اور فیضی تو اتنے مشہور ہیں کہ وہ بھول ہی نہیں سکتے۔ ملا ابوالبرکات منیر لاہوری یا ملتانی المتوفی ۱۰۵۴ھ عہد شاہجہانی کا ایک ذی رتبہ منشی تھا۔ محمد صالح کنبوہ (مصنف عمل صالح) کے خطوط جو ۱۰۶۰ھ میں جمع ہوئے۔ "بہارِ سخن" کہلاتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ذاتی خطوط کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اسلئے اس حصے میں انکا شمار بھی ہوسکتا ہے۔ ان کے چار مجموعے ہیں:—

(۱) آداب عالمگیری (سنہ ۱۱۵۰ھ) (۲) رقایم کرایم (سنہ ۱۱۳۱ھ) (۳) رمز و اشارہ (سنہ ۱۱۵۲ھ) (۴) دستور العمل آگاہی (سنہ ۱۱۵۶ھ) (دیکھو فہرست یو)

ان کے علاوہ منشأت برہمن، منشأت جلالا طباطبائی۔ منشأت بیدل وغیرہ بھی کافی مشہور ہیں۔

(۴) ضمنی طور پر ان مکتوبات کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو صوفی بزرگوں کے نام سے جمع ہیں۔ اگرچہ ان کی صحت وغیرہ کے متعلق کوئی خاص سند نہیں پیش کی جا سکتی۔ لیکن ان کا ذکر، انشا کے مضمون نگار کے لئے ضروری ہے۔ مکتوبات غوث الاعظم۔ مکتوبات شرف الدین احمد منیریؒ۔ مکتوبات قلندرؒ اور مکتوبات مجدد الف ثانیؒ۔ مکتوبات

ل ۱۲۱ یہ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ مکتوبات غوث الاعظم کے لئے ایوناف کیٹلاگ (کرزن) عدد ۱۱۲۰/۲

اشرفیؒ (سنہ ۸۹۶ھ)، صحایف الطریقہ شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ (متوفی سنہ ۹۰۰ھ)
چند قابل ذکر کتابیں ہیں۔

(۵) فن انشا کا ایک مستقل حصّہ تصنیفات ان کتابوں پر مشتمل ہے۔
جن میں مبتدیوں کی تعلیم کے لئے پورے پورے خط نمونے کے طور پہ
جمع کر دئے ہیں۔ یہ نمبر ۳ سے مختلف ہیں۔ وہ صرف مناسب مقام
الفاظ و اشعار کے مجموعے ہیں مگر اس قسم کی کتابوں میں مکمل نمونہ ہوتا
ہے۔ اسمیں علاوہ خط و کتابت کے' عرضیاں' رسیدات 'تمسکات'
سندات تذکرا یہ نامے' بیع نامے وغیرہ سب جمع ہیں۔ مناظر الانشا (سنہ ۸۸۶ھ)
بدایع الانشا یوسفی (سنہ ۹۴۰ھ)۔ انشاء جامع القوانین (انشاء خلیفہ) مصنّفہ
شاہ محمد خلیفہ (سنہ ۱۰۸۰ھ) نگار نامۂ منشی (سنہ ۱۰۹۵ھ) اور منشآت اعظم (؟)
انشا ہرکرن (سنہ ۱۰۴۰ھ) بھی چند قابل ذکر کتابیں ہیں۔

(۶) اگرچہ یہ حصّہ نمبر ۵ سے مختلف نہیں۔ لیکن چونکہ اس کی نوعیّت جُدا
ہے۔ اس لئے اسکا ذکر علیحدہ کرتا ہوں۔ اس حصّے میں خطوط تو نہیں۔
مگر کچھ رقعات ہیں جو نہایت ہی صمیمی دوستوں کو' یا اہل حرفہ وصنعت کو
وقتاً فوقتاً لکھے جاتے ہیں۔ انکو مفاوضات بھی کہتے ہیں۔ یہ رقعات جیسا کہ
پہلے زمانے کے خطوط کے لئے کچھ ضروری ہوتا تھا۔ اشعار اور خصوصاً رباعیات
سے شروع ہوتے ہیں اور القاب وغیرہ کا خاص خیال ملحوظ نہیں۔
خلاصۃ المکاتیب تصنیف سجان رائے منشی (مصنّف خلاصۃ التواریخ) اور

---

[1] ریو ص ۳۱۲ [2] ریو ص ۴۱۳'

مفاوضات میر اسمٰعیل ترمزی (سنہ ۱۱۰۰ھ تقریباً) میری نظر سے گذرا ہے۔
جو رقعات پیشہ ور لوگوں کو لکھے جاتے ہیں۔ ان میں القاب وغیرہ نہیں
ہوتے۔ صرف ہر ایک پیشے کی مناسبت سے الفاظ لکھ دئے جاتے ہیں۔

میں نے گذشتہ اوراق میں ملا ظہوری ترشیزی اور ملا طغرا کا نام
نہیں لیا حالانکہ وہ بڑے منشیوں میں سے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ
پرانے زمانے میں یہ ضروری نہ تھا کہ منشی خط و کتابت کی وجہ سے ہی منشی بنا
ہو۔ بلکہ جو شخص بھی کسی اچھے مضمون کو اچھے الفاظ میں لکھ لے۔ وہ
منشی ہوتا تھا . . . . میں نے صرف ان منشیوں
کا نام لیا ہے جنہوں نے بسلسلۂ "مکتوبات" کچھ کام کیا ہے۔ ورنہ میدان تو
نہایت وسیع ہے اور فارسی کا اصل لٹریچر ان ہی کتابوں میں ہے۔ سہ نثر ظہوری
پنجرقعۂ ظہوری اور رسائل طغرا ابتک درسی کتابوں میں ہیں۔

فارسی انشا کے متعلق خاص طور پر ایک بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ
ہے کہ گیارھویں صدی کے بعد بلکہ اکبر کے زمانے سے فارسی انشا پر ہندو
تعلیم یافتہ لوگ چھا گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خواندہ ہندوؤں کا لقب
منشی ہو گیا تھا[۱]۔ بارھویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک اکثر
تصنیفات ان ہی لوگوں کی قلم سے نکلیں۔

مثالاً ذیل میں کچھ نام[۲] لکھتا ہوں :—

انشاء نیاز نامہ تصنیف سبحان رائے پوری سنہ ۱۱۸۰ھ

[illegible]

گلشن بہار - جسونت رائے ۱۱۸۰ھ

مفتاح الخزائن سنبھو لال ۱۱۹۷ھ

رقعات لچھمی نرائن ۱۲۰۵ھ

منتخب الحقایق دلپت رائے ۱۲۰۹ھ

رقعات میرزا قتیل (پہلے ہندو تھے) ۱۲۱۷ھ

خاتمے پر ایک نکتے کا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عموماً فارسی انشا پرداز بدنام ہیں کہ وہ مشکل پسند ہیں ۔ اگرچہ یہ بعض حد تک صحیح ہے۔ لیکن یہ صرف بعض مشکل پسند طبیعتوں کا مقتضا تھا ورنہ عموماً سہل زبان میں لکھنا مرغوب سمجھا جاتا تھا ۔ خلاصۃ المکاتیب میں لکھا ہے :-

و آنچناں جہد کند کہ مضامین را از تکلفِ اغراق بری دارد ...... وعبارت سلیس قریب الفہم بایضاح تمام نحو یکہ نزدیک خاص و عام مستحسن افتد بتحریر در آید" -

سید محمد عبداللہ

خزائن مخطوطات

کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی

گذشتہ سے پیوستہ

(ملاحظہ ہو فروری نمبر ۱۹۲۷ء)

---

۲۳ - مثنویات عطار[1] (المتوفی قبل ۶۱۸ھ) دیکھو ریو ص۵۷۶

[اوراق ۱۳۱ - کالم ۴ - سطور ۳۳ - باریک نستعلیق - تقطیع ½ ۸ × ½ ۴ : ½ ۲×۱]

اس مجموعے میں ۸ مثنویاں ہیں :-

(۱) اسرار نامہ (۲) گل و خسرو (۳) بلبل نامہ (ناقص) (۴) اشتر نامہ (۵) الٰہی نامہ (۶) وصلت نامہ (ناقص) (۷) منطق الطیر (۸) پند نامہ

۱۴ ربیع الاول ۹۰۱ھ کو تحریر کیا گیا -

۲۴ - جواہر نامہ [اوراق ۲۸۱ ، سطور ۲۱ - کالم ۴ - نستعلیق - تقطیع ۹×۶ : ½ ۶ × ½ ۴]

یہ نسخہ محرم ۹۸۵ھ میں نقل کیا گیا -

کاتب - بہاؤ الدین -

---

[1] بعض کتابیں عطار کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں - ان کے متعلق دیکھو اردو (اورنگ آباد) بابت جنوری ۱۹۲۷ء - مضمون پروفیسر شیرانی ،

منطق الطیر۔ [اوراق ۱۴۶ - سطور ۱۷ - بدخط نستعلیق - تقطیع ۹×۶:۶×۳]
یکم ربیع الاول ۱۲۴۸ھ میں نقل ہوا۔

۲۵- مصیبت نامہ یا نزہت نامہ [اوراق ۱۹۹، سطور ۱۵ - نستعلیق -
درمیان میں سے منقطع ہوتی ہے - تقطیع ۷×۴½:۵×۲]
تاریخ کتابت ندارد -

بلبل نامہ - [اوراق ۱۹ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ۷×۵½:۵×۳½]
کاتب - فقیر محمد مراد
تاریخ کتابت - رمضان ۱۲۵۹ھ
پند نامہ - اسکا ذکر مجامیع میں آئیگا -

۲۶ - مثنوی مولانا جلال الدین رومی المتوفی ۶۷۲ھ - دیکھو ریو
ص ۵۸۴،

(۱) [اوراق ۳۰۱، کالم ۳، سطور ۲۱ - نسخ - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۱۱½×
۷:۹×۵]
کاتب محمود الصافی
مقام و تاریخ کتابت - بلخ - قلعہ ہندوُوان - ذوالحجہ ۸۱۲ھ،

(۲) [اوراق ۳۴۴ - کالم ۴ - سطور ۲۱ - نستعلیق - سرلوح مطلا - حاشیے پر معانی
بھی مرقوم ہیں - تقطیع ۹×۵½:۷×۳½] (آزاد)
تاریخ کتابت ۱۰۶۳ھ

(۳) [اوراق ۳۰۳ - سطور ۱۸ - شکستہ آمیز - تقطیع ۷½×۵:۵½×۲½]

یہ پانچواں اور چھٹا دفتر
تاریخ کتابت - ۱۱۵۰ھ

(۴) [اوراق ۲۸۲ - سطور ۱۸ تا ۲۷ - نستعلیق ½۱۲ × ½۸ : ۱۰ × ۶]
کاتب - علیم اللہ بن شیخ عطاء اللہ چشتی -

(۵) ایک اور نسخہ جو معمولی ہے - کاتب - کلب علی - بتاریخ شوال ۱۲۲۹ھ

۲۷ - نسخۂ ناسخہ مثنویات سقیمہ (عبداللطیف عباسی (المتوفی ۱۰۴۸ھ)
. . . . جس نے حدیقہ سنائی کی شرح بھی لکھی
ہے - مثنوی کے قدیم نسخوں کی مطابقت سے ایک مستند نسخہ تیار کیا جس
میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام متن درست ہو - ہر دفتر کے پہلے ایک ایک
دیباچہ جس کے الفاظ ایک ہی ہیں - لگایا - اس دیباچے کا آغاز
یوں ہے :-
ایں نسخۂ ناسخۂ مثنویات سقیمہ ومثبت و مروج نسخ مستقیمہ الخ
دیکھو ریو ص ۵۸۹

(۱) [اوراق ۲۹۲ ، سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۱۱ : ۷ × ½۴]
یہ نسخہ ناقص ہے - یعنی اس میں سے دفتر دوم اور دفتر سوم مفقود ہیں -
تاریخ کتابت ندارد ،

(۲) [اوراق ۲۹۱ ، سطور ۱۹ - نیم شکستہ - حواشی و اضافات - تقطیع ۹ × ½۴ :
½۶ × ½۲]
اس نسخہ میں صرف پانچواں ، چھٹا دفتر ہے ،

کاتب - محمد مراد ت(؟) کشمیری - جمادی الثانی ۱۱۱۷ھ

۲۸ - لطائف اللغات - دیکھو ریو ص۵۹۰

مثنوی کا ایک فرہنگ جو اسی عبداللطیف عباسی کی تصنیف ہے -

[اوراق ۹۸ - سطور ۲۷ - نستعلیق - تقطیع ½۱۲ × ½۶ : ۹ × ½۴]

کاتب - حافظ پیر محمد کرمانی، ۱۰۷۷ھ،

۲۹ - شرح مثنوی تصنیف ولی محمد اکبر آبادی (۱۱۴۰ھ تا ۱۱۵۰ھ)

دیکھو فہرست انڈیا آفس - عدد ۱۱۰۷

[اوراق ۶۷۶ - سطور ۲۱ - باریک نستعلیق - تقطیع ۹×۵ : ۷ × ۴]

تاریخ کتابت ندارد،

۳۰ - شرح مثنوی - مصنف معلوم نہیں -

[اوراق ۸۱ - سطور ۲۰ تا ۳۰، نستعلیق - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۸ × ½۵]

یہ صرف مثنوی نہایت ہی مشکل اور چیدہ اشعار کی شرح ہے -

تاریخ کتابت ندارد

۳۱ - شرح مثنوی تصنیف خواجہ ایوب پارسا -

۳۲ - دیوان رومی یا شمس تبریز - دیکھو ریو ص۵۹۳،

یہ دیوان دو جلدوں میں ہے -

(۱)[اوراق (۱) ۲۹۷ (۲) ۲۹۹] سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ½۱۰ × ½۶ : ½۸ × ۴]

تاریخ کتابت ندارد

(۲) ایک اور نسخہ جس میں غزلیات کا انتخاب ہے -

[اوراق ۲۱ - سطور ۹ - تقطیع ۱۲½ × ۸½ : ۷ × ۳½]

کاتب محمد رمضان -

۳۳ - بوستان سعدی - (المتوفی ۶۹۰ھ) دیکھو ریو ص ۵۹۷

[اوراق ۱۴۴ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۶½ : ۷½ × ۴]

کاتب - سید مہدی حسن - لکھنؤ - صفر ۱۲۵۰ھ

۳۴ - بوستاں معہ ترجمۂ بزبانِ ریختہ [اوراق ۱۴۲ - سطور ۱۵ - ترجمہ بین السطور
تقطیع ۸ × ۵½ : ۶½ × ۴]

آخر میں ایک مہر ہے جس پر ۱۲۰۰ھ ثبت ہے -

۳۵ - مرغوب القلوب شمس - اسکا ذکر مجامیع میں آئیگا -

۳۶ - گلشن راز - اسکا ذکر بھی مجامیع میں آئیگا -

۳۷ - مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز تصنیف لاہجی (۸۷۷ھ) دیکھو فہرست
بانکی پور - ج ۱ - ص ۱۷۲ - عدد ۱۲۳

[اوراق ۳۰۱ ، سطور ۲۳ تا ۲۷ - نستعلیق - کچھ اوراق نسبتاً پرانے ہیں - تقطیع
۱۰ × ۵½ : ۷½ × ۴]

کاتبان - سعد الدین بن اختیار و گوری شنکر عرف کول دتاتری
پرانے اوراق کی تاریخ کتابت معلوم نہیں - ملحقہ اوراق ذوالقعدہ
۱۲۷۶ھ میں نقل ہوئے -

۳۸ - "بلبل و طوطی" تصنیف شاہ شرف الدین پانی پتی المتخلص بقلندر
(المتوفی ۷۲۴ھ) دیکھو ریو ص ۶۶۸ ،

[اوراق ۸ ۔سطور ۱۵ ۔ حاشیے پر بھی متن کی عبارت ہے ۔تقطیع ½۱۱ × ۷ : ۱۰ × ۵]

تاریخ کتابت ندارد ،

۳۹ ۔ دیوان نہایۃ الکمال (آزاد) امیر خسرو دہلوی ۔(المتوفی ۷۲۵ھ) دیکھو ریو صفحہ ۶۰۹ و فہرست باولی عمود ۵۷۷ ۔

[اوراق ۱۳۵ ۔سطور ۱۹ ۔نستعلیق ۔تقطیع ½۸ × ½۴ : ۶ × ½۲]

کاتب ۔خان محمد بن محمد طاہر قریشی ۔ ۱۰۴۳ھ

۴۰ ۔ دیوان (آزاد) امیر خسرو ۔ دیکھو ریو صفحہ ۶۱۰

[اوراق ۲۲۵ ،سطور ۱۵ ، نستعلیق ۔ لوح مطلا ۔ تقطیع ۸ × ½۵ : ½۵ × ۳]

تاریخ کتابت ندارد ،

۴۱ ۔ دیوان (آزاد) امیر خسرو ۔ یہ نسخہ عدد ۳۸ سے مختلف ہے ۔ناقص الابتدا والآخر ،

[اوراق ۱۱۲ ، سطور ۱۹ ۔نستعلیق ۔تقطیع ½۶ × ½۴ : ۵ × ۳]

بظاہر دسویں صدی ہجری میں لکھا ہؤا معلوم ہوتا ہے ۔

۴۲ ۔خمسہ (آزاد) امیر خسرو۔ دیکھو ریو صفحہ ۶۱۱

[اوراق ۲۲۳ ، کالم ۴ ۔سطور ۲۱ ۔ خوشخط نستعلیق ، لوح اور جدول مطلا ۔

نہایت عمدہ حالت میں ۔تقطیع ½۱۰ × ۶ : ۷ × ۴]

امیر خسرو کی ۵ مثنویاں (۱) مطلع الانوار (۶۹۸ھ) (۲) شیریں خسرو (۶۹۸ھ) (۳) لیلیٰ مجنوں (۶۹۸ھ) (۴) ہشت بہشت (۷۰۱ھ) (۵) آئینۂ سکندری (۶۹۹ھ)

بمقام بلخ ۔شوال ۹۹۶ھ

۴۳ ۔ قران السعدین (از آزاد) ۔ دیکھو ریو ص ۶۱۱

(۱) [اوراق ۱۳۳، سطور ۱۵، نستعلیق ۔قدرے کرم خوردہ و مجروح ۔تقطیع ۹×۶ : ۶×۳½]
کاتب محمد اشرف ۔ محرم ۱۰۹۸ھ

(۲) [اوراق ۱۱۸، سطور ۱۷ ۔نستعلیق ۔کرم خوردہ ۔داغدار ۔تقطیع ½ ۹× ½۶ : ۷× ½۳]
کاتب ۔ عبداللہ ۔ "تاریخ کتابت ندارد"

۴۴ ۔ شرح قران السعدین ۔ دیکھو ریو ص ۶۱۷

نورالحق بن شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے جو شرح کی ہے ۔اس کے دو نسخے ہیں ۔جن میں سے ایک آزاد کے مجموعے سے آیا ہے ۔

مطلع الانوار (از آزاد) [اوراق ۱۱۵، سطور ۱۵ ۔نستعلیق ۔حاشیے پر عبارتیں ہیں ۔تقطیع ½۸×½۵ : ۶×۳]
کاتب ۔ محمد حسن ۔ رمضان ۱۰۸۹ھ

ہشت بہشت [اوراق ۳۹ ۔سطور ۱۷ تا ۲۱، نستعلیق ۔انقطاعات بھی ہیں ۔تقطیع ½۱۰×۶ : ½۸×½۳]
یہ نسخہ غیر مکمل ہے ۔کاتب ۔پنڈت دیول رام ۔سمت ۱۹۱۴

۴۵ ۔ دول رانی خضر خان (۷۱۵ھ) دیکھو ریو ص ۶۱۲

(۱) [اوراق ۱۵۵، سطور ۱۵ ۔نستعلیق ۔عنوان و لوح مطلا مکرم خوردہ ۔تقطیع ½۸×۵ : ½۵×۳]
ربیع الثانی ۹۱۷ھ

(۲) [اوراق ۹۷ ۔سطور ۱۵ ۔خوشخط نستعلیق ۔لوح مطلا ۔شنجرف کار ۔تصاویر ۔تقطیع ۸×۵ : ½۵×۳]
ناقص الابتداء ۔

(۳) ایک اور معمولی نسخہ جو ۱۸۵۰ء کو نقل کیا گیا ۔

سید محمد عبداللہ

تنقید و تبصرہ

۱۔ برآئینِ اردو

مؤلفہ

(جناب مولوی محمد زین العابدین صاحب فرجاد کوتا لونی پنشنر مجسٹریٹ درجہ دوم پنجاب

حال مقیم میرٹھ)

جناب فرجاد کے سامنے دو کتابیں قواعد اردو کی ہیں۔ ایک تو مصباح القواعد جناب مولوی فتح محمد صاحب جالندھری کی جو امتحانات پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی اِن اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نصابات میں ابتک داخل ہے۔ دوسرے قواعدِ اردو مصنفہ جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سیکرٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن ہے جو آنرز اِن اردو کے امتحان پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں داخل تھی مگر نایابیٔ کتاب مذکور کسی وجہ سے اس نصاب سے خارج کر دی گئی۔ شاید ڈیپارٹمنٹل اگزامینیشن منشی الٰہ آباد کے نصاب میں اب بھی داخل ہے۔

اول الذکر کی نسبت جناب فرجاد ارشاد فرماتے ہیں کہ " اس میں ترتیب ہو یا ترکیب عربی کا تتبع ہے۔ حالانکہ اردو کا لگاؤ سامی زبان سے ناممکن ہے مولوی فتح محمد صاحب مدعی تو ہیں کہ میں نے عربی کا تتبع نہیں کیا مگر وہ کہیں بھی مجتہدانہ طریق پر گام زن نہیں "

فارسی موجودہ زیر اثر و ماتحت زبان عربی ہے - جب مسلمان ہندوستان
آنے لگے تب فارسی عربی آمیزا ور ہندوستان کی پراکرتون کے اختلاط
سے زبان اُردو پیدا ہوئی پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اُردو کا لگاؤ عربی
سے مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہے - فارسی میں جب اختلاط عربی سے ہوا
تو اسکی گرمیر عربی کے تتبّع میں لکھی گئی - بعض خصوصیات فارسی البتہ
مستثنیٰ ہیں - اسی طرح اُردو کے قواعد فارسی کے طرز پر لکھے گئے -
اسکا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ اصول قواعد اُردو عربی کے مشابہ ہوں
اسم و فعل و حرف پر تقسیم صرف اصلاً عربی ہے اسی کا تتبع اُردو اور
فارسی میں کیا جاتا ہے - اسمیں شک نہیں کہ یہ بہترین تقسیم ہے -
سبب تالیف میں جناب مصنّف تحریر فرماتے ہیں کہ اُردو کے قواعد
کی کتابیں اسقام و اغلاط سے خالی نہ تھیں اسلیئے یہ کتاب قوانین اُردو لکھی
گئی - اسکے بعد دو عنوانات قائم کیئے ہیں - ایک میں تسامحات مؤلف
مصباح القواعد اور دوسرے میں تسامحات مولف قواعد اُردو دکھائے ہیں -

(۱) تسامح مولف مصباح القواعد

(صـ۱۷) تمام وہ حروف جن میں (ہ) کی آواز ملی ہوئی آتی ہے - یہ
نہ عربی میں آتے ہیں نہ فارسی میں -

ائین اُردو والے مخلوط التلفظ فارسی میں کہیں کہیں مستعمل ہے - جیسے
زردہشت آتش پرستوں کے پیغمبر کا نام - بھیاز ساند گھوڑے کو کہتے ہیں -

شادان لغات فارسیہ میں اسم پیغمبر گبراں سوّلہ صورتوں سے ملتا ہے۔
جو حسب ذیل ہیں :۔
(۱) زردُشت۔ زرتُشت۔ زرہُشت (۲) زارُدشت۔ زارتشت۔ زارہشت
(۳) زرادشت۔ زراتشت۔ زراہشت (۴) زرّہ دشت۔ زرہ تشت۔
(۵) زردُہشت۔ زرتہشت (۶) زارُدہشت۔ زارتہشت۔ ان اسمأ میں
سے کسی میں بھی ہاے مخلوط التلفظ نہیں ہے۔

جناب مولوی غلام حسنین صاحب قدر بلگرامی نے بھی اپنی قابلِ قدر
کتاب قواعد العروض کے قواعد تقطیع میں تحریر فرمایا ہے کہ" ہاے مخلوطی
اسکو ہاے ثقیلہ بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف الفاظ ہندیہ میں آتی ہے۔ مگر
خال خال زبان دری میں بھی ہے جیسے بہرام ؎

یکے تازہ کن قصۂ زرہ دہشت   بنظم دری و بخط درشت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرہ دُشت یا زردُہشت تھا۔ کاتب سے
ہائے ہوز کا ادھر یا اودھر اضافہ سہواً ہوگیا۔

بھبازؔ جو لغات کہ میرے پاس فارسی زبان کے ہیں انہیں یہ لفظ مجھے
نہیں ملا۔ اسلئے اسکے بارہ میں کیا لکھوں چونکہ مجھے یہی معلوم ہے۔ کہ
ہائے مخلوط التلفظ فارسی میں مطلقاً نہیں۔ اس بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ
یہ لفظ کسی دوسرے لفظ کا مصحّف ہے۔ صورۃً بھی اس لفظ کو تلاش کیا

لہ زراتشت بہرام شعراے قدیم میں سے ایک شاعر پیرو زروشت ہوا ہے جنے حالات
زرتشت کو مثنوی کی صورت میں نظم کیا ہے۔ یہ مثنوی زبان دری میں ہے۔

پھر بھی نہ ملا۔

(ص۲۲) مصباح ۔ مصدر لازم کے فاعل کے ساتھ "نے" کبھی نہیں آتا۔

آئین۔ یہ کلیہ صحیح نہیں۔ ہگنا۔ سنکنا وغیرہ مصادر لازم ہیں۔ مگر انکے فاعل کے ساتھ "نے" آتا ہے۔ جیسے اسنے ہگا۔ اسنے سُنکا۔

شادان۔ سنکنا روہیلکھنڈ میں بولتے ہیں۔ لکھنؤ میں چھنکنا بولا جاتا ہے دہلی کا حال معلوم نہیں۔ اگر دہلی میں سنکنا بولتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ لکھنؤ یا دہلی کا تتبع کرنا چاہیئے۔ تاکہ معیار قائم رہ سکے۔ نہیں تو ہر شخص جب اپنے اپنے صوبہ کی زبان لکھنے لگیگا تو ابہام و تفہیم میں دقت ہوگی اور کوئی معیار بھی نہ رہیگا۔ لکھنؤ اور دہلی کا نام میں نے اسوجہ سے لیا کہ ابتک یہ دونوں شہر اُردو کے مرکز مسلم ہیں۔ آیندہ کوئی اور شہر مرکز مانلیا جائے تو اسکا تتبع لازم ہوگا۔ امید ہے کہ آیندہ لاہور اور حیدرآباد اُردو کے مرکز ہو جائیں۔

اسی طرح مؤلف مصباح الفواعد نے لکھا تھا کہ بعض مصادر لازم ایسے ہیں کہ لازم تو کچھ ہیں اور انکے متعدی کچھ اور (یعنی من غیر لفظ) جیسے پڑنا سے ڈالنا صاحب آئین فرماتے ہیں ڈالنا کا لازم ڈلنا بھی آتا ہے۔ یہ لفظ ڈلنا بھی لکھنؤ کے روزمرہ کے خلاف ہے۔

ص۷ مصباح۔ آیا ہو۔ لایا ہو کو ماضی شرطی یا تمنائی لکھا ہے۔

آئین۔ یہ ماضی احتمالی کے صیغے ہیں نہ شرطی کے۔

شاداں۔ جملے میں انکا استعمال بطور ماضی شرطی بھی ہوتا ہے۔ جیسے وہ آیا ہو تو تم ٹھہر جانا۔ ایسے محل پر۔ اگر۔ حرف شرط محذوف ہوتا ہے۔ اور تو

حرف جزا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صیغہائے احتمالی و شرطی و تمنائی اردو اور فارسی میں ایک بھی ہیں۔ صرف محل سے امتیاز ہوتا ہے۔

تسامح مؤلف قواعد اردو

صہ۲۳ قواعد اردو۔ اردو میں بڑی اور بھر کم چیز کو مذکر بولتے ہیں۔ اور چھوٹی اور ہلکی پھلکی کو مؤنث جیسے رسّا۔ رسّی۔ گولا۔ گولی وغیرہ۔
آئین اردو یہ کلیہ نہیں مثلاً۔ سیروا۔ پٹی۔ توڑا۔ کڑی۔ ناند۔ کونڈا۔ وغیرہ۔

شاد آن ۔ مصنّف قواعد اردو کی غرض یہ ہے کہ کوئی شے اگر بڑی ہو تو مذکر ہوتی ہے اور وہی شے اگر چھوٹی ہو تو مؤنث ہو گی جیسا کہ انکی مثالوں سے ظاہر ہے۔ رسّا بڑی چیز۔ رسّی چھوٹی چیز۔ مگر نوع وہی ہے۔ اسی طرح گولا اور گولی۔ آپ نے جو مثالیں خلاف میں پیش کی ہیں ان میں نوعیّت بدل جاتی ہے۔ سیروا چھوٹی چیز ہے او مذکر۔ مگر پٹی اس سے غیر نوع ہے۔ اسلئے بڑی ہو کر بھی مؤنث ہے۔ یہی حالت باقی مثالوں کی ہے۔
توڑا۔ یہ لفظ لکھنؤ میں نہیں بولا جاتا۔ مجھے اسکے معنے بھی نہیں معلوم ہیں۔ دھنی کے الگ سے ٹکڑے جو چھجے میں لگائے جاتے ہیں انکو توڑے کہتے ہیں۔
سقّہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کی غلطی ہے ورنہ مقصود حقّہ ہے۔ حقیرہ۔ خطہ۔ حلیہ وغیرہ بھی اسکی مثالیں ہیں۔

(صہ۸۴ تا ۸۹ قواعد اردو) ان صفحوں میں حال کی انوکھی بحث لکھی ہے مضارع

کو صرف حال بتایا ہے۔ حالانکہ زمانۂ استقبال بھی اسمیں پایا جاتا ہے۔

گو عربی و فارسی میں مضارع میں حال و استقبال کے الگ الگ بھی صیغے ہیں۔ مگر انگریزی میں حال و استقبال کے صیغے ہمیشہ الگ الگ ہی ہوتے ہیں۔ اور قواعد اردو میں انگریزی گریمر کا بھی تتبع ہے۔ اسلئے مضارع کو صرف حال لکھا گیا۔

" خدا تم کو زندہ رکھیو" - اس مثال پر جو اعتراض ہے کہ رکھیو کی جگہ رکھے بولتے ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ رکھے اب بولتے ہیں اور پہلے رکھیو بھی بولتے تھے۔

آئین اردو

صفحہ ۲۱ (۲) عربی کے خاص حرف - ث - ح - ذ - ص - ض - ط - ظ ع - ق - یہ نو حرف ہیں جو ہندی یا فارسی لفظوں میں نہیں آتے۔

ٹیک چند بہار نے اپنی کتاب جواہر الحروف میں ذال معجمہ کے حرف فارسی ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس زمانے میں کچھ عرصہ سے ہندوستان کے بڑے بڑے قابلوں نے اسے تسلیم کرکے گذاشتن کے مشتقات اور مرکبات کو زائے معجمہ سے لکھنا شروع کیا۔ اسی بنا پر جناب فرہاد بھی ذال معجمہ کو حرف مخصوص عربی میں شمار کرتے ہیں اور گذرگاہ - گذشتہ وغیرہ کا املا ذال معجمہ سے غلط فرماتے ہیں۔

مرزا رضا قلی ہدایت شیرازی نے اپنے لغت " فرہنگ انجمن آرائے ناصری" میں - گذار - گذاردن - گذاشتن - گذر - گذرگاہ - گذارہ - گذشت کے

واسطے یہ عنوان "نمائش پنجم در کاف فارسی باذال" قائم کیا ہے۔
پھر جناب ہدایت اسی لغت کی آرائش ششم کے تحت میں ذال معجمہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔جسکا ترجمہ یہ ہے۔
اس حرف کو اس طریقہ سے امتیاز کرتے ہیں کہ اگر اس سے پہلے صحیح ساکن ہو جیسے درد۔سرد یا صحیح متحرک ہو جیسے ایزد۔دہد۔بد۔(ضدنیک) تو دال مہملہ سمجھتے ہیں۔اور اگر اس سے پہلے الف و واو و یا بحالت مدّ ہوں تو ذال معجمہ جانتے ہیں۔جیسا کہ خواجہ نصیرالدین محمد طوسی نے نظم فرمایا ہے۔

رُباعی

آنانکہ بپارسی سخن میرانند　　در معرض دال ذال رابنشانند
ماقبل وے ارساکن جزوائے بود　　دال ست اگرنہ ذال معجم خوانند

(نوٹ) بعضوں نے اس رُباعی کو نصیرالدین نمامیہ کی تصنیف سے لکھا ہے۔
صاحب حلل مطرز شرف الدین علی یزدی معمائی فرماتے ہیں۔

در زبان پارسی فرق میان دال و ذال　　با تو گویم زانکہ نزدیک افاضل مبہم است
پیش از او در لفظ مفرد گر صحیح ساکن است　　دال باشد ورنہ باقی جملہ ذال معجم است

محمد تقی[1] سپہر مستوفی اپنی کتاب براہین العجم فی قوانین المعجم میں فرماتے ہیں کہ الف و واو و یاے ساکن کے بعد جو دال آئے وہ ذال معجمہ ہے۔
پھر لکھتے ہیں کہ منقدمین شعرا دال مہملہ اور ذال معجمہ کا باہم قافیہ صحیح نہیں سمجھتے تھے اگرکبھی ایسا قافیہ لائے ہیں تو عذر بھی کیا ہے۔تاکہ معذور

---

[1] یہی بزرگ مصنف کتاب ناسخ التواریخ ہیں۔

سمجھے جائیں - انوری ابیوردی ؎

خدا و من عصمت الدین ہمیشہ بجز ساکن ستر عصمت مبادی
توئی عالمِ داد و دین مُدّبر نہ بلکہ خود عالمِ دین و داوی
نشاید فراموش کردن کسے را کہ در ہر دعا و ثنایش بیادی
چہ گر در دعا قافیہ دال گردد چو لفظ مبادی مثل بامعاوی
بیک قافیہ سند عیبے نباشد نگوئی کہ ناید زمن سندبادی
معاوی مبادت دگر چارہ نبود مبادی تو ہرگز بکام معاوی

تمام قوافی الفاظ فارسیہ ہیں شاعر کے نزدیک ذال معجمہ حرف روی ہے۔ بنا بر قاعدہ مذکور۔ مگر لفظ معادی عربی ہے بدال مہملہ اسپر قاعدہ مذکور جاری نہیں ہوسکتا اسلئے شاعر کو عذر کرنا پڑا ؎

بیک قافیہ سند عیبے نباشد

(سند بمعنی حرامزادہ ہے۔ سندباد حکمت عملی میں ایک کتاب ہے۔ جس کو حکیم ازرقی نے تصنیف کیا ہے)۔

حکیم انوری فرماتے ہیں ؎ رُباعی

دستت بسخا چوں ید بیضا بنمود ازجود تو بر جہاں جہانے افزود
کس چو نتو سخی نہ ہست و نے خواہد بود گو قافیہ دال شو زہے عالم جود

شاعر کے نزدیک پہلے تین قوافی کے آخر میں ذال معجمہ ہے۔ بنابر قاعدۂ فارسی۔ مگر چوتھا قافیہ لفظ عربی ہے۔ لہذا اسکے آخر میں دال مہملہ ہے۔ اور دال و ذال کا قافیہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسلئے عذر کیا۔

سپہر کاشانی فرماتے ہیں -

زخامہ نغمۂ ناہید میکنم بنیاد | زنامہ گلشن نوشاد میدہم برباد
حریر این یک آرد ترانۂ ناہید | بہار آن یک دارد تراوت نوشاد
بنظم حیران حسان ثابت است مرا | بنثر (قافیہ گو باش) صاحب ابن عباد

اگرچہ سپہر ستر اسی سال ادھر کے آدمی ہیں - مگر متاخرین قاعدۂ مذکور کے پابند نہیں رہے -

سعدی فرماتے ہیں -

باتفاق وگر دل کس نباید داد | زخستگی کہ درین نوبت اتفاق افتاد
روان پاک ابوبکر سعد زنگی را | خدائے تا کہ بفضل و کرم بیامرزاد
کسان حکومت دنیا کنند و پندارند | کہ حکم را ہمہ وقتے ملازمست نفاذ
ہنوز روئے سلامت بکشورست و بملک | ہنوز پشت سعادت بمسند است و معاذ

علاوہ ان شواہد کے کسی شاعر نے عربی کے آٹھ حرف مخصوص نظم کئے ہیں - تیسرا مصرع مجھے یاد نہیں رہا - اسے ترمیم کرکے لکھتا ہوں -

ہشت حرفست آنکہ اندر فارسی نایدہمی | تا نیاموزی نباشی اندریں معانی معاف
حرفہائے خاص تازی بشنو از من یادگیر | ثا وحا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حروف مخصوص عربی آٹھ ہی ہیں - جن میں ذال معجمہ نہیں ہے -

جناب فرجاد صفحہ ۲۱ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ گذرگاہ - گذشتہ - صد - شصت - طپش - طشت - چاقو - در اصل انکو یوں لکھنا چاہیئے - گزرگاہ

گزشتہ - سد - شست - تپش - تشت - چاکو -

گذرگاہ اور گذشتہ اور گذارش وغیرہ کی نسبت تو میں نے کافی شواہد پیش کئے ہیں کہ ذال معجمہ سے لکھنا چاہئیں - سد و شصت ضرور از روئے اصل سین سے ہیں - مگر جب اہل زبان نے عمومیت کے ساتھ انکا املا صاد سے مان لیا ہے تو پھر ہم کو اصل کے موافق لکھنے کا کیا حق ہے - تپش خود اہل زبان تاے فوقانیہ سے لکھتے ہیں - طشت کی نسبت صاحب انجمن آرا کی رائے ہے کہ معرب تشت کا ہے لہذا دونوں طرح لکھ سکتے ہیں - صاحب منتخب کے نزدیک طست سین مہملہ سے عربی الاصل ہے اور وہ اسکی اصلیت طس بہ تشدید سین مہملہ بتاتے ہیں - چاقو - میرا جہانتک خیال ہے ترکی زبان کا لفظ ہے - اور قاف ترکی میں بکثرت پایا جاتا ہے - اسلئے اسکو کاف سے لکھنے کی ضرورت نہیں -

خانقاہ کی بابت جناب فرہاد فرماتے ہیں " اس لفظ میں قاہ فارسی لفظ گاہ کا مبدل نہیں بلکہ قاہ ترکی بمعنی عبادت ہے اور خان بمعنی گھر یعنی عبادت کا گھر اب مقبرے کے معنے میں مستعمل ہے "

صاحب فرہنگ انجمن آرا فرماتے ہیں کہ خانقاہ کے معنے بطریق مجاز عبادتگاہ ہیں - اور اسکا معرب خانقہ و خانقاہ ہے - دوسرے معانی یہ لکھتے ہیں -

تکیہ و مقام درویشانرا گویند - و در بعضے شہرہا برائے توقف فقرا و غربا جاے سازند و گاہ باشد کہ اہل آں قریہ در آنجا جمع شوند - و ہرکس ہرچہ

درخانہ دارد باخود بردہ باتفاق فقرا خورند ۔

جناب فرہاد نے ضرور تحقیق سے لکھا ہوگا کہ خانقاہ میں قاہ لفظ ترکی ہے لیکن ہدایت شیرازی جو اہل زبان ہیں اور جنکی تحقیق اوپر لکھی گئی وہ ترکی نہیں تجویز کرتے ۔ انکے اہل زبان ہونے کی وجہ سے انہیں کے قول کو معتبر ماننا پڑیگا۔ چاہے قاہ لغات ترکیہ میں بمعنی عبادت موجود بھی ہو۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ خان لقب شاہانِ ترکستان ہے اور گاہ بمعنی محل ومقام ہے یعنی محل شاہ عبادتگاہ ومقام فقرا کو بخیال عظمت محل شاہی سے تشبیہہ دیکر خانقاہ کہتے ہیں ۔

جناب مولوی عبدالحق صاحب مصنف قواعد اُردو نے رسالہ اُردو جلد ہفتم حصہ بست و پنجم بابت ماہ جنوری ۱۹۲۷ء میں کتاب آئین اردو پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ "جناب فرہاد کا یہ فرمانا کہ خانقاہ اب مقبرے[1]

---

[1] کچھ عرصہ سے ہندوستان کی قابل ہستیوں نے ہر ایک لفظ عربی وفارسی کا املا جسکے آخر میں ہائے مختفی ماقبل مفتوح ہو مگر بول چال کیوجہ سے ماقبل مکسور بولتے ہوں تو ہر ایسی ہائے مختفی کو یائے تحتانی سے بدل کے لکھنا شروع کیا ہے ۔ جیسے کیا اچھا مقبرہ ہے ۔ یہ آئینہ جلا دار ہے ۔ ہم مقبرے میں گئے ۔ اسنے آئینے میں مُنہ دیکھا ۔ نہیں معلوم اس تبدیلی کی کیا ضرورت پڑی ۔ کیا ہائے مختفی کسرہ ماقبل کو مانع ہے یا میر التلفظ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اصول کے تحت میں یہ املا ایجاد کیا گیا ہے کہ تلفظ کے موافق املا ہونا چاہیئے ۔ اسکو مانکر ہائے مختفی ماقبل مفتوح کو الف سے ہمیشہ لکھنا چاہیئے ۔ کیونکہ بحالت ماقبل مکسور جسطرح یے کی آواز دیتی ہے اسی طرح بحالت ماقبل مفتوح الف کی آواز دیتی ہے ۔ مگر ایسی ہے کو الف سے کوئی نہیں لکھتا ۔ پھر یے سے املا کرکے کیوں صیغہ جمع سے التباس پیدا کیا جائے ۔ اسی طرح جس لفظ عربی وفارسی کے معانی میں اُردو

کے معنے میں مستعمل ہے"۔ درست نہیں - وجہ کوئی تحریر نہیں فرمائی ممکن ہے کہ انکے ذہن میں وجہ یہ ہو کہ جناب فرجاد مطلقاً مقبرے کے معنے لکھتے ہیں حالانکہ اس مقبرۂ درویش محترم کو کہتے ہیں جو عبادتگاہ بھی ہو۔ یہ معنی اردو میں ہیں -

صفہ۴ بعض الفاظ کو بتایا ہے کہ بطور فعل اور اسم دونوں طرح مستعمل ہیں -

فعل - میرے پیر دباؤ - چڑھاؤ - بہاؤ - پہنچ سکتا ہے - بھاگ سکتا ہے چمک رہا ہے - پوجا - بگاڑ دیا - سنوار لیا وغیرہ -

اسم - مجھ پر کسی کا دباؤ نہیں - . . . .

ان امثلہ میں دباؤ - چڑھاؤ - بہاؤ وغیرہ تلفظاً ایک نہیں - بحالت فعل بر وزن فعولن ہیں - اور بحالت اسم بر وزن فعول جب وحدت ذات نہ رہی تو پھر تفریق کے دکھانے کا کیا فائدہ - پہنچ سکتا ہے بھاگ سکتا ہے میں جب "سکتا ہے" لگاتے ہیں تب فعل ہوتے ہیں اور بھاگ اور پہونچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ) میں آکر تصرف ہو گیا ہو تو اسکا املا بھی بنا بر تلفظ بدلنا چاہتے ہیں۔ مثلاً گرم مسالا - خیر سلا بجائے گرم مصالحہ و خیر و صلاح لکھتے ہیں - حالانکہ تصرف کی تین قسمیں ہیں۔ تصرف فی اللفظ فقط - تصرف فی المعنی فقط - تصرف فی اللفظ والمعنی معاً۔ یہ کیا ضرور ہے۔ کہ جہاں تصرف فی المعنی ہو وہاں تصرف فی اللفظ بھی ضرور ہو - یہاں تو یہ شدّت ہے کہ عرصہ بمعنی مدت عربی و فارسی میں مستعمل نہیں۔ اسکا املا نہیں بدلتے - اور لطف یہ ہے کہ اسپر عطف و اضافت فارسی واو اور کسرہ سے لانا چاہئے ہیں جو مخصوص عربی و فارسی سے ہے - نعمت خاں نے عرصہ بمعنی مدت وقائع میں نظم کیا ہے - مگر وہ اردو الفاظ بکثرت صرف کرتے ہیں ؛

بلا اضافہ اسم ہیں۔ یہاں بھی وحدت لفظ باقی نہیں رہتی۔ بجاے اسکے یوں
مثالیں ہوتیں۔ جا بھاگ۔ وہاں پہونچ تو فرق استعمال دکھانا ٹھیک ہوتا۔
بگاڑ دیا اور سنوار لیا کی بھی یہی حالت ہے۔ ہاں" پوجا" کی مثال ٹھیک ہے۔
صفحہ ۴۲ تذکیر و تانیث کے بیان میں مؤنث غیر حقیقی کی مثالیں۔
چیونٹا۔ چیونٹی۔ گھڑا۔ گھڑیا۔ کونڈا۔ کونڈالی۔ چھرا۔ چھری۔ لوٹا۔ لٹیا۔
مکھڑا۔ مکھیا لکھی ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب نے اس قسم کے اسما کیلئے جو ایک کلیہ کے
طور پر قاعدہ بیان کیا ہے وہ خوب ہے۔ یعنی جو شے بڑی ہو وہ مذکر
ہوتی ہے اور جو چھوٹی ہو وہ مؤنث۔ اسمیں ذرا سی ترمیم کردی جائے۔
اعتراض کو گنجائش نہیں ہوتی۔ یعنی جو شے بڑی ہو وہ مذکر ہوتی ہے۔
اور وہی چیز اگر چھوٹی ہو تو مؤنث ہوتی ہے۔

چھوٹے گھڑے کو گھڑیا لکھنؤ میں نہیں بولتے بلکہ ٹھلیا کہتے ہیں۔
اور مکھڑا کو مکھڑ۔

جناب فرحاد کے لکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تتیا اور بھڑ میں
سے کوئی بڑی بھڑ کا نام ہے۔ اور کوئی چھوٹی۔ اور ان میں سے ایک مذکر
ہے اور ایک مؤنث۔ مجھے جہانتک علم ہے تتیا بھڑ کی ایک قسم ہے۔
جسمیں زہر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جو مرچ بہت تیز ہو اُسے تتیا
مرچ کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں تتیا صرف بھڑ کو نہیں کہتے۔ بلکہ تتیا بھڑ بولتے
ہیں۔ اور اگر تتیا علحدہ اسم مستقل بھی ہے۔ تب بھی بھڑ اور تتیا دونوں

مونث ہیں - اور پنکھا کا مؤنث یا مصغر پنکھیا ہے نہ پنکھی۔

جناب فرجاد نے اسم کی تصغیر اور اسکے قواعد کا ذکر نہیں کیا - ڈپٹی اور داروغہ کی تانیث لکھنؤ میں ڈپٹیائن اور داروغائن بولتے ہیں - نہ ڈپٹن اور داروغن - قلم دہلی میں اب مونث بولتے ہیں - لیکن جناب داغ مرحوم نے قلم میرا فرمایا ہے - لکھنؤ میں بلا اختلاف مذکر ہے - سانس دہلی میں مذکر ہے - جناب داغ نے مذکر کہا ہے - مگر جناب ذوق نے مجھے یاد پڑتا ہے - مؤنث کہا ہے - لکھنو میں بلا اختلاف مؤنث ہے -

گو انتقاد چھوڑ چھوڑ کے ہے مگر صفحہ ۲۴۲ تک میں نے کتاب کو بالاستیعاب دیکھا ہے - جو سمجھ میں آیا بطور تبصرہ و انتقاد قلم فرسائی کی - پوری کتاب پر انتقاد کے لئے وقت بھی درکار ہے اور مجھے اپنے کاموں سے فرصت نہیں پھر پورے غور سے نقد کرنے سے ایک رسالہ ہو جائیگا -

یہانتک جو کچھ میں نے لکھا وہ کل کا کل کتاب کے برخلاف ہے - پھر بھی اسکے یہ معنی نہیں کہ اس کتاب میں خوبیاں نہیں - کونسی ایسی تصنیف ہے - جس میں غلطیاں نہیں ہوتیں - انسان معصوم نہیں فرشتہ نہیں - با ایں ہمہ اسمیں بہت سی خوبیاں ہیں - جنکو میں اس انتقاد میں بوجہ ناتمام ہونے کے نہ دکھا سکا -

میں اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں - اور اس لائق سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹی کے امتحان آنرز ان اردو کے نصاب میں داخل کی جائے اور سررشتۂ تعلیم میں اسکولوں کے لئے اسے خریدا جائے - ہائی اسکولوں کے طلبہ

کے لئے بیحد مفید ہے۔ قواعد اُردو اور مصباح القواعد کی ہمسر یہ کتاب بھی ہے۔ چونکہ ان دونوں کے بعد لکھی گئی ہے۔ اسلئے بہت سی مفید باتیں ان سے زیادہ بھی ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب کا یہ فرمان درست ہے کہ باب نحو بہت مجمل ہے اور تشنۂ تفصیل رہ گیا۔ مجھے محاکمہ مقصود نہ تھا۔ اسلئے اعتراضات وجوابات ہرسہ کتب سے تعرض نہ کیا۔ آخر میں جناب فرجاد کو میں اس مفید تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی یہ کتاب مفید اور مقبول ہو۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

سید اولاد حسین شادان بلگرامی

---

(۲)

اصولِ حدیث۔ اصولِ تفسیر۔ اصولِ فقہ

گو قرآن، حدیث، فقہ کی تحصیل کے وسائل و مبادی، اصول وضوابط کو علمائے اسلام کی اَن تھک کوششوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن مواد کے عربی ہونے سے نئی تعلیم یافتہ جماعت ان اصول سے مستفید نہیں ہوسکتی تھی۔

جناب مولوی محمد منور علی صاحب محدث رامپوری لیکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی ہمارے

خاص شکریہ کے مستحق ہیں ۔کہ آپ نے اس ضرورت کو محسوس فرماکر عام فہم اردو زبان میں ہرسہ علوم کے ضروری اصول کتاب کی صورت میں شایع فرماکر طلبہ پر احسان کیا ۔کتاب کا نام" اصول حدیث' اصول تفسیر' اصول فقہ" ہے ۔اور منور علی صاحب عث تات خانہ ۔ڈھاکہ سے بقیمت ایک روپیہ مل سکتی ہے ۔

کتاب ہمارے پیش نظر ہے ۔حصہ اصول حدیث کو شرح نخبۃ الفکر ۔مقدمہ ابن صلاح کے تتبع پر ضابطِ انداز' مختصر طریق سے بیان کیا ہے پیچدار تعریفات 'کثیر الاقسام تقاسیم' مغلق مطالب' طویل اختلافات اصطلاحیہ کو مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی سعی کی گئی ہے ۔بعض مواقع پر [مثلاً زیادۃ راوی ۔محفوظ ۔شاذ ۔معروف ۔منکر ۔مرسل کی مباحث سے] مؤلف کی محنت اور جانفشانی معلوم ہوتی ہے ۔

البتہ بعض جگہ خلط مبحث ہو گیا ہے ۔مثلاً حدیث متواتر کی بحث میں لکھا " اسکا معلوم کوئی امر حسی بدیہی ہوگا نہ امر عقلی"۔ حالانکہ دیانات میں اسطرح نہیں ہوسکتا ۔شرح نخبہ وغیرہ میں ہے " والمعتمد ان الخبر المتواتر یفید العلم الضروری ۔ وقیل لایفید العلم الا نظریاً ولیس بشی" مذکورہ بالا خیال صرف مناطقہ کا ہے ۔شرح مطالع میں ہے ۔ حصول الیقین بالخبر المتواتر یتوقف علی استنادہ الے المحسوس "۔ سلم العلوم میں ہے " نعم یجب الانتہار الی الحس " ۔

اور بعض مواقع پر دور کی موشگافیوں کو بیان کیا ہے ۔ جو

مبتدیوں کے لئے مفید نہیں بلکہ ان کے لئے غیر ضروری بھی ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۲
پر غیر مشہور کے غیر اصطلاحی معنی اور ص۲۵۹ پر مساواۃ کی بحث وغیرہ۔

(ب) حصہ اصول تفسیر میں بھی قیمتی اور گرانقدر خیالات کو فوز الکبیر، اتقان وغیرہ سے التقاط کیا گیا ہے۔ تفسیر و تاویل میں فرق ضروریات تفسیر، تفسیر بالرائے کی حقیقت، اسباب نزول۔ اعجاز قرآن وغیرہ مباحث مفید معلومات کا مجموعہ اور دماغی محنت اور کاوش کا نتیجہ ہیں۔

قرآن کو فوز الکبیر وغیرہ کے اتباع میں مجموعہ مضامین متفرقہ منتشر و غیر مرتبہ کہنا نہ صرف خلاف تحقیق۔ بلکہ موجودہ دور میں مضر ہے علیٰ ہذا ص۱۲ پر اختلاف تعداد سور، ص۲۵ پر علامہ سیوطی کا قول شاید نئے خیالات کے گرفتاروں کے لئے مضر ثابت ہو۔

نسخ کی تعریف " مکلّف سے کسی حکم کے متعلق کو اسکی مصلحت و صلاح کے واسطے دلیل مؤخر مساوی یا اعلیٰ کے ذریعہ اٹھا دینے کا اظہار کرنا " نا قابل فہم اور اصلاح طلب ہے۔

خوب ہوتا اگر مصنّف قصص القرآن کے ضروری اور اہم مسائل کو بھی اپنی کتاب میں داخل فرما لیتے۔ فوز الکبیر وغیرہ میں بھی اسکی تشریح موجود ہے۔

(ج) حصہ اصول فقہ میں بھی بحث قیاس ہی پر اکتفا کیا گیا۔ تاہم اس حصہ میں بھی کتاب المنار۔ منتخب حسامی وغیرہ سے ضروری مسائل کاوش کے ساتھ فراہم کئے گئے ہیں۔ تعریف قیاس میں اگرچہ گونہ انتشار باقی ہے مگر یہ بحث اور شرائط قیاس، استحسان، استصحاب کے فصول کافی دماغ سوزی کا ثمرہ ہیں۔

کتاب کا عام انداز بیان پیچدار ہے ۔ اکثر مواقع پر عربی عبارتوں کا تحت اللفظ ترجمہ کر دیا گیا ہے ۔ اور آخری حصّہ میں یہ بات زیادہ نمایاں ہے بعض مقامات پر عبارت ناقص ہے مثلاً اصول فقہ کے ص۳۲ پر: ہماری تقریر مذکور سے معتزلہ کے استدلالی بیان میں بعض شق کا بھی جواب ہو گیا" کیا عجب ہے کہ کہیں کہیں کاتب نے بھی کچھ دست اندازی کی ہو۔ بہرحال کتاب کو عام فہم اور بامحاورہ بنانے اور معقولی الفاظ کو نکال دینے کی ضرورت ہے تاکہ زیادہ مفید ہو سکے ۔ امید ہے کہ جناب مصنف طبع ثانی کے وقت اس امر کو مدّ نظر رکھ کر کتاب کی اصلاح فرمائیں گے ۔

مجموعی حیثیت سے یہ کتاب بہت سی شاندار خوبیوں کو متضمن ہے یقین ہے کہ علوم اسلامیہ کے شائقین اس کار آمد تصنیف کو ہاتھوں ہاتھ لینگے ۔ اور اپنی قدرشناسی کا پورا ثبوت دینگے ۔

(مولانا) محمد نور الحق علوی

---

(۳)

(۱) مکتبۃ المورخین والجغرافیین العرب

ناظرین پر مخفی نہ ہوگا کہ مشہور ولندیزی مستشرق دخویہ آنجہانی نے مکتبۃ الجغرافیین العرب کے عنوان سے علم جغرافیہ کے متعلق عربی زبان کی متعدد نادر اور اہم تصانیف شائع کی تھیں ۔لیکن عربی زبان میں ابھی کافی ذخیرہ ایسی قدیم تاریخی اور جغرافی کتابوں کا موجود ہے جو یا تو پردہ گمنامی میں مستور ہے

La Bibliothek Arabischen Historiker und Geographen 9/ksig Von Hans V. Mzik.

یا کس میپرسی کی حالت میں پڑا ہے اور نقادوان فن نے اسکو ابھی ہاتھ تک نہیں لگایا - اب ہانس فون مزیک صاحب (وائنا - آسٹریا) نے اس قسم کے مواد کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے اور مکتبۃ المورخین والجغرافیین العرب کے زیر عنوان قدیم عربی مورخوں اور جغرافیہ دانوں کی قیمتی تصانیف کو ایک سلسلہ میں شائع کرنا شروع کیا ہے - ناشر کا ارادہ ہے کہ ایسی کتابوں کو شایع کیا جائے جو فنون تاریخ وجغرافیہ کے متعلق نہایت قدیم اخبار و روایات کی جامع ہوں اور شائع ہونے کے بعد اپنے اپنے فن میں تحقیق وتنقید کی بنیاد قرار پا سکیں - کسی مصنف کو اس سلسلہ میں شامل کرتے وقت یہ دیکھا جائیگا کہ آیا وہ تاریخ تمدن کے مسائل مہمّہ پر ضروری روشنی ڈالتا ہے یا نہیں -

ایسی کتابیں جنکا صرف ایک ایک نسخہ معلوم ہے فوٹو کے ذریعہ سے شائع کی جائیں گی - فوٹو لتھوگرافی کے فن نے ایسی ترقی کی ہے کہ اس کے ذریعہ سے کتاب کی تیاری میں عربی ٹائپ کی نسبت کم لاگت آتی ہے - لیکن یہ طریقہ صرف انہیں مخطوطات کی اشاعت میں برتا جائیگا جنکا خط نسبتاً واضح ہے - اور جن کے پڑھنے میں ماہروں کو کوئی دقت پیش نہ آئے - ان کے ساتھ صرف ضروری فہرستوں کا الحاق کافی ہوگا -

ان کتابوں کے ساتھ ساتھ انکے جرمن زبان میں ترجمے بھی شائع ہونگے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے تاریخ وجغرافیۂ عالم کے دیگر محققین بھی جو عربی سے ناآشنا ہوں ، استفادہ کرسکیں - علاوہ ازیں بعض ایسی کتابیں

بھی ہونگی جنکے مشکل اور دقیق مضامین کو عربی دان اصحاب بھی ترجمہ و تشریح کی مدد کے بغیر نہیں سمجھ سکیں گے۔ لہذا ہر عربی متن کے بعد علٰحدہ جلد میں اسکا جرمن ترجمہ بھی شائع کیا جائیگا۔

ناشر و مترجم کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابو عبداللہ محمد بن عبدوس الجہشیازی متوفی ۳۳۱ھ کی کِتَابُ الوزراءِ والکتاب پر پڑی ہے۔ جو اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اس کتاب کا مصنف ان قدیم مورخین میں سے ہے جنکی مولفات ہم تک پہنچی ہیں۔ اسکا زمانۂ حیات طبری اور مسعودی کے درمیان ہے اور جہانتک ہم کو علم ہے۔ یہ پہلا عرب مورّخ ہے جس نے وزراء کی تاریخ لکھی ہے۔ تاریخ وزارت کو خلافت اسلامی کی اندرونی تاریخ کیساتھ گہرا تعلق ہونے کی حیثیت سے جو کچھ اہمیت حاصل ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہے۔ پہلے عام خیال تھا کہ یہ کتاب مفقود ہے مگر اب اسکا ایک نسخہ وائنا پایہ تخت آسٹریا کے قومی کتبخانہ میں پایا گیا ہے۔ مگر یہ نسخہ نامکمل ہے کیونکہ یہ صرف مامون (متوفی ۲۱۸ھ) کے عہد خلافت تک پہنچتا ہے۔ حالانکہ اصل کتاب وزیر ابو احمد العباس بن الحسن (متوفی ۲۹۵ھ) تک کے حالات کو شامل تھی۔ اگرچہ اس طرح کتاب کا معتدبہ حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ تاہم باقی ماندہ حصہ میں خلافت عباسیہ کی اندرونی تاریخ اور نظام حکومت کے متعلق بہت سی قیمتی معلومات موجود ہیں۔ یہ نسخہ بلحاظ خط نسبتاً اچھی حالت میں ہے اور پچھلے سال بذریعہ فوٹوگراف اشاعت پذیر ہوا ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری جلد میں اسکا جرمن ترجمہ شائع ہوگا -

اس سلسلہ کی تیسری جلد ابو جعفر محمد ابن موسیٰ الخوارزمی کی کتاب "صورۃ الارض" ہے - اسکا سن تصنیف ۲۱۰ھ ہے اور بلاشبہ یہ عربی زبان میں پہلی کتاب ہے جو فن جغرافیہ پر لکھی گئی ہے اس میں اوّلاً مصنّف نے جغرافیۂ بطلیموس کی اصلاح و ترمیم کی ہے اور پھر اس پر اپنی طرف سے دیگر مستقل معلومات کا اضافہ کیا ہے - یہ کتاب ایک اچھا نمونہ اس بات کا ہے کہ کس طرح ایک قوم دوسری قوم سے علمی سرمایہ حاصل کرتی ہے - اور بعد ازاں اس میں اضافہ کرکے زیادہ مکمل بناتی ہے - اس کا واحد نسخہ سٹراس برگ کے کتبخانہ میں پایا گیا ہے - اور چونکہ نہایت خستہ حالت میں ہے - اس لئے ٹائپ میں چھپا ہے - اسکا جرمن ترجمہ بھی مع تشریح شائع ہوگا -

اس سلسلہ میں ابھی اور بہت سی مفید اور اہم کتابیں مثل سہراب کی کتاب عجائب الاقالیم کے شائع ہونے والی ہیں - یقین ہے کہ ان کی اشاعت سے عرب مورخوں اور جغرافیہ دانوں کے دیگر علمی کارنامے روز روشن میں آئینگے اور قرونِ وسطیٰ کے اسلامی تمدّن کے مختلف پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالینگے +

(۲) خرائط العالم والممالک[1] للجغرافیین العرب

عربوں کا علمِ جغرافیہ ایسا ہی وسیع تھا جیسا کہ ان کی ملکی فتوحات کا دائرہ، انہوں

---

[1] Mappae Arabicae o Die Arabischen Welt- und Länderkarten hrsg. v. K. Miller.

نے اپنے زمانہ میں عرصۂ عالم پر وہ جولانی دکھائی کہ سکندر اعظم اور اہلِ روما کی کشور کشائیوں کو مات کر دیا۔ رومیوں کو دنیا کے جتنے حصے کا علم تھا۔ عربوں نے اپنی سیاسی فتوحات اور علمی اور تجارتی سفروں کے ذریعہ سے اس سے دُگنا رقبہ معلوم کر لیا۔ اس کے علاوہ چونکہ ان کے عہد میں ریاضی اور ہیئت کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور وہ ان علوم میں ماہر تھے۔ اسلئے ان کے علم جغرافیہ میں پیشرو اقوام کی نسبت بہت زیادہ درستی اور صحت موجود تھی۔ مگر باوجود اس امر کے عربوں کے فن نقشہ کسی کے متعلق علما کی رائے اچھی نہیں۔ اسکی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ ان کے تیار کردہ نقشہ جات عام طور پر غیر معروف ہیں اور باستثنار بعض شائع نہیں ہوئے۔ دخویہ نے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ۸ جلدوں میں جغرافیہ کی کئی اہم عربی کتابوں کو شائع کیا مگر نقشوں کو چھوڑ دیا۔ اس کمی کو پورا کرنے اور علمار کی غلط فہمی دور کرنے کا پروفیسر کونراد ملر نے بیڑا اٹھایا ہے۔ صاحب مذکور فن نقشہ کشی (Cartography) اور اسکی تاریخ کے بڑے ماہر ہیں اور اس فن کے مطالعہ میں تقریباً چالیس برس صرف کر چکے ہیں۔ اور اس سے پیشتر یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کے نقشے شائع کر چکے ہیں انکا بیان ہے کہ پیرس۔ اوکسفرڈ۔ قسطنطنیہ، برلین۔ گوتا، لینن گراد، لائڈن۔ لنڈن۔ کیمبرج۔ وائنا۔ قاہرہ۔ ہامبرگ اور بولون کے کتب خانوں کے عربی مخطوطات میں سات سو سے زیادہ نقشے موجود ہیں۔ انہوں نے ان نقشہ جات کو جمع کرنے اور چھ جلدوں میں ترتیب دیکر شائع کرنے

کا تہیہ کیا ہے۔ ہر ایک جلد کے متعدد حصّے ہونگے جن میں ان نقشوں کے فوٹوگراف ملک وار الگ الگ شایع ہونگے۔ مؤلف کا ارادہ ہے کہ ہر ایک نقشہ کے ساتھ اس کی نقل شامل کریں جس میں جغرافی ناموں کو رومن حروف میں دکھایا جائیگا۔ اور ان کے موجودہ اسما اور محل وقوع کو حتی الامکان دریافت کرنے کی کوشش کیجائیگی۔

اس سلسلہ کی پہلی جلد کا حصّہ اول شائع ہو چکا ہے جس میں علاوہ نقشہ جات اور ان کی نقول کے ایک مقدمہ ہے۔ جس میں مصنف عالم نے عربوں کے فن نقشہ کشی کی تاریخ بیان کی ہے اور اس کے ارتقا کے تین مدارج کا پتہ چلایا ہے۔ (۱) یونانی اثر کا زمانہ یعنی آٹھویں اور نویں صدی مسیحی جس میں عربوں نے یونانی جغرافیہ دانوں کا تتبّع کیا۔ (۲) عربوں کی مستقل تحقیقات کا زمانہ دسویں سے تیرھویں صدی تک۔ (۳) نورمن اور عرب جغرافیہ دانوں کا عہد جو بارھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔

امید ہے کہ جب یہ مجموعہ شایع ہو چکیگا تو یہ روئے زمین کے ان تمام ممالک کا مکمل خریطہ یا اٹلس ثابت ہوگا جن کا قرون وسطیٰ کے عرب جغرافیہ دانوں کو علم تھا۔ اور اس سے بالخصوص اسلامی ملکوں کے قدیم جغرافیہ کے متعلق ہماری معلومات میں کثیر اضافہ ہوگا۔

الشیخ عنایت اللہ (ایم۔اے)

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد - اس رسالہ کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جاوے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت - عربی - فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں معروف ہیں ❊

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے - کوشش کیجائیگی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں - غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید قلمی رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ❊

رسالے کے دو حصّے - یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصّہ اوّل عربی - فارسی اُردو اور پنجابی (بحروف فارسی) حصّہ دوم سنسکرت - ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی ملسکتا ہے ❊

وقت اشاعت - یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی ستمبر - نومبر - فروری اور مئی میں شایع ہوگا ❊

قیمتِ اشتراک - سالانہ چندہ کل رسالے کے لئے ۸ ہر حصّہ کے لئے ۴ ❊

اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت رعایتی شرح سے وصول ہوگا ❊

خط و کتابت و ترسیل زر - خرید رسالہ کے متعلق جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہیئے - مضامین کے متعلق جملہ مراسلات چیف ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ❊

محل فروخت - یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ❊

قلم تحریر - چیف ایڈیٹر کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں - حصہ عربی و فارسی و اردو ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے - حصہ سنسکرت و ہندی کے ایڈیٹر ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم اے پی ایچ ڈی - اور حصہ پنجابی کے بھائی [illegible] سنگھ بی اے ہیں - اب یہ دونو صاحب علی الترتیب ان دو حصوں کے کامل طور پر ذمہ دار ہیں ❊

اورینٹل کالج میگزین

جلد (۴) عدد (۲)

عدد مسلسل (۱۴)

بابت

فروری سنہ ۱۹۲۸ء

حصۂ اوّل

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع۔ ایم۔ اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر [illegible]

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	کتاب خانہ ریاست کپورتھلہ: (۲) فرامین	اڈیٹر	۱
۲	عرب کے مشہور جغرافیہ دان (ترجمہ از فرنچ)	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم۔اے	۴
۳	خزائن مخطوطات: کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی	سید محمد عبد اللہ۔ ایم۔ اے۔ ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۱۲
۴	شیخ ابو علی الحسین ابن سینا کے فلسفہ پر ایک سرسری نظر	محمد فضل حق۔ ایم۔ اے۔ مولوی فاضل منشی فاضل (ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی)	۱۷
۵	محمد شاہ بن تغلق	مولانا عبد الرحمٰن دہلوی	۳۵
۶	تصحیح میخانہ	اڈیٹر	۴۳
۷	سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ	میر حفیظ الدین صاحب	۵۵
۸	عہد محمد تغلق کے مصنفین	سید محمد عبد اللہ۔ ایم۔ اے	۶۲
۹	تصحیح تاریخ وصاف	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۷۳
۱۰	سسی پنوں	اڈیٹر	۸۰
۱۱	ابن خلدون	شیخ عنایت اللہ ایم۔اے	۹۳
۱۲	تنقید: مطلع الانوار، دیباچہ قدیم شاہنامہ، الایمان، جدید کتابیں اور رسالے	اڈیٹر و دیگر صاحبان	۱۰۱
۱۳	ارتجال کی ایک حیرتناک مثال	اڈیٹر	[illegible]
۱۴	فہرست [illegible] امام احمد بن حنبل	[illegible] صاحب	[illegible]

کتاب خانہ ریاست کپورتھلہ

(سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ ماہ نومبر ۲۷ء ص ۶۲)

(۴) فرامین

پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ کتابخانہ ریاست میں چند فرامین شاہی موجود ہیں۔ یہ فرمان چھ قطعہ ہیں۔ جنکو چوکھٹوں میں لگا کر کتابخانہ کی ایک دیوار پر لٹکایا ہوا ہے۔ ان فرامین کے علاوہ کتابخانہ میں ایک البم بھی ہے۔ جس میں عہدنامہ اور مراسلات جمع ہیں۔ یہ سب کے سب فارسی میں ہیں۔ متعدد عہدنامے راجگان ریاست کپورتھلہ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ و مہاراجہ شیر سنگھ اور حکام انگریزی کے ساتھ ہیں۔ بعض مراسلات شاہ شجاع کے ہیں۔ بعض حکام انگریزی کے خطوط مثلاً لارڈ ہیسٹنگز بنام راجہ بھاگ سنگھ مورخہ ۱۷۸۳ء جیمس براؤ (B. Brown) سفیر دربار شاہ عالم شاہ دہلی بنام راجہ کپورتھلہ مورخہ اگست ۱۷۸۳ء

سر ڈیوڈ اختر لونی — بنام راجہ کپورتھلہ — مورخہ دسمبر ۱۸۰۵ء

سر جان ملکم — ایضاً — (بلا تاریخ)

لارڈ لیک — ایضاً ۳ مراسلے — وغیرہ وغیرہ

ایک معاہدہ جس پر سر ڈیوڈ اختر لونی کے دستخط ہیں۔ انگریزوں اور ریاست ہائے آنروئے دریائے ستلج و پھلکیان کے درمیان ہوا ہے۔ اور اسکی تاریخ ۳ مئی ۱۸۰۹ء ہے۔ بعض فرامین وغیرہ کا انگریزی ترجمہ انگریزی رسالہ "کپورتھلہ سٹیٹ" میں بطور ضمیمہ ملحق ہے۔

ذیل میں تین فرامین کا فارسی متن درج کیا جاتا ہے۔ سردار جسا سنگھ جس کا

ذکر ان فرامین میں ہے۔ وہ ریاست کپورتھلہ کا بانی تھا۔ مہاراجگان کپورتھلہ سردار بھاگ سنگھ کی اولاد سے ہیں۔ جو سردار جسا سنگھ کے چچیرے بھائی کا پوتا تھا۔ خود سردار جسا سنگھ لاولد فوت ہوا۔

(۱) فرمان[1] شاہ عالمگیر ثانی بنام راجہ جسا سنگھ اہلووالیہ، تحریر محرم ۱۱۶۷ھ

نشان مہر بشکل مربع جس میں شاہ عالمگیر کا نسب متعدد پیوستہ دائروں میں درج ہوا ہے۔	سرخ طغرا بشکل مربع جس میں لکھا ہے فرمان عالی ابوالنصر محمد محی الدین عالمگیر بادشاہ

عقیدت دستگاہ ارادت انتباہ راجہ جسا سنگھ آلو سکنہ پرگنہ تھارہ بداند۔

چون حسن عقیدت عمدہ خدمتی و نیک شیوگی شما مرغوب و منظور است۔ و ستودہ شعاری خوب خصلتی مطبوع طبیعت عالیست بنا علیہ تعلقہ فتح آباد وغیرہ پرگنہ ہیبت پور پٹی و دریا پار پرگنہ تھارہ ہمہ بالبشما معاف و مرفوع القلم است نیز ہمگی راجہ ہا تابع شما کردہ شد و لبشما ہم لازم و ملزوم است کہ ہمراہ آنہاں (کذا) طریق اتفاق مرعید اشتہ باشید کہ بقدر سر موئی عدول نخواہد شد و نیز کپورتھل کہ تابع شما ست در بارۂ ساکنان آنجا غور و پرداخت لازم دانند نیز بمسمع رسیدہ کہ میراں پور جان ست والہ کہ تابع شمااند فتنہ و فساد می کنند شایان آنکہ فتنہ و فساد آنجا رفع سازند۔ سہل انگاری نکنند ذمہ شما ست، دیگر ملک تہہ کہ در پرگنہ تھارہ ہویداست۔ سرفراز لطف و کرم خدیو جہان شہنشاہ زمان بشما نوازش گردیدہ در تصرف خود داخل نماید تحریر شہر محرم سنہ ۱ھ

{یعنی سنہ ۱۱۶۷ھ}

(۲) فرمان[2] عالمگیر ثانی بنام راجہ جسا سنگھ اہلووالیہ، تحریر رمضان سنہ ۱۱۷۱ھ

مہر مربع (مٹی ہوئی)	طغرائی مربع (مٹا ہوا)

---

[1] اس فرمان کا ترجمہ رسالہ "کپورتھلہ سٹیٹ" میں نہیں ہوا۔

[2] کپورتھلہ سٹیٹ ص ۴۶

عقیدت و، خلاص دستگاہ لایق العنایت والاحسان جسا سنگھ بعنایت بادشاہانہ
مفتخر بودہ بداند کہ درین وقت فرمان ہمایون ظل سبحانی از افق مکرمت و قدردانی
شرف صدور یافتہ کہ عریضہ آن اخلاص دستگاہ از نظر انور گذشت وحسن خدمات آن
عقیدت نشان باعث مجرای او شد آنچہ تعلقات پرگنہ ہیبت پور یعنی فتح آباد وغیرہ
وتعلقات پرگنہ وتالہ مثل ستہیالہ[1] وکوٹ بہتاب وغیرہ وتعلقہ پرگنہ دیارہ[2] (کذا)
در تحت و تصرف شما است باید کہ بطور قدیم در تصرف آنعقیدت دستگاہ بودہ معاف
باشد از جاگیرداران قصبہ کہڑہ[3] وکہری کوتاہ نذورات بدستور جاگیرداران بے کم و
کاست می گرفتہ باشند وانکہ عقیدت انتباہ ہری سنگھ در ملک خود جنگ و فساد
بارعایا برپا می وارد خوب نیست باید کہ دست از فساد برداشتہ مزاحمت بخلایق
نرساند آن اخلاص دستگاہ را لازم کہ معرفت عالی جاہ رفیع[4] پایگاہ نواب زین اللہ زین
خان خود را در حضور انور حاضر سازد تا بدانموجب حکومت ومنصب آن عقیدت
نشان در ملک معین ومقرر باشد۔ تحریر بتاریخ ہفتم شہر رمضان المبارک سنہ
القدس مطابق سنہ ۳ جلوس میمنت مانوس[5]

(۳) فرمان[6] احمد شاہ درانی بنام راجہ جسا سنگھ اہلووالیہ، تحریر ۱۱ رجب سنہ ۱۱۷۴ھ

اللہ

طغرا | مہر

(نام)

عقیدت دستگاہ ارادت انتباہ راجہ جسا سنگھ آلو
چونکہ حسن ارادت خیر خواہی وسلوک طریق نیک خواہی آن منظور نظر مزاج مبارک
ومرغوب خاطر اشرف است۔ لہذا تعلقہ شمایان فتح آباد وغیرہ کہ از قدیم مرفوع القلم اند

---

[1] ترجمہ انگریزی میں اسکو ستہیالہ لکھا ہے۔ [2] ایضاً Daryarar
[3] اصل: رفیع ایگاہ۔ [4]
[5] یعنی تبیین۔ [6] کپورتھلہ سٹیٹ، ص

بدستور بطور شما است۔ والعنان (والآن؟) از وفور کرمت پادشاہی تعلقہ تپہ کہ در پرگنہ
ہتار است عنایت عوض میران پور گشتہ۔ دیگر آنکہ بسمع اقدس رسیدہ کہ ہری سنگھ
فتنہ و فساد در ملک خود دو بیگا (نہ) میکند۔ باید کہ اورا اصلاً و قطعاً دخل و تصرف نہ ہند
و در وطن مالوفہ کہ منالست اورا بکشند و اخلاص دستگاہ محمد حسین فرستادہ
شد بعضی امر مہم و مقدمات شایستہ بشما بیان خواہد نمود و براجہ ہائے دیگر ہم فرمان والا
شرف نفاذ یافتہ کہ تابع شما باشند و ہمراہ راجگان (و) راجہ پٹیالہ طریق اتفاق مرعی داشتہ
از خود رضامند دارند (و) بر حدود خود قائم و ثابت قدم دارند (و) ہموارہ عنایات والا را شامل
حال خود دانستہ مشغول شکر گذاری باشند،

المرقوم یازدہم رجب المرجب سنہ ۱۱۹۲

عرب کے مشہور جغرافیہ دان

حال ہی میں بیرن کارڈا دو نے فرانسیسی زبان میں Les Penseurs de l'Islam
کے نام سے ایک نفیس کتاب لکھی ہے۔ جس میں ہر علم و فن کے مسلمان مشاہیر کا تذکرہ
درج ہے۔ صوفی غلام مصطفےٰ صاحب اسکا ترجمہ اردو میں کر رہے ہیں۔ اصل کتاب
پانچ جلدوں میں ہے۔ دوسری جلد میں گیارہ باب میں علمائے جغرافیہ و ریاضیات و
حیل و ہیئت و طب و طبعیات و معدنیات و کیمیا کا ذکر ہے۔ جغرافیہ دانوں کا
حال اس جلد کے پہلے ۳ باب میں ہے۔ ذیل میں ہم باب اول کی فصل اول کا ترجمہ
جو صوفی صاحب نے ہم کو بغرض اشاعت بھیجا ہے۔ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔
قدیم ترین عرب جغرافیہ نگار: یعقوبی و غیرہ مشاہیر اصحاب جغرافیہ۔

Baron Carra de Vaux کا ترجمہ: Penseurs

ادریسی، ابو الفدا۔ یاقوت مصنف معجم البلدان ۔ عربوں کا علم جغرافیہ، دائرہ نصف النہار کی ایک قوس کی پیمائش ۔ ماہرین علم کائنات۔

فصل اوّل

عرب عرصۂ دراز سے کتاب جغرافیہ بطلیموس[1] سے واقف تھے، اور انہوں نے اس کتاب کے ایسے نسخے دیکھے تھے۔ جو رنگین نقشہ جات پر مشتمل تھے مسعودی[2] جو اس عالم کو غلطی سے شاہان مصر کے خاندان[3] بطالمہ میں شمار کرتا ہے۔ یوں رقمطراز[4] ہے۔

"یہ فیلسوف (بطلیموس) اپنی کتاب موسوم بہ "جغرافیہ" میں روئے زمین اور اسکے شہروں، پہاڑوں، سمندروں، جزیروں، اور دریاؤں اور منبعوں کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ مزروعہ علاقوں اور آباد شہروں کا بھی ذکر کرتا ہے، اور لکھتا ہے۔ کہ اسکے عہد میں ایسے شہروں کی تعداد ۴۵۳۰ تھی، وہ ہر شہر کو اقلیم وار بیان کرتا ہے اس کتاب میں روئے زمین کے پہاڑوں کو سرخ، زرد، سبز وغیرہ رنگوں میں ظاہر کیا گیا ہے، اور انکی تعداد دو سو سے زائد بیان کیجاتی ہے، بطلیموس پہاڑوں کی بلندی، معادن اور انکے قیمتی پتھروں کا بھی ذکر کرتا ہے"

اسکے بعد مسعودی سمندروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے،

---

[1] بطلیموس مصر کا باشندہ تھا، بعض کے نزدیک یہ یونان میں پیدا ہوا، یہ ایک مشہور حساب دان اور ہیئت دان تھا۔ اس نے ایک کتاب "جغرافیہ" بھی لکھی جو اسکی ہیئت دانی اور حساب دانی کا نتیجہ تھی۔ قریباً تیسری صدی عیسوی کے آغاز میں ہوا ہے۔ مترجم

[2] ابو الحسن علی ابن حسین ابن علی المسعودی نویں صدی عیسوی کے اواخر میں بغداد میں پیدا ہوا۔ اسکی زندگی اکثر سیر و سیاحت میں بسر ہوئی۔ اس نے اصطخر، ملتان، منصورہ، سیلون اور چین تک سفر کیا، آخری برس اپنے شام اور مصر میں گذارے۔ مترجم

[3] خاندان بطالمہ ۳۲۳ قبل مسیح سے قبل مسیح تک مصر میں حکمران رہا۔ اس خاندان کا بانی بطلیموس اسکندر اعظم کے معتمد سپہ سالاروں میں سے تھا، او دمقدونیہ کے امرا سے تھا۔ مترجم

[4] مروج الذہب ج ۱ ص ۱۸۳۔

"جغرافیہ[۱] میں ان سمندروں کو مختلف رنگوں میں ظاہر کیا گیا ہے جو بحیثیت وسعت وہیئت ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ انہیں سے بعض کی شکل طیلسان کی سی ہے بعض کی شابورہ[۲] یا آنت کی اور بعض مثلث ہیں۔ لیکن چونکہ یہ نام یونانی زبان میں ہیں اسواسطے بعید الفہم ہیں"

مسعودی نے یہاں سمندروں اور دریاؤں کی اشکال کا ذکر جو انکے پرانے نقشوں میں دیکھی ہیں۔ اور جو بالکل سادہ اور بعض اوقات ہندسی ہیں۔ واضح طور پر کیا ہے، ان میں بعض جگہ بحیرۂ روم کی شکل مستطیل کی سی ہے، اور دہانۂ نیل مثلث اور دریائے نیل ایک موٹی سیدھی لکیر کی مانند ہے جو منبع کی جانب کئی شاخوں میں منقسم ہو جاتی ہے، ہر شاخ ایک سیدھا خط ہے جو ایک دائرہ سے خروج کرتا ہے، بحر محیط کو جو زمین کے گرد احاطہ کئے ہوئے ہے، ایک ایسے دائرہ میں ظاہر کیا گیا ہے جو پرکار سے کھینچا گیا ہو۔

مسعودی نے مارینوس[۳] صوری کی کتاب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ جو اب ضائع ہو چکی ہے، وہ خلیفہ مامون الرشید کے عہد کے عربی جغرافیہ نگاروں کی تصنیفات سے بھی واقف تھا۔ اور انکو تحسین کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ لکھتا ہے :-

"میں نے بہت سی کتابوں میں اقالیم کے نقشے مختلف رنگوں میں دیکھے ہیں، اس موضوع پر بہترین کتاب جو میری نظر سے گذری ہے۔ وہ مارینوس کا جغرافیہ ہے۔ اور مامون الرشید کا وہ نقشہ جو اسی خلیفہ کیلئے تیار کیا گیا تھا، مامون الرشید کے عہد کے بہت سے ارباب فضل و کمال نے اس نقشے کی تکمیل میں حصہ لیا تھا، اس نقشے میں دنیا، اسکے افلاک، اسکے سیارے، بر اعظم اور سمندر، آباد علاقے اور ویرانے، مختلف اقوام

---

[۱] بطلیموس کی کتاب جغرافیہ کا نام (مترجم) [۲] بقول ڈوزی یہ لفظ شبور یا شبّور کے معنوں میں ہے جسکا اطلاق ایک قسم کی مچھلی پر ہوتا ہے۔ ابو الفدا نے اپنے جغرافئے میں لکھا ہے :- فاصحاب الجغرافیا اصطلاح فی تعریف البحور یقولون بیستد کا لقوارہ وکالشابورۃ وکالطیلسان ونحو ذلک، غالباً کالشابورہ سے ایسی خلیجوں کو ناز کی مقصود ہے۔ جو خشکی کیطرف زاویہ منفرجہ بناتی ہیں اور اس اعتبار سے دہن ماہی کے مشابہ ہیں۔ ملاڈیٹر
[۳] قصہ تشبیہ دار اشرف مارینوس بطلیموس سے کچھ عرصہ پہلے ہوا ہے، دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے اور وہ جغرافیہ کا بانی تھا۔ (مترجم)

کے ممالک اور شہر دکھائے گئے ہیں، موخرالذکر کتاب، بطلیموس، مارینوس، اور دیگر متقدمین کی کتب جغرافیہ سے جو اس سے پیشتر لکھی جا چکی ہیں احسن و خوبی میں سبقت لے گئی ہے"

بطلیموس کی کتاب "جغرافیہ" کا ترجمہ عربی زبان میں سب سے پہلے ثابت بن قرہ نے کیا (۲۲۱ھ — ۲۸۸ھ) قدیم ترین عربی جغرافیہ نگار جنکی تصنیفات مطالعہ کیلئے موجود ہیں، یعقوبی اور خردادبہ ہیں مقدم الذکر کو مسلمانوں میں علم جغرافیہ کا موجد سمجھنا چاہیئے کیونکہ متاخر جغرافیہ نگار بالخصوص ادریسی اور ابوالفدا نے اسی کی کتب سے استفادہ کیا ہے، مصنف نے یہ کتاب ۲۷۵ھ میں لکھی وہ ۲۹۲ھ میں زندہ تھا،

یعقوبی فطرۃً جغرافیہ دان تھا وہ خود ہی اپنی تصنیف کتاب البلدان کے شروع میں اپنے ابتدائی حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اوائل شباب سے لیکر اسوقت تک جبکہ دماغ میں تفحص و فطانت زیادہ ہو گئی ہے۔ مجھے ممالک کی تاریخ اور انکے جغرافی حالات دریافت کرنے کا بیحد شوق تھا، کیونکہ بچپن ہی سے میں نے دُور دراز کے علاقوں کے سفر کئے تھے، جب کبھی بھی مجھے کسی دور کے علاقے کے باشندے سے ملنے کا اتفاق ہوتا تو میں اُس سے اُسکے وطن کا نام پوچھے بغیر نہ رہ سکتا، بعدازآں میں وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کرتا کہ وہ عرب تھے یا عجمی، اُن کی زراعت کیا تھی، وہ اپنے مشروبات کہاں سے حاصل کرتے تھے۔ لباس کا کیا انتظام تھا، وہ کس فرقہ سے متعلق تھے۔ اور ان کا حاکم کون تھا، پھر میں اُسکے ملک کی وسعت کے بارے میں سوال کرتا اور ملحقہ علاقوں اور ممالک کے نام پوچھتا، اگر وہ شخص معتبر معلوم ہوتا تو میں اُسکے جوابات کو قلمبند کر لیتا، اسیطرح میں شرق و غرب کے متعدد باخبر لوگوں سے ایام[1] حج اور دیگر اوقات میں

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج میں مسلمانوں کا یہ اجتماع عظیم نہ صرف مذہبی اہمیت رکھتا تھا بلکہ مختلف اسلامی ممالک میں تجارتی و تمدنی تعلقات پیدا کرنے کا ایک بڑا ذریعہ تھا، اصحاب سیر و سیاحت، مورخین و مصنفین ضروری معلومات بہم پہنچانے کیلئے اسے زرین موقع تصور کرتے۔ (مترجم)

سوالات کرتا اور اخبار و روایات کو لکھتا، میں خلفا اور اُمراء، اُنکے مفتوحہ ممالک اور فوجی
ذ آبادیوں اور وہاں کے خراج و محصول کے حالات درج کرتا رہا، چنانچہ ہر ایک ملک
کے متعلق ضروری کوائف درج کرکے ایک بڑی مدت کے بعد یہ کتاب تیار ہوئی -
الحاصل میں نے ان تمام تحریرات کے متعلق ممالک کی تاریخ کا خلاصہ تیار کر لیا جسطرح
فقیہ اور ادیب، فقہ و نحو، لغت اور علم ادب پر مختصرات تیار کرتے ہیں "

اسکے بعد یعقوبی لکھتا ہے :-

"میرا ارادہ تہا کہ شہروں اور ملکوں کے نام اور اُنکی آبادیوں اور حاکموں کے علاوہ
شہروں کے درمیانی فاصلوں دور اسلامی میں اُنکے فاتحین، سال فتح، زمینوں کے
خراج، علاقوں کی طبعی حالت، یعنی وہ میدانی ہیں یا کوہستانی، بری ہیں یا بحری
(ساحلی) انکی آب ہوا، کی خشکی تری، پانی کے بہاؤ کا رُخ اور انکے منابع و مشارب
کا بھی ذکر کروں "

مذکورہ بالا عبارت سے مترشح ہے کہ ہمارے مصنف کے تصور میں علم جغرافیہ کا دائرہ
نہایت وسیع تھا، وہ بیشتر ہی سے اُس علم سے مطلع تھا جسکو ہمارے معاصرین
جغرافیہ انسانی[1] کے نام سے تعبیر کرتے ہیں - اس امر کا اندازہ کرنے کیلئے کہ یعقوبی نے
اپنے لائحہ عمل کی تکمیل کسطرح کی ہم ذیل میں وہ عبارت درج کرتے ہیں جو اُس نے
اپنے صوبے برقہ (افریقہ) اور اُسکے متصل ریگستان کے متعلق لکھی ہے :-

"شہر جسکا قدیمی نام پنٹاپولس تہا اور جسکو عمرو بن عاص نے فتح کیا ایک ایسے وسیع
میدان میں واقع ہے جسکی سرزمین گہرے سرخ رنگ کی ہے، خلیفہ متوکل کے حکم
سے اسکے گرد فصیل کھڑی کردیگئی۔ اور آہنی دروازے لگائے گئے۔ فصیل کے ساتھ
ساتھ خندق کھودی ہوئی تھی۔ خلفا اور ولاۃ کے حکم کے مطابق بارش کے پانی کو جو
پہاڑوں سے چھوٹی چھوٹی ندیوں کی صورت میں بہکر آتا تھا۔ ایک بڑے تالاب میں جمع کر لیا
جاتا تاکہ لوگوں کیلئے آب خوردنی کا کام دے سکے گرد و نواح کے شہر اور خاص بادیہ میں

[1] Human geography. ط

قدیم جُندکی اولاد اور دیگر لوگ آباد ہیں، اس علاقے سے متعلق دو بندرگاہیں جُحیہ اور طَلمُویہ ہیں اجیہ چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہاں ایک عظیم الشان عبادتخانہ، ہوٹل اور فارم ہیں شہر کے گرد باغات، خیابان اور مرغزار ہیں۔ دوسری بندرگاہ طلمویہ کے قریب سال کے صرف خاص خاص موسموں میں جہازرانی ہوسکتی ہے۔ اس علاقے میں خراج اراضی خلیفہ ہارون الرشید کے قائم کردہ قوانین کے مطابق جمع کیا جاتا ہے۔ اس خلیفہ نے اپنے مولی بشّار کو بھیجا کہ تمام علاقے کی زمینوں پر چوبیس ہزار دینار خراج لگائے۔ جو بحصہ رسدی لوگوں سے وصول کئے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ پندرہ ہزار دینار عشر زکوٰۃ اور جزیہ کے صیغہ جات سے وصول ہوتے تھے اس رقم میں کبھی اضافہ ہوتا اور کبھی کمی واقع ہوجاتی تھی»

یعقوبی ایک سنجیدہ اور متین مصنف ہے وہ اپنے معاصر خُردادبہ اور دیگر مشرقی اصحاب جغرافیہ کی طرح بعید از عقل افسانوں اور حکایتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں۔ کہ شہروں کے درمیانی فاصلوں کی پیمائش میں ابن خُردادبہ اس سے زیادہ صحیح ہے یعقوبی فاصلوں کو منزلوں کے حساب سے اور ابن خُردادبہ میلوں کے حساب سے ظاہر کرتا ہے۔

ابن خُردادبہ ایک زردشتی نومسلم کی اولاد سے تھا، وہ صوبہ جبال میں محکمہ برید واحتساب کا افسر اعلیٰ تھا۔ بعد میں خلیفہ معتمد کا مقرب ہوگیا۔ ہم اسکی نہایت عمدہ تصنیف المسالک والممالک[1] کیلئے اُسکے ممنون ہیں۔ جو اس نے ۲۳۰ھ اور ۲۳۲ھ کے درمیان لکھی اور جس میں مقامات کے درمیانی فاصلے، اُنکے محاصل، خاصکر دجلہ اور فرات کے درمیانی اضلاع کے خراج کی تفصیل درج ہے، ہم اُسکا ذکر کسی اور جگہ بحیثیت ایک ماہر موسیقی کے کرینگے۔

قدامہ پہلے عیسائی تھا بعد میں مسلمان ہوگیا، اُسکی تصنیف حسابِ کتابت یعنی بہی کھاتہ کے متعلق ہے، یہ رسالہ کاتبوں کیلئے دستورالعمل کا کام دیتا ہے، اُسکا عنوان کتاب الخراج بھی ہے۔ اس میں سرکاری دفاتر اور نظام حکومت کے متعلق بہت سی معلومات ہیں۔ اور ڈاک کے

---

[1] اس کتاب کے چند اقتباسات (Biblio-theca G. Arab) میں شائع ہوچکے ہیں۔

راستوں کی تفصیلات درج ہیں، اس کتاب کا سن تصنیف ۲۶۷ھ ہجری مطابق ۸۸۰ء عیسوی ہے۔ وہ ۳۱۰ھ (۹۲۲ء) میں فوت ہوا۔

الجیہانی ۲۷۹ھ اور ۲۹۵ھ کے درمیان سامانیوں کا وزیر تھا۔ اسنے بہت سی معلومات خصوصاً دریائے سندھ کے متعلق بہم پہنچائیں، بلاشبہ یہ بات ان ممالک کو فتح کرنے کے خیال کو ظاہر کرتی ہے۔ اسکی کتاب جو اب ضائع ہو چکی ہے۔ ابن الفقیہ نے از سرنو مختصر طور پر ترتیب دی ہے۔

اصطخری نے تقریباً ۳۴۰ھ میں کتاب الاقالیم تصنیف کی جس میں ہر ایک ملک کیلئے ایک علیحدہ باب مخصوص ہے۔ اور ہر باب میں ایک رنگین نقشہ دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو ۱۸۳۹ء میں جے۔ ایچ۔ ملر نے ڈیوک آف سیکسی گوتھا[1] کے کتبخانہ کے ایک قلمی نسخے سے نقل کرکے شائع کیا، اسکا نقشہ بھی جو بہت سیدھا سادھا ہے۔ لیتھو گرافی کے ذریعہ نہایت صحت کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ ابن حوقل نے ابن خردادبہ، قدامہ اور جیہانی کی تصنیفات کے مطالعہ کے بعد ۳۳۱ھ میں دنیائے اسلام کا سفر شروع کیا، دریائے سندھ کی وادی میں اسکی ملاقات اصطخری سے ہوئی، اصطخری نے اپنی کتاب اسے دی ابن حوقل نے اسمیں کچھ اصلاح کی، اسکی اپنی ایک تصنیف (المسالك والممالك) ہے جسکی بنیاد اصطخری کی کتاب پر ہے، یہ کتاب ۳۶۶ھ میں ختم ہوئی۔ اسمیں ہر ایک ملک کا نقشہ دیا ہوا ہے، ان دونوں جغرافیہ نگاروں کی کتابیں نہایت مقبول ہوئیں۔ مہلبی نے دسویں صدی عیسوی کے اخیر میں ایک کتاب علم جغرافیہ پر فاطمی خلیفہ عزیز باللہ شاہ مصر کیلئے لکھی۔ بکری بھی خاصا معروف مصنف ہے، اسکی زندگی اشبیلیا میں شاہان آل عبّاد کے دربار میں۔ اور بعد از آں المیرہ میں بسر ہوئی جہاں وہ عہدہ وزارت پر متمکن تھا، اسنے بھی ایک کتاب المسالک والممالک کے نام سے لکھی ہے جسمیں ہسپانیہ اور مغرب کے حالات نہایت توضیح کے ساتھ درج کئے ہیں۔ اسکا سن وفات ۴۸۷ھ ہے۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

---

(1) Duke of Saxe Gotha.

یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ یہ حدیث کی گران قدر تصنیف ہے۔

مولانا معین الدین عمرانی: مولانا فاضل متبحر تھے۔ سارے شہر دہلی کو ان سے عقیدت اور نیاز مندی تھی۔ آپ کو سلطان کے دربار میں رسائی حاصل تھی۔ ایک دفعہ سلطان نے، مولانا کو قاضی عضد مصنف شرح مواقف کو ہندوستان بلوانے کے لئے شیراز روانہ کیا۔ مولانا کی تصانیف یہ ہیں۔ حواشی (۱) کنز (۲) حسامی (۳) مفتاح[1]

مولانا کمال کریم: ان کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ البتہ ان کی ایک تصنیف فقہ میں ہے۔ اس کا نام "مجموعہ خانی" ہے۔ کتاب قتلغ خاں حاکم دولت آباد کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں غلط قیاس کیا گیا ہے[2]۔ اس کتاب کے دو نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔

شرف الدین منیری: شیخ منیری بھی سلطان کے معاصر ہیں۔ ان کے مکتوبات کئی جلدوں میں ہیں۔ اور تصوف اور سلوک کا ایک بیش بہا ذخیرہ تصور کئے جاتے ہیں۔

ہم نے صرف ان مشاہیر اور تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ جو وقت کے سربرآوردہ لوگوں اور کتابوں میں سے ہیں۔ اسلئے ہم نے بالارادہ بعض غیر اہم لوگوں کو نظر انداز کیا ہے۔

سید محمد عبداللہ ایم۔ اے
ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب
یونیورسٹی

---

[1] اخبار الاخیار، ۱۱۶؛ ماثر الکرام۔ ج ۱، ص ۱۸۴۔
[2] انڈیا آفس لائبریری کیٹالاگ، عدد ۲۵۷۲۔

خزائن مخطوطات

کتاب خانہ پنجاب یونیورسٹی

حصّہ نظم

(گذشتہ سے پیوستہ)

۶۸۔ دیوان شرف جہان۔ دیکھو بانکی پور، ج ۲۔ صفحہ ۲۳۸۔

{اوراق ۲۳۲، سطور ۱۵، کالم ۲ در حصہ آخر شکستہ۔ داغدار۔ تقطیع ۸½ × ۵½}

مرزا شرف بن حسن قزوینی معروف بہ قاضی جہان بن سیف الدین حسینی (المتوفی مابین ۹۶۸ — ۹۷۰) ھ کا دیوان۔ کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

۶۹۔ دیوان مخلص۔ دیکھو ریو ص۸۰۲

{اوراق ۹۲۔ سطور ۱۵، شکستہ۔ داغدار۔ تقطیع ۸ در ۴½ : ۵½ × ۲½}

مرزا محمد مخلص کا دیوان جو سلطان حسین مرزا کے دربار میں تھے۔

کاتب محمد انصار اللہ۔ تاریخ کتابت ۱۱۶۷ھ بمقام لاہور۔

مسلک الاخیار۔ دیکھو بوہار لائبریری کیٹالاگ ج ۱، ص۱۵۱۔

{اوراق ۸۱۔ سطور ۱۵۔ نستعلیق۔ قدرے کرم خوردہ۔ تقطیع ۷ × ۱۰½؛ ۴ × ۲½}

شیخ یعقوب صرفی کاشمیری کی مثنوی مسلک الاخیار (۹۹۳ھ)

کاتب۔ بہاؤ الدین۔ تاریخ کتابت۔ رجب ۲۸۸ھ۔

۷۱۔ دیوان محتشم۔ دیکھو ریو ص۶۶۵۔

{اوراق ۱۱۱، سطور ۱۵، نستعلیق۔ تقطیع ۸ × ۴½؛ ۶ × ۳}

مولانا محتشم کاشی المتوفی ۹۹۶ھ کا دیوان ۔ المعروف بہ شبابیہ ۔
تاریخ کتابت و کاتب ندارد ۔

۷۲ ۔ دیوان عرفی ۔ دیکھو ریو ص۶۶۷ ۔
{اوراق ۲۱۳ ۔ سطور ۱۷ ۔ نستعلیق بد خط ۔ داغدار ۔ قدرے کرم خوردہ ۔ تقطیع ۹×۵½ : ۶×۳}
مولانا سید محمد عرفی شیرازی المتوفی ۹۹۹ھ کا دیوان ۔
کاتب ۔ ...... (مجروح) ولد شیخ صدر جہان ساکن شہر سندیلہ ۔ تاریخ کتابت ۔ رجب ۱۰۳۵ھ

۷۳ ۔ قصائد عرفی ۔ {اوراق ۱۰۱ ۔ سطور ۱۵ ۔ نستعلیق ۔ حاشیہ پر نوٹ ۔ تقطیع ۱۰×۶ : ۷×۳½}
عرفی کے قصائد مع مقطعات، ترکیبات و ترجیعات ۔
کاتب ۔ محمد افضل ۔ تاریخ کتابت ۔ محرم ۱۲۵۳ھ ۔
قصائد کا ایک اور معمولی نسخہ ۔ اوراق ۱۱۷ ۔ سطور ۱۳ ۔ تقطیع ۹½×۶½ : ۶×۳½ }

۷۴ ۔ مفتاح النکات ۔ دیکھو ریو ص۶۶۸ ۔
{اوراق ۱۱۲ ۔ سطور ۲۱ ۔ شکستہ آمیز ۔ تقطیع ۱۱×۶ : ۸×۴}
قصائد عرفی کی شرح (۱۰۷۳ھ) مصنفہ میرزا جان بن فخر الدین محمد ۔
تاریخ کتابت و کاتب ندارد ۔
ایک اور معمولی نسخہ بھی ہے ۔

۷۵ ۔ دیوان فیضی ۔ دیکھو ریو ص۴۵۰ ۔
{اوراق ۲۴۷ ۔ سطور ۱۷ ۔ شکستہ آمیز ۔ داغدار و مجروح ۔ تقطیع ۱۰½×۶½ : ۷×۴½}
شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی المتوفی ۱۰۰۴ھ کا دیوان ۔ تاریخ کتابت ۱۲۲۵ھ ۔

۷۶ ۔ داستان اکبر بادشاہ ۔ {اوراق ۵ ۔ سطور ۱۵ ۔ تقطیع ۱۱×۶½}
شیخ فیاضی کی ایک مثنوی جس میں اکبر اور سپہدار محمد حسین کی جنگ کے ۔ ۔ ۔ ۔ حالات ہیں ۔
اس کا آغاز یوں ہے :۔

[1] دیکھو ریو ص۱۰۳۱؛ دربار اکبری ص۳۹۴؛ ادبِ ۔ ۔ ۔

چو سلطان انجم زخاور زمین　　برسم عرب گشت محمل نشین

کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

۷۷۔ نل و دمن۔ دیکھو ریو صفحہ ۶۷۰۔

{اوراق ۸۴۔ کالم ۲۔ سطور ۲۲۔ نیم شکستہ۔ تقطیع ½۹ × ۵: ۷ × ۳}

شیخ فیضی کی مثنوی نل دمن (۱۰۰۳ھ)

کاتب ندارد۔ تاریخ کتابت۔ صفر ۱۰۶۲ھ۔

۷۸۔ مثنویات: {اوراق ۷۰۔ سطور متن ۱۵ حاشیہ ۲۴ نیم شکستہ ناقص وسط میں سے تقطیع ۸ × ۵: ۶ × ½۲}

اس مجموعے میں دو مثنویاں ہیں (۱) مرکز ادوار فیضی (۲) مجمع الابکار عرفی۔

حاشیہ پر "محمود و ایاز" زلالی کے چند ٹکڑے ہیں۔

تاریخ کتابت۔ محرم ۱۱۶۷ھ۔ بمقام لاہور۔

۷۹۔ دیوان ظہوری۔ دیکھو۔ ریو صفحہ ۶۸۹۔

{اوراق ۲۷۲۔ سطور ۱۷۔ خوشخط نستعلیق۔ حاشیہ مطلا۔ تقطیع ½۹ × ½۵: ½۶ × ۳}

ملا نورالدین محمد ظہوری ترشیزی (مقتول ۱۰۲۴ھ یا ۱۰۲۵ھ) کا دیوان۔

تاریخ کتابت ندارد و نام کاتب ندارد۔

دو اور معمولی نسخے بھی ہیں۔

۸۰۔ قصائد ظہوری۔ {اوراق ۲۲۸۔ سطور ۱۵۔ نستعلیق۔ تقطیع ½۸ × ۴: ۶ × ۲}

قصائد کا ایک ناقص نسخہ۔ ناقص الآخر۔

۸۱۔ ساقی نامہ۔ دیکھو ریو صفحہ ۶۷۸۔

{اوراق ۱۲۶۔ سطور ۱۴۔ نستعلیق۔ قدرے کرم خوردہ۔ تقطیع ½۹ × ½۵: ½۶ × ۳}

ملا ظہوری کا ساقی نامہ در مدح برہان نظام شاہ ثانی۔

کاتب۔ پریم ناتھ کول دیوان ناتھ مل۔ تاریخ کتابت۔ دسمبر ۱۸۵۰ء۔ بمقام لاہور۔

ساقی نامہ کا ایک اور نسخہ حال میں کلکتہ سے حاصل ہوا۔

۸۲ - محمود و ایاز - دیکھو ریو ص۶۷۷ ۔

{اوراق ۴۲، سطور ۱۵، نیم شکستہ۔ سرلوح مطلا۔ تقطیع ۸ × ۴½ : ۶ × ۳}

مولانا زلالی خوانساری (المتوفی ۱۰۲۵ھ) کی مثنوی محمود و ایاز۔

کاتب محمد جعفر بن شیخ مشتاق محمد۔ تاریخ کتابت۔ شوال ۱۱۵۳ھ۔

ایک اور معمولی نسخہ بھی ہے۔

۸۳ - نان و حلوا - د[یکھو ریو] ص۶۷۹ ۔

{اوراق ۱۳، سطور ۱۵، نستعلیق۔ تقطیع ۹ × ۵½ : ۶ × ۳}

شیخ بہاؤالدین عاملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی نظم نان و حلوا۔

کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

۸۴ - دیوان محسن - {اوراق ۱۱۴، سطور ۱۵، کچھ حصہ حاشیہ پر لکھا ہوا ہے۔ خوشخط نیم شکستہ۔ سرلوح مطلا۔ قدرے کرم خوردہ۔ تقطیع ۹ × ۵ : ۶ × ۳}

اس دیوان کا اور کوئی نسخہ کسی فہرست میں نظر سے نہیں گذرا۔ دیوان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا نام 'ابوالحسن' محسن ہے۔ آغاز یوں ہے:-

زہے کمال تو زآثار این و آن پیدا ۔۔۔۔ جمال تست زہر ذرۂ جہان پیدا

شاعر کے حالات زندگی بھی کسی ماخذ سے نہ مل سکے۔ دیوان سے اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نذر محمد خان والئے بلخ کے دربار کا شاعر ہے۔ اسلئے کہ تمام قصیدے نذر محمد خان کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ وہ ہندوستان کا باشندہ ہے۔ چنانچہ ان اشعار سے پتہ چلتا ہے۔[۱]

بغیر من کہ ز ہندوستان زمین شدہ ام ۔۔۔۔ بخاک بوسئے درگاہ شاہ جم مقدار

دیوان کے پڑھنے سے جو حالات مستنبط ہوتے ہیں۔ وہ محسن فانی کے حالات زندگی سے

---

[۱] یہ بیان خالی از اشتباہ نہیں۔ اڈیٹر

مشابہ ہیں۔ لیکن بہ یقین نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہ محسن فانی ہی کا دیوان ہے۔
یہ نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ تاریخ کتابت رمضان ۱۰۳۲ھ۔

۵ ۔ دیوان جلال اسیر ۔ دیکھو ۔ ریو ص ۶۹۱ ۔

{ اوراق ۲۱۴ ۔ سطور ۱۳ تا ۱۶ ۔ ن تعلیق ۔ کرم خوردہ ۔ تقطیع ۸ × ۴ ۱۴ × ۵ ۱/۲ ۲ }

میرزا جلال اسیر المتوفی ۱۰۴۹ھ کا دیوان۔
کاتب و تاریخ کتابت ندارد۔

سید محمد عبد اللہ ایم۔ اے۔ ریسرچ سٹوڈنٹ
پنجاب یونیورسٹی۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

علی گڑھ میگزین کا کانوو کیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوگا۔ اس پرچہ میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز پردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شائع ہونگے۔ اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی۔ اور اُردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا۔
تمام اہل علم و ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہے۔ استدعا کی جاتی ہے۔ کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ مضامین اور حصہ نظم اڈیٹر صاحب علیگڈھ میگزین مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہونچ جانا چاہئیں۔

شیخ ابو علی الحسین ابن سینا کے فلسفہ پر ایک سرسری نظر

مختصر حالات زندگی

یہ نامور حکیم ۹۸۰ عیسوی میں بمقام افشنہ مضافات بخارا میں پیدا ہوا اس کا خاندان سیاسی خدمات کی وجہ سے پہلے ہی سے ممتاز تھا۔ ابتدا میں اس نے اپنے علاقے میں رہ کر خانگی طور پر مذہبی اور علمی تعلیم حاصل کی۔ جہاں ان دنوں ایرانی رسوم اور دیگر غیر مسلم مذاہب کا رواج زوروں پر تھا۔ سن رُشد سے پہلے ہی۔ ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا۔ فلسفہ اور طبّ کی تحصیل کے لئے بخارا کا رُخ کیا۔ جو اُس زمانہ میں اسلامی تعلیم کا مرکز اور علمی ترقی اور مذہبی خصوصیّات کی وجہ سے قُبّۃ الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ سترہ برس کی عمر میں نوح ابن منصور سامانی بیمار ہوا۔ اس نے اسکا معالجہ کیا۔ جس میں وہ کامیاب ہوا۔ بادشاہ نے خوش ہوکر اسے شاہی کتب خانہ کے استعمال کی اجازت دے دی۔ شیخ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ اور تتبّع اور تفحّص کتب اور تجربات سائنس کی طرف نہایت سرگرمی کے ساتھ متوجہ ہوگیا۔ اس اہم کام میں اسکی خداداد قابلیت نے اُسے کامل رہنما کا کام دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے زمانہ کی علمی زندگی اور جودتِ مذاق سے آگاہ ہوکر معلومات کا قابلِ قدر ذخیرہ بہم پہنچایا۔ چونکہ قدرت نے اسکی طبیعت میں سیاسی معاملات کی قابلیّت ودیعت رکھی تھی۔ اسلئے اُسنے بعض دُول اسلامیہ کے اہم معاملات میں

دخل دے کر ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا۔ مگر با ایں ہمہ اسکی طبیعت میں اسقدر استغنا و سیر چشمی رکھا تھا کہ جسطرح اُسنے علمی کمالات کے مدارج طے کرنے میں کسی اُستاد کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا تھا اسی طرح اُسنے دنیوی اعتبارات کے لالچ میں آکر کبھی کسی فرمانروائے ملک کے حضور میں سر تسلیم خم نہیں کیا۔ جہاں ایک دربارِ شاہی سے الگ ہوا جھٹ دوسرے سے جا وابستہ ہوا۔ کبھی تو وہ انتظامِ ملکی میں مصروف دیکھا جاتا۔ اور کبھی علمی خدمات۔ تعلیم و تعلّم تصنیف و تالیف میں مصروف پایا جاتا۔ حتّےٰ کہ رفتہ رفتہ وہ ہمدان میں شمس الدّولہ کا وزیر بن گیا۔ جسکی وفات پر اسکے بیٹے نے شیخ کو چند ماہ کیلئے نظر بند رکھا۔ قید سے رہائی پاکر اصفہان میں علاؤ الدولہ کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ آخرکار جب شاہ مذکور نے ہمدان کو فتح کیا تو شیخ وہاں سے واپس چلا آیا۔ اور وہیں ۱۰۳۷ء میں ستاون ۵۷ سال کی عمر پاکر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر چل بسا۔ جہاں آجتک اُسکا مزار مرجعِ زوّار ہے۔

شیخ کے فلسفہ کی نوعیت اور اسکے عام خیالات پر تبصرہ

یہ خیال کہ شیخ نے فلسفۂ ارسطو کی اصلیّت کو فارابی کی نسبت زیادہ فروغ دیا ایک تاریخی غلطی ہے۔ مگر یہ امر سخت موجبِ حیرت ہے کہ اکابر مصنفین اسلام نے بھی اس اہم واقعہ کے قلمبند کرنے میں اس قابل افسوس غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ شیخ بڑا زیرک اور زمانہ کی روش کو سمجھنے اور عالمِ کائنات کے واقعات میں غور و خوض کرنے کا قدرتی طور پر دلدادہ اور کورانہ تقلید سے سخت متنفر تھا۔ اسلئے وہ کسی خاص سلسلۂ خیالات میں کسی خاص شخص کے اصول کا مقلّد نہیں ہو سکتا تھا وہ اپنے طبعی مذاق کے مطابق جس امر کو مستحسن خیال کرتا بلا مضائقہ اخذ کر لیا کرتا تھا۔

اور ابتدائے آفرینش سے ہر ایک محقق ہمیشہ اسی اصل کا پابند رہا ہے۔ وہ مقولہ۔ الحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ المُؤمِن... الخ (دانش مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں بھی اُسے ملے لے لے) کو اپنی عملی زندگی کا نصب العین بنائے رہا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علمی دُنیا کی ایک برگزیدہ ہستی تسلیم کیا گیا۔ اس نے مشرقی دنیا میں فلسفہ کے مذاہبِ مختلفہ کی چھان بین کرنے اور انکی تطبیق میں ایک ایسی خصوصیت حاصل کی جس سے آجتک وہ اکابر مصنفینِ اسلام کا قافلہ سالار تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسیطرح اُس نے موادِ مختلفہ کی ترکیب اور انکی جمع و ترتیب میں ایک ایسی جدّت پیدا کی کہ جس سے وہ مضامین ایک عام فہم عبارات میں مرتب ہو گئے۔ مگر بایں ہمہ کہیں کہیں اسکی عبارات میں سوفسطائیہ رنگ کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ شیخ اپنی زندگی کے ایک لمحہ کو بھی ضائع کرنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ جہاں وہ تمام دن اُمورِ سلطنت اور انتظامِ مملکت یا تعلیمِ تلامذہ میں مشغول رہتا۔ رات کو بزمِ عیش و عشرت کے لطف اُٹھانے میں بھی کوتاہی نہ کرتا۔ بسا اوقات وہ ایک ہاتھ میں جامِ شراب اور دوسرے میں کوئی دلچسپ کتاب لئے ہوتا۔ ؎

یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار
رقص ایں چنیں میانۂ میدانم آرزو است

وہ ہمیشہ دُر باللّیالی کَمَا تَدُوْرُ کے اصول کو مدِّنظر رکھتا تھا۔ اور کبھی مقتضائے وقت سے غافل نہیں رہا۔ چنانچہ دربارِ شاہی سے وابستہ ہونیکی صورت میں بھی وہ اپنی مشہور کتاب قانونِ طب یا۔ فلسفہ کا انسائیکلو پیڈیا تصنیف کرتا نظر آتا۔ اور سفر میں بھی کسی نہ کسی علمی تحقیق میں مصروف پایا جاتا۔ چنانچہ اکثر رسالہ جات کی تصنیف اس نے ایسے ہی حالات میں سرانجام دی۔ ایّامِ قید کی وہ نظمیں جن سے اُسکے طبعی جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ بہت ہی دلکش ہیں۔ ان نظموں

میں مذہبی رنگ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اُسکے کلام کے ناظرین اسباب پر آگاہ ہو سکتے ہیں۔ کہ اسکی منظومانہ مقالات میں بھی شاعرانہ تخیلات کا عنصر زیادہ نظر آتا ہے۔ اُسکے کلام میں طبعی، منطقی، طبی مضامین کی نظمیں بھی جو شاعرانہ تخیلات سے بالکل عاری خیال کئے ہیں اکثر نظر آتی ہیں (ایسی نظموں کا رواج دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوا) وہ عربی۔ فارسی زبانوں میں بلا تکلف فصیح و بلیغ منظوم کلام لکھ سکتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو ہر ایک فن میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اسکے حالات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ غیر معمولی طور پر ایک ایسی ہستی کا مالک تھا کہ جس نے تمام عمر اسے جدّ و جہد اور عیش و عشرت سے کبھی علیحدہ ہونے نہیں دیا۔ ڈاکٹر بوئر کا خیال ہے کہ تالیف قلوب کی رُو سے وہ مشہور فارسی شاعر فردوسی اور ملکہ تفحص علمیہ میں اپنے ہمعصر حکیم ابوریحان البیرونی کی برابری نہیں کرسکتا مگر اسکے برخلاف میرا خیال یہ ہے کہ یہ رائے چنداں قابلِ التفات نہیں۔ کیونکہ فردوسی صرف شاعرانہ حیثیت رکھتا تھا۔ اور مذہب میں کبھی اسنے اظہارِ خیالات نہیں کیا۔ اور البیرونی صرف علمی تحقیق کے میدان میں گامزن نظر آتا ہے۔ مگر شیخ نے مذہبی عقاید میں دخل دیا۔ اور علمائے وقت کو اپنے مخالف بنالیا۔ ایسی صورت میں اس کا تالیف قلوب میں کامیاب نہ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ علاوہ ازیں فردوسی نے جو کچھ کیا محض دُنیوی لالچ کی غرض سے کیا۔ اور شیخ نے علمی خدمات کے سرانجام دینے میں کبھی کسی قسم کی دنیوی غرض کو ملحوظ نہیں رکھا۔ بلکہ وہ آزاد و حکیمانہ زندگی بسر کرنے کا دلدادہ تھا اور یہی رائے صحیح ہے۔ البیرونی کی تحقیقات کا دائرہ تاریخ اور ریاضیات تک محدود ہے۔ شیخ ہر ایک علمی میدان میں بڑی کڑی منزلیں طے کرتا نظر آتا ہے۔ شیخ اپنے زمانہ کی علمی تحریکات کا کامل نمونہ تھا۔ اور اسی وجہ سے اسکی شخصیت نے اسکی علمی اور تاریخی تصانیف کو ایک خاص اہمیت دے رکھی ہے۔ وہ فارابی سی راہبانہ زندگی

غور تھا۔کیونکہ فارابی ارسطو کی تشریحات میں ہمہ تن محو ہو چکا تھا۔اور شیخ نے اپنی تحقیقات
کے وسیع دائرہ میں یونانی فلسفہ اور ایشیائی حکمت کو ایسے طور پر ملالیا تھا کہ جس سے وہ
بجائے خود ایک محقق کہلانے کا مستحق ہو گیا۔فلسفیانہ تحقیقات میں ہمیشہ تغیرّ و تبدّل
ہوتا رہتا ہے۔اسلئے اقتضائے وقت نے شیخ کو اس امر کی طرف متوجہ کردیا کہ وہ اپنے
لئے پہلے مصنفینِ فلسفہ سے الگ ہوکر ایک نئی راہ نکالے۔فلسفۂ ارسطو کی تشریحات
بیشمار لکھی جاچکی تھیں۔اسلئے اسنے ضروری سمجھا کہ فلسفۂ قدیم کو کسی نئے قالب میں
ڈھالا جائے۔شیخ نے طبیّ تحقیقات کیطرف اپنی توجہ مبذول کی اور اپنی سعی بلیغ سے
اسنے چاہا کہ فن طب کو ایک مسلسل اور مکمّل اصول کی صورت میں ترتیب دے۔
بیشک اسنے اس میں بہت جد وجہد کی مگر پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔مگر اس بارہ
میں اسکی طرف سے ہم یہ عذر پیش کرسکتے ہیں۔کہ کامیابی ایک مفہوم اضافی ہے۔
اور کوئی محقق کبھی اپنے فن میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوا۔محقّق کا کام صرف یہ
ہوتا ہے کہ وہ اپنی وسعتِ طاقت کے مطابق معلومات کا ایک ذخیرہ بہم پہنچادے۔
اسکو بعد کے آنے والے محققین پورا کیا کرتے ہیں۔اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ نے
جو کچھ کیا اس میں نظر بحالات کافی سے زیادہ کے بہم پہنچانے میں کامیاب ہوا۔شیخ
تجربہ کو زیادہ اہم خیال کیا کرتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اسنے اصول معالجہ کی تحقیقات میں
بڑی شرح وبسط سے کام لیا ہے۔مگر اسکے خیال میں یہ ضروری ہے کہ وہ اصولِ فلسفہ
جو فن طب سے تعلق رکھتے ہیں انہیں بطور مبادی کے فلسفہ سے ہی اخذ کیا جائے۔

فلسفۂ شیخ کے حصص

فلسفہ کو شیخ نے منطقیات۔طبیعیات۔اور الہیّات میں تقسیم کردیا
ہے۔فلسفہ کا عام مفہوم تمام علوم مروّجہ کے اصول پر حاوی ہے اور انہیں اصول

کے مطالعہ میں بقدر طاقتِ بشری غور و خوض کرنا نفسِ انسانی کا مقصد ہے۔ مادی موجودات کی بحث طبیعیات سے تعلق رکھتی ہے اور غیر مادی یا رُوحانی حقائق کی بحث و تحیص فلسفۂ الٰہیات کے متعلق ہے۔ اور مفہوماتِ عقلیہ (تصوّر و تصدیق) علمِ منطق کا موضوع ہیں۔ طبیعیات کی بحث صرف حقائق مادیہ تک محدود ہے۔ کیونکہ ایسے حقائق کا تصوّر بدون تصوّرِ مادہ نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اسکے الٰہیات کے مبحوثہ مسائل صرف غیر مادی حقائق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور منطقیات اگرچہ طبیعیات کی طرح حقائق مادیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر منطقیات میں حقائق مبحوثہ کو صرف ذہنی طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ منطقیات میں اشیاء کے صرف مفہومِ ذہنی سے بحث کی جاتی ہے۔ اور علمِ طبیعی اشیائے مادیہ کے صرف وجودِ خارجی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی خیال پر یہ کہا جاتا ہے کہ ریاضی اور منطق میں نسبتِ قریبہ ہے۔ یعنی ریاضی اور منطق ہر دو کا موضوع علیٰحدہ علیٰحدہ عوارض مادیہ سے مجرّد ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسائل متعلقہ ریاضیات میں جن امور کی بحث کی جاتی ہے وہ خارجی طور پر مقادیر کی صورت میں محسوسات کہلاتے ہیں۔ منطقیات میں ایسا نہیں۔ کیونکہ اشیائے مادیہ کے مفہومات ذہنیہ جنکا وجود صرف ظرف ذہن ہی میں پایا جاتا ہے۔ علم منطق کا موضوع ہوتے ہیں۔ مثلاً جزئیت۔ کلّیت۔ افراد۔ ترکیب۔ ضرورت۔ امکان۔ جنسیّت۔ نوعیّت وغیرُ ذٰلک۔ جن کا وجود صرف ذہن ہی میں پایا جاسکتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ منطق میں صرف تصوّر اور تصدیق سے بحث کی جاتی ہے۔ جس کا اصل ماخذ اشیائے مادیہ ہیں۔ لیکن ذہنی طور پر وہ مادیات سے بالکل پاک ہیں۔ شیخ تفصیلات کے بارے میں فارابی کے اصولِ منطقیہ کے ساتھ موافقت ظاہر کرتا ہے۔ اگر فارابی کی تصانیف دستیاب ہو سکتیں تو ان کتابوں کی اور بھی زیادہ وضاحت ہو جاتی۔ شیخ کا خیال ہے کہ انسانی فکر و رویّت کا عمل ہمیشہ نامکمل ہے۔ اسلئے وہ ضرورت منطق کا قائل ہے۔

وہ کہتا ہے کہ جسطرح انسان کے جسمانی خط و خال کے ملاحظہ سے علم قیافہ کے اصول پر کسی شخص کے اخلاق وعادات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اسی طرح قواعد کلیہ کی پابندی سے ہم قضایا سے صحیح نتائج کا موازنہ کرسکتے ہیں مگر قضایا سے نتیجہ کے اخذ کرنے میں ایک بڑا بھاری خطرہ ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قوت فکریہ کی صحتِ عمل میں کہیں حواس کی غلطی اور ذاتی جذبات اور قضایائے مشہورات یا مسلمات اپنا اثر ڈال کر عال کو غلط نتیجہ تک نہ پہنچا دیں۔ صحیح نتیجہ تک پہنچنے سے پہلے ضروری ہے کہ عقل محسوساتِ حواس کا موازنہ کرے۔ منطق سے صرف وہ شخص مستغنی ہوسکتا ہے جسکی قوت ادراک نورِ وحی سے منور ہو۔ ایسے شخصوں کی مثال بعینہٖ اس بدوی کی سی ہے جو ملکۂ بلاغت کے حصول میں قواعدِ صرف ونحو میں سر دھننے کا محتاج نہیں ہ

الٰہیات میں شیخ کی تحقیق

امور عامہ میں شیخ کی رائے فارابی کی رائے کے مطابق ہے۔ وجود کثرت سے پہلے ہر ایک شئے موجود کا وجود واجب الوجود اور عقول کے ظرفِ ادراک میں بطورِ کلی متحقق ہوتا ہے۔ جب وہ مادی شکل میں ظاہر ہوکر وجودِ خارجی میں جلوہ گر ہوتی ہے تو انسانی ذہن ایک امرِ کلی کی صورت میں اُسے اخذ کرتا ہے۔ جسطرح معلّم اول ارسطو نے جوہرِ ول اور جوہرِ ثانی میں اعتباری طور پر فرق ظاہر کیا ہے۔ ویسے ہی شیخ نے بھی معنیٰ اول اور معنیٰ ثانی میں امتیاز ظاہر کیا ہے۔ معنیٰ اول سے کسی امرِ مخصوص التعین مراد ہے۔ اور معنیٰ ثانی سے اسکی وہ وجودی حیثیت مراد ہے جس سے وہ نسان کے ظرفِ ذہن میں متحقق ہوتا ہے۔ الٰہیات اور طبیعیات میں شیخ کی ائے فارابی کی رائے سے مختلف ہے۔ شیخ کا مذہب ہے کہ مادہ ذاتِ باری کے جود کا نتیجہ نہیں کیونکہ وہ حقائقِ مادیہ کو اشیائے مادیہ کی نسبت بہت برتر خیال .

کرتا ہے ۔ اور انہیں مجردات مفارقہ قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ وہ
روح کو عالم مادی اور غیر مادی میں واسطہ قرار دینے کی رو سے بڑی اہمیت دیتا
ہے ۔ ممکن اور واجب کے جداگانہ مفہوم سے وہ حقیقت واجب الوجود کی ضرورت کا
نتیجہ اخذ کرتا ہے ۔ اور اسکا خیال ہے کہ اثباتِ واجب الوجود میں ہمیں اُسکے افعال سے
استدلال کرنا اسقدر مفید نہیں ہو سکتا۔ جسقدر کہ تمام اعیانِ ثابتہ مادی یا غیر مادی ۔
ذہنی یا خارجی کے امکان سے یہی نتیجہ نکالنا مفید ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ اسکی کتب کے
مطالعہ سے اس امر کا پورا پتہ چلتا ہے ۔ وہ اسبات کا بھی قائل ہے کہ وجود ذات باری
اسکی ماہیّت سے کوئی زائد امر نہیں بلکہ وجود اور ماہیّت دونوں ایک ہی ہیں ۔
اجرام سماویہ کو بھی وہ دیگر اشیائے عالم کی طرح ممکن ہی مانتا ہے ۔ اور چونکہ وہ
ممکن ہیں ۔ اسلئے ان کا وجود غیر سے مستفاد ہے ۔ اور اسی جہت سے وہ واجب
بالغیر کہلاتے ہیں ۔ اور اسی غیر کو وہ تمام عوارض امکان سے بالا تر مانتا ہے ۔ واجب
لذاتہٖ صرف واحدِ حقیقی ہے ۔ اور کسی جہت سے بھی اس میں کثرت متصوّر نہیں
ہو سکتی ۔ اور اُسکے تمام افعال فعلِ واحد کا حکم رکھتے ہیں ۔ کیونکہ شئے واحد صرف
واحد ہی کا مصدر ہو سکتی ہے ۔ شیخ کے خیال کے مطابق اسے مبداء اول یا ذاتِ باری
کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں ۔ جسکے صفات میں تو تعدّد ہے مگر اسکی ذات واحد حقیقی
ہے ۔ اور یہ صفات کچھ تو مُثبتہ ہیں اور کچھ منفیہ ۔ مگر بایں ہمہ اسکی وحدتِ
حقیقی میں کسی قسم کا خلل عائد نہیں ہوتا ۔ وہ کہتا ہے کہ مبداء اول سے عقل اول
کا وجود ظہور پذیر ہوا ۔ عقل اول کے افعال میں کثرت اسطرح پہ پائی جاتی ہے کہ
جب وہ اپنی علت یعنی مبداءُ اول کا تصور کرتی ہے تو عقل ثانی کا وجود مترتب
ہوتا ہے ۔ اور جب وہ اپنی ذات کا تصور کرتی ہے تو روح کا وجود ظاہر ہوتا ہے ۔
اور جب وہ امکانِ ذات کا تصور کرتی ہے تو جسم کا وجود محقق ہوتا ہے ۔ پھر یہی

و جانگزائی سے کبھی سیر نہ ہوتا۔ اسکے لئے بالکل معمولی بات ہوگئی تھی۔[۵] سخاوت و شجاعت بادشاہ کی ذات کے وہ جوہر ہیں جو اُسکی عظمت و شان کو چمکاتے ہیں۔ لیکن سلطان کی فرط سیاست نے ان دونوں جوہروں کو جو اُسکی ذات میں بوجہ اتم موجود تھے۔ بالکل گرد آلود و بے آب کردیا تھا۔ جو بات اُن سے حاصل ہونی تھی وہ حاصل نہ ہوسکی۔ جیساکہ مباحث آیندہ سے معلوم ہوگا۔

مذہبی اعمال کا وہ نہایت شدو مد سے پابند تھا۔ اعمال کے مقابلہ میں فلسفہ کو بھی سفسطہ جانتا تھا۔ مؤذن کی آواز سنتا تو کھڑا ہوجاتا اور تاختم اذان برابر کھڑا رہتا۔ نماز پنجگانہ ادا کرتا۔ جمعہ جماعت میں حاضر ہوتا۔ بعد نماز صبح دیر تک اوراد و وظائف پڑھتا۔ نہ کبھی شراب کو چھوا نہ فسق و فجور کے پاس گیا۔ محلسرا میں بھی جاتا تو آگے آگے خواجہ سرا ہوتے، اور سلطان کی آمد کی خبر کرتے، یہ اہتمام صرف اسلئے کیا جاتا کہ کسی نامحرم پہ نظر نہ پڑے۔ فرض او امر شرعی کا پابند تھا اور نواہی سے مجتنب۔ مسلمانوں کو حکماً مذہبی احکام کی پابندی کی تاکید تھی۔ اور ضروریات کی تعلیم کا خاص اہتمام و انتظام [۶]

اس کی سلطنت کے آغاز سے پہلے ہی بغداد کی خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ جب خلافت پھر مصر میں قائم ہوئی اور سلطان کو خلافت کا اعتقاد ہوا تو خلیفہ کے ساتھ فرط عقیدت کا جس طرح اظہار کیا، وہ بیان سے باہر ہے۔ اس تمام مذہبی پابندی کے باوجود آزاد خیال اور علم دوست بھی اتنا تھا کہ جوگیوں سے ملتا۔ و حیان گیان فقر و تصوف کے مسائل میں گفتگو کرتا۔ دربار میں ہندی کے شاعر تھے۔ اور جوگیوں سے مذاکرہ علمی ہوتا تھا۔ تو نے الجملہ ہندی ضرور جانتا ہوگا۔ جب شکوہ آباد کی طرف گنگا کے کنارے جاکر چھپروں کی چھاؤنی چھائی تو سرگ دوارہ کا نام سرگ دوارہ رکھا۔ اگر ہندی

---

[۵] ہندی ۲۶۹ - [۶] ابن بطوطہ۔

سے نابلد محض ہوتا تو یہ نام کیسے تجویز کرتا۔ لیکن اس مذہبی پابندی اور آزادخیالی جیسے
تمام اوصاف پر اُسکی سفّاکی خاک ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ اگرچہ وہ علمآء و صوفیا کا دل سے
گرویدہ تھا۔ اور اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ مگر آخر وہ بھی اُسکے دست سیاست
سے نہ بچ سکے۔ بلکہ عالم و عامی سب اُس کی جفاکیشی سے چیخ اُٹھے۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان بالطبع درشت مزاج واقع ہوا تھا۔ ضد اور ہٹ
اُسکی طبیعت میں تھی۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی شدّت و سختی
زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھی۔ ورنہ اول اول اسکا یہ حال نہ تھا۔ تاریخ کے صفحات میں بھی
وہ ابتدا ابتدا میں ایسا رحیم و کریم عادل و باذل، اصول و ضوابط کا پابند نظر آتا ہے۔ کہ
اس سے زیادہ خیال میں بھی آنا مشکل ہے۔ شاہزادگی کے تمام مختصر حالات میں کوئی
واقعہ اُسکی تندمزاجی و کج خلقی کا نہیں ملتا۔ جس بادشاہ پر رعایا اُسکی ناانصافی و تعدّی کا
دعوےٰ کر سکے۔ جو بادشاہ بذات خود قاضی کی عدالت میں مدعی علیہ کی صورت میں مدعی
کے برابر آکر کھڑا ہو۔ جو بادشاہ اپنے آپ کو قصاص میں پیش کردے۔ جسے انصاف و
عدالت کے باب میں یہانتک اہتمام ہو کہ قاضی کے ساتھ اپنے بھائی کو اسلئے بٹھائے
کہ اگر کوئی امیر قاضی کے حضور میں آنے سے اغماض کرے تو شاہزادہ کے سپاہی
اُسے فوراً حاضر کردیں۔ تاکہ مظلوم کی دادرسی میں تعویق واقع نہ ہو[1]۔ ایسا بادشاہ طبعًا
ظالم و سفّاک یا کم از کم اتنا خونریزی پسند نہیں ہونا چاہیئے۔ جتناکہ سلطان محمدؐ ثابت
ہُوا۔ حق یہ ہے کہ سلطان محمدؐ جب تخت پر بیٹھا تو وہ دل سے رعایا پرایا کے ہر ہر طبقہ
کا خیرخواہ و خیراندیش تھا۔ اسکی دلی آرزو یہ تھی کہ عدل و داد، جُود و کرم، رائے و
تدبیر سے ایسے ایسے کام کرے کہ دنیا میں یگانہ روزگار ہوکر نام پائے۔ عجب نہیں کہ

---

[1] ابن بطوطہ۔

تخت پر بیٹھ کر اُس نے عادل کا لقب اختیار کیا ہو یا اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے اول اول عادل کہلایا ہو۔ چنانچہ تاریخ سراج عفیف سے اسکا کچھ سراغ بھی ملتا ہے[1]۔ اندنوں آرکیالاجیکل ڈپارٹمنٹ نے بھی عادل آباد نام ایک مقام اس کا آباد کردہ ڈھونڈھ نکالا ہے۔ اس سے بھی اُسکی ابتدائی عدل دوستی کی تائید ہوتی ہے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا اور وہ اپنے منصوبوں میں ناکام ہوتا گیا اُسکی سخت مزاجی سخت گیری سے اور سخت گیری سیاست و سفاکی سے بدلتی چلی گئی۔ اس لئے اُسکی جفاشعاری و خونخواری کا راز ہمارے نزدیک اُسکی ناکامی کے واقعات میں چھپا ہوا ہے۔ اور ناکامی کے عام اسباب اسکے سوا کچھ نہ تھے کہ وہ بلند خیال و خود رائے واقع ہوا تھا۔ نہایت طلبی اُسکی طبیعتِ ثانیہ تھی۔ یہی باتیں رفتہ رفتہ اُسکی غلطی پر غلطی، ناکامی و سفاکی کا موجب ہوگئیں۔ بلند خیالی نے اُسے وہ سبق پڑھائے جو اکثر دائرہ امکان سے باہر تھے۔ خود رائی نے کسی کی بات سُننے نہ دی۔ نہایت طلبی نے کہا جو حکم دے دیا گیا ہے۔ وہ بہر حال پورا ہونا چاہیئے مگر جو نہیں ہو سکتا تھا کیوں کر ہوتا۔ سلطان اُسکی تاب نہ لاسکا۔ طیش میں آکر پیچ و تاب کھانے لگا۔ حلم و برداشت کے دامن کا ہاتھ سے چھوٹنا تھا۔ کہ عدل و انصاف رحم و درگزر کی جگہ شدت و سیاست کا بازار گرم ہوگیا۔ اور پھر ہوا جو کچھ ہوا۔ سلطان کے عہد کے واقعات ترتیب وار پڑھوگے تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے۔

تصحیح میخانہ

سلسلہ کیلئے دیکھو رسالہ ماہ نومبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۵۵)

ساقی نامہ وحشی (میخانہ صفحہ ۱۵۵)

نومبر کے رسالہ میں ساقی نامہ وحشی کے متن کا مقابلہ کلیات وحشی سے

---

[1] تاریخ سراج عفیف ۱۰۷۔

نسخہ بانکی پور کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اب انڈیا آفس کے نسخہ ۱۲۵۱ (فہرست مخطوطات
فارسی مولفہ ایتھے ۱۲۲۳) کے ورق ۹۹ بعد کا عکس حاصل کر کے جن پر وحشی کا "ترجیع
ساقی نامہ" درج ہے "متن کا دوبارہ مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور بعض کار آمد نتائج پیش
کئے جاتے ہیں۔ نسخہ مذکورہ کلیات وحشی کا ہے۔ اور سنہ ۱۰۹۱ھ میں وحشی کی وفات
سے پورے ایک سو سال (ہجری) کے بعد تحریر ہوا۔ ساقی نامہ کا عنوان اسمیں "ترجیع
ساقی نامہ" ہے۔ اس نسخہ کو اختصار کیلئے علامت (فؔ) سے ظاہر کیا گیا ہے۔

ص ۱۵۵ س ۴، فؔ: زر کا نیست، مصرع ثانی مثل متن — س ۵، فؔ:
خورشید کم و بیش حرارت۔ کان زر از و برحد فراست فرو دست س ۹، فؔ: عدم و
سود — س ۱۱، فؔ: ہستیم (بجای مستیم) یہاں اور بیت میں باقی ہر جگہ۔ س ۱۳ فتنہ
بنوائی رہ ما بخبران زن — تا جامہ الخ س ۱۴، فؔ: خنجر کن — س ۱۵، فؔ: آن نغمہ
(بجائے این نغمہ)

ص ۱۵۶ س ۵، فؔ: ز جیب بجای حیلت مثل وؔ — س ۶، فؔ بناکش
(مثل وؔ) — س ۷، فؔ مثل متن — س ۸ و ۹، فؔ مثل وؔ — س ۱۲، فؔ: دود (بجای
شور)، س ۱۳، فؔ: درمیخانہ (بجای می ومیخانہ) — س ۱۴: از راہ پژوہ — س ۱۶،
فؔ: پرروح لبولیش (بجای پرروح بپرواز) — س ۱۷ فؔ: پرحال (مثل قؔ)۔

ص ۱۵۷ س ۱۲ فؔ: بلبلید شناسند و دگر — س ۱۳، فؔ: می جست
(مثل وؔ) — س ۱۴، فؔ: بازان کم آزار نظر بستہ صید ند — س ۱۶، فؔ: وہ
میکدہ (بجای می ومیکدہ)

ص ۱۵۸ س ۱، فؔ از جور فراغت (بجای از جام فراغتم — س ۴، فؔ:
می (و) میخوارہ — دیر ہم این را دہم آن (اور یہی درست ہے) — س ۱۲[1] کے بعد

---

[1] نومبر ۱۹۳۲ کے رسالہ میں غلطی سے س ۵ درج ہوا۔

وہی شعر ہے جو ق سے نمبر ۱ کے رسالہ میں نقل ہوا۔ مگر ف میں بت بجای بتے ہے۔
س ۸ ؛ ف مثل متن ، ـــ س ۱۰ ، ف ؛ آنجا کہ صلیب است نمودار سردار ـــ س ۱۷ ،
ف ؛ دہیم ، باقی بیت مثل ق تا ـــ س ۱۹ ، ف ؛ صدق ومحبت (مثل ق) ـــ
اسکے بعد جو شعر ق سے نقل ہوا تھا ف میں یہی ہے ،

ص ۱۵۹ س ۱ ، ف ؛ خوش آید کہ دود بر سر و بر گوش ـــ بہ بندیم (اسی طرح
درست کرلو) ـــ س ۴ ـــ ۱۱ ، یہ بند ف میں نہیں ہے۔ ـــ س ۱۲ ، ف میکدہ
بجای مدرسہ (مگر غلط ہے) ـــ س ۱۴ ، ف ؛ نکتہ کہ حل گشتہ در وسع نستہ
(یعنی ہیچ بستہ) ـــ س ۱۶ ، ف ؛ ننوشتند ـــ س ۱۷ ، ف ؛ ز سر حلقہ
(مثل ق) ـــ س ۱۸ ، ف ؛ بار طل گران (بجای با دُردکشان)

ص ۱۶۰ س ۲ ، ف ؛ تا غیر بود (اور یہی درست ہے) ـــ س ۴ ، ف ؛ ماییم و
ہیں (اور یہ درست ہے) ـــ س ۶ ، ف ؛ زانجا ... ، بہ مسی ـــ س ۷ ، بیت مثل ق مگر
ازین بادہ ـــ س ۱۰ ، ف ؛ ز زبان شکوہ ...... بگویم ... ، ـــ س ۱۱ ، ف ؛ خواہم
سر آوازہ کنم تازہ دریں دم ، کارند بہ بازارو بآواز چغانہ ، ـــ س ۱۲ ، ف ؛ دنہ دانہ ،
ـــ س ۱۵ ، ف ؛ چہ کردم (بجای کہ کردم) ـــ س ۱۹ ، ف ؛ بشوئید (بجای بشوئید)

ص ۱۶۱ س ۱ و ۲ ، ف میں ان ابیات میں تقدیم وتاخیر ہے ـــ س ۵ ، ف ؛
بازکنم چشم و بہ بینم ، ـــ س ۹ ف میں مثل متن ، ـــ س ۱۰ ، ف ؛ خاکی بکف آرم مگر
ازجای خم او ـــ س ۱۱ ، در ف مثل متن ، ـــ س ۱۷ ، ف ؛ می ساقی (بجای می و
ساقی) ـــ س ۱۹ ، ف ؛ ابسفالیست ۔ لطیفست کہ کرو ست چو در جام زر آید ۔
(یہ ق اور ف سے بہتر ہے)

ص ۱۶۲ س ۲ کے بعد جو بیت ق سے نقل ہوا تھا ف میں اس سے بہتر ہے ،
اسطرح ؛ گو میر شبش گیرو بزن سخت و ببر رخت ۔ مستی کہ شبانگاہ از انجا بدر آید

ساقی نامہ نوعی {میخانہ ص ۲۰۲}

نوعی کے مشہور ساقی نامہ کا مقابلہ طباعت میخانہ کے وقت بجز میخانہ کے دونسخوں اور سفینۂ خوشگو کے اور کسی نسخے سے نہ ہوگا۔ لیکن تکمیل طباعت کے بعد دیوان نوعی کے دونسخوں اور کلکتہ والے جنگ[1] میں ساقی نامہ کا متن مل گیا۔ اور ان سے مقابلہ کرکے نتائج پیش کیے جاتے ہیں۔ دیوان کے ان دو نسخوں میں سے ایک تو بانکی پور میں ہے۔ اور فہرست مخطوطات بانکی پور (ج ۳ صفحہ) میں اس کا نمبر ۲۶۲ ہے۔ یہ نسخہ سنہ ۱۱۹۱ھ میں تحریر ہوا (نوعی بقول صاحب میخانہ سنہ ۱۰۱۸ھ میں فوت ہوا) ۔۔ دیوان کا دوسرا نسخہ جس کا ذکر کیا گیا بجانہ انڈیا آفس میں ہے۔ اس کتابخانے میں اس نسخہ کا نمبر ۲۷۵۱ ہے۔ (دیکھو فہرست ایتھے ۱۴۵۵) اس دیوان کے صفحہ ۹۰ ب بعد پر ساقی نامہ دیا ہے۔ سوء اتفاق۔ اس نسخہ میں تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ اسلئے اس کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔

ہم میخانہ کے صفحہ ۲۰۲ (حاشیہ ۱) پر لکھ چکے ہیں کہ صاحب میخانہ نے ساقی نامہ نوعی کے فقط ۲۶۹ بیت دیئے ہیں۔ نسخہ بانکی پور میں ان ابیات کی تعداد ۳۳۶ ہے، انڈیا آفس کے نسخہ میں ۳۴۳۔ کلکتہ والے جنگ کے ابیات کی تعداد ضبط نہیں ہوسکی، لیکن ابیات کی کمی بیشی کا ذکر حسب موقع بھی کردیا ہے۔

علامات۔ نسخہ انڈیا آفس کو ہم نے آ ن سے ظاہر کیا ہے، کلکتہ کے نسخہ کو ک ن سے اور بانکی پور کے نسخہ کو ن ب سے،

---

[1] اس جنگ کا ذکر رسالہ بابت اگست سنہ ۲۰ء کے صفحہ ۶۹ پر ہو چکا ہے۔

ص ۲۰۲ س ۱۷: صرف ۲ آن میں: ننگ (بجای رنگ) — س ۱۸: ۱ آن مثل متن، کن: شیشہ می۔

ص ۲۰۳ س ۱: صرف ۲ آن میں: مہمان (بجای مستان) — س ۲، کن میں نہیں ہے — س ۳، ۱ آن کن: کل کردہ (بجای خور کردہ) اصل[1] میں کل کردہ لکھ کر بغیر کل کو کاٹنے کے اسکے ایک طرف خور لکھ دیا ہے — س ۴، آن و کن: افشاگر (یہی درست ہے) کن مثل متن — س ۶، مصراع اول میں نکہت بنالو — ن ۲ آن کن: زمد لحن (بجای زالحان) — س ۷، ن ۲ آن کن: نفس (بجای قفس)، کن: مجلست (ن و ۲ آن مثل متن) — س ۹، کن: کہ از پردہ (بجای چو از پردہ) — س ۱۰، ہر سہ نسخ: مبدع، اصل میں کسی لفظ کو مٹا کر متبع بنایا ہے۔ پہلے غالباً مبدع ہی لکھا تھا — ۲ آن: نگرفتہ (بجای نگرفت) — س ۱۳ صرف کن: نکتہ راز (بجای نکہت راز) — س ۱۴، ہر سہ نسخہ: اسرار ایں الخ — س ۱۵، ۱ آن میں یہ بیت نہیں ہے، کن میں پہلے مصرعہ میں بردہ اند اور دوسرا مصرعہ ندارد، ن آن میں پہلا مصرعہ مثل متن، دوسرے میں، بیرونی، بجای ہستی زدل، ۲ آ میں دوسرا مصرعہ چھیل کر اُس طرح بنایا ہے جسطرح متن میں درج ہوا — س ۱۷ صرف کن: درون (بجای درد) — س ۱۸، ہمسایگی لکھو (بجای ہمپایگی) — س ۲۰ کن و ۲ آن: ہمان بہ (مثل مر) — ہر سہ نسخ: چو بین (بجای خونین)

ص ۲۰۴ س ۱، ن ۲ آن: وحی (بجای ہرچہ)، کن: وجہ (کہ مصحف ہے) اصل میں ایک لفظ چھیل کر ہرچہ بنایا ہے۔ غالباً وحی کو سوء ادب کی وجہ سے بدلا ہے — س ۲: صرف کن: محرم (بجای گلشن) — س ۷: مر کی طرح ن اور ۲ آن میں بھی است لکھا ہے، ۲ آ میں است لکھ کر اسکو اسب بنایا ہے — ۱ آن کاغذی، ن: کاغذ بال — س ۹، صرف ف: چمن زاد — س ۱۰، ۲ آن: ولست اینکہ

---

[1] اصل سے مراد میخانہ کا وہ نسخہ ہے جو میرے پاس ہے۔

فیضش ز آہن سرشت ـــــ س ۱۱، ہرسہ نسخ: طرف (بجای طرفہ) ـــــ صرف نؔ:
از وآسمان (بجای درو آسمان) ـــــ س ۱۴، صرف نؔ: خواہی از و (بجای خواہی درو)
ـــــ س ۱۶، صرف کنؔ: از خویش (بجای از غیر) ـــــ س ۱۹، نؔ ۲ آنؔ: مسطر
(بجای مصدر)، کنؔ: مظہر ـــــ س ۲۰، ددیں پڑھو (بجای وزین) ـــــ صرف ۲آنؔ:
ددین ذرہ (بجای کہ ہر ذرّہ)

ص ۲۰۵ س ۵، خورشید کی اضافت کاٹ دو۔ ـــــ س ۸، ۲آنؔ: نیش
سخن (اور یہی درست ہے) اسکے بعد لکھو ۵ زبان چون گلست وسخن بوی او۔
چمن پشت آئینہ روی او۔ (یہ شعر سوء اتفاق سے درج ہونے سے رہ گیا ہے)
ـــــ س ۱۰، آنؔ: نعل واژون زلست (زلست درمصراع ثانی)، ۲آنؔ: نعل وارون
زلست زلست درمصراع ثانی کہ تصحیف زنست) کنؔ: نعل وارون زنست۔
(مصراع ثانی: کہ بر عقل بیرون شبیخون زنست) ـــــ س ۱۲، نؔ: نہ او مجمر دل بود،
۲آنؔ سر از مجمر دل دمد۔ کنؔ: نہ از مجمر دل دمد (غرض تن میں مجمر بنالو)، ہرسہ نسخ: دمد
(بجای بود درمصراع ثانی، ـــــ س ۱۳، ہرسہ نسخ: عنان (بجای عنان اور یہی درست
ہے) ـــــ کنؔ فقط: ہمسایہ ـــــ س ۱۵، نؔ کنؔ: آشنا ساز، ۲آنؔ: آشنا را بہ
ـــــ س ۱۶، ۲آنؔ: بزم (بجای بجرم) کنؔ: جاتم، ـــــ فقط کنؔ: دشمن (بجای خانہ)
ـــــ س ۱۷، ۲آنؔ کنؔ: یاد (بجای باد) ـــــ س ۱۸، آب گل (یعنی آبِ گل شل تن)
ـــــ س ۱۹، نؔ وکنؔ: حریر (بجای مطیر) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے، ۲آنؔ:
زند پردہ بیرون چو آب از حریر، ـــــ س ۲۰، نؔ: تار خشک، (بجای خار چنگ)
۲آنؔ: تارمشک، ہرسہ نسخ بوما نیدہ (بجای دمانید)، آنؔ خار خشک (بجای تار چنگ)
کنؔ: تار خشک، ۲آنؔ: خار خشک،

ص ۲۰۶ س ۵ ـــ ہرسہ نسخ: نادیدہ (بجای نابردہ) ـــــ اس بیت کے

بعد نؔ و اؔنؔ میں ترتیب اشعار اؔصل سے مختلف ہے ۔یعنی اسطرح : ۱۱ ، ۱ اسکے بعد یہ شعر ہے : لب ما کہ سرچشمۂ بے نم است ٭ چو چشمان یعقوب در ماتم است ۔ پھر ۲ تا ۹ ، پھر ۱۲ ، کنؔ میں بھی یہی ترتیب ہے مگر س ۱۲ سے ص ۲۰۹ س ۴ تک کے ابیات اسمیں نہیں بظاہر کنؔ کا ایک ورق ضائع ہوگیا ہے ۔ ــــ س ۷ ، ہر سہ نسخ : داغ بے مرہمست ــــ س ۱۰ ، وآنؔ : آتش (اور یہی درست ہے) ــــ وآنؔ کنؔ : پر جبرئیل ۔ ــــ س ۱۶ وآنؔ : ای (بجای آن) ، نؔ وآنؔ : خسی (بجای لبی) ــــ س ۱۹ ، وآنؔ : کف (بجای کفی ؛ اصل میں کفی کو چھیل کر کف بنایا ہے ــــ س ۲۱ ، وآنؔ ، سرودی (بجای سجودی) مگر غلط ہے ۔

ص ۲۰۷ س ۱ : وآنؔ : تذروش (بجای تذروی) ، وآنؔ وآنؔ : ایاغ بہشت (بجای زیاغ بہشت) مصرع ثانی وآنؔ میں نؔ سے بہتر ہے ــــ س ۲ ، نؔ : بہار گل ، وآنؔ : بہاری گل (دوسرے مصرعہ میں بجای چمن الخ) ، بہار گل درست معلوم ہوتا ہے ــــ س ۴ ، شعلہ کو شعلہ بنالو ، ــــ س ۸ ، وآنؔ : ای ابر (بجای آن ابر) ــــ س ۱۰ ، سینہ لکھو (بجای شیشہ) ، ــــ وآنؔ : رویم (بجای روزم) ــــ س ۱۲ ، وآنؔ : چرا فیست ، در روز الخ (بجای چرا خست ودر روز الخ) ــــ س ۱۳ ، وآنؔ مثل تن ، ــــ س ۱۵ ، وآنؔ : خون اوبا بریزد (بجای خون غم را بنوشدم) ــــ س ۱۶ ، وآنؔ : ای (بجای آن) ــــ گل (بجای دل) ــــ س ۱۸ : وآنؔ ۂ ۔ نالہ (بجای نغمہ) ، اصل میں نالہ لکھ کر حاشیہ میں اسکا بدل نغمہ لکھا ہے ، ــــ س ۱۹ ، نؔ و اؔنؔ : این خندہ ، اور یہی درست ہے ۔

ص ۲۰۸ س ۳ ، اؔنؔ کی طرح گل بادہ بنالو اور مصرعہ ثانی میں وزین ، اس کے بعد : نؔ میں بیت ۶ (از ان گل الخ) ، مگر اؔنؔ میں یہ بیت نہیں ہے ــــ س ۹ ، اؔنؔ چو زرو اداز خاک ، نؔ چوزند زاد از خاک (نؔ میں فشو بجای فسرو) ــــ س ۱۲ ، فقط نؔ صبا (بجای چمن) ــــ س ۱۳ ، بعفل لکھو ــــ نؔ : دزدم (بجای بندم) ، اؔنؔ : مردم

ـــــ س ۱۴، فقط وآ: لشنا ســذ ـــــ س ۱۵ تا ۱۹، آ اور وآ میں ان ابیات کی ترتیب یوں ہے: ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۱۶، ۱۹، ـــــ س ۱۶ آ وآ: باز بجای تا) ـــــ س ۱۶، آ وآ: آلودہ (بجای آغشتہ)، بچشم (مثل متن) ـــــ س ۱۹، وآ: نفس (بجای قفس) ۔

ص ۲۰۹ س ۱، آ وآ: خراش نفس (بجای خروشش نفس) ـــــ س ۲، آ وآ: خونین، ـــــ س ۳، ہر سہ نسخ: پر خود، ـــــ س ۴: فقط وآ: ز گلدستہ دستار دہقان نکار ـــــ فقط آ: خون در کنار، ـــــ س ۶، فقط آ: بدین چشم، اس کے بعد آ میں ۱۶ اشعر وآ میں ۱۵ اشعر ہیں۔ جو نسخانہ میں نہیں ہیں ـــــ اور دونوں میں ان کے بعد وہ بیت ہیں جو ص ۲۱۰ س ۱۰ و ۱۱ میں درج ہیں۔ پھر وہ بیت ہیں جو ص ۲۰۹ س ۷ بعد پر دتے ہیں ـــــ س ۸، وآ فقط: شدہ پیکرم ـــــ س ۱۲، آ و وآ: قدم شد کمان از جفای زمان۔ کآ مثل متن ـــــ ہر سہ نسخ: چلہ آن کمان (بجای چلہ شد بے گمان ـــــ س ۱۳، کآ فقط: کوی در کوی کشد (بجای سوی ہر کوی کشد) س ۱۴، ہر سہ نسخ: بہ آئین بیاید ـــــ س ۱۶، ہر سہ نسخ: نظر (بجای جگر) اور یہ بہتر معلوم ہوتا ہے ـــــ س ۱۷، آ و وآ: خار (بجای خواب)، کآ میں دوسرا مصرعہ یوں ہے: زمن خواب را دل بصد ترس و بیم، ـــــ س ۱۹، آ وآ: گرد (بجای سبق)، کآ مثل متن، ـــــ س ۲۰، وآ: حسرت افزای، آ: حیرت افزای، کآ: خواب افزای، ـــــ کآ: رنگ مشب (بجای رنگ دہشت)، آ و وآ مثل متن، ۔

ص ۲۱۰ س ۱، وآ کآ: چہل صبح، آ: چہل روز ـــــ س ۲، یہ شعر وآ میں نہیں، ـــــ س ۴، فقط کآ: چمن تابہ (بجای چمن مایہ) ـــــ س ۷، آ وآ: کہ شد باعث از تر کتاز خزان، (اور یہی بہالو)، کآ: کہ شد باعث از برگ ریزی خزان، ـــــ س ۸، ہر سہ نسخ: در کف ـــــ س ۹، وآ کآ: زرہ (بجای ازو) اور یہی درست ہے ۔

——س ۱۰ تا ۱۲ ، —— س ۱۰ و ۱۱ ںؔ اور وؔں میں ص ۲۰۹ س ۶ اور ۷ کے درمیان آتی ہیں ——س ۱۰ ، وںؔ مثل تن ، ——س ۱۱ ، کںؔ : ملالم ، وںؔ مثل تن ، ——س ۱۲ ، وںؔ : زبہر منست (بجای بہر البس است) ——س ۱۳ ، وںؔ : ماہ آمادہ چنگ (بجای آہ آمادہ جنگ) —— فقط کںؔ : شیشہ (بجای سینہ) —— س ۱۴ ، وںؔ مثل تن ، ںؔ و کںؔ : ضحاک جمشید آتش الخ) —— س ۱۵ ، کںؔ ںؔ : ہامان (بجای بہمن) ، وںؔ : ہامون —— س ۱۶ ، قطرہ بلا اضافت پڑھو اور سبیل لکھو (بجای سیل) —— کںؔ : موسٰی (بجای فرعون) ——س ۱۷ و ۱۹ ، وںؔ : چنگ ، س ۱۸ —— فقط ںؔ : ما (بجای من) —— ہر سہ نسخ : کہ زخم مرا تیغ تو الخ —— س ۱۹ ، ہر سہ نسخ : ولقی زمی (بجای ولق می) اور یہی درست ہے۔

ص ۲۱۱ س ۱ ، وںؔ : کنیم (در ہر دو جا) ، —— ۲ ، فقط ںؔ : شیرین منش ، س ۳ ، ںؔ : جنگ بے کینہ ، (بجای جنگ با صلح) ، وںؔ : نیک بے کینہ ، کںؔ ، جنگ بے صلح ، (صرف کںؔ میں پہلا مصرعہ یوں ہے : کہ بے بادہ آن بادہ بے صلح و جنگ) —— س ۵ ، ںؔ وںؔ : کہ دارو بصا فش برات ، اصل نسخہ میں برصافش کی جگہ پہلے کچھ اور لکھا تھا پھر چھیل کر برصافش بنایا ہے ، —— س ۶ ، فقط وںؔ : غلفت (یعنی غفلت بجای مستی) ، —— س ۸ ، کںؔ ، چہ گل گلشن الخ ، وںؔ : چو کین گلشن —— س ۹ ، ںؔ کںؔ : صبوحست وںؔ : سبوحیست ۔ فقط کںؔ : بیدار باش ۔ فروزندۂ شعلۂ تار باش ، وںؔ : فروزندۂ ناخنی تار شو ، اصل میں پہلے نغمۂ تار شو لکھا تھا ۔ پھر حاشیہ پر اسکا بدل ناخن و تار شو بنایا ہے ، —— س ۱۱ ، فقط کںؔ : بریم (در دو جا) —— س ۱۳ ، فقط وںؔ : لب (بجای رگ) ۔ فقط وںؔ : مژگان عارف (اور غالباً یہی درست ہے) —— س ۱۵ تا ص ۲۱۲ س ۷ ، ان ابیات کی ترتیب ںؔ اور اںؔ میں یوں ہے : س ۱۵ ، ص ۲۱۲ س ۵ و ۶ ، ص ۲۱۱ س ۱۶ تا ۱۸ ، اسکے بعد یہ دو شعر ہے

مغنّی دل خستہ مفتون تست   شفا بخش ہر درد قانون تست

بقصد جگر چارہ کن درد من　　　　برنگ آشتی دہ رخ زرد من

(وآ میں در بجای دہ)، ان کے بعد ص۲۱۱ س ۱۹ و ۲۰، پھر ص۲۱۲ س ا تا ۴، پھر یہ بیت۔

بہ بزمی کہ شد لغمہ مجلس فروز　　　　بود دیدۂ باز چون شمع روز

(وآ میں دیدہ باباز، کآ میں بھی یہ شعر ہے۔ مگر اسمیں دیدۂ تار ہے)، اسکے بعد س ۵ ہے۔ پھر ابیات بہ ترتیب متن مطبوعہ ہیں، لیکن کآ: میں مذکورہ بالا اشعار سر بسر بہ ترتیب متن مطبوعہ ہیں۔ اور زائد اشعار نہیں ہیں۔ بجز ص۲۱۲ س ۴، البتہ ص۲۱۲ س ۵ و ۶، ہیں مگر اس محل پر نہیں۔ بلکہ بہت بعد میں آتے ہیں۔ جیسا ص۲۱۴ کے اختلافات میں بتایا جائے گا۔ س ۱۶، لآ: چو قفل ازتن در، وآ: چو قفل ازبن در، اصل میں پہلے وآ کی طرح لکھ کر بعد میں حک و اصلاح سے اسطرح بنایا ہے جسطرح متن مطبوعہ میں ہے۔ کآ: چو قفل سحر بر کشا ی، بظاہر چو قفل از بُن در کو ترجیح ہے — س ۱۷، لآ و وآ مثل متن — س ۱۸، لآ وآ میں مصراع اول مثل متن کآ میں زخمہ بجاے شعبہ — لآ دخمہ (بجاے گوشہ)، وآ: زخمہ، کآ: دخمہ، — س ۲۰، فقط وآ: گرت ہوش دل ... چو پی رشتہ الخ

ص۲۱۲ س ا: وآ پنبۂ گوش ہوش، کآ: پنبہ در گوش ہوش — لآ: چو زد لغمہ (بجای خورد لغمہ) مثل متن، وآ، مثل متن، کآ خورد ریح، گوش ہوش بنلو، س ۳، لآ کآ: گوش ہوش، وآ مثل متن، — س ۴، فقط کآ: چو نور نظر (بجای چو پوشی) — س ۶، ہر سہ نسخ: بر گوش من — س ۸، ہر سہ نسخ مثل متن — س ۹، وآ: ای (بجای آن) — وآ لآ، دم آب خضرم دہ، کآ: دمی آب خضرم دہ، — س ۱۰، لآ وآ، بجام جمی، کآ: بجان جمی — س ۱۲، وآ: خرد نا جوان بخت الخ، کآ: خرد نوجوان تخت الخ — س ۱۵ صرف کآ میں نہیں — س ۱۶، فقط کآ: بر ردی (بجای بد زیر) — س ۱۸، وآ کآ: نیرنگ و دستان، — فقط کآ: لعبتستان حل (بجای لعبتان چگل) — س ۱۹، فقط کآ جامۂ چہرہ (بجای چہرہ و جامہ)،

ص ۲۱۳ س ۱، یہ بیت وٓن میں نہیں ہے۔ نٓ: خودی زنگ آئینہ مو بدمی ست
— س ۲ تا ۹، ان ابیات کی ترتیب کنٓ میں یوں ہے: ۶، ۸، ۲، ۵، اور وٓن میں: ۶،
۷، ۲، ۸، نٓ میں ۲ تا ۸ نہیں ہیں۔ کنٓ اور وٓن میں بعد س ۲ یہ بیت ہے:

بن دہ کہ مست و سرافشان شوم — بہ مدحت خان خانان زنم

(وٓن کل افشاں بجای سرافشان) — س ۴، صفیر قلم کی بجائے صفیر کرم لکھو،
— س ۵، اسکے بعد نٓ اور وٓن میں بزم اور صدر بزم کی تعریف میں قریبًا ۴۲ شعر
ہیں۔ (کنٓ میں ۱۸) جو صاحب میخانہ نے چھوڑ دئے ہیں — س ۶، کنٓ: درخشندہ چون
درشفق آفتاب — س ۷، کنٓ: چون دربدن، وٓن: چون الخ — س ۹، نٓ آنٓ:

بنام توامی داور ارجمند — یکے نقش دلکش نزدم بر پرند

— س ۱۰، دوسرے مصراع میں لبِ شست پڑھو، — کنٓ: شبدیز (بجای شیریں)
— س ۱۲، وٓن مثل متن، آنٓ و کنٓ میں یہ بیت نہیں ہے — س ۱۳، فقط کنٓ: پاک (بجاے
صاف) — س ۱۴، فقط نٓ: بر (بجای در) — س ۱۶، نٓ وٓن: الٰہی (بجای خدایا)
— س ۱۷، فقط وٓن: نظر (بجای حد)، — فقط کنٓ: اخترش (بجای اختران)
— س ۱۸، فقط کنٓ: چہ مایہ نمک برجگر — س ۲۰، نٓ آنٓ: ہیکل برنیان (بجای
نقش بر پرنیان)، کنٓ: شکل بر پرنیان،

ص ۲۱۴ بعد کے اشعار کی ترتیب ان نسخوں میں متن مطبوعہ سے مختلف ہے۔ اور زواید
بھی بہت ہیں — نٓ میں اس طرح سے ص ۲۱۳ س ۳، ۱، یہ ترتیب
بہتر ہے۔ پھر ۴۲ زائد اشعار جن میں ممدوح کو مخاطب کیا ہے۔ اور اس (نگارہ)
اور اپنے کلک کی تعریف کی ہے۔ پھر ص ۲۱۲ س ۵، ۶، پھر ص ۲۱۵ س ۴ تا ۱۲ (بحذف بعض)
پھر ص ۲۱۴ س ۲ تا آخر (بحذف اشعار مذکورہ بالا)، کنٓ میں زاید اشعار کی تعداد ۲۸ ہے۔
باقی ترتیب نٓ کے مطابق ہے مگر ص ۲۱۵ س ۱۲ کے بعد ص ۲۱۳ س ۷ تا ۱۱ ہیں۔ پھر

۱۲، ۱۲، ۱۳، ۱۷، پھر ۱۷، ۱۸، (و بیچ بیچ میں بعض زواید) پھر ۱۹، اور اس پر کن میں ساقی نامہ ختم ہے، وآن کی ترتیب فی الجملہ ن کے مطابق ہے۔ ــــ س ۱، ہرسہ نسخ: بہم سحر و معجز برآمیختم (اسی طرح بنالو) ــــ س ۲، ہرسہ نسخ: زادہ ــــ س ۴، مصراع اول ن وآن میں مثل متن ــــ ن بادہ و باغ شد، وآن میں ہے: تازہ گل باغ شد، ــــ س ۵، وآن: بہ نفرین دشمن بہ الخ ــــ س ۶: ن: روید (بجائے گرید)۔ وآن مثل متن ــــ ن آیین (بجائے کا ہین)، وآن: کایین ــــ س ۷، وآن: مرگ (بجای کہف) ــــ س ۹، ہرسہ نسخ: لب از دخل (یہ متن مطبوعہ سے بہتر معلوم ہوتا ہے) ــــ کن: بلبشان و گفتن بگوش، وآن: پشیمان بہ تحسین گوش (بے معنی) ــــ س ۱۰، کن: آگندہ تر (بجای اگندہ تر)، وآن: افسردہ تر م) ــــ س ۱۱، ہرسہ نسخ: بر سخن، ــــ باب (بجای باغ) یہ بہتر ہے۔ ــــ س ۱۲، فقط کن: چون چشم ساقی بخواب، (وآن مثل متن) ــــ س ۱۳، وآن کن: کینہ (بجائے سینہ) ــــ در ابروی ــــ فقط کن: در ابرو گرہ (بجائے در دُم گرہ) ــــ س ۱۵، ن: نندآن (بجائے زوندان) ــــ س ۱۴ و ۱۵ وآن میں نہیں ہے ــــ س ۱۶، ہرسہ نسخ: برند (بجائے گزند) ــــ س ۱۷، وآن بوزر۔

ص ۲۱۵ س ۱: می (بجائے نی) ــــ س ۴، ہرسہ نسخ: ای (بجائے آن) ــــ س ۵: ن کن: از طبع، وآن مثل متن، ــــ س ۶، وآن کن: شیشہ (بجائے سینہ) اور یہی درست ہے ــــ پنبہ شیشہ مرہم رسد، اور یہی درست ہے (ن میں یہ شعر نہیں ہے)، ــــ س ۷، وآن: میخانہ (بجای پیمانہ)، کن: ہمسایہ، ــــ .... ــــ ن وآن بتخانہ، کن: تبحالہ ــــ س ۸، ہرسہ نسخ: شاہوار (بجای پی شمار)

——س ۱۱، ہرسہ نسخ، ساغر پرست، اور یہی درست ہے——س ۱۲، اسکے بعد ن میں ہے: ؎

کہ این مظہر رحمتِ خاص را | کہ خورشید شد عرش اخلاص را
برومندی از فیض ساقی بخش | می کوثر از جام باقی بخش
دلش را چو گل در چمن تازہ دار | بران گل مرا بلبل آوازہ دار

یہی بیت و ن اور ک ن میں ہیں۔ مگر ک ن میں پہلے بیت میں ہے: آن مظہر رحمتِ خاص را۔ کہ جبریل شد الخ اور و ن میں: کہ مستظہر رحمت (اور باقی مثل متن) —— س ۱۷، ن و ن: ہر رگم (بجای زہر کم) —— چو مارے کہ از (بجای چو بادلسیت کز)، یہی صورت درست معلوم ہوتی ہے—— س ۱۹: ن و ن: بشو لب ز (بجای جگر خشک شورابہ)—— نفس پر کن،

ص ۲۲۶ س ۱۱ و ن و ن میں نہیں —— س ۱۳، ن: شرمندہ ساز۔ خندہ ساز و ن مثل متن،

سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ

فصل اوّل

جاہلی عرب

انکی تاریخ - مذہب۔ علم اور انکے رسوم ورواج

عربستان کی وجہ تسمیہ | اہل عرب جس خطۂ ملک میں بود و باش رکھتے ہیں۔ وہ خود تو اُسے جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔ مگر ہم عربیا کہتے ہیں۔ یہ نام صوبہ تہامہ کے ایک چھوٹے سے قطعے سے لیا گیا ہے۔ جسے عربہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ عربہ بجائے خود یعرب بن قحطان کے نام پر موسوم ہوا جو قدیم عربوں کا مورثِ اعلیٰ تھا

یہ وہی حصہ ملک ہے جہاں چند نسلوں کے بعد حضرت ابراہیم و ہاجرہ کے فرزند حضرت اسمٰعیل رہا کرتے تھے۔ عیسائی مورخ چند صدیوں تک ان عربوں کو سیراسن (Saracen) نام سے پکارتے رہے ہیں۔ اور یہ نام یقینی طور پر شرق سے مشتق ہے۔ جس سمت میں حضرت موسیٰ نے (کتاب پیدائش میں) اولاد یوکٹن (قحطان) کو آباد قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ یہودیوں سے مشرق کی جانب میں آباد تھے۔

عربستان وسیع معنوں میں کونسا ملک ہے | اگر ہم عربستان کے لفظ کو اس کے نہایت وسیع معنوں میں استعمال کریں۔ تو اس میں لبعض اوقات وہ تمام عریض و طویل علاقہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جو دریائے فرات۔ خلیج فارس۔ بحر سندھ۔ بحر ہند۔ اور بحر قلزم سے گھرا ہوا ہے۔ اس علاقے کے دو تہائی حصے میں وہ ملک شامل ہے۔ جسے اصل معنوں میں عربستان کہا جاسکتا ہے۔ اور قریب قریب طوفانِ نوح کے وقت سے عربوں کے قبضۂ تصرف میں چلا آتا ہے۔ رہا باقی علاقہ۔ سواد سیریا تو اہل عرب اپنی بستیاں بنا کر قابض و متصرف ہو گئے یا لگاتار لڑائی بھڑائی سے ہتیا بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ترک اور ایرانی تمام علاقے کو عربستان کے نام سے پکارتے ہیں۔ یعنی وہ علاقہ جہاں عرب لوگ رہتے سہتے ہیں۔

عربستان حقیقی | لیکن معمولی اور مناسب معنوں کے لحاظ سے عربستان کا علاقہ اتنا وسیع الاکناف نہیں۔ وہ ایک طرف تو اُس خاکنائے سے آگے نہیں بڑھتا جو ایلہ سے خلیج فارس کے سرے تک جاتی ہے۔ اور دوسری طرف کوفہ کے حدود تک پھیلتا ہے۔ اور قریباً یہی علاقہ ہے جسے اہل یونان نے خوشحال عربستان کا خطاب دے رکھا تھا۔ عربستان سنگلاخ کی بابت مشرقی جغرافیہ والوں کی رائے ہے۔ کہ اوسکا کچھ حصہ تو ملک مصر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور کچھ ملک شام سے۔ اور صحرائے عرب کو وہ صحرائے شام کا نام دیتے ہیں۔

عرب کے پانچ صوبے | مشرقی مورخ عربستانِ حقیقی کو عموماً پانچ مندرجہ ذیل صوبوں میں منقسم کرتے ہیں:۔

(۱) یمن (۲) حجاز (۳) تہامہ (۴) نجد (۵) یمامہ

اسمیں کلام نہیں کہ بعض مورخ بحرین کو بھی عربستان ہی کا ایک صوبہ سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت صوبہ بحرین کا تعلق عراق سے ہے۔ بعض مورخ عربستان کو صرف دو ہی صوبوں میں منقسم کرتے ہیں۔ یعنی یمن اور حجاز۔ موخرالذکر میں تہامہ۔ نجد اور یمامہ کے تین صوبے بھی شامل ہیں۔

صوبہ یمن | اس صوبے کا نام یا تو اسلئے یمن پڑ گیا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے دائیں طرف یعنے جنوب میں واقع ہے۔ یا اسلئے کہ اوس علاقے کی سرزمین نہایت سرسبز اور شاداب واقع ہوئی ہے۔ یہ صوبہ بحر ہند کے کنارے کنارے بحر ہند سے راس الحد تک چلا گیا ہے۔ اسکے دو جانب یعنی جنوب اور مغرب میں تو بحیرۂ قلزم کا کچھ حصہ واقع ہے۔ اور شمال میں صوبہ حجاز۔ صوبہ یمن کو پھر چھوٹے چھوٹے حلقوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرموت۔ شحر۔ عمان۔ بخران۔ وغیرہ انمیں سے ضلع شحر صرف ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں لوبان پیدا ہوتا ہے۔ یمن کا دارالسلطنت صنعا ہے۔ یہ شہر ایک قدیم بستی ہے۔ جسے پرانے زمانے میں اوزل کہا جاتا تھا۔ اور اپنی خوش منظر جائے وقوع کیلئے نہایت مشہور ہے۔ لیکن حاکم یمن اسوقت صنعا سے پانچ فرسنگ جانب شمال حصن المواہب نامی ایک مقام میں سکونت رکھتا ہے۔ جو خود بھی کچھ کم خوشگوار جگہ پر واقع نہیں۔

یمن کی زرخیزی | یہ ملک قدیم الایام سے اپنی نفیس آب وہوا۔ اپنی سرسبزی وشادابی اور اپنی زرخیزی کیلئے مشہور چلا آتا ہے۔ انہیں وجوہات کی بنا پر۔ جب سکندر اعظم اپنے ہندوستانی محاربات سے فراغت پاکر لوٹا۔ تو اُسنے ارادہ کیا کہ اس علاقے کو فتح کرکے اپنا دارالسلطنت بنائے۔ لیکن اوسکی قبل از وقت نے اس تجویز پر پانی پھیر دیا۔ بہرحال یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ جس مال ودولت کی نسبت قدماء کا خیال تھا کہ عرب کی پیداوار ہے۔ حقیقت میں اوسکا بڑا حصہ وہاں پیدا نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ہندوستان اور سواحلِ افریقہ سے آتا تھا۔ اس غلط

فہمی کا باعث یہ تہا کہ یہ مال تجارت براہ بحیرۂ قلزم آتا جاتا تہا۔ اور تجارت کلیتۂ اہل[1] مصر کے ہاتھ میں تھی۔
جنہوں نے کمال دانشمندی اور دُور بینی سے اس امر کو اسلئے پوشیدہ رکھ چھوڑا تہا کہ مبادا اغیار وا جانب
اونکے بندرگاہوں میں داخل ہوکر اونکے ملک کے رازوں پر مطلع ہوجائیں۔ اور اسطرح اونہیں نقصان
اٹھانا پڑے۔ الغرض ایک طرف تو اہل مصر کی یہ دُور اندیشی اور دوسری طرف عرب کے وہ صحرا جو اجنبیوں
کیلئے ناقابل گذر تہے۔ وجوہات ہیں اس امر کے کہ اہل یونان اور روما۔ ملک عرب سے اسقدر کم
واقفیت رکہتے تہے۔ یمن کی خوشحالی اور زرخیزی کا بڑا سبب وہاں کے پہاڑ ہیں۔ کیونکہ وہ تمام علاقہ
جو بحیرہ قلزم کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ محض ایک خشک اور بنجر بیابان ہے۔ جو بعض بعض جگہ
دس دس یا بارہ بارہ فرسنگ سے بھی زیادہ طویل ہے۔ لیکن جسے قدرت نے اون پہاڑوں سے
محیط کردیا ہے۔ جنہیں پانی کی کچھ کمی نہیں۔ اور جہاں سے ہمیشہ ایسے چشمے بہتے رہتے ہیں۔ جو خشک ہونے
کا نام تک نہیں لیتے۔ قہوہ تو خیر وہاں کی ایک مخصوص پیداوار ہے ہی۔ اسکے علاوہ بے شمار مختلف قسم
کے میوہ جات بالخصوص اناج۔ انگور اور خوشبودار مصالح بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس ملک میں کوئی
دریا نہیں ہے۔ کیونکہ چھوٹی چھوٹی ندیاں جو سال کے بعض حصوں میں پہاڑوں سے اُترتی ہیں۔ اُنہیں
شاذ و نادر ہی سمندر تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ اُن کے پانی کا بڑا حصہ یا تو پینے کے کام آجاتا ہے
یا ساحل کی دُہوپ میں تپنے اور جھلسے ہوئے ریت کے اندر جذب ہوجاتا ہے۔

دوسرے صوبوں کی سرزمین کا مجمل حال | دوسرے صوبوں کی سرزمین یمن کی نسبت کہیں زیادہ
بنجر اور ویران واقع ہوئی ہے۔ اُن علاقوں کا بڑا حصہ یا تو خشک ریت سے ڈھپا رہتا ہے۔ یا
چٹانوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں ہرسبز اور میوہ دار مقامات بھی آجاتے ہیں۔ جن کی
خوشحالی کا باعث وہاں کے چشمے اور کھجوروں کے درخت ہیں۔

صوبۂ حجاز | حجاز کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ صوبہ۔ نجد اور تہامہ کے صوبوں کو الگ کرتا ہے۔ اس کے
جنوب میں یمن اور تہامہ واقع ہیں۔ مغرب میں بحیرہ قلزم۔ شمال میں صحرائے شام اور مشرق میں

---

[1] یہ بیان قابلِ ترمیم ہے۔

صوبہ نجد۔ یہ صوبہ اپنے دو مشہور شہروں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے باعث خاص شہرت رکھتا ہے۔ مکہ کو ہمیشہ سے ایک مقدس اور متبرک مقام ہونے کے علاوہ یہ شرف بھی حاصل ہوا۔ کہ وہ محمد (صلعم) کی پیدائش کی جگہ ہے۔ اور مدینہ وہ مقام ہے۔ جس میں آپ نے اپنی عمر کے آخری دس سال گذارے۔ اور وہیں مدفون بھی ہوئے۔

مکہ معظمہ | مکہ کو بعض اوقات بکہ بھی کہتے ہیں۔ اور یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ جن کا لفظی مطلب "ہجوم ہونے کا مقام ہے۔" یہ شہر فی الحقیقت دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور ایک پتھریلی اور بنجر وادی میں واقع ہے۔ اس شہر کا طول شمالاً جنوباً۔ دو میل کے قریب ہے۔ اور عرض۔ کوہ اجیاد کے دامن سے لیکر۔ کوہ قعیقعان کی چوٹی تک۔ ایک میل۔ بس اس طول و عرض کے مابین یہ شہر واقع ہے۔ اور اُس پتھر کا بنا ہوا ہے۔ جو آس پاس کے پہاڑوں سے کاٹ کاٹ کر نکالا گیا ہے۔ مکے کے قریب کوئی چشمے نہیں۔ اور اگر ہیں بھی تو اسقدر کھاری اور تلخ کہ پینے کے کام نہیں آسکتے۔ البتہ چاہ زمزم ہے جس کا پانی گو مقابلتاً نہایت اچھا ہے۔ لیکن کھاری ضرور ہے۔ اسلئے وہ بھی مسلسل پیا نہیں جاسکتا۔ اور جو شخص اُسے متواتر پیتے رہے ہوں۔ اُنہیں پھوڑے پھنسیاں نکل آتے ہیں۔ پس اہلِ مکہ پینے کے لئے بارش کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کافی نہیں ہوتا۔ اسلئے چند بار کوشش کیگئی کہ پانی دیگر مقامات سے رجبہوں کے ذریعے لایا جائے۔ اور بالخصوص آنحضرت کے وقت میں اہلِ قریش میں سے ایک شخص زبیر نامی نے بصرف کثیر یہ کوشش بھی کی کہ کوہ عرفات سے پانی مہیا کیا جائے۔ لیکن یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ مگر اب چند سال کا عرصہ گذرا کہ اس تجویز میں خاطرخواہ کامیابی حاصل ہوگئی۔ ابتدائی مصارف اس آب رسانی کے سلطان سلیمان شاہ روم کی ایک حرم محترم نے ادا کئے۔ اس سے بہت عرصہ قبل۔ کسی دُور دراز چشمے سے ایک رجبہا ادھر لایا گیا تھا جسکی تکمیل میں چند سال لگ گئے تھے۔ اور جسکو خلیفہ المقتدر نے مکمل کیا تھا۔

سرزمین مکہ | مکے کی ملحقہ زمین ایسی بنجر واقع ہوئی ہے۔ کہ سوائے اُن میوہ جات کے جو بیابانوں سے مخصوص ہیں۔

کوئی میوہ وہاں پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ وہ خوشنما باغ مستثنیات سے ہے جو شریف مکہ کے رہائشی مقام حصن مرلو میں لگا ہوا ہے، اور مکہ سے تین میل کے فاصلے پر جانب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اناج وغیرہ کی قسم سے وہاں کوئی چیز قطعاً پیدا نہیں ہوتی۔ باشندگان مکہ کو یہ اجناس دوسرے مقامات سے لانی پڑتی ہیں۔ اس مطلب کے لئے آنحضرت کے پردادا ہاشم نے۔ جو اوسوقت اپنی قوم کے سردار تھے۔ دو قافلے تیار کئے جن میں سے ایک تو موسم گرما میں روانہ ہوتا تھا اور دوسرا سرما میں۔ ان قافلوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے[۵]۔ جو سامانِ خورد و نوش یہ قافلے لیکر آتے۔ وہ بھی سال میں دو مرتبہ ہی تقسیم کیا جاتا تھا۔ اول ماہ رجب میں اور دوم اوسوقت جب مکہ میں زائرین کی آمد شروع ہوتی تھی۔ کھجوریں اہلِ مکہ کو متصلہ علاقے سے بکثرت مل جاتی ہیں۔ مگر انگور طائف سے آتے ہیں۔ جو مکہ سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ باشندگان مکہ عموماً بہت متموّل ہیں۔ اس کا باعث یہ ہے کہ ہر سال وہاں زائرین کا ایک کثیر مجمع ہو جاتا ہے۔ جن میں قریب قریب ہر ملک اور قوم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اس تقریب پر ہر قسم کے تجارتی مال کی ایک عالیشان منڈی لگ جاتی ہے۔ اوس سے اہلِ مکہ بہت نفع کماتے ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کے پاس مویشیوں اور خصوصاً اونٹوں کی بھی بڑی معقول تعداد ہوتی ہے۔ لیکن اس تمول کے باوجود بھی بیچارے غربا کو ضرور دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے کہ وہاں ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کی چیز بھی نقدی کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مکہ کا قرب و جوار خواہ کیسا ہی ویران اور بنجر ہو۔ لیکن اس علاقہ سے باہر نکلنے کی دیر ہے۔ کہ ہر طرف بہتے ہوئے پانی کے چشمے اور نہریں بافراط دکھائی دیں گی۔ اور باغات اور مزروعہ زمین بکثرت نظر پڑینگی۔ کعبہ اور حرمت حرم کا ذکر آگے آئے گا۔

مدینہ منورہ | یہ شہر آنحضرت کی ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد

---

[۵] سورۂ ایلاف میں۔ سردیوں میں قافلہ یمن کو جاتا تھا اور گرمیوں میں شام کو۔ اڈیٹر

مدینہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ شہر ایک مضبوط فصیل سے محفوظ۔ طول و عرض میں مکہ معظمہ سے قریبًا نصف۔ جس ہموار میدان میں مدینہ واقع ہے۔ اس کی زمین اگرچہ جا بجا شور ہے۔ تاہم زرخیز ہے۔ اور کھجوریں اس میں بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ علی الخصوص کوہہائے احد اور ایر (؟) کے دامن میں جو قریبًا دو دو فرسنگ کے فاصلے پر علی الترتیب مدینہ منورہ کے شمال اور جنوب میں واقع ہیں۔ اس شہر میں آنحضرت کا مزار ہے۔ جس پر گنبد سے مزین ایک خوبصورت اور سربفلک عمارت ایستادہ ہے۔ یہ عمارت مشرق کی طرف اُس عالیشان مسجد سے جا ملتی ہے جو اُس شہر میں تعمیر کی گئی ہے۔

صوبہ تہامہ | اس صوبے کا نام اس مناسبت سے تہامہ پڑ گیا ہے۔ کہ اُسکی ریتیلی سرزمین سے جھلسنے والی حرارت نکلتی رہتی ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ نشیب پر واقع ہے۔ اسے بعض اوقات غور بھی کہتے ہیں۔ اسکے مغرب میں تو بحیرہ قلزم واقع ہے۔ اور باقی اطراف حجاز اور یمن سے محدود ہیں۔ جو مکے سے شروع ہوکر عدن تک پھیلے ہوتے ہیں۔

صوبہ نجد | نجد کے معنے ایسے خطۂ ملک کے ہیں۔ جو بتدریج بلند ہوتا چلا گیا ہو۔ یہ صوبہ عراق کے مشرق میں یمامہ۔ یمن اور حجاز کے درمیان واقع ہے۔

صوبہ یمامہ | اس لحاظ سے کہ یہ صوبہ۔ صوبۂ یمن کے جائے وقوع سے ترچھا واقع ہے۔ اسے بعض اوقات عروض کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ یہ خطہ صوبجات نجد۔ تہامہ۔ بحرین۔ عمان۔ شحر۔ حضرموت اور سبا کے مابین واقع ہے۔ چونکہ دارالسلطنت کا نام یمامہ ہے۔ اسلئے تمام صوبے کا نام یہی پڑ گیا۔ قدیم زمانے میں اس شہر کو جو کہتے تھے۔ یہ خصوصیت کیساتھ اسلئے مشہور ہے۔ کہ یہاں مسیلمہ کذاب رہا کرتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جسنے آنحضرت کے وقت میں نبوت کا جھوٹا دعوے کیا تھا۔

(میر) حفیظ الدین

عہد محمد تغلق کے مصنفین

شیخ نظام الدین اولیاء ۷۲۵ھ میں فوت ہو گئے۔ اور ان کے تھوڑے دنوں کے بعد اقلیم سخن کے تاجدار امیر خسرو دہلوی بھی رخصت ہو گئے۔ ادہر غیاث الدین تغلق کا لائق بیٹا محمد تغلق تخت نشین ہوا۔ جو نہ صرف سپاہی تہا۔ بلکہ ایک جیّد عالم بھی تہا۔ یہ ۷۲۵ھ کا واقعہ ہے۔

ذیل کی سطور میں اسی بادشاہ کے زمانۂ حکومت کی تصنیفات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ جس کی بے پایاں فیاضیوں اور بے اندازہ عنایتوں سے توقع ہو سکتی ہے۔ کہ اس دور میں کہ ایک وسیع اور زبردست لٹریچر پیدا ہوا ہو گا۔ اور جیسا کہ خود سلطان اپنی محیّر العقول سیاسی تدابیر کا بانی اور مخترع تہا۔ ویسا ہی اس نے ایک جدید وضع کے لٹریچر کی پرورش کی ہو گی۔ مگر تعجب اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس کے زمانہ کو، لٹریچر کے لحاظ سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔

امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی نے شاعری کو اوج کمال پر پہنچایا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے بعد لوگ ان کی تقلید کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ البتہ اس زمانے کے لٹریچر کی کوئی خصوصیت ہو سکتی ہے۔ تو وہ ایک ہی ہے۔ کہ تصوّف اور دوسری دینی تصنیفات بکثرت ہوئیں۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ نظام الدین اولیاء کے دم قدم سے دہلی کا کوچہ کوچہ اور گھر گھر تکیۂ تصوّف بنا ہوا تھا۔ ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے اکثر اہل فضل و کمال تھے۔ اپنے شیخ کی عقیدتمندی کا اظہار کرنے کے لئے اکثروں نے منقولات، ملفوظات وغیرہ قلمبند کئے۔ غرض اس قسم کے کتابوں کا ایک انبار ملسکتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ اگر بدر چاچ ضیاء الدین برنی

اور ضیاء نخشبی کو ذیل کی فہرست سے خارج کر دیا جاوے۔ تو ہندوستان کی ادبی تاریخ لکھنے والا، محمد شاہ تغلق کے عہد کو نظر انداز کرنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے۔

سلطان محمد تغلقوں کے گھرانے کا گل سرسبد تھا۔ یہ زمانہ سیاسی شورشوں کا زمانہ ہے۔ سلطان کی سیاسی تدابیر کو لوگ سمجھنے سے قاصر تھے۔ اسلئے اکثر مخالفت کرتے تھے۔ سلطان اُنکی اس بے دماغی پر متاسف ہوتا۔ اور سزا دیتا۔ غرض اسی طرح رائے عامہ، سلطان کو ایک سفاک اور ظالم سلطان کہتی تھی۔ ضیاء برنی جیسے نمک خوار مورخ نے اس کے حالات کو بڑے ایجاز و اختصار سے رقم کیا ہے۔ اور کسی اہل علم و فضل کا تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ علاؤ الدین خلجی کے دربار کے فضلا کو خاص طور پر اس نے پیش کیا ہے۔ گمان گذرتا ہے۔ کہ شاید وہ زمانہ علم کے لحاظ سے اتنا قحط کا زمانہ نہ ہوگا۔ مگر تعجب اس امر کا ہے۔ کہ چند چیزوں کے علاوہ، کوئی شئے "آثار" کی صورت میں بھی ہم تک نہ پہنچی۔ اور بہت ممکن ہے۔ کہ جلداً جانیوالے سیاسی انقلابات نے سب کچھ مٹا دیا ہو۔ یہاں تک صرف قیاسات ہی تھے۔ اب ہم' واقعات" پر نظر کر کے، چند حقائق کو قلمبند کرنا چاہتے ہیں۔

سرنامہ کے لئے خود اس عالم جرنیل کا نام زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے۔ جس کے اختراعات کا سارا زمانہ قایل ہے۔ سلطان ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ عالم تھا۔ بہت کتابیں ازبریاد تھیں۔ اس کی مستقل تصنیف "تغلق نامہ" آج دنیا میں موجود نہیں۔ اسکا ایک ٹکڑا برٹش میوزیم میں ہے۔ جو صرف دو اوراق پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ کتاب قاضی منہاج جوزجانی کی طبقات ناصری کے اختتام پر ہے۔ (اوراق ۳۱۶، ۳۱۷)

ڈاکٹر ریو نے ان اوراق کو محمد تغلق کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے دلایل یہ ہیں:

---

[1] انڈیا لائبریری کیٹلاگ ج ۱، ص ۲۶۔ [2] ریو ج ۱، ص ۷۳۔

(۱) خود کتاب کے ۱۱ ورق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملک فخر الدین جونا، صیغۂ متکلم میں تحریر کر رہا ہے۔ (۲) نیز ان اوراق میں جو تاریخی باتیں درج ہیں۔ وہ بالکل صحیح ہیں۔ اور کسی طرح بھی دوسری کتابوں کے خلاف نہیں۔

ریو بحوالہ Journal of the Asiatic Society of Bengal لکھتے ہیں۔ کہ اس کتاب کا نام "فتوحات فیروز شاہی" ہے۔ صاحب موصوف نے تاریخ فرشتہ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن حوالہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صاحب موصوف کو سہو ہوا ہے۔ یہ "فتوحات فیروز شاہی" سلطان فیروز شاہ کی تصنیف ہے۔ جس کا ترجمہ ایلیٹ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے[1]۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

وسلطان فیروز شاہ کہ نود سال ....
......کتاب فتوحات فیروز شاہی تصنیف اوست[2]

اس کتاب کا اصل نام "تغلق نامہ" ہے۔ یہ اس تغلق نامہ سے بالکل جدا ہے۔ جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔ اور جو مناقب سلطان غیاث الدین تغلق پر مشتمل ہے۔ ریو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ورق ۲۱۶ پر تاریخی مواد ہے۔ اس میں مجملاً غیاث الدین بلبن سے لیکر خسرو خاں تک کے واقعات ہیں۔ ورق ۲۱۷ پر کچھ فلسفیانہ باتیں ہیں۔ اور لکھنے والا حق اور امام حق کا متلاشی معلوم ہوتا ہے۔ تواریخ سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ سلطان (۱) مذہبیات وغیرہ کی طرف بے اعتنائی کرتا تھا۔ اور عبید۔ انتشار منطقی نے اسے فلسفہ کی طرف مائل کر دیا تھا۔ فرشتہ میں ہے[3]:۔

"نیز اکثر اوقات خویش را صرف معقولات فلاسفہ ساختے.... از نقلیات آنچہ تطبیق آں بہ عقلیات متصور بودے۔ تصدیق کردے،،

---

[1] ایلیٹ، ج ۳، [2] فرشتہ، ج ۱، ۲۷۱۔ [3] ج ۱، ۲۳۷۔

یہ دلائل اس بات کو ثابت کرنے کیلئے ناکافی نہیں۔ کہ یہ سلطان کی تصنیف، تغلق نامہ ہی کا بقیہ ہے۔

اسلوب: سلطان نے عملی طور پر بہت سی اختراعات کی ہیں۔ اس نے زراعت کو ایک فن بنایا۔ اسکے متعلق خود قوانین وضع کئے۔ دن رات زراعت اور کاشتکاری کو کامیاب بنانے کی فکر میں رہتا۔ اور سوچنے کے بعد جس نتیجے پر پہنچتا۔ لکھ لیتا۔ اس کے تحریر کا نام "اسلوب" تھا۔ برنی لکھتا ہے[1]۔

ہرچہ دراز دیار زراعت در تصوّر سلطان مے گذشت

ودر قلم مے آمد۔ آن را "اسلوب" نام مے شد"

افسوس کہ زمانے نے ہمیں اس گران قدر متاع کے دیکھنے سے محروم کر دیا ہے جس کے اندر اس با دماغ شاہزادے کے ذہن رسا کے نتائج پنہاں ہیں۔ زیادہ تر ہمارے مورخ اس سہل انگاری کے ذمہ دار ہیں۔ برنی نے ان "اسالیب" کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ سکیم یہ تھی۔ کہ ایک خاص محکمہ اس کام کیلئے بنایا۔ اس محکمہ یا دیوان کا نام "دیوان امیرکوہی" تھا۔ اس محکمے میں کئی عہدہ دار اور منصبدار رکھے گئے۔ ہر منصبدار کے زیر انتظام علاقے کا رقبہ ۳۰ × ۳۰ کوس تھا۔ خیال یہ تھا۔ کہ اس رقبے میں ایک بالشت بھر زمین بھی بے زراعت نہ رہے۔ ہر سال زمین نئی جنس بوئی جائے۔ تاکہ زمین سب کچھ پیدا کرنے کے قابل ہو جائے"۔ یہ مختصر الفاظ اس زبردست سکیم کا مطلب اور وسعت ظاہر کرنے کے کچھ نہ کچھ مدد دیتے ہیں۔ یہ سکیم نہایت محنت کے ساتھ خود سلطان نے قلمبند کی تھی۔ اسکے علاوہ "مالیات" کو بھی ایک فن بنانے کا خیال تھا۔ چنانچہ برنی[2] کے ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے:۔

سوم اشتغال سلطان محمدؐ در سنوات مذکور در وضع

---

[1] برنی، ص ۴۹۸۔ [2] برنی، ص ۴۹۹۔

اسالیب بودے اعنی تصورات از دیار شمال وحشم الخ

یہاں صرف ان باتوں کا ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔ جو سلطان کی قوت تحریر اور قوت تصنیف پر شاہد ہوں۔ ورنہ سلطان کی قابلیتوں کے ذکر کیلئے یہ جگہ ناکافی ہے۔

سلطان کی شاعری: فرشتہ لکھتا ہے[1]:۔

"وشعر فارسی بغایت نیکو گفتے"

کسی دیوان یا مثنوی وغیرہ کا مطلق کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ایک دو رباعیاں، ایک آدھ قطعہ سلطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ فرشتہ[2] نے عالم نزع کے ابیات لکھے ہیں:۔

بسیار درین جہان چمیدیم ‫ ‫ بسیار نعیم و ناز دیدیم

اسپان بلند بر نشستیم ‫ ‫ ترکان گران بہا خریدیم

کردیم بسے نشاط و آخر ‫ ‫ چون قامت ماہ نو خمیدیم

ہفت اقلیم میں[3] یہ رباعی سلطان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ جو انہوں نے شیخ شرف الدین پانی پتی (المتوفی ۷۲۴ھ) کو لکھی تھی:۔

گر راست کند صورت مردی و زنی ‫ ‫ گر بشکند این طلسم جادو و فنی

کس نیست کہ استاد قضا را پرسد ‫ ‫ کز بہر چہ سازی و چرا می شکنی

شیخ شرف الدین نے جواب میں یہ رباعی رقم کی:۔

شرطست کہ در امر قضا دم نزنی ‫ ‫ این فرع کہ گفتی نہ تو مردی نہ زنی

گل را چہ مجال است کہ پرسد ز کلال ‫ ‫ کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنی

بعض بعض مقامات میں سلطان کی بلاغتِ تحریر کا ثبوت پیش کرنے کیلئے کچھ برجستہ کلمات ملتے ہیں۔ ایک موقعہ پر سلطان نے شیخ رکن الدین پر حد سے زیادہ عنایات کیں۔ وہ اس مال و منال کو لے کر عازم وطن ہوئے۔ راستے میں ڈاکہ پڑا۔ خالی ہاتھ بادشاہ کے پاس

---

[1] فرشتہ ج ۱ ص ۲۳۷۔ [2] فرشتہ ج ۱، (نولکشور) ص ۱۴۲۔ [3] ہفت اقلیم (قلمی) ورق ۲۲۴۔

واپس آئے۔ بادشاہ نے ان کو دیکھ کر از روئے مذاق یہ کہا :۔

آمدی کہ زربری و باصنم دلربا خوری، زر نبردی و سر بہنی[1]

میر علی تبریزی نے ایک موقعہ پر بغاوت کی۔ سلطان نے اُسے کئی بار معاف کیا۔ آخر سلطان نے تنگ آکر اُسے نکالدیا۔ وہ ہرات میں جا ٹھہرا۔ اور سلطان کی طرف ایک عریضہ روانہ کیا۔ اور رحم کا طالب ہوا۔ بادشاہ نے اُس کی پُشت پر لکھ دیا "اگر باز آمدی باز آئی"[2]

افسوس کہ مؤرخین نے جتنا سلطان کے علم و فضل پر زور دیا ہے۔ اتنا ہی اس کے علمی کارنامے اور فیاضیاں بیان کرنے میں بخل سے کام لیا ہے۔ ناچار اس مختصر سے تذکرے کے ساتھ سلطان کو رخصت کرتے ہیں۔

شعرا : میں نے تمہید میں اشارۃً اس عہد کے رجحان طبع کا ذکر کیا ہے۔ قیاس و قرائن سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے کو تصوف اور شاعری کے لحاظ سے زیادہ کامیاب ہونا چاہیئے۔ لیکن حال یہ ہے۔ کہ بجز ایک دو شاعروں کے ہمیں کسی قافیہ توز کا بھی پتہ نہیں چلتا خود بدر چاچ کو لیجئے۔ ہمعصر مؤرخ اس کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ بدایونی نے اس کا ذکر چند الفاظ میں کیا ہے[3]۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اکثر اہل علم کا نام ان مؤرخین کی غفلت اور سہل انگاری کا شکار ہو گیا ہوگا۔ لیکن واقعات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا غالباً زیادہ درست ہے۔ کہ اس زمانے میں شاعری کو زیادہ فروغ نہیں ہوا۔ ورنہ کچھ نہ کچھ آثار کی صورت میں ہم تک ضرور پہنچتا۔

حسن ۔ خواجہ حسن دہلوی[4] سلطان محمد تغلق کے زمانے میں بمقام دولت آباد فوت ہوئے۔ (۷۲۷ھ) ان کی شاعری اور ان کے حالات مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہاں ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ اختصاصاً محمد تغلق کے زمانے کے شاعر نہیں ہیں۔

---

[1] ابن بطوطہ (ترجمہ اردو) ص ۱۰۹ ۔ [2] ابن بطوطہ (اردو) ص ۱۵۰ ۔ [3] بدایونی، ص ۲۴۱ ۔

[4] ان کے حالات کے لئے دیکھو بیان خسرو، اخبار الاخیار وغیرہ ۔

بدر چاچ: سلطان کے دربار کا سب سے بڑا اور اکلوتا شاعر "بدرالدین چاچی" تھا۔ بدرالدین شاش یا چاچ یا تاشکند کا رہنے والا تھا۔ اپنی زندگی کا اکثر حصہ سلطان کے ساتھ بسر کیا۔ بادشاہ کے ہاں اسکی بڑی عزت تھی۔ اسکو "فخرالدین" کا لقب دیا۔ چنانچہ بدر خود ایک مقام پر لکھتا ہے ؎

دریں در بدر چاچی را سخن شیریں غلامے داں
اگرچہ خسرو عالم کند فخرالزماں لقبش

تذکروں میں بدر کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ اسکی زندگی کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ سلطان نے ایک دفعہ اسکو دولت آباد روانہ کیا تھا۔ اس کا سن وفات غالباً وہ صحیح ہے۔ جو تقی کاشی نے دیا ہے یعنی ۷۴۵ھ۔[1]

بدر چاچ کی فارسی لٹریچر میں سب سے بڑی خصوصیت اسکے قصاید ہیں۔ اسکے کلام میں استعارہ، اغراق بے حد پایا جاتا ہے۔ وہ اکثر معمہ میں بات کرتا ہے۔ جس کا سمجھنا عام افہام سے بالا ہے۔ پروفیسر براؤن نے بھی اسکا ذکر کیا ہے[2]۔ یہ قصاید سارے کے سارے سلطان محمد تغلق کی مدح میں ہیں۔ چونکہ اس عہد میں تاریخی مواد کی کمی ہے۔ اسلئے مورخین ان قصاید کو عام طور پر تاریخ کی حیثیت سے بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ الیٹ نے اپنی تاریخ میں اسکا ترجمہ کیا ہے[3]۔

بدر نے قصاید کے علاوہ ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔ جسکا نام "شاہ نامہ" رکھا۔ بدایونی[4] لکھتا ہے

"از شعرائے مشہور در زمان سلطان محمد بدر شاشی مذکور
است کہ شاہ نامہ بنام او گفتہ، قریب بسی ہزار بیت و
ہمیں کہ تاریخ منظوم است غنیمت است"

---

[1] بانکی پور کیٹالاگ، ج ۱، ص ۲۱۰۔ [2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا، ج ۳،
[3] ڈیلیو ایلیٹ، ج ۳، ۔ [4] بدایونی، ص ۲۴۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مثنوی اکبری عہد تک موجود تھی۔ بدر چاچ کے ایک قطعے سے بھی یہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ اس نے ایک کتاب تیار کی تھی۔ اس قطعے کا آغاز یہ ہے

سال تاریخ عرب دولت شہ بو لعقد کاسمان عقد سخنہائے مرلوا و نظام

جمال ملیح شاعر: بدر کے ایک قصیدے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کا ایک ہم عصر، "جمال ملیح" بھی شاعر تھا۔ سلطان نے تو اس شاعر کو بدر کے ساتھ دولت آباد' روانہ کیا تھا۔[1]

بدر نے ایک قطعے[2] میں ایک اور شاعر کی ہجو کی ہے۔ جس کا نام "ناصر الدین" تھا۔ اس ہجو کا آغاز یہ ہے: ع ناصر الدین کہ از علو غلو۔ الخ

ہفت اقلیم[3] کی روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ مولانا جمال الدین بن حسام الدین نے سلطان محمد کی مدح میں ایک قصیدہ رقم کیا۔ جس کا پہلا شعر یوں تھا۔ ؎

الٰہی تا جہان باشد نگہدار این جہان بان را

محمد شاہ تغلق شاہ سلطان ابن سلطان را

مولانائے موصوف نے ابھی پہلا ہی شعر پڑھا تھا۔ کہ سلطان نے روک دیا۔ کہ میں اسکا صلہ بھی نہیں دے سکتا۔ اور پھر مولانا کو سونے میں غرق کر دیا۔

مندرجہ بالا شعرا کے حالات اشارۃً بعض کتابوں میں آگئے ہیں۔ فارسی تواریخ کا یہ نقص مسلم ہے۔ کہ ان میں صرف بادشاہوں کے حالات ہوتے ہیں۔ اور اگر ان میں ملک کی عام حالت، رعایا کے مشاغل اور کوائف معلوم کرنا چاہو۔ تو ناکامی ہوگی۔ اگرچہ ساری تاریخوں کے متعلق یہ فیصلہ صحیح نہیں۔ مگر عمومی حالت یہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہو۔ کہ ہمیں شاعروں کے حالات کم ملتے ہیں۔

باقی لٹریچر: سلطنت دہلی کی مرکزیت اپنے پورے عروج پر تھی۔ ملک کے عام لوگ ہندو اور مسلمان آپس میں کافی مختلط ہو چکے تھے۔ عام زبان، بجائے فارسی کے ہندی تھی۔

---

[1] قصائد بدر چاچ، ص ۴۶۔ [2] قصائد بدر چاچ ص ۱۰۱۔ [3] ہفت اقلیم (قلمی) ص ۳۰۴۔

ہندو لوگ تو پہلے ہی سے فارسی سے مجتنب تھے۔ بسلمان بھی ہندی میں کہنے لکھنے لگے بلکہ مسلمانوں کو ہندی زبان پر قدرت کا فخر تہا۔[1] پس کچھ لوگ تو اس طرح "ہندی" کی طرف مشغول ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے وقت کے عام رجحان کے مطابق "تصوف" میں زور مارا ایک آدھ تاریخ کی کتاب کے علاوہ باقی ساری تصنیفات تصوّف اور فقہ میں ہیں۔ ہم ذیل میں چند چیدہ علما کا ذکر کرتے ہیں جن کی تصنیفات، اسلامی تصوف و فقہ کی گراں قدر متاع خیال کی جاتی ہیں۔

ضیاءالدین برنی: برنی کی زندگی کے ابتدائی حالات معلوم نہیں۔ وہ خود اپنی تاریخ کے دیباچے میں لکھتا ہے۔ کہ اس نے یہ کتاب ۷۵۸ھ میں ختم کی۔ اسوقت اس کی عمر ۷۴ سال تھی۔ شیخ نظام الدین کے مریدوں میں سے تھے۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے ساتھ دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ شیخ عبدالحق[2] لکھتے ہیں۔ کہ انکو حکایات و کلمات میں کافی دسترس حاصل تھی۔ غیاث پور میں رہا کرتے تھے۔ فیروز شاہ کے زمانے میں انہوں نے عزبت سے دن بسر کئے۔ ۶ سال جلوس فیروز شاہی میں فوت ہوئے۔ ان کا مدفن شیخ نظام الدین کے قریب ہے۔ (متوفی ۷۵۸ھ)۔

برنی کی تصنیفات تعداد میں چار ہیں۔ (۱) تاریخ فیروز شاہی (۲) اخبار برمکیان۔ (۳) حسرت نامہ۔ (۴) فتاوائے جہانداری۔ سب سے زیادہ تاریخ فیروز شاہی کو شہرت اور اعتبار حاصل ہے۔ مصنف کا ارادہ تہا۔ کہ طبقات ناصری کا تکملہ لکھے۔ اس تاریخ میں پوری آٹھ سلطنتوں کے حالات درج ہیں۔ یعنی غیاث الدین بلبن سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق تک۔ مصنف نے اس کا مواد زیادہ تر اپنے والد مؤید الملک سے حاصل کیا۔ کچھ ذخیرہ معلومات بعض معتبرین کی زبانی جمع کیا۔ باقی باتیں اپنی یاد سے لکھیں۔ یہ نہایت معتبر کتاب ہے۔ طبقات اکبری اور فرشتہ وغیرہ نے اس سے شدید استفادہ کیا ہے۔ اس تاریخ میں

---

[1] کلکتہ ریویو (۱۸۷۱ء۔ اپریل) ص ۳۲۰۔ [2] برنی۔ ص ۳۳۔ [3] اخبار الاخیار، ص ۱۱۷۔

تمام وہ نقائص موجود ہیں۔ جو حکومتوں اور بادشاہوں کے زیر اثر تحریر کی جاتی ہیں۔ وہ اکثر معاملات کو صرف اسلئے چھپاتا ہے۔ کہ فیروز شاہ تغلق اور محمد شاہ تغلق میں رشتہ اور واسطہ ہے۔ اکثر واقعات کو حذف کر دیتا ہے۔ جو ہمیں بعض دوسری تواریخ سے معلوم ہوتے ہیں۔[1] اسکے علاوہ برنی۔ سنوں اور سالوں کے ذکر میں غلطی کرتا ہے۔ اسکا کوئی خاص ترتیب و انداز نہیں۔[2] ان تمام باتوں کے باوجود یہ اس عہد کی اکلوتی تاریخ ہے۔ اور مورخین کے نزدیک بنظر وقعت دیکھی جاتی ہے۔ ایلیٹ . . . . . نے ساری تاریخ کو ترجمہ کر کے اپنے کتاب میں شامل کرنے کی تجویز کی تھی۔

اگرچہ قاعدے کے مطابق اس کتاب کا ذکر محمد تغلق کے عہد میں نہیں آنا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ مصنف نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ محمد تغلق کے زیر اثر بسر کیا ہے۔ اسلئے اُسے اس عہد کے فضلا میں شمار کرنا بے جا نہیں۔ اور نہ اس کی کتاب کا یہاں ذکر کر دینا نامناسب۔

اخبار برمکیان ۔ برنی کی دوسری کتاب، اخبار برمکیان" ہے۔ یہ عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جو ۷۵۵ھ میں ختم ہوا۔[3]

حسرت نامہ ۔ بھی برنی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اخبار الاخیار[4] میں اس کتاب کا ذکر آیا ہے۔ اسکا موضوع تصوف معلوم ہوتا ہے۔ اسکے کسی نسخے کا پتہ نہیں چلتا۔

انڈیا آفس لائبریری[5] میں ایک اور تصنیف، فتاوے جہانداری" بھی موجود ہے۔ جو علم فقہ و تصوف میں ہے۔

ضیاء الدین نخشبی ۔ شیخ بدایون کے رہنے والے تھے۔ وہاں گوشہ گمنامی میں اوقات بسری کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق[6] دہلوی لکھتے ہیں۔ کہ اس عہد میں تین ضیاء الدین تھے۔ ایک ضیاء الدین برنی جنکو شیخ کے ساتھ عقیدت تھی۔ دوسرے ضیاء الدین سنامی۔ جو شیخ نظام الدین اولیاؒ

---

[1] ایلیٹ ج ۳۔ ص ۹۵۔ [2] ایلیٹ، ج ۳، ص ۹۶۔ [3] باڈلین لائبریری عدد ۳۰۸۔
[4] اخبار الاخیار ص ۱۱۰۔ [5] انڈیا آفس لائبریری کیٹالاگ عدد ۲۵۹۳۔ [6] اخبار الاخیار۔ ص ۱۱۹۔

کی تکفیر و تفسیق میں مصروف رہتے تھے۔ تیسرے نخشبی جنکو نہ اعتقاد تہا۔ نہ انکار۔ ان کی وفات ۷۵۱ھ میں واقع ہوئی۔ ان کی تصنیفات بیشمار ہیں۔ اخبار الاخیار میں صرف یہی ہیں (۱) سلک السلوک (۲) عشرہ مبشرہ۔ (۳) کلیات وجزئیات (۴) طوطی نامہ انڈیا آفس لائبریری میں[1] ایک اور کتاب "گلریز" بھی ملتی ہے۔ ان کی ساری کتابیں دلپسند اور مقبول ہیں۔ طوطی نامہ سب سے زیادہ لکھا اور نقل کیا جاتا ہے۔ یہ فن قصہ کی مشہورترین کتابوں میں سے ہے۔ اسکی شہرت اور قبول عام کی یہ کافی دلیل۔ کہ اسکے نسخے بیشمار ہیں۔ کلیات وجزئیات یا جہل ناموس بھی استعارہ کے رنگ میں ہے۔ اور اکثر اعضا واشیاء جسمانی کی تعریف وتوصیف میں انتشار کا کمال دکہایا گیا ہے۔ سلک السلوک 'تصوف' کی بلند پایہ کتاب ہے۔ غرض ساری کتابیں قصہ وتصوف کے فن میں ہیں۔

ضیاءالدین سنامی ۔ یہ بھی شیخ نظام الدین اولیاء کے ہمعصر تھے۔ اوران سے اکثر اختلاف عقاید رکھتے تہے۔ انہوں نے علم فقہ و احتساب[2] پر ایک بلند پایہ تصنیف کی ہے۔ اسکا نام "نصاب الاحتساب[3]" ہے۔ اسکا ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

مولانا شمس الدین تحیٰی[4] ۔ مولانا' شیخ نظام الدین اولیاء کے اعاظم خلفاء میں سے تھے۔ ان کا درس وفیض علمی عام تہا۔ شہر کے اکثر لوگ' ان سے نسبت تلمذ رکھتے تھے[4]۔ مولانا بھی' محمد تغلق کے تختہ مشق ہوئے۔ ایک دفعہ سلطان نے ان کو بلاکر کہا۔ کہ آپ یہاں کیا کرتے ہیں۔ آپ کشمیر میں چلکر تبلیغ اسلام کریں۔ مولانا سفر کا ساز وسامان درست کرنے کے لئے نکلے اور لوگوں سے کہا۔ کہ میں نے شیخ کو خواب میں دیکہا ہے۔ اُسی وقت سینے پر ایک پہوڑا نمودار ہوا۔ اور چل بسے[4]۔

اخبار الاخیار میں 'شرح مشارق" ان کی طرف منسوب کیگئی۔ اسکا ایک نسخہ پنجاب

---

[1] انڈیا آفس لائبریری' عدد ۲۸۵۲ - [2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۲۴ - [3] تاثر الکرام' ج ۱' ص ۱۰۲ - [4] اخبار الاخیار ص ۱۱۰' ۱۱۱ —

تصحیح تاریخ وصاف

پنجاب یونیورسٹی نے تاریخ وصاف جلد اوّل کو جو عہد سلطنت ارغون پر ختم ہوتی ہے نصاب امتحان منشی فاضل ۱۹۲۸ء اور اسکے مابعد کیلئے منظور کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی تجویز ہوا کہ طلبہ کی سہولت کیلئے اصل کتاب سے عربی عبارات و اشعار عربی حذف کردیئے جائیں۔ لہذا عالیجناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ یونیورسٹی پرشین پروفیسر نے اُسے ترتیب دیا۔ اُسکے ربط عبارات کے باقی رہنے اور تصحیح میں سعی بلیغ فرمائی۔ مگر یہ امر مسلّم ہے کہ لیتھو میں کسی کتاب کا صحیح چھپنا اگر محال نہیں تو سخت دشوار ہے لہذا اس کتاب میں بھی طباعت کی غلطیاں بہت رہگئیں۔ فاضل موصوف نے آخر کتاب میں ایک غلطنامہ بھی لگایا ہے۔ جس سے بہت کچھ تصحیح اس کتاب کی ہو جاتی ہے۔ پھر بھی بہت سی غلطیاں رہ جاتی ہیں میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس کتاب کی فرہنگ اور خلاصہ لکھوں تاکہ اُمیدواران امتحان منشی فاضل کو سہولت ہوجائے۔ قبل اسکے کہ یہ فرہنگ اور خلاصہ شائع ہو میں اسکی تصحیح اورینٹل کالج میگزین میں شائع کرتا ہوں۔

غلطنامہ میں جو تصحیح ہے اُسکو بھی اس میں شامل کروں گا (ہر ایسی تصحیح کے بعد خطوط وحدانی میں لفظ غلطنامہ لکھدوں گا) تاکہ طلبہ کو ایک جگہ تصحیح ہاتھ آئے۔ اور دو جگہ دیکھنے کی زحمت نہ ہو:۔

ص ۱ س ۲ میں "سپاہے" سپاسے چاہیئے۔ (غلطنامہ)

ص ۱ س ۶ ۔ واوّل ما خلق اللہ العقل۔ میرے نزدیک ہر جملہ پر جو واو عطف ہے اُسکی جگہ کاف بیان چاہیئے۔ ورنہ یہ جملہ غیر مربوط ہو جائیگا۔

ص ۱ س ۷ بشکفانید۔ کاف فارسی پر اہل عجم ایک ہی مرکز لگاتے ہیں لیکن اہل ہند

دو مرکز کے عادی ہیں۔
ص۱ س۱۱ جو پرگار۔[چو پرگار (غلطنامہ)
ص۲ س۲ شوقی[شوقی بقاف (غلطنامہ)
" س۳ اینات[اَینات جمع اَین بمعنی مکان جو اعراض تسعہ میں سے ایک عرض ہے۔
" س۴ وترتیب ترکیب آخشیجان ثلث[واز ترتیب وترکیبِ آخشیجان موالید ثلث۔ کیونکہ آخشیجان اربعہ عناصر کو کہتے ہیں اور وہ چار ہیں نہ تین۔
ص۲ س۸ شمس بزرگر[شمس زرگر۔ (غلطنامہ)
ص۴ س۱ اللّٰہ اکبر الخ۔ یہ شعر ہے۔ اسطرح پڑھو۔

اللّٰہ اکبر خالق الاشیاء ومکوّر الاظلام والاضواء

درصبح وشام ہیئت رکوع گرفت۔ (شعر پڑھنا میری تصحیح ہے باقی از غلطنامہ)
ص۳ س۶ احساس اور قدرت کے درمیان واوعطف چاہیئے۔
ص۳ س۹ صِیاح کے معنی آواز بلند (چیخ) ضُباح بضم ضاد معجمہ وفتحہ بائے موحدہ کے معنی آواز روباہ کے ہیں۔ یہ لفظ اس محل پر زیادہ مناسب ہے۔
ص۳ س۱۰ غلطنامہ میں السجار کی تصحیح السجار کے ساتھ کیگئی ہے۔ میرے نزدیک احجار جمع حجر بمعنی سنگ ہے۔ یا۔ جمع جحر بمعنی سوراخ۔
ص۴ س۳ وآئینہ نفس را بعد از تخلیہ بنقوش تجلیہ تجلیہ میدہد۔ میرے نزدیک لفظ اول تجلیہ حرف دوم جیم بروزن تفعلہ بمعنی جلا وادن ہے۔ اور دوسرا تجلّیہ منسوب بہ تجلی کہ نور الٰہی ہے۔ اور تیسرا تحلیہ حرف دوم حائے حطی بروزن تفعلہ بمعنی زیور پہنانا اور آراستگی ہے۔

س۱۵ اس علامت کے معنی یہ ہیں کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

ص۴ س۵ عالی [حالی] بجائے حلّی بمعنی آراستہ۔ (غلطنامہ)
ص۴ س۸ شمائل رسائل صلوات۔ وفوائح روائح تحیات۔ چنانکہ مرسلہ جوانِ فردوس ازہبزت نسائم آن صورت مصراع

تحرک فی نحر الحبیب حمائل

گیرد۔ ودر اثنار آن ثنیات عرصۂ دل چون رخ وعارض بتان گل وسمن برویاند طوطی نوائے مانیطق عن الھویٰ الخ....

میرے پاس جو قلمی نسخہ ہے اُس میں "برویاند" کے بعد یہ شعر عربی ہے

المصطفی الوضّاح وجہا محمد   علیہ کتاب الحق بالحق نازل

مرقوم ہے جو خبر تھا۔ اسکے حذف ہو جانے سے مبتدا تو ہے اور خبر ندارد ہوگئی اگر اس شعر کو نکالنا ہی مقصود ہے تو "طوطی" سے پہلے "بر" اور شست کے بعد "باد" بڑھا دیا جائے تاکہ جملہ ناتمام نہ رہے۔

ص۴ س۸ صاحب [ساحب بمعنی کشندہ۔ (غلطنامہ)
ص۵ س۲ وبر خلفار راشدین وائمہ دین ومتابعان واہلبیت او مبارزان میدان والسابقون السابقون ودلنوازان حدیقہ اولئک المقربون اس عبارت کے بعد بھی شعر

سلام کریم المسک فض ختامہ   سلام کفیض المزن فاض سجامہ

حذف ہو جانے سے خبر ندارد ہے۔ اگر اس شعر کو نکالنا ہی مقصود ہے تو۔ "اہلبیت او" کے بعد کاف بیان بڑھا دیا جائے اور مقربون کے بعد "اند" کا اضافہ کیا جائے۔ اور بلحاظ اکتفا بالاولی لفظ باد محذوف سمجھا جائے یا شست کے بعد باد نہ بڑھایا جائے بلکہ اند کے بعد لفظ باد بڑھا دیں تو دونوں جملے کلام تام ہو جائینگے۔
ص۵ س۶ صاحب الدلیون [صاحب الدیوان۔
" " ملک ابن [ملک بن (ایسے محل سے الف ابن اُڑ جاتا ہے)

سلہ اس علامت کے معنی یہ ہیں کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

صہ سہ نقدم [تقدم ؂ (غلطنامہ)

صہ سہ جہان کشائی [جہان کشائے

صہ سہ ابن [این (غلطنامہ)

صہ سہ اَعجاز [اِعجاز بکسر

صہ سہ خوب جہانیانرا [خوب روان ابی محمد خازن ندامت افزود۔ وجہانیانرا۔ (غلطنامہ)

صہ سہ عراص در آخر صاد مہملہ جمع عرصہ بمعنی میدان یا در آخر ضاد معجمہ جمع عُراض بمعنی طرف وجانب و ناحیہ۔ لغت قاموس دیکھو۔

صہ سہ زید و مزیّت ہر دو بمعنی افزونی۔

صہ سہ موّالان [موّلان جمع مُوّل بطریق فارسی بمعنی کثیر المال بہتر یہ ہے مُوبدان جمع موبد بمعنی حکیم و دانا و پیشوائے دین یزدان پرستان ہو۔ یہاں مراد مطلق علمائے کفار۔ کیونکہ الکفر ملۃ واحدۃ حدیث میں ہے۔ لیکن مصنف کتاب صنائع تجنیس اور اشتقاق وغیرہ کے پابند ہے۔ اسلئے لفظی حیثیت سے موّلان اچھا ہے کیونکہ لفظ موالات کے ساتھ صنعت شبہ اشتقاق پائی جاتی ہے۔

صہ سہ شذر [شدند (غلطنامہ)

صہ سہ طنزہ [طنز بمعنی سخریہ یا طُیرۃ بمعنی خفت

صہ سہ بجلی افضال حالی ست۔ حالی برائے تتمیم حالی از خلخالی نگذارند [بمحلّی افضال حالی ست۔ حالی برائے تتمیم حالے از خلخالے خالی نگذارد۔

صہ سہ نمونہار [نمونہارے۔

صہ سہ مسود فاضل [مسود و فاضل (غلطنامہ)

صہ سہ عزیزی [عزیزی۔

؂ اس علامت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

ص۱۰ س۳ اختذال بمعنی بے بہرگی و بے یاری۔ یا۔ اختزال بمعنی قطع تعلق و تنہا شدن
ص۱۰ س۱۲ لطف ربانی [لطف زبانی۔
ص۱۰ س۱۹ قصۂ آن [قصۂ غم۔
ص۱۱ س۳ مدتے [مدتے ست۔
ص۱۱ س۵ اولیست [اولبست (غلطنامہ)
ص۱۱ س۶ کامل [کمال (غلطنامہ)
ص۱۱ س۱۳ زنخ کے معنے بیہودہ و ہرزہ و بے نفع کے ہیں اور یہ معنے یہاں چسپاں بھی ہیں۔ مگر مصنف صنائع کا بہت پابند ہے۔ اسلئے زمخ بضم زاے معجمہ و میم بہتر ہے کیونکہ لفظ زمخشری میں بھی یہ حروف موجود ہیں۔ اور زمخ مخفف زُمُخت ہے۔ جسکے معنے ناکس و ناتراشیدہ و بخیل کے ہیں۔
ص۱۱ س۱۶ میری کتاب میں بجاے "عین نقصان را برچہرۂ فضائل او فائق شمرند" غبن و نقصان را برجمہرۂ فضائل او فائق شمرند۔ لکھا ہوا ہے۔ غبن کے معنے خسارت کے ہیں۔ اور جمہرہ کے معنے تمام اور ابی ہلال عسکری کی ایک کتاب کا نام بھی ہے۔
ص۱۱ س۱۹ قناعت محن و اتحادب فتن [تناوب محن و تجاوب فتن (غلطنامہ)
ص۱۳ س۱ طبطاب بہر دو طاے مہلہ بمعنی چوگان ہے۔ لہذا بہر دو ظاے معجمہ بمعنی دردمندی چاہیے۔
ص۱۴ س۴ حذف [حذق بمعنی کمال فن و مشاقی۔
ص۱۴ س۱۸ بسیطت [بسیط (غلطنامہ)
ص۱۴ س۱۸ جرمانش [حرمانش (غلطنامہ)
ص۱۵ س۲ وما [دماء بمعنی خون
ص۱۵ س۸ تن آسانی [تن آسانی

سلسلہ اس علامت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

صفحہ ۱۵ سطر ۱۰ جزوی [جزء[1]

صفحہ ۱۶ سطر ۹ آمال دارد [آمال ندارد

صفحہ ۱۶ سطر ۱۳ اگر من بعد الیوم...... باز دہم۔ وور طریقہ تالیف..... سر بر خط مشکین تو نہم۔ یہ جملے شرط کے تو ہیں مگر جزائے ذیل حذف ہو کر کلام ناتمام ہو گیا۔

"لمولفہ۔ فجنیتہ اولی لی القطع من الوصل"

صفحہ ۱۷ سطر ۶ وسیلۃ النجاح [وسیلۃ النجاح

صفحہ ۱۸ سطر ۳ تغالی [تغابی (غلطنامہ)

صفحہ ۱۸ سطر ۳ بعد تغابی " از قبیل ان السفیہ اذ المرئیہ مامور " حذف ہو جانے سے کسی قدر غیر مربوط ہے۔

صفحہ ۱۸ سطر ۵ باطل انکار [باطل و انکار (غلطنامہ)

صفحہ ۱۸ سطر ۷ صحت [صحبت (غلطنامہ)

صفحہ ۱۸ سطر ۸ مصرع۔ رفتم کہ مبادا بے تو خوش یک نفسم ٭ کے بعد یہ عبارت " نفس لوامہ حاضر بود۔ از غایت دلسوزی بر حال دل شوریدہ از رقت و شفقت المنان و اطمینان رامی گفت ابیات

لمترحلت فما بقیت من خلدی   ما استطیع بہ تودیع مرتحل

واہمن الغمض ما اقری الخیال بہ   ولا من اللہ مع ما ابکی علے الطلل

نہو تو کلام غیر مربوط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر پھر نفس کا ذکر ہے۔

صفحہ ۱۸ سطر ۱۷ تجنب [تجنب (غلطنامہ)

صفحہ ۱۸ سطر ۱۸ باز خواست۔ بلبع دل را اندک سکون چاشنی بدید آمد [باز خواست بلبع دل را اندک سکون چاشنی پدید آمد۔ بلبع باز خواست کی صفت ہے اور نمود یا کرد محذوف بلحاظ اکتفا بالا ولی۔ اور جاش کے معنی جوش و اضطراب کے ہیں۔ پدید آمدلے ظاہر شد۔

---

[1] اس علامت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

صـ ۱۹ سـ ۱ ع مارا غم یار خویشتس کار خویش ست
بیاد بیاور تا چہ داری[1]

اسپر حاشیہ کی علامت دی ہوئی ہے اور فٹ نوٹ میں یہ عبارت درج ہے: "کذا فی الاصل۔ وزن شعر منکسر ہے"

یہ شعر نہیں ہے بلکہ جزو اول مصرع ہے۔ چنانچہ ع علامت مصرع اس سے پہلے چھپا ہوا ہے۔ دوسرا جزو مقولہ خاطر ہے اور نثر ہے۔

صـ ۱۹ سـ ۳ وقد [وقد (غلطنامہ)

صـ ۱۹ سـ ۵ بیت۔ (عبارت میں بتا دیا گیا ہے کہ یہ رباعی ہے)

صـ ۱۹ سـ ۸ نہاد از املاء [نہاد ۔ واز املاء

صـ ۱۹ سـ ۱۰ بتجزیۃ الامصار۔ میری کتاب میں بتجربۃ الامصار لکھا ہے۔

صـ ۱۹ سـ ۱۹ قضبت [قضیت (غلطنامہ)

صـ ۲۰ سـ ۱ تبلیغ [بتلیغ (غلطنامہ)

صـ ۲۰ سـ ۴ یاسہ آر [یاساء بمعنی قانون تعزیری چنگیز خانی (غلطنامہ)

صـ ۲۰ سـ ۱۶ آئینی [اِینی یعنی خورد۔ لفظ ترکی ہے۔

صـ ۲۲ سـ ۳ اعتقاد [اعتضاد یا اعتماد۔

صـ ۲۳ سـ ۸ لیاقتے [لباقتے بمعنی زیرکی و ہوشیاری۔

صـ ۲۳ سـ ۱۷ انداز [انذار (غلطنامہ)

صـ ۲۴ سـ ۱ ابنان [اَثنان۔

صـ ۲۴ سـ ۲ نیدون [بیرون (غلطنامہ)

صـ ۲۵ سـ ۱ مَصَایق بصاد مہملہ [مضائق بضاد معجمہ (غلطنامہ)

صـ ۲۵ سـ ۴و۵ تشیت [تثبیت { گروانیہ { گروانید (غلطنامہ) }

---

[1] اس علامت کے معنی یہ ہیں کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے۔

ص ۲۵ س ۱۶ خواستہ [بہ خاستہ[1]

ص ۲۵ س ۱۸ وشت [وحشت (غلطنامہ)

ص ۲۵ س ۱۹ وسائط [دو سائط (غلطنامہ)

ص ۲۷ س ۲ سدائے [شاداے ۔

ص ۲۷ س ۳ الحق [الحاق ۔

ص ۲۷ س ۳ بقال [بفال (غلطنامہ)

ص ۲۸ س ۱۱ روزے [روے اور نثر اس شعر کی یہ ہے۔ قسم بخدا کسے از فلک روے یسار بے بلا با ندید۔ یمین اللہ بمعنی سوگند بخدا۔ یسار بمعنی تونگری و ثروت ہے۔ روے یسار مضاف و مضاف الیہ ہے اور یمین اللہ فاصل واقع ہوا ہے۔ جیسے ص حکیم سخن بر زبان آفرین ٭ میں حکیم سخن آفرین کے درمیان۔ بر زبان فاصل ہے۔ راست خواہی = سچ پوچھتے ہو تو بخدا بغیر مصیبت اٹھائے کوئی فلک سے روے ثروت نہیں دیکھتا ہے۔

ص ۲۹ س ۵ دواء خمار الخمر من تشرب الخمر

یہ مصرع ہے اور اس طرح ہے۔

دواء خمار الخمر ان یشرب الخمر

ص ۲۹ س ۱۲ درین [بدن (غلطنامہ) (باقی دارد)

نوٹ دیباچہ وصاف کا بیان یہ ختم ہو جاتا ہے :۔ (سید اولاد حسین شادان بلگرامی)

پنجاب کے دو مشہور قصے

۲۔ قصہ سسی و پنوں

(سلسلے کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۲۷ء)

---

[1] اس علامت کے معنی یہ ہیں کہ اسکے بعد کا لفظ صحیح ہے ۔

لیو مشقّت دُونی دیہو سوار کے
بہیں تے چند لساڈہی لیسن مار کے
پہلاں دتی محنت اوس چُکا کے
راضی ہوے دھون لگے دل لا کے
جَد محنت کر دھوتے کپڑے سبھ اوجال ۵
مایا لائے سُکائے دیتو نے خوشی نال
گھر لیا بُقچہ رکھ آتے دے ساہمنے
آکھیُس کپڑے دیکھ کے اچھے ساہمنے
جاں ڈٹھے اوس پھول سنے پروار دے
سبھ خوشی نال جیو پیوں پروار دے ۱۰
دیندا کُل پروار مبارک بادیاں
جو آتے دے گھر مولے کیتیاں شادیاں
دھوبن آکھے ایتیا ڈھِل نہ لائیے
جاں وَر گھر پایا اچھا عقد بنھائیے
اوہ حضرت قاضی نوں لے آیا سدّ کے ۱۵
تے ہور بزرگ بھی اوتھے آئے وَڈّ کے
جوڑا ہچھا پایا ستّی شبھ گھڑی
ہتھیں اوسدین جھنڈی سوہے سرو ہڑی
پیوں دے سر چیرا سُوہا سوہندا
گل کیسر بھنڑا جامہ چوڑے چوہندا ۲۰

۱؎ یعنی سبنھال لینا۔ ۲؎ یعنی کھول کر۔ ۳؎ کنبہ۔ ۴؎ سیندور لانگ ٹز عفران وغیرہ کا ایک مرکب جس کو عورتیں مانگ میں لگاتی ہیں۔ ۵؎ یعنی کیسر میں لبسا ہوا۔

حضرت قاضی تُرت وکیل بلا کے
پڑھیا شرطاں نال نکاح بنا کے

باغ شادی دے وِچ آرائش کُل بنی
پنّوں سرو ہویا تے سسّی گُل بنی

سسّی زُہرہ، پنّوں کہئے مُشتری
سوہن وانگ نگینے تے انگُشتری

ایہ دووَیں سَن شاہد نقش و نگار دے
کر شوق مِلن وچ جلوے باغ بہار دے

شب گذری ترے پہر جاں کُل برات دے
تاں میل کیتا رب ویلے پچھلی رات دے ۱۰

سیّاں پلنگھ پنّوں دے بیٹھ وچھا کے
پھر سسّی نوں لیگیّاں موڈھے لا کے

سلہ

گِنئے او تھے حُسن دُہاندا ایہ حساب ۱۵
جو گُل تے سبزے ہوئی سن بے آب و تاب

غم کھویا تے عیش ملائے سبھ سنبھال
شیر شکر دی یکرنگی نے وصل نال

ویکھ کے جلوہ حُسن دوہاندا روبرو
چن تے تارے رہے اوتھے حیران ہو ۲۰

سلہ ایک شعر حذف کیا گیا،

چڑھیا چاہے اوتے ویلے کر شتاب
جو ویکھے اِس حور ملک نوں آفتاب

پراوہ مست سُتے جس نشاء شراب وِچ
آفتاب کیا تاب جو آوے خواب وِچ

دِن چڑھیا تاں سبھ سہیلیاں آ یکے ۵
دستک دِتّی زوری لئے جگا یکے

تاں بعد غسل دے پڑھے دوگانے شکر دے
تے دوہاں پروتے دُرّ یگانے شکر دے

کتنے دن تے راتاں ایسے خوشی نال
جد گذرے تد عشق وکھائی پھیر چال ۱۰

بُری بلا ہے عشق جو پہلاں لگّ کے
پھیر سرے ہتھ پھیر مریندا ٹھگ کے

سسّی دی شادی کر سُفنان رین دا
تور بنجاری تور علاقہ سین دا

جد سوداگر کیچم اندر جا یکے ۱۵
پنّوں دے گھر کہیا سبھ سمجھا یکے

ماؤ نمانی ہوکے رُنّی زار زار
تے ہور سبھ پروار بھی آہاں مار مار

رنگ محل وچ گُل دی صورت رانیاں
رو رو حال ونجا کے سبھ کُرمانیاں[۱] ۲۰

---

[۱] یعنی کملا گئیں۔ دیکھو ص۵ ش۱۔

چوڑے پہنے ترُت سہیلیاں ہتھ دے
تے انجھوں ہو کے ڈُہلے موتی نتھ دے

زلفاں جو پڑ ہو رہیاں سن مشک نال
خاک پا کے پُٹ پُٹ کیتیاں وال وال

ماڈ نوں دو کھ نہ اوے آکھے کی کراں ۵
اوہ زوری گیا لیا ہو ناہیں مَیں مراں

ہتھ بنھ آکھن عمر تمرّ دوں بنے
اسیں ونجاہیں جو رب چاہے سو بنے

دوہاں بھراواں لیکے تُنگ شراب دے
کرہیاں تے چڑھ دے تےّ واد شتاب دے(؟) ۱۰

دودیں اوتھوں راتو راتیں دیا یکے
آئی ملے پنّوں دا ناں پچھیا یکے

اوہ آکھے کنوں آئے ہو تسیں ٹما یکے
مت جاہو چنگیاری کوئی پا یکے

آکھن اساں کی لیکے تیتھوں سنجاں ۱۵
رات گذار جھلا نگھے ایتھوں ونجناں

جاں ایہ جھگڑا ہو یا گلیاں ملکے
سسّی سدیا پنّوں سیّاں گھلکے

آکھیں میاں کتھوں آئے کون ایہ؟
جے کو چھہ لگدے نین گھر لیا کے ہتاں نو دیہ ۲۰

---

۱ حاشیہ اصل: ای ہرو ... ۲ دیکھو ص... ۳ ... صیح۔

پنّوں آکھیا میں کی جاناں کون ہین
میرا جگ وچ ناہیں کوئی ساک سَین
اوس آکھیا جی آئے نانو بچّھا کے
خدمت کرنی فرض ہوئی گھر لیا کے
جو کجھ دیوے قسمت راتیں ونڈ کھاہ ۵
نا راضی ہوتھیون بُھلکے پون راہ
سسّی مول سنجاتا عزرائیل ہین
جند لیئن دے کارن دوئے (؟) وکیل ہین
پنّوں سدّ اُنہاں نوں گھر لییا یا
تے آدر نال طعام لذیذ کھوائیا ۱۰
کرہل سنیں کجا دیاں رکھّے جد سنبھال
دووین اندر پلنگھہ دے بیٹھے خوشی نال
پھر رات تک قصّے بہلے سُنا کے
پنّوں اتے سسّی دامن پرچا کے
پھیر کڈّہے ل خاصے تنگ شراب دے ۱۵
تے جام عجائب وانگو پُھلّ گلاب دے
پنّوں تے سسّی نوں بھر بھر دین جام
آپ سُکّھنے لے لے پیندے سن مدام
جاں ڈبّھے سر بریں اوہ سر مست ہوے
تے دھوبی سُتّے گھریں نزھیا سُدّھہ کوے ۲۰

لے (؟) دوے۔

پنّوں پکڑ کلاوے دوہاں اونہا ئیا
پھر وِچ کجاوے محکم کر کے پائیا
بہاؤ دوکھاندی سیج خوشی وچ پاکے
راہ جو آئے تک گئے اوس وہاکے
دن چڑھیا تے لتّھا نشا شراب دا ۵
سستی ڈِٹھا وڈّا خمار عذاب دا
جاں اوس نظر نیا یا اپناں آفتاب
آہاں غم دیاں مار پئی وچ پیچ وتاب
اُس دہری اُچیری سرنوں دوکھیں رویکے
تے مہندی ہتھوں چلی لوہو ہوے کے ۱۰
تن نوں لایا دوکھہ الفبا بہاہ دا
دِل جلیا سرمہ ہویا دہویاں آہ دا
انجھوں جل جل چلیاں تلیاں اکّھیاں
تے پلکاں بہاثن، تلیاں رہن نہ رکّھیاں
زلفاں کیتیاں اس دوکھہ آہاں حال حال ۱۵
رکھیاں جوسن وَل وَل، ہویاں وال وال
ہار حمیلاں تے پیشواز اوتار کے
گل وچ کفنی پائیُس[۱] آہاں مار کے
انبرؤں سدّ آکھے: میرا حال ویکھ
جو تتّی دی مستک لکھیا بُرا لیکھ ۲۰

---

[۱] : حاشیہ اصل: یعنی مادر۔

انبر آکھے: ور آندو ہی بہال کے
پہلاں کنوں ناں کیتا کم سنبھال کے؟
پردیسی نوں دے سی جیکو جان مال
لیسی پھیر دلیسی پیر، وٹائے چال
ہوتاں اتے بلوچاں نیونہ[1] نلائیے
اُٹھ ونجن تاں دوکھیں جند ونجائیے ۵
سسّی آکھے: دوکھ نجانیں جان دے
مینوں پھیر پھیر ماریں پھٹ زبان دے
دوکھ والیاں دے چارے ایہ وچاریں[2]
جو مٹھے پائیے وٹ تے وی ماریں[2] ۱۰
ماو کومانے تو وہ ناں پیٹوں ہون جنیں
توں بھی ہس لے وانگ پرائی سو جنیں
ماؤ آکھے: میں دیہاں اس توں جند وار
جو تودہ پنوں آن ملائے اکس وار
پر اوہ پچھل کے دُور گیا کد آندا ۱۵
عقل تینوں ہن صبر کرن فرماندا
سسّی آکھے چھڈ دیہ گلاں جھوٹھیاں
تو وہ جیہیاں اس جگ وچ ناہیں کھوٹھیاں
عقل کیہا جی صبر دے تکچے جان دیہ
عشق آکھے توں پنوں تکچے جان دیہ ۲۰

---

[1] یعنی نیہوں (عشق)۔ [2] اصل: وچاریں۔ ماریں۔

ساقی لیاویں بادہ عشق کمال دا
دنیا محض خمار ہے خواب خیال دا
صدق، عشقدا نشاء بھلا آرام نوں
جو کرے وصال یاراں دے ختم کلام نوں

بحر پنجم در بیان روان گردیدن سسّی سراسیمہ احوال دیوانہ وار تن تنہا صبحدم ۵
بر سراغ پنوں گلچین و با ہزاران سوز و گداز فراق جفادمساز جان داون در دشت
آتشین و آمدن پنوں وقت دور شدن نشاء شراب مجنون صفت بر تربت
آن لیلی نازنین و قربان شدن از کمال عشق و وفائے دلگزین و ہم آغوشی وصال
جاوید یاران صدق و صفا آئین و اختتام این قصہ جادو طراز عبرت افزای اہل
ناز و نیاز بطرز نیکو آئین ۱۰

سسّی ماری دوکھ دے جدگھروں اکلی
انجھو لہو[1] دی ہویکے سر پر نیں چلی
کھوج لیا اس کرہلاں تے پیر وگائیا
مُڑھکا سر بتوں چھٹکے پیریں وگ آئیا
ننگے پیریں ٹُریاں دوکھ لائے سُولاں ۱۵
تے سول وسُجائے صبر دے عشقیدیاں سُولاں
پیریں چھالے تے ببول ہر رنگ بنان دے
ویکھ انہاندی آب و تاب سبھ گل کرماندے

---

[1] یعنی لہو۔ دیکھو حاشیہ ص۹۵۔

منہ تے جیبھاں آپ وچ اوہ ل کے ہوئے
عشق سسّی دے وصف آکھ کیا لعل پروئے

آکھن: راہ وفای وچ تیری پیری پا کے
عشق نوازیا اساں نوں تیرے پیری پا کے

کھوج ویکھ کے واو ہور سسّی لے وگے، ۵
کھوج منانے رہگئے تے کرل وگے!

وَل وَل ڈگکے راہ نوں پنّوں ول تکّے
وَل وَل پی وَل اوسنوں دیندے وَل دھکّے

جھاڑی جھاڑی مار آہ دوکھ دی اگ جھاڑے
دن ون دے گل وین کر سارے ہی ساڑے ۱۰

اوسے دن ہتھوں دویاں دے پھل ہوئے پہلو ہے
جاندے وچ کلیجیاں تے لاندے لو ہے

عشق دکھائے بھلے رنگ سسّی نوں شادی
جو شہ گیا تے ودّی شہ پائی شہزادی

برہوں ساڑیاں اکھیاں سُرمہ دُھوں ہویا ۵
تے مہندی دا رنگ سُرخ لوہتی سی گوئیا

نظر ہوائی آہ دی ہو کردی خیزاں
پلکاں لو ہو چھینڈیاں بنیاں گُریزاں

گل وچ کفنی بن رہی شادی دا جوڑا
گیا بنا کے ڈھنگ ایہ شادی دا جوڑا ۲۰

لے یعنی مات ہوگئی۔ شکست پائی۔ ۲ے یعنی لہو؛ سنسکرت لوھت، پنجابی لوہی۔

تھل ڈنگر تے جا چڑھے چڑھ کرے پکاراں
پنّوں سارے دوکھ لائے ناں ڈٹھیاں ساراں
اوتھوں اگے جاں ٹُرے جیوا وسدا گھریا
گھردیاں سا نلدہیوس ناں ہیں ڈل پھریا
اَن پانی ناں پہچیا اوس کھری نمانی ۵
قوت جگر تے دوکھ دیاں انجھوں سن پانی
منہ بھنہیاندے آکے تن ہویا بھٹھی
ڈہاہاں عندیاں مارکے جنگل وچ ڈھٹھی
بکّر والاں جاں ڈٹھی اوہ صورت اچھی
پے کے بلدی ریت وچ تڑپھے جنوں مچھی ۱۰
آکھیا اوسنوں حال آکھ سبھ ڈِہل بناٰئیں[1]
تیرے ساڈے صدق دا ضامن ہے سائیں
آکھے آدم جام دی سسّی ہوں جائی
پنّوں ورکے ونجیا میں جان ونجائی
پنّوں پنّوں آکھ کے ہوئی قربانی ۱۵
جان دتّی اوس درد نال تانو لے جانی
ڈٹھّا اوسدا سرو ناز جد وچ اوجاڑے
ہرگاں تے پنکھیر ویاں دیکھ لگّے سارے
ہرنیاں پھردیاں گرد آسے تے آہاں مارن
مور ہوئے سبھ داغ داغ دوکھ نال جھنکارن ۲۰

---

[1] اصل: بنائیں، سائیں -

وِہن الاسئے کوکلاتے قمری کوکے
کبک اُلٹے آہ بال پر اپنے پھوکے
آکھن ایھنے عشقدا ہویا ہے تہاناں
دُون لگا ہے دُکھ دا رب ایویں بہانا ں
رحمت دا رب کھولیا اوستے دروازا ۵
ہویا حکم فرشتیاں جا پڑھو جنازا
پیکے اتے سوار ہوئی آدم دی صورت
آئے گِردے اوسدے سبھ راہ ضرورت
حوراں اوہنے آپکے رل ماتم کیتا
پلکاں دیاں کر سوزناں پھیر کہپّن سیتا ۱۰
انجھوں نال[1] نوائے کے گل کہپّن پایا
تے کم جنازے دا ہویا جنوں حق فرمایا
رحمت جد رحمٰن دی اوس اگوّں آئی
بکّر والاں گور کڈھ گورے وچ پائی
حوراں آکھن دُکھ چھڈ شکھ ویکھ سوائے ۱۵
پتّوں تیرے نال عشق عجب آن سوائے
گل سُنوں ہُن عشقدی جو وکیا دہا کے
پتّوں جائے پچھاڑیا اوس پہلے ڈہا کے
کیچم دے نزدیک جائے آئی ہشیاری
گھرباروں بیزار ہوسے کردا سی زاری ۲۰

---

[1] یعنی نہلاکر۔

کیوا کرکے ویریاں آندا سی کُڑکے[1]
پھٹ کرکی ہن عشقدی بجلی سر کڑکے
سسّی سسّی کوک کے دیوانہ ہویا
پھری وگا گل ہجر دی اوہ عشق وگویا
اوتھوں قابو پاکے کرہل تے دھاناں ٥
آیا جتھے عشقدا ہویا سی تھاناں
گورنوں اوہ ویکھ کے حیرت وچ آیا
ایہ چلتر آکھدا کیا رب وکھایا
بکروالاں پچھیوس گل آکھو بھائی
کون مُیا اس تھاین آئی کس گور بنائی ١٠
آکھن مہری ماہ روی سی مشک لپیٹی
سسّی آدم جام دی کہندے اوہ بیٹی
ایتھے آکے ڈھہ پئی گوری اک واری
پنّوں پنّوں آکھ کے جند اپنی واری
کون مسافر نوں کھڑے پنڈاں دے کورے ١٥
اساں خداوے واسطے کھتی رات گورے
پنّوں جد ایہ سُنی گل گل کپھنی پائی
سسّی سسّی کوک بہاہ دوکہدی تن لائی
لعل پرو کے اشک دے وچ رشتہ آہیں
کیتے سبحہ نثار اوس سسّی دے راہیں ٢٠

---

[1] یعنی باندھ کر۔

دارو پاکی رب پاک نوں درد دلاندا
ملے ہونٹی جو وچھڑن اوہ پھیر ملاندا

پنوں عرضاں کیتیاں جو والی میرے!
صدق والی جے عاجزی سنیں دیترے

گور کھلے میں جا ملاں سسی دے تائیں ۵
دل دی ایہ مراد ہے جو دلبر پائیں

پنوں جاں دل صدق عشق وچ محکم بدھا
گور کھلی اس جا یکے سسی نوں لدھا

شیر شکر دے وانگ ہوئے دونہہ خوباں شال
پائی ذوق وصال دے یکرنگی کال ۱۰

برج خاکی وچ مہر و ماہ دے ہوکے ثانی
روشن کیتا ناؤ عشق دا دوہیں جہانی

ختم ہویا ایہ عشق پاک جو آکھ سنایا
گل ختمی آرام ایس قصہ تے پایا

سبھ کلام کر پنج بحر تاریخ ملائی ۱۵
سسی پنوں دے جوش عشق پچند دہائی

پچپند قصہ سسی و پنوں تصنیف و نگاشتہ دوم شہر ربیع الثانی ۱۱۷۴ھ ہجری بروز چارشنبہ بتازگی رونق پذیر نقل شدہ زیب انجام و زینت اختتام یافت از فضل الٰہی امیدوار حسن قبول آن از دانشوران ایام است ؎

شنیدم آنچہ گفتم قصۂ عشق
.... (کٹ گیا ہے)
چو آغاز کلام آمد بہ انجام
قبول از فضل حق [می جوید آرام] (باقی وارد)

ابن خلدون

نمبر ۳

(پہلے کیلئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ نومبر ۲۷ء)

علم تاریخ اس کا موضوع و مقصد

مضمون ہذا کی پچھلی دو قسطوں میں ابن خلدون کے سوانحعمری اور تصانیف کا بالاجمال تذکرہ کیا جا چکا ہے، آیندہ شماروں میں اس فلسفی مورخ کے اُن مخصوص آراء و افکار کو اختصار کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے سلسلہ وار پیش کیا جائیگا۔ جنکو بحیثیت مجموعی ابن خلدون کا فلسفۂ تاریخ کہا جا سکتا ہے۔

پیشتر اسکے کہ ہم تاریخی واقعات و کوائف کے متعلق ابن خلدون کی نکتہ سنجیوں اور باریک بینیوں کے تجزیہ و تحلیل پر متوجہ ہوں، ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ ابن خلدون نے علم تاریخ کی کیا تعریف کی ہے اور اسکی کیا غرض و غایت قرار دی ہے۔

اگرچہ ابن خلدون سے پہلے ابن حزم، ابن مسکویہ اور البوریحان بیرونی کی تاریخی تحریروں میں عقلی انداز پیدا ہو چکا تھا، تاہم عام طور پر کیا مشرق اور کیا مغرب میں تاریخ نویسی محض واقعہ نگاری کا دوسرا نام تھا، مورخین گذشتہ واقعات کی کم و بیش صحت کے ساتھ تدوین کر کے یہ سمجھتے کہ وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گئے ہیں، اور فن تاریخ کا بہترین اور عیش از بیش

استعمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ اخبار و روایات کے بیان سے محفلیں گرمائی جائیں اور مثالوں کے مناسب انتخاب سے تحریر کی رونق اور زینت بڑھائی جائے، ابن خلدون نے علم تاریخ کے اس عامیانہ تصور کا یوں ذکر کیا ہے :-

ھو (ای فن التاریخ) فی ظاھرہ لا یزید علی اخبار عن الایام والدول والسوابق من القرون الاولی، تنمق فیھا الاقوال وتضرب فیھا الامثال وتطرف بھا الاندیۃ اذا غصھا الاحتفال وتؤدی لنا شأن الخلیقۃ کیف تقلبت بھا الاحوال واتسع للدول فیھا النطاق والمجال، و عمروا الارض حتی نادی بھم الارتحال وحان منھم الزوال۔

ظاہر میں فن تاریخ گذشتہ زمانوں اور قدیم سلطنتوں کے حالات و واقعات سے زیادہ نہیں جن کے بیان میں عبارتیں آراستہ کیجاتی ہیں۔ جو بطور امثال مذکور ہوتے ہیں۔ اور جنکے بیان سے بھری محفلوں کو محظوظ و مسرور کیا جاتا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا پر کیا کیا انقلابات گزرے ہیں اور کسطرح سلطنتیں قائم ہوئیں اور پھیلیں اور روئے زمین کو آباد کیا، یہانتک کہ ان کا کوس رحلت بجگیا اور زوال کا وقت آپہنچا۔

مگر ابن خلدون کی نظر و رائے میں فن تاریخ کا مرتبہ اس سے بہت اعلیٰ اور اسکی غرض و غایت بہت ارفع ہے، مورخ کا حقیقی اور اصلی فرض یہ ہے کہ واقعات مذکورہ کی تحقیق و تنقید کرے اور انکے اسباب و کیفیات کو معلوم کرے، تاریخ محض علم ادب کی شاخ اور فنون انشاء و خطابت کی معین و مددگار نہیں بلکہ وہ اپنی غرض و غایت اور عقلی انداز کے لحاظ سے اس قابل

---

[1] اس ضمن میں یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مشہور رومی سیاست دان اور خطیب سِسرو (Cicero) نے علم تاریخ کے اغراض کی وضاحت کرتے ہوئے اسی کے قریب قریب لکھا ہے: "پرانی باتوں کی یاد اور ان سے بغرض تقلید مثالوں کا انتخاب تحریر میں رونق اور دلکشی کا باعث ہے.... تاریخی واقعات سے وہ نادر دلائل، عبارت کی برجستگی اور سلاست پیدا ہوتی ہے، جس کی بدولت سننے والے کا دل بالکل اس شخص کی طرف چلا آتا ہے، اور جھک پڑتا ہے۔ جو ان باتوں کو زبان سے ادا کرے"۔

ہے کہ اسکو علوم حکمت و فلسفہ میں شمار کیا جائے۔

وَ فی باطنہٖ نظر و تحقیق و تعلیل للکائنات ومبادیھا دقیق وعلم بکیفیات الوقائع واسبابھا عمیق و ھو لذالک اصیل فی الحکمۃ عریق وجدیر بان یعدّ فی علومھا وخلیق۔	مگر باطن میں فن تاریخ نظر و تحقیق کا مترادف ہے، جس کا کام کائنات اور اس کے آغاز کی باریک بینی کے ساتھ علّت معلوم کرنا ہے یہی وہ گہرا علم ہے جس سے واقعات کی کیفیت اور انکے اسباب کا پتہ چلتا ہے، لہذا اسکی بنیاد حکمت پر قائم ہے اور اس لائق ہے کہ علوم حکمت وفلسفہ میں شمار کیا جائے۔

ابن خلدون کے نزدیک تاریخ اس کا نام نہیں کہ صرف سیاسی واقعات کے تسلسل اور حکمران خاندانوں کی گردش کا خاکہ کھینچ دیا جائے۔ بلکہ تمام بنی نوع انسان کی رُوحانی اور مادی ترقی کے بیان کا نام تاریخ ہے:۔

حقیقۃ التاریخ انّہ خبر عن الاجتماع الانسانی الذی ھو عمران العالم وما یعرض لطبیعۃ ذٰلک العمران من الاحوال مثل التوحش والتأنس والعصبیات و اصناف التغلبات للبشر بعضھم علیٰ بعض وما ینشأ عن ذٰلک من الملک والدول و مراتبھا وما ینتحلہ البشر باعمالھم و مساعیھم من الکسب والمعاش والعلوم و الصنائع وسائر ما یحدث من ذٰلک العمران بطبیعتہ من الاحوال۔	درحقیقت تاریخ بیان ہے انسانی سوسائٹی یعنی عالم کی آبادی کا، اور اُن حالات کا جو طبعی طور پر اس اجتماعی زندگی میں پیدا ہوتے ہیں، مثلاً بدوی اور حضری طرز زندگی، جماعت بندیاں اور نوع بشر کا ایک دوسرے پر قسم قسم کا تغلب اور اس تغلب سے جو حکومتیں اور سلطنتیں اور مراتب و مناصب پیدا ہوتے ہیں، نیز انسان اپنی سعی عمل سے جو کسب و معاش اختیار کرتا ہے اور علوم و فنون اور دیگر تمام حالات جو جماعت انسانی میں طبعی طور پر پیدا ہوتے ہیں، تاریخ

ان سب کی خبر دیتی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن خلدون نے تاریخ کے موضوع و مقصد اور اسکی غرض و غایت کو وسعت دیکر اُسے زمانۂ حال کے علم عمرانیات یعنے (شوشیالوجی) کے مترادف قرار دیدیا ہے، کیونکہ وہ نوع انسان کے متعلق ہر قسم کی اجتماعی اور عمرانی بحث و تحقیق کو حقیقی طور پر فن تاریخ کے دائرہ میں مشمول سمجھتا ہے، علم تاریخ کا یہ وہ وسیع ترین تخیل و تصور ہے، جو اس عہد تک کسی کے ذہن میں پیدا نہیں ہوا تھا اور جس پر آج تک بھی کچھ زیادہ اضافہ نہیں ہو سکا۔

تاریخی تنقید و تحقیق کے اصول و قوانین

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ کے آغاز ہی میں اپنے پیشرو مورخین کی دوراز عقل و قیاس روایات کی خوب جرح و تنقید کی ہے، وہ روایات جن کے بیان میں بڑے بڑے مورخین مثل مسعودی وغیرہ نے بھی سخت ٹھوکر کھائی ہے، بعد میں آنیوالے مؤلفین انہیں روایات کو یکے بعد دیگرے بغیر بحث و تحقیق کے نقل کرتے رہے، جسکا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ افسانہ اور عجائب پرستی کو تاریخ نویسی میں بڑا دخل حاصل رہا اور فن تاریخ ترقی نہ کر سکا۔

لہذا (ابن خلدون کے الفاظ میں) مورخ کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ سیاست کے اصول و قواعد اور موجودات عالم کی طبیعت (نیچر) سے واقف ہو، وہ مختلف قوموں ملکوں اور زمانوں کے اخلاق و عادات اور مذاہب اور دیگر حالات سے آگاہی رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ زمانۂ حاضر کن باتوں میں ماضی سے متفق، اور کن باتوں میں مختلف ہے۔ اور اس اتفاق و اختلاف کے اسباب و وجوہ سے بھی آگاہ ہو اور قوموں اور سلطنتوں کے بنیادی اصول، ان کے ظہور و قیام کے اسباب، اور ان کے قائم کرنیوالوں کے حالات سے باخبر ہو، تاآنکہ اسے ہر حادثہ اور واقعہ کے اسباب اور ہر خبر کے اصول کا پورا علم حاصل

ہوجاتے اور پھر خبر منقول کو اُن اصول و قواعد کے ساتھ مقابلہ کرسکے جو تاریخی مطالعہ کے بعد اُسے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر خبر و روایت اُن اصول کے موافق ہو تو اسکو صحیح سمجھے ورنہ غلط قرار دےکر اسکو ترک کردے ؎

تاریخ نگاری میں مورخین سے جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں انکے اسباب اگرچہ بہت ہیں، مگر ابن خلدون نے جو مہتمم بالشان اور قابل توجہ اسباب بیان کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:۔

پہلا سبب یہ ہے کہ لوگ خاص خاص مذاہب اور آراء کے پابند ہوتے ہیں۔ جب انسان حالت اعتدال میں ہوتا ہے تو ہر روایت اور خبر پر کما حقہ غور و فکر کرتا ہے۔ جس سے اس خبر کا سچ جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ مگر جب انسان کسی خاص مذہب یا فرقہ کا پابند ہوتا ہے تو بادی النظر میں وہ انہیں اخبار و روایات کو بطور صحیح قبول کرتا ہے، جو اسکی رائے اور عقیدہ کے موافق ہوتی ہیں اور اسکی طبیعت کا یہ میلان اسکی بصیرت پر پردہ ڈالکر اسکو تنقید و تحقیق سے باز رکھتا ہے ؎

دوسرا سبب اخبار و روایات کے ناقلین اور رُواۃ پر حد سے زیادہ وثوق ہے ؎

تیسرا سبب یہ ہے کہ ناقلین صحت روایت میں غفلت برتتے ہیں۔ اور جو کچھ دیکھا یا سُنا اسکو محض ظن اور تخمینہ سے روایت کرتے ہیں اور یوں غلط بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں؎

چوتھا سبب یہ ہے کہ بعض اوقات میں دھوکہ بازی اور بناوٹ کو دخل ہوتا ہے، راوی جیسا دیکھتا ہے، بیان کردیتا ہے، حالانکہ بناوٹ کی وجہ سے غیر صحیح ہوتے ہیں ؎

پانچواں سبب یہ ہے کہ لوگ اکثر صاحبان منصب و جاہ کی مدح و ثناء کرکے ان کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان کی تعریف کے پُل باندھ دیتے ہیں، اس طریق سے بھی غلط خبریں پھیل جاتی ہیں ؎

اخبار و روایات میں غلطی کی آمیزش کا اخیر مگر اہم سبب مورخین کا احوال عالم اور انکے طبائع یا بالفاظ دیگر قوانین فطرت سے بے خبر ہونا ہے، ابن خلدون نے اس وجہ کو مذکورہ بالا تمام اسباب پر مقدم رکھا ہے اور اس پر خاص طور پر زور دیا ہے، فی الحقیقت اس باب میں جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اسکے اصول تحقیقات کا لبّ لباب اور مابہ الامتیاز ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ہر امر واقع کی ایک مخصوص طبیعت (نیچر) ہوتی ہے، اگر انسان دنیا میں واقع ہونیوالے حادثات اور حالات کے قوانین اور ان کے اسباب و مقتضیات سے واقف ہو تو اس کا یہ علم اخبار مرویہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنے میں مدد دیگا، روایات کی تنقید و تحقیق کا یہ بہترین طریقہ ہے اور راویوں کی جرح و تعدیل پر مقدم، کیونکہ راویوں کی تعدیل کی ضرورت تو اسوقت ہوگی جب پہلے یہ امر تحقق ہو جائے کہ خبر مسموعہ ممکن بھی ہے یا نہیں، اگر روایت قوانین فطرت کے رُو سے ممکن ہی نہیں تو راویوں کی جرح و تعدیل سے کیا فائدہ، اس لئے ضروری ہے کہ جو واقعات بیان کئے جائیں، انکے ممکن یا ناممکن ہونے پر غور کیا جائے۔

لہذا وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ

القانون فی تمییز الحق من الباطل
فی الاخبار بالامکان والاستحالۃ ان
ننظر فی الاجتماع البشری الذی ھو
العمران ونمیّز ما یلحقہ من الاحوال لذاتہ
وبمقتضی طبعہ وما یکون عارضًا لا یعتد بہ
وما لا یمکن ان یعرض لہ واذا فعلنا ذلک
کان لنا قانونًا فی تمییز الحق والباطل فی الاخبار
والصدق من الکذب بوجہ برھانی لا مدخل

اخبار و روایات میں حق کو باطل سے تمیز
کرنے کا قانون اخبار مرویہ کے ممکن اور
محال ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ہمکو چاہیئے
کہ اجتماع انسانی یعنی سوسائٹی پر غور کریں اور
ان حالات میں جو سوسائٹی کو اپنی ذات اور
طبیعت کے اقتضاء سے لاحق ہوتے ہیں۔
اور ان حالات میں جو عارضی اور نا لائق التفات
ہیں تمیز کریں نیز ان حالات کو الگ کریں جو

الشك فيه وحينئذٍ فاذا سمعنا عن شئ
من الاحوال الواقعة في العمران علمنا ما
نحكم بقبوله مما نحكم بتزييفه وكان ذلك
لنا معيارًا صحيحًا يتحرى به المورخون
طريق الصدق والصواب فيما ينقلونه وهذا هو
غرض هذا الكتاب الاول من تاليفنا +

اسکو عارض ہی نہیں ہو سکتے، جب ہم ایسا
کرینگے تو روایات میں حق کو باطل سے بآسانی
طریق پر تمیز کرنے کا ایک ایسا قانون ہمارے
ہاتھ آجائیگا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش
نہ ہوگی، پھر جب ہم سوسائٹی کے متعلق کسی واقعہ
کی خبر سُنینگے تو اسکے قبول یا رد کرنے کیلئے
ہمکو ایسا قانون معلوم ہوگا جو ہمارے لئے ایک صحیح معیار کا کام دیگا اور جسکے ذریعہ سے مورخین نقل
اخبار و روایات میں سچا اور درست راستہ اختیار کر سکینگے اور ہماری تالیف کی جلد اول کی جسکو
عام طور پر مقدمہ کہا جاتا ہے، یہی غرض ہے +

چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ کو عمران بشری یعنی انسانی سوسائٹی کے قوانین
یا قواعد کلیہ دریافت کرنے کیلئے وقف کر دیا ہے، اسکا طریقِ تحقیق استقرائی ہے۔ یعنے
جزئیات سے کلیات کی طرف گیا ہے، اس غرض سے اسنے تاریخ کا وسیع مطالعہ
کیا اور واقعات تاریخی کی جمع و تطبیق اور مقابلہ و موازنہ کے نتائج کو کلیات یا قوانین
عمومی کی شکل میں پیش کیا ہے، اور انکو ہر فصل کے آغاز میں بطور عنوان درج کیا ہے،
گویا ابن خلدون چاہتا تھا کہ عمران بشری کے متعلق بھی اسیطرح کلیات دریافت کرے،
جسطرح حکمائے طبعیین نے عالم مادیات کے متعلق قوانین قائم کئے ہیں۔ مگر یہ کہنا مشکل
ہے کہ اسکو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ کیونکہ اوّلاً اسکا تاریخی علم خاص ممالک و اقوام پر منحصر
تھا، مثلاً اقوام یورپ کے متعلق اسکی واقفیت نہایت محدود تھی، اسلئے اسکے قائم کردہ
کلیات صرف خاص زمانوں اور سوسائٹی کی خاص حالتوں پر درست بیٹھتے ہیں۔ ثانیاً
اگر کائنات مادی کو چند قوانین فطرت کی شکل میں ضبط کرنا دشوار ہے تو عالم روحانیات اور
اخلاقیات کو اسی صورت پر تسخیر کرنا اس سے بھی دشوار تر ہے +

بہرحال ابن خلدون کی دماغی کاوش سے اتنا فائدہ تو ضرور ہُوا کہ تاریخ انسانی کے قوانین دریافت کرنے کی سعی کرتے ہوئے اس کی بلیغ قلم سے دنیا میں پہلی دفعہ اسلامی تہذیب و تمدّن کی ایک جامع اور فلسفیانہ تاریخ مرتب ہو گئی۔

(باقی دارد) (شیخ) عنایت اللہ (ایم اے)

تنقید

(۱)

مطلع الانوار حضرت امیر خسرو دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بہ تنقید و نگرانی جناب مولوی محمد مقتدی خاں صاحب شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۹۲۶ء میں طبع ہوئی۔ انتساب و فہرست ۵ صفحہ مقدمہ ۶۲ صفحہ، متن کتاب ۲۳۸ صفحہ۔ کل ۳۰۹ صفحہ) قیمت قسم اول ۸ روپیہ۔ قسم دوم ۶ روپیہ۔ قسم سوم غیر مجلد ۳ روپیہ

یہ مثنوی سلسلہ کلیات خسرو میں شایع ہوئی ہے سلسلۂ مذکور ملک میں اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ تعریف سے مستغنی ہے۔ لہذا اسقدر کہنا کافی ہے کہ اس سلسلے کی جملہ خوبیاں اس مثنوی میں بھی موجود ہیں۔ کاغذ اعلیٰ خط جمیل۔ طباعت حسین۔ یہ وہ اوصاف ہیں کہ مطبوعات مطبع مسلم یونیورسٹی میں موجود پانے کے ہم خوگر ہیں۔ اس سلسلہ کی اور کتابوں کی طرح ایک عالمانہ مقدمہ شروع میں موجود ہے۔ جس میں جناب مولوی محمد مقتدی خاں صاحب نے اس مثنوی کے محاسن پر ایک غائر نظر ڈالی ہے۔ موصوف کی سخندانی مقدمہ پڑھنے والوں سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہ رہیگی۔ حواشی کتاب میں سربسر اختلافی نسخے درج ہیں۔ اور کہیں کہیں مفردات و تراکیب مشکلہ و اشعار مغلقہ کا حل مختصر مگر واضح الفاظ میں دیا ہے۔ متن پڑھنے میں خاصہ صحیح معلوم ہوتا

ہے اور طباعت نے صحت متن کو بہت کم ضرر پہنچایا ہے۔

ہم نے دیباچہ سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ متن کون سے نسخہ پر مبنی ہے اور اختلافی نسخے کسی ایک نسخہ سے لئے گئے۔ جیسا بادی النظر میں متبادر ہوتا ہے۔ یا متعدد نسخوں سے جیسا کہ اغلب ہے۔ لیکن ہمکو بہت حیرت ہوئی جب اس قسم کی کوئی اطلاع ہمکو دیباچہ (یا کتاب کے کسی اور حصے) سے نہ ملی جناب اڈیٹر نے تصحیح وتنقید کے عنوان میں (دیباچہ ص۲ پر) صرف اتنا لکھا ہے کہ "یہ مثنوی تصحیح وتنقید کے لئے متعدد نظروں اور مختلف ہاتھوں سے گذری ہے ..... جہانتک مختلف نسخوں کے ساتھ مقابلہ اور تصحیح کا تعلق ہے۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں"۔ یہ مسلّم ہے کہ ہر اڈیٹر کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے۔ کہ تا حدّ امکان مصنف کا اصلی متن قارئین کے سامنے پیش کرے۔ لہذا یہ ضروری ٹھہرا کہ متن حتےالوسع قدیم ترین نسخوں پر یا انکی ثابت شدہ نقلوں پر مبنی کیا جائے۔ اس اعتبار سے ہم حق بجانب ہیں اگر جناب اڈیٹر سے دریافت کریں کہ وہ مطبوعہ متن کی تاریخ ہمکو بتائیں۔ اس تاریخ کی تلاش میں بناچار ہمنے "تبصرہ متعلق کارروائی ترتیب کلیات حضرت امیر خسرو رح" کی ورق گردانی کی۔ اسمیں ص۳۶ پر مطلع الانوار کے پانچ نسخے (جناب مہتمم کے پاس پہنچ بتائے گئے ہیں انہیں سے ایک مطبع نولکشور کا چھپا ہوا اور چار قلمی ہیں۔ ان چار میں سے ایک "مدرسۃ العلوم" علیگڈھ کی لائبریری سے آیا۔ ایک نواب عماد الملک [مرحوم] سے مستعار ملا۔ ایک نواب سالار جنگ بہادر اور ایک منشی مبارک سنگھ صاحب نے عطا کیا۔ بدبختی سے تبصرہ میں ان میں سے کسی نسخہ کا حال خصوصاً سن کتابت درج نہیں ہوا تاہم ان نسخوں کی بابت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ متن کو قائم کرنے میں یہ سب استعمال میں آئے یا نہیں اور متن ان تمام نسخوں سے مرکب ہوا یا کسی ایک پر مبنی کیا گیا۔ اور حاشیے کے نسخے انہیں سے کس کس سے حاصل ہوئے۔

تبصرہ مذکورہ کے ص۴۲ پر یہ بھی درج ہے کہ برٹش میوزیم سے کلیات خسرو وغیرہ کے فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی مگر اسکا نتیجہ کیا نکلا اس کی اطلاع ہمکو نہیں ملی۔

غالباً مطلع الانوار کے قدیم ترین نسخے یورپ میں ہیں۔ اور اسلئے ہماری رائے میں کوئی اڈیشن جو تنقیدی ہونے کا دعوے کرے قدرتی طور پر ان نسخوں سے جو یورپ میں ہیں مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اپنے مقصد کو واضح کرنے کیلئے ہم بلا استقصا انگلستان کے کتابخانوں کے چند قدیم نسخوں کا سن کتابت درج ذیل کرتے ہیں (یاد رہے کہ خسرو کا سن وفات ۷۲۵ھ ہے)

برٹش میوزیم[1] ۔ خمسہ خسرو تحریر ۸۲۱ھ ایضاً تحریر ۸۹۶ھ ۔

کتابخانہ بادلی خمسہ خسرو تحریر ۸۴۰ھ[2] ایضاً تحریر ۸۴۸ھ ایضاً تحریر ۸۶۷ھ ۔

کتابخانہ انڈیا آفس[3] ۔ مطلع الانوار تحریر ۸۶۶ھ ۔

ان کے مقابلہ میں ہندوستان کے چند قدیم[4] نسخوں کی تاریخ کتابت ملاحظہ ہو۔

(۱) کتابخانہ بانکی پور[5]، مطلع الانوار تحریر ۹۲۷ھ، خمسہ تحریر ۹۷۲ھ ۔

(۲) " ریاست رامپور[6]، خمسہ تحریر ۹۷۷ھ، کلیات خسرو ناقص الآخر، قیاساً دسویں صدی کی تحریر۔

(۳) " ایشیاٹک[7] سوسائٹی بنگال خمسہ، بظاہر دسویں صدی میں لکھا گیا، مطلع الانوار و خمسہ، گیارہویں صدی کی تحریر۔

(۴) " آصفیہ حیدرآباد، کسی نسخہ پر تاریخ کتابت درج نہیں۔

مختصر یہ کہ مطبوعہ نسخہ خوب چیز ہے مگر ہمکو بتایا نہیں گیا کہ متن کے مرتب کرنے میں روایت صحیح کا لحاظ رکھا گیا

---

[1] فہرست ریو ص ۶۶۸ و ضمیمہ فہرست ریو ص ۱۶۷، برٹش میوزیم میں انکے علاوہ دسویں صدی ہجری کے نسخے مطلع الانوار کے (بعض خمسوں میں اور بعض الگ) سات ہیں۔

[2] یہ سن مشتبہ ہے مگر صدی کا ہندسہ یقینی ہے۔ فہرست بادلی ص ۷۴۲ تا ۷۶۰ ۔

[3] فہرست محمود ۲۹۲ ۔ [4] ظاہر ہے کہ یہاں انہی نسخوں کا ذکر ہے جو مطبوعہ فہرستوں میں مذکور ہیں۔ جن کتابخانوں کی فہرستیں شائع نہیں ہوئیں۔ انکی نسبت کو کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

[5] فہرست ج ۱ ص ۱۹۲ ۔ [6] دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۲۶ء ص ۱۴ و ص ۱۵ ۔

[7] فہرست ایوانف ص ۱۲۱۴ ۔

یا نہیں اندیشہ یہ ہے کہ نسخے جو استعمال کئے گئے وہ کافی قدیم نہیں ہیں۔ حالانکہ قدیم نسخے نسبتاً قلیل صرف سے اور قلیل مدت میں حاصل کئے جا سکتے تھے[1]

دیباچہ کے صفحہ ۱۹ پر ایک نامکمل جدول ان مثنویوں کا دیا گیا ہے جو مطلع الانوار کے مقابلہ میں لکھی گئی ہیں۔ اسکے بعد ایک اور جدول بسم اللہ کی تضمینیں درج ہیں۔ ان دونوں جدولوں[2] کا قریباً تمام مواد غالباً ہفت آسمان (مولفہ آغا احمد علی مرحوم) سے ماخوذ ہے۔ شاید کثرت شہرت کی وجہ سے حوالہ اس کتاب کا نہیں دیا گیا۔ مگر ہماری رائے میں دینا چاہئے تھا،

ہمکو یقین ہے کہ شائقین زبان فارسی ان جواہر ریزوں کو دست بدست لیں گے۔

سلہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ کتابت کی غلطیاں نسبتاً بہت کم نظر آئیں۔ دو چار جو نظر سے گذریں درج ذیل ہیں:

دیباچہ صفحہ ۲ تکلو کا نام شفف آقا ہے نہ افا شف،

" " غزالی مشہدی کی مثنوی کا صحیح نام قدرت آثار معلوم ہوتا ہے (دیکھو ہفت آسمان صفحہ ۱۰۳ فہرست کتابخانہ بادلی نمبر ۷۵۶)،

حواشی صفحہ ۲۲۵ میں متعدد لفظ غلط چھپے ہیں۔

" صفحہ ۲۲۶ سطر ۱۲ مقنعہ (بجای مقعنہ) چاہئے تھا،

" صفحہ ۲۲۹ سطر ۶ یہ شعر غالباً درست نہیں چھپا،

" " سطر ۱۵ یابد (بجای باید)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساری کتاب میں تلفظ ہندوستان کی رعایت سے نون غنہ لکھا گیا ہے۔ مگر ہم کو اسکے درست ہونے میں تامل ہے۔ قدیم نسخوں میں ہمنے نون کو نقطہ دار ہی پایا ہے۔

سلہ۲ اس جدول میں ۲۶ مثنویاں مذکور ہیں۔ دلیل انکے ہفت آسمان سے ماخوذ ہونے کی یہ ہے کہ انمیں سے ۲۵ مثنویوں کا حال ہفت آسمان میں موجود ہے اور جہاں سن وفات کسی کا ہفت آسمان میں دیا ہے صرف وہیں اس جدول میں بھی دیا ہے۔ حالانکہ بعض اوستادوں کے وفیات تتبع سے معلوم ہو سکتے تھے۔ اس سے قوی تر دلیل یہ کہ حکیم شفائی صاحب مثنوی دیدۂ بیدار کا سن وفات ۱۰۲۷ھ دیا ہے۔ مگر ہفت آسمان میں ۱۰۲۷ھ یہ سن غلطی طباعت سے درج ہوا ہے۔ اصل کی عبارت یہ ہے: در سنہ (۱۰۲۷) فوت شد۔ ملا شاہ عرشی تاریخ فوت او گفتہ ع بشاو دین شفائی داد جان را۔ اس مادہ سے ۱۰۳۷ھ بر آمد ہوتا ہے۔ نہ کہ (۱۰۲۷) ۔ اور صحیح تاریخ وفات ۱۰۳۷ھ ہی ہے۔ دیکھو عالم آرای عباسی صفحہ ۶۷۱ بعض مثنویاں جو مخزن اسرار کے مقابلہ میں لکھی گئیں۔ اور ہفت آسمان میں مذکور ہیں، جدول مذکور میں درج نہیں ہوئیں۔ مثلاً نویدی شیرازی کی دو مثنویاں، خلد برین، وحشی وغیرہا):۔

(۲) دیباچۂ قدیم شاہنامہ

ہندوستان کی علمی دُنیا کو جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔ کہ انہوں نے اپریل ۱۹۲۰ء کے رسالۂ اُردو میں اس دیباچہ کو شایع کر کے ہم کو فردوسی کے حالات کے قدیم ترین باب سے رُوشناس کیا ہے۔ موصوف نے "پر ایک طویل الذیل دیباچہ بھی اضافہ کیا ہے جو قدیم نثری شاہناموں و دیگر کتب پہلوی پر مفید اطلاع کا حامل ہے۔ یہ اطلاع رسالۂ کاوہ و دیگر مغربی ذرایع سے اخذ کی گئی ہے۔

مغربی فضلا کی تقلید میں حکیم شمس اللہ صاحب نے شاہنامہ کی تین اشاعتیں مانی ہیں۔ پہلی ۳۸۴ھ میں۔ دوسری ۳۸۹ھ میں اور تیسری ۴۰۰ھ میں بلکہ اس سے بھی کئی سال بعد جو ۴۰۵ھ میں انجام کار ختم ہوتی ہے۔ لیکن ہم اس نظریہ سے متفق نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ فردوسی اپنی عمر کے پینتالیسویں سال میں شاہنامہ نظم کرنا شروع کرتا ہے اور پچاسیویں سال میں ختم کرتا ہے جس سے تمام مدت نظم شاہنامہ بجای فردوسی کی بیان کردہ تیس و پینتیس کے پوری چالیس سال بنجاتی ہے۔ اور ہم حیران ہیں۔ کہ اس بیان کو فردوسی کے بیان سے کس طرح تطابق دیں۔ حکیم صاحب کا قول ہے کہ فردوسی۔ شعر

از امروز تا سال ہشتاد و پنج ۔۔۔ بکاہدش رنج و ببالدش گنج

میں اپنی پچاسی سالہ عمر کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن شاہنامہ کا متن ان کے دعوے کا موید نہیں ہے۔ اسی طرح حکیم صاحب کا عقیدہ ہے کہ فردوسی سلطان محمود کے دربار میں ۳۹۴ھ سے لے کر ۴۰۲ھ تک موجود رہا ہے لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شاہنامہ میں ایک سے زیادہ موقعوں پر ابوالعباس فضل بن احمد اولین وزیر

سلطان محمود کا ذکر موجود ہے جو اکثر تاریخوں کے بیانات کی رُو سے صرف دس سال تک وزیر رہا ہے یعنے ۳۹۶ھ تک۔ اب ظاہر ہے کہ فردوسی شاہنامہ میں ایک معزول شدہ وزیر کا ذکر کیوں کرنے لگا۔ مزید برآں شاہنامہ میں جو شہادت موجود ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فردوسی سلطان محمود کی تخت نشینی کے وقت سے لے کر چھ سال تک برابر غزنیں میں موجود ہے۔ ہم اس تمام شہادت کا جو شاہنامہ میں ملتی ہے۔ بخوف طوالت یہاں ذکر نہیں کر سکتے۔ صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

۳۹۴ھ میں سیستان میں سونے کی ایک کان برآمد ہوئی تھی چونکہ سیستان پر سلطان محمود کا قبضہ بالکل تازہ تھا۔ اسلئے اس واقعہ کو عام طور پر سلطان کی خوش اقبالی کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ نگارستان میں اسکا ذکر اسی روشنی میں کیا گیا ہے۔ فردوسی اسوقت غزنیں میں موجود تھا۔ اور دیباچہ شاہنامہ میں اس واقعہ کا ذکر کرتا ہے۔

پدید آمد از فرّ او کان زر زخاور بیاراست تا باختر

اصل یہ ہے کہ فردوسی نے اپنی عمر کے چھیاسٹویں سال سے (جو سلطان محمود کی تخت نشینی کا زمانہ ہے) لے کر اکہتروں سال تک جو ۳۹۴ھ کے مطابق ہے شاہنامہ پر سر توڑ محنت کی ہے اور اسکو تقریبًا ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ ۴۰۰ھ میں خاتمۂ شاہنامہ لکھتے وقت کہتا ہے۔

چو بگذشت سال از برم شصت و پنج فزوں کردم اندیشهٔ درد و رنج

چو سال اندر آمد بہفتاد و یک ہمی زیر شعر اندر آمد فلک

یہی وہ چھ سال ہیں جنکا ذکر دیباچۂ قدیم میں آیا ہے۔

حکیم صاحب نے دیباچۂ قدیم کا متن ایک ایسے نسخہ سے حاصل کیا ہے۔ جو

گیارہویں صدی ہجری کا نوشتہ ہے اور اکثر غلط ہے۔ کاتب نے ابھی اس کو احتیاط کیساتھ نہیں لکھا۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ کئی موقعوں پر فقرے کے فقرے چھوڑ دئے ہیں۔ میں بسبیل نمونہ بعض مثالیں ذیل میں دیتا ہوں۔

(۱) "چون سنگ کرا فریدوں بپاے برداشت" یہاں عبارت یوں ہے۔
"وچوں ہماں سنگ کجا آفریدوں بپاے بازداشت"

(۲) "پس مایاں کہ نامہ خواہند ساخت ایدوں سزد" میں خواہند ساخت، کی بجاے 'خواہند ساختن' چاہئے۔ انہیں دو مثالوں سے ظاہر ہے۔ کہ حکیم صاحب کے اصل نسخہ میں قدامت کی علامات کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) سہ دیگر خواص نامہ، چہارم (خداوند نامہ) یہ عبارت دراصل یوں ہے "سہ دیگر ہنر نامہ چہارم نام خداوند نامہ"

(۴) ششم نشاں دادن از دانش کہ نامہ از بہزاد است" صحیح فقرہ اسطرح ہے "ششم نشاں دادن از دانش آنکس کہ نامہ از بہراوست"

(۵) "واز نامۂ پادشاہان فارس از گنج خانۂ مامون موبذ یزدگرد شہریار" یہ فقرہ یوں ہے۔ "واز نامۂ پادشاہان پارس واز گنج نامۂ ماموں واز بہرام شاہ مرداں شاہ کرمانی واز فرخان موبدان موبد یزدگرد شہریار"

(۶) "وگودرز بگاہ کیخسرو سالار بود و بیژن رابکشت" صحیح یوں ہے "وگودرز بگاہ کیخسرو سالار بود کہ پیراں رابکشت"

(۷) "بیژن پسر بود پسر لبوال پسر حسین" یہاں یہ عبارت ہے "و پیراں پسر ویسہ بود پسر حشو (کذا) پسر پشوان"

(۸) "وآنگہ خسرو پرویز بدر روم شد کنارنگ پیشرو لشکر او بود و درہنگام شادہ شاہ" یہ عبارت اسطرح ہے۔ "وآنگہ خسرو پرویز بدر روم شد و کنارنگ پیشرو لشکر

پرویزبود و حصار روم بستہ و نخستیں کسے کہ بدیوار حصار برشد او بود کہ با قیصر روم برآویخت و اورا بگرفت و در پیش شاہ آورد، و در ہنگام سادہ شاہ" الخ

آخر میں کہا جاتا ہے کہ یہ دیباچہ ابھی مکمل نہیں ہے اور ایک بڑا حصہ چھوٹ گیا ہے۔ یعنے ہجو کے اشعار کے بعد ایاز کا ہجو کو سلطان کے پیش کرنا۔ سلطان کا برہم ہونا اور وزیروں اور دبیروں کو معزول کرنا۔ اسکے بعد وہ حکایت آتی ہے۔ جس میں عامل شکایت کیلئے فردوسی غزنین آتا ہے۔ راہ میں تین شعرا سے ملتا ہے اور مصرع

مانند سنان گیو در جنگ پشن

پرجستہ کہہ کر انکے شریک ہوتا ہے اور انکی وساطت سے دربار سلطانی میں پہونچتا ہے اور شاہنامہ نظم کرتا ہے۔ اسکے بعد سلاطین ایران کی فہرست آتی ہے جس میں انکے نام اور زمانہ پادشاہی درج ہے :۔

(حافظ) محمود شیرانی

(۳) رسالہ الایمان

اسلام کا اساسی قانون عربی میں ہے۔ مگر غیر ملکی زبانوں نے اپنے اعجوبہ زا کارناموں کی وجہ سے مسلمانان ہند کی توجہ کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔ اب اکثر صورتوں میں نہ اُن کے پاس وقت ہے۔ کہ وہ مذہبی زبان کی طرف توجہ کریں۔ اور نہ ہی دلوں میں سچا ولولہ باقی ہے۔

ادھر بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دینا کالنقش فی الحجر ہے۔ اسلئے ضروری یہ ہے کہ مذہب کے مبادیات اور عام فہم زبان میں بچوں کے سامنے پیش کئے جائیں تاکہ انکے سادہ دلوں میں گھر کر سکیں۔

رسالہ الایمان اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ اصول ایمان کو جس صفائی سلاست اور تشریح سے تدریجاً سمجھایا گیا ہے۔ قابل داد ہے۔

نیز قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے اصول اخلاق کے جامعہ مانعہ جملے مع سلیس ترجمہ کے درج کئے گئے ہیں۔ واقعی اگر بچے ان بلیغ اور پر معنے جملوں کو ازبر کرلیں تو اُنکے اخلاق پر کافی اثر پڑ سکتا ہے۔

علاوہ اسکے اولوالعزم انبیاء علی الخصوص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مختصر حالات زندگی۔ اور آپ کے ازواج مطہرات۔ اور اولاد پاک کے اسماء کے جمع کرنے میں جناب مصنف نے موقع شناسی کا ثبوت دیا ہے۔

الایمان کے مضامین میں دہریت و الحاد کی روک تھام کیلئے اصولی طور پر کافی مواد موجود ہے۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر بدعت و شرک کے منافذ بھی بند کرنے کیلئے چند ایسے اصول ذہن نشین کرائے جاتے۔ جو بچوں کو بدعت و شرک کا شکار ہونیسے بچاتے مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ مصنف کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کرتے ہوئے رسالہ مذکورہ خود بھی پڑھیں۔ اور اپنی اولاد کو بھی ازبر کرائیں۔

یہ رسالہ مولوی محمد مقتدی خاں صاحب شروانی (مصنف رسالہ) مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ سے بقیمت ۱۲ر ملسکتا ہے۔ (مولانا) نورالحق

جدید اخبار اور رسالے

(۱) چمن۔ یہ ماہوار رسالہ پی۔ ایچ۔ نسیم صاحب بی۔ اے بریلوی کی ادارت میں بدایون سے شایع ہوتا ہے۔ اس رسالہ کا مقصد یہ ہے: "طلبہ میں اظہار خیال کی جرأت و قوت پیدا کرنا۔ اور انکے معلومات میں اضافہ کرنا"۔ نومبر ۲۰ء کا نمبر ہمارے پیش نظر ہے۔ بدایون۔ بریلی۔ امروہہ اور سہارنپور کے طلبائے مدارس۔ کے مختلف مفید مین

اسمیں درج ہیں نظم ونثر کے چار پانچ مضمون ایڈیٹر اور دیگر اصحاب کے قلم سے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسالہ اپنا مقصد کامیابی سے پورا کر رہا ہے۔ سالانہ قیمت قسم اعلےٰ (للعہ ر) قسم دوم (عکار) ملنے کا پتہ: ایڈیٹر رسالہ چمن بدایون۔ یو۔پی۔

(۲) نظام گزٹ

یہ ایک ہفتہ وار پرچہ حیدرآباد دکن سے زیر ادارت سید وقار احمد ایم۔ اے وسید محمد حبیب اللہ رشدی۔ ایم۔ اے۔ شایع ہونا شروع ہوا ہے۔ جس کا پہلا اور تیسرا نمبر (مورخہ ۱۴ر نومبر اور ۲۸ر نومبر ۱۹۲۶ء) ہمارے پیش نظر ہے۔ مضامین سیاسی اور ادبی ہیں اور اعلےٰ پائے کے ہیں۔ ایک عنوان "شعر وسخن" بھی ہے جس میں ان دو نمبروں کے اندر ہز ایکسلنسی مہاراجہ سرکرشن پرشاد اور زبان اُردو کے مشہور ادیب مولانا وحیدالدین سلیم کی نظمیں درج ہیں۔ ملکی علمی اور حیدرآباد کی مقامی خبریں بھی دی گئی ہیں۔ ان خبروں میں یونیورسٹی کی خبروں کو خاص اہمیّت حاصل ہے۔ ہر نمبر میں ایک مضمون خصوصی ہوتا ہے۔ جو خاص اہتمام سے تیار کیا جاتا ہے۔ حضور نظام اور مہاراجہ سرکرشن پرشاد کے فوٹو بھی ہیں۔ لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ رسالہ اردو صحافت میں ایک مفید اضافہ ثابت ہوگا۔ تقطیع کلاں۔ حجم ۱۲ صفحے۔ سالانہ چندہ للعہ مع محصولڈاک،

ملنے کا پتہ۔ دفتر نظام گزٹ۔ چار مینار۔ حیدرآباد دکن۔

(پروفیسر) محمد اقبال

(۳) پیام تعلیم

پیام تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ کا یہ پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ جناب سعید انصاری صاحب بی۔ اے۔ کی ادارت میں دہلی سے شایع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ (عہ/)
رسالہ مذکور کا تاسیس نمبر ہمکو ریویو کیلئے موصول ہوا ہے۔ اس نمبر میں مضامین ذیل کے عنوانوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔
مقالات (۴ صفحے) درسگاہیں اور ادارے (۵ صفحے) نظامات تعلیمی (۱۰ صفحے) شمع علم کے پروانے (۳ صفحے) مکاتیب اور مراسلے (۴ صفحے) بچوں کے صفحے (۱۲ صفحے) کوائف جامعہ اور شذرات (۲ صفحے) انکے علاوہ دو ورق پر اکابر قوم کی تصویریں ہیں۔
ہمنے تمام مضامین کو دلچسپ اور مفید پایا۔ اس سے پہلا یا اسکے بعد کا کوئی نمبر ہمنے نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ بلند معیار ہمیشہ یا اکثر مد نظر رہتا ہے۔ تو یہ رسالہ ملک کے تعلیمی رسالوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامی دہلی سے طلب کرنا چاہیئے۔

سرعت ارتجال کی ایک حیرت ناک مثال

عرب شعرا کی بدیہہ گوئی یوں تو مشہور عالم ہے مگر اسکی مثال اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا کوئی موقعہ ہمکو اب تک نہ ملا تھا۔ ۱۱ دسمبر ۳۲ء کو ڈاکٹر سر محمد اقبال کے دولت خانہ پر ایک مصری ادیب جنکا نام مولانا فہمی ہے اور جو قاہرہ کے اخبار الفتح کے اڈیٹر ہیں، ہماری موجودگی میں تشریف لائے، ادہر ادہر کی گفتگو ہوتی رہی۔ سر محمد اقبال نے پوچھا کہ انکے نزدیک زمانہ آیندہ میں اسلامی ممالک کی ذہنی امامت مختلف اقوام اسلامیہ میں سے کسکو حاصل ہوگی ادیب موصوف نے جواب دیا کہ اہل مصر کو، بدیں دلیل کہ مختلف مسلمان قوموں کے نوعمروں میں سے براقی طبیعت اور حدّت

ذکا میں مصری نوعمر کو کوئی نہیں پہنچا۔ جہاں مصر کو پولیٹیکل آزادی ملی انکی سیادت ذہنی یقینی ہے پھر کچھ اور گفتگو ہونے لگی۔ اسکے اثنا میں انہوں نے سر محمد اقبال کو مخاطب کر کے انکی تعریف میں چند عربی شعر پڑھے گویا باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو ادہر توجہ دلائی۔ اور انہوں نے ادیب موصوف سے چاہا کہ وہ ان اشعار کو لکھ دیں، انہوں نے کہا کہ وہ شعر اب یاد نہیں رہے، لیکن میں اور کہے دیتا ہوں، آپ لکھتے جائیں۔ مجھ کو بلا فکر و رویہ ارتجال پر قدرت حاصل ہے۔ چنانچہ میں لکھتا گیا اور انہوں نے بغیر رکنے اور سوچنے کے اور بغیر کسی لفظ کو بدلنے کے ذیل کے شعر اسی وقت لکھوا دئے۔ (نثر کا عنوان موصوف نے اپنے قلم سے لکھا):

تحیــــۃ الشاعر المصری لعرض صاحب السعادۃ فرع الشرف والسیادۃ
امـــــــیر الشعراء الدکتـــور سر محمد اقبال بالهند

إنْ قلتُ مینیذ اعرباسمك لاعجبٌ	دکتور اقبالٍ) ویارَبّ الادبٌ
فلانتَ اقبالٌ خلاصۃ من سما	(سِرّ) المعالیٔ وازدهتٌ منه الرُّتَبٌ[۱]
انتَ الذیٔ عرَفَ القریضُ مقامَه	فسعیٰ له والیٰ معالیہ انتَسَبٌ
حُرُّ الضمیرِ فلاعمیل لغا بیةٍ	والمدحُ فی حُرّ الضمیر لقد وَجَبٌ
هیهات للشعراءِ مثلی أن تفی	حقًّا ببعض صفات هذا المنتخبٌ
هو نخبۃ الادباء والشهم الوصی	اصل المواهب بل وأَخْیَرُ مَن وَهَبٌ
لولاكَ فی اللّاهور ما وُجِد المنی	ودنا السرور الی المدارس واقترَبٌ
من مصر جئتك زائرًا ومعظّمًا	للواءِ مجدك انت یا عالی النسب
یا شاعرًا عمّت مکارمه الوریٰ	بك لا بغیرك كلّ علم یُکتَسَبٌ
وکفی بذکرك أنْ اقول مکرّرًا	[دکتور اقبال] ویا ربّ الادب

---

[۱] موصوف سر (سائر کی) کا تلفظ اسطرح کر رہے تھے جیسا متن میں ضبط ہوا۔

فہرست رجال مسانید امام احمد بن حنبل رح

(سلسلے کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ نومبر ۱۹۲۶ء)

نام باب	جلد	صفحہ
باب الدّال		
دِحیۃ الکلبی	۴	۳۱۱
دُرّۃ بنت ابی لہب	۶	۴۳۱
دُکین بن سعید الخثعمی	۴	۱۷۴
الدّیلمی الحمیری	؍؍	۲۳۱
باب الذّال		
ذُو الاصابع	۴	۶۷
ذُو الجوشن الضبابی	۳	۴۸۴
	۴	۶۷
ذو الغرّۃ عن النبی صلعم	۴	۶۷
	۵	۱۱۲
ذو لحیۃ الکلابی	۴	۶۷
ذو مخمر الحبشی رجل	۴	۹۰
من اصحاب النبی صلعم	۵	۴۰۹
ذُؤیب ابو قبیصہ	۴	۲۲۵
ذو الیدین	؍؍	۶۷

نام باب	جلد	صفحہ
باب الراء		
رائطۃ بنت سفیان و عائشۃ بنت قُدامۃ بن مظعون۔	۶	۳۰۶
رائطۃ امرأۃ عبد اللہ	۳	۳۰۵
راشد بن حُبَیش	؍؍	۴۸۹
رافع بن خدیج	؍؍	۴۶۳
	۴	۱۴۰
رافع بن رفاعۃ	؍؍	۳۴۰
رفاعۃ بن رافع عن ابی بن کعب	۵	۱۱۵
رافع عن عمرو المزنی	۴	۴۲۶
	۵	۳۱
	؍؍	۶۵
رباح بن ربیع	۳	۴۸۸
رباح بن عبد الرحمن بن حُوَیطب عن جدتہ	۴	۷۰
ربیعۃ بن عامر	۴	۱۷۷
ربیعۃ بن عبّاد الدیلی	۳	۴۹۱
	۴	۳۴۱

نام باب	جلد	صفحہ
ربیعة بن کعب الاسلمی	۴	۵۷
رُبَیّع بنت مُعَوّذ	۶	۳۹۸
رجاء (بن حیوۃ)	۵	۸۳
رجال من الانصار	۴	۳۶
رجال یتحدثون عن النبی صلعم	۴	۲۵
رجل	۴	۶۶
"	"	۲۳۴
"	"	۲۵۹
"	"	۲۶۰
"	"	"
"	"	۳۱۱
"	"	۳۱۴
"	۵	۵۲
"	"	۶۰
"	"	۶۵
"	"	۶۸
"	"	۷۰
"	"	۷۳
"	"	"
"	"	۷۷

نام باب	جلد	صفحہ
رجل	۵	۷۸
"	"	۷۹
"	"	۸۱
"	"	۲۷۲
"	"	"
"	"	۲۷۷
"	"	۲۹۳
"	"	۴۰۸
"	"	"
"	"	۴۱۱
"	"	۴۱۲
"	"	"
"	"	۴۱۳
رجل آخر	۴	۲۵۹
"	۵	۵۸
رجل عن ابیه	۳	۴۱۳
"	"	۴۷۹
رجل أدرک النبی صلی اللہ علیہ وسلم	"	۴۱۴
"	۴	۶۴
رجل من بنی أسد	"	۳۶

نام باب	جلد	صفحہ	نام باب	جلد	صفحہ
رجل من بنی اسد	۴	۳۶	رجل من اصحاب النبی صلعم	۴	۲۳۳
رجل من اسلم	۳	۴۴۰	"	"	۲۳۶
"	۵	۴۳۰	"	"	۲۳۷
رجل من اشجع	۳	۲۶۰	"	"	"
رجل من اصحاب النبی صلعم	۳	۴۱۳	"	"	"
"	"	۴۱۴	"	"	۴۶۱
"	"	۴۷۳	"	۵	۲۴
"	"	۴۷۸	"	"	۵۸
"	۴	۲۳	"	"	۷۲
"	۴	۳۴	"	"	۲۲۴
"	"	۹۳	"	"	۳۶۱
"	"	"	"	"	۴۰۸
"	"	۹۵	"	"	"
"	"	"	"	"	"
"	"	۱۰۵	"	"	۴۱۰
"	"	۱۱۱	"	"	"
"	"	۱۹۰	"	"	۴۱۱
"	"	۱۷۶	"	"	"
"	"	۲۳۲	"	"	"
"	"	۲۳۳	"	"	۴۳۰

نام باب	جلد	صفحہ
رجل من اصحاب النبی صلعم	۵	۴۳۴
رجل من اصحاب بذرعنہ صلعم	۳	۴۷۴
رجل اعرابی	۵	۵۸
رجل من الانصار	۳	۴۵۱
"	۴	۶۴
"	"	۶۹
"	۵	۳۵
"	"	۵۷
"	"	۷۸
"	"	۴۰۹
"	"	۴۱۰
"	"	۴۲۹
"	"	۴۳۰
"	"	۴۳۴
رجل من اہل بادیۃ	"	۵۸
"	"	۷۸
رجل من باہلۃ	"	۲۸
رجل من بکر بن وائل	۴	۳۲۲
رجل من بہز	۳	۴۵۲
رجل من تغلب	۵	۴۱۰

نام باب	جلد	صفحہ
رجل من ثقیف	۴	۱۶۷
"	"	۳۱۰
"	۵	۳۸۰
رجل من ثقیف عن ابیہ	۴	۶۹
رجل من جہینۃ	۳	۴۷۱
رجل من الحی	۵	۷۰
رجل من خثعم	"	۷۳
"	"	۲۷۲
رجل من خزاعہ	۴	۶۹
"	۵	۲۹
"	"	۳۸۰
رجل من بنی الدیل	۴	۳۱۵
رجل رای النبی صلعم	"	۳۶
"	۵	۳۴
رجل عن رجل	۴	۶۲
رجل عن رجل من قومہ	۵	۴۳۰
رجل رق النبی صلعم	۴	۶۲
رجل من بنی سلیط	"	۶۹
"	۵	۷۱
رجل من بنی سلیم	۴	۲۳۶

نام باب	جلد	صفحہ	نام باب	جلد	صفحہ
رجل من بنی سُلیم	۴	۲۳۶	رجل عن النبی صلعم	۳	۴۲۵
〃	۵	۴۳۰	〃	〃	۴۴۱
رجل سمع النبی صلعم	۴	۶۲	〃	〃	〃
〃	〃	۳۲	〃	〃	۴۵۰
〃	〃	۷۱	〃	〃	۴۶۲
رجل من بنی ضَمرۃ عن رجل من قومہ	۵	۴۳۰	〃	〃	۴۶۳
رجل یسمی طَلحۃ یسمی بطلحہ بن عبید اللہ	۳	۴۸۷	〃	〃	۴۷۴
رجل عن عمہ	۴	۶۱	〃	〃	〃
رجل من بنی غِفار	۵	۴۰۹	〃	〃	〃
〃	〃	۴۳۵	〃	〃	۴۸۰
رجل من قومہ (؟)	۴	۶۵	〃	〃	〃
رجل لم یسم عن النبی صلعم	۳	۴۷۵	〃	〃	۵۰۰
〃	۴	۶۵	〃	۴	۱۶
〃	۵	۲۹۵	〃	〃	۱۱۰
رجل من اہل مدینۃ	۴	۳۴	〃	۵	۶
رجل من مُزینۃ	〃	۱۳۸	〃	〃	۲۴
رجل مُقعَد	〃	۶۲	رجل من بنی ہلال	۴	۶۲
رجل من المہاجرین	〃	۲۶۱	رجل من بنی یربوع	〃	۶۴
رجل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۳	۴۱۴	رجلین اتیا النبی صلے اللہ وسلم	〃	۲۲۴
〃	〃	۴۲۴	ردیف النبی صلعم	۵	۵۵

نام باب	جلد	صفحہ
ردیف النبی صلعم	۵	۷۱
رسول قیصر الی رسول اللہ صلعم	۴	۷ ″
رعیۃ السحیمی	۵	۲۸۵
رفاعۃ بن شداد عن عمرو بن الحمق	″	۴۳۶
رفاعۃ بن رافع الزرقی	۴	۳۴۰
رفاعۃ بن عرابۃ الجہنی	″	۱۲
رمیثہ	۶	۳۲۹
رویفع بن ثابت	۴	۱۰۷
باب الزاء		
زائدۃ او مزیدہ بنت حوالہ	۵	۳۳
زبیر بن العوام	۱	۱۹۴
زر بن حبیش عن ابی بن کعب	۵	۱۲۹
زوج بنت ابی لہب	۴	۶۷
زہیر بن عثمان	۵	۲۸
زیاد بن الحارث الصدائی	″	۱۶۹
زیاد بن لبید	″	۱۶۰
	″	۲۱۸
زیاد بن نعیم الحضرمی	″	۲۰۰
زید بن ارقم	″	۳۶۶

نام باب	جلد	صفحہ
زید بن ثابت	۵	۱۸۱
زید بن حارثہ	۱	۱۹۹
	۴	۱۹۱
زید بن خالد الجہنی	۴	۱۱۴
	۵	۱۹۲
زینب بنت جحش ام المومنین	۶	۳۲۴
	″	۴۲۸
زینب امرأۃ عبد اللہ بن مسعود	۳	۵۰۲
	۶	۳۶۲
باب السین		
سائب بن خباب	۳	۴۲۶
سائب بن خلاد ابو سہلۃ	۴	۵۵
سائب بن عبد اللہ	۳	۴۲۵
سائب بن یزید	″	۴۴۹
سالم بن عبید	۶	۷
سبرۃ بن ابی فاکہ	۳	۴۸۳
سبرۃ بن معبد	″	۴۰۴
سبیعۃ الاسلمیۃ	۶	۴۳۲
سراقۃ بن مالک	۴	۱۶۵

نام باب	جلد	صفحہ	نام باب	جلد	صفحہ
سعد مولی ابی بکر	۱	۱۱۹	سلامة بنت معقل	۶	۳۶۰
سعد بن ابی وقاص	۱	۱۹۸	سلمی	"	۴۶۲
سعد بن الاطول	۴	۱۳۶	سلمی بنت حمزه	"	۴۰۵
	۵	۷	سلمی بنت قیس	"	۳۷۹
سعد الدلیل	۴	۷۴		"	۴۲۷
سعد بن سعد بن عبادة	۵	۲۲۲	سلمان الفارسی	۵	۴۳۷
سعد بن عبادة	"	۲۸۴	سلمة بن الاکوع	۴	۴۵
	۶	۷		"	۵۰
السعدی عن ابیه عن عمه	۵	۲۷۱	سلمة بن سلامة بن وقش	۳	۴۶۷
سعید بن ابی ذباب	۴	۷۹	سلمة بن صخر البیاضی	۵	۴۳۶
سعید بن حریث اخو عمرو بن	۳	۴۶۷	سلمة بن صخر الزرقی	۴	۳۷
حریث	۴	۳۰۷	سلمة بن قیس الاشجعی	"	۳۱۳
سعید بن یزید	۱	۱۸۷		"	۳۳۹
سفیان بن ابی زہیر	۵	۲۱۹	سلمة بن المحبق	۳	۴۷۲
سفیان بن الحکم او الحکم بن سفیان	"	۴۰۸		۵	۶
سفیان بن عبد اللہ الثقفی	۳	۴۱۳	سلمة بن نعیم	۴	۲۶۰
	۴	۳۸۴		۵	۲۸۵
سفیان بن وہب الخولانی	"	۱۶۸	سلمة بن نفیل السکونی	۴	۱۰۴
سفینہ مولی رسول اللہ صلعم	۵	۴۲۰	سلمة بن یزید الجعفی	۳	۴۷۸
سلامة بنت الحر	۶	۳۸۱	سلیم من بنی سلمة	۵	۷۴

نام باب	جلد	صفحہ
سُلیمن بن صُرَد عن ابی بن کعب	۴	۲۶۲
	۵	۱۲۴
سُلیمن بن عامر	۴	۱۷
	″	۲۱۳
سلیمن بن عمرو بن الاحوص عن ابیہ	۳	۴۹۸
	۵	۲۷۰
	″	۳۷۹
سمُرۃ بن جُندب	″	۷
سمرۃ بن فاتک الاسدی	۴	۲۰۰
سِنان بن سنّہ	۴	۳۴۲
سَوادۃ بن ربیع	۳	۴۸۳
سُوَید الانصاری	″	۲۴۳
سُوَید بن حَنظلہ	۴	۶۹
سُوید بن غَفلۃ عن ابی بن کعب	۵	۱۲۶
سوید بن قیس	۴	۳۵۲
سوید بن مُقرّن	۳	۴۴۷
	۵	۴۴۴
سوید بن نعمان	۳	۴۶۲
	″	۴۰۸
سوید بن ہُبیرۃ	″	۴۶۸

نام باب	جلد	صفحہ
سُویدۃ بنت زمعہ	۶	۴۲۹
سہل بن ابی حثمہ	۳	۴۴۸
	۴	۲
سہل بن بیضاء	۳	۴۵۱
	″	۴۶۶
سہل بن الحنظلیہ	۴	۱۶۹
	۵	۲۸۹
سہل بن حُنیف	۳	۴۸۵
سہل بن سعد الساعدی	″	۳۳۳
سہل بن سعد عن ابی بن کعب	۵	۱۱۵
	″	۳۳۰
سہلۃ بنت سہیل بن عمرو	۶	۳۵۶
باب الشین		
شدّاد بن اوس	۴	۱۱۲
شدّاد بن الہاد	۳	۴۹۳
	۶	۴۶۷
شُرحبیل بن اوس	۴	۲۳۴
شرحبیل بن حسنۃ	″	۱۹۵
شُرید بن سُوَید الثقفی	۴	۲۲۱
	″	۳۸۸

نام باب	جلد	صفحہ
شفاء بنت عبداللہ	۶	۳۷۲
شقران مولی رسول اللہ صلعم	۳	۴۹۵
شکل بن حمید وہو ابو شتیر	؍؍	۴۲۹
شیبہ بن عثمن الحجبی	؍؍	۴۰۹
شیخ اورک النبی صلعم	۴	۶۳
شیخ من اصحب النبی صلعم	۵	۴۱۱
شیخ من بنی سلیط	۴	۶۶
	۵	۳۷۹
شیخ من بنی مالک بن کنانہ	۴	۶۳

باب الصاد

نام باب	جلد	صفحہ
صحار العبدی	۳	۴۸۳
	۵	۳۱
صخر بن عیلہ	۴	۳۱۰
صخر الغامدی	۳	۴۱۶
	؍؍	۴۱۷
	؍؍	۴۳۱
	۴	۳۸۴
	؍؍	۳۶۰
صعب بن جثامہ		۳۷
		۷۱
صعصعہ بن معاویہ	۵	۵۹
صفوان بن امیہ	۳	۴۰۰
	۶	۴۶۴
صفوان بن عسّال المرادی	۴	۳۳۹
صفوان بن معطل	۵	۳۱۲
صفیہ ام المومنین	۶	۳۳۶
صماء بنت بسر	؍؍	۳۶۸
صنابحی الاحمسی	۴	۳۵۱
صہیب بن سنان	۴	۳۳۲
	۲	۱۵

باب الضاد

نام باب	جلد	صفحہ
ضباعۃ بنت زبیر	۲	۳۶۰
	؍؍	۴۱۹
ضحاک بن سفیان	۳	۴۵۲
ضحاک بن ضحاک عن عمومتہ لہ	۵	۳۸۰
ضحاک بن قیس	۳	۴۵۳
ضرار بن الازور	۴	۷۶
	؍؍	۳۱۱
	؍؍	۳۲۲
	؍؍	۳۳۹

نام باب	جلد	صفحہ
ضَمرۃ بن ثعلبۃ	۳	۳۳۸
ضَمرۃ بن سَعد الاسلمی	۵	۱۱۲
ضَمرۃ بن سَعید	۲	۱۰

باب الطاء

نام باب	جلد	صفحہ
طارق بن الاَشیَم الاشجعی	۳ ۲	۴۷۲ ۳۹۴
طارق بن سُوَید	۴ ۵	۳۱۱ ۲۹۲
طارق بن عبداللہ	۲	۳۹۶
طِخفۃ بن قیس الغفاری	۳ ۵	۴۲۹ ۴۲۶
طُفَیل بن ابی بن کعب عن ابیہ	؍؍	۱۳۲
طفیل بن سَخبرہ	؍؍	۷۳
طَلحۃ (ہو غیر طلحۃ بن عبید اللہ)	۳	۴۸۷
طَلحۃ بن عبید اللہ	۱	۱۶۰
طلق بن علی	۴	۲۲

باب العین

نام باب	جلد	صفحہ
عائذ بن عمرو	۵	۹۴
عائشہ زوج النبی صلعم	۲	۲۹
عائشہ بنت قُدامہ ورائطہ بنت سفین	؍؍	۳۷۵
عاصم بن عَدِی	۵	۴۵۰
عاصم بن عمر	۳	۴۷۸
عامر ابو عبیدہ	۱	۱۹۵
عامر بن شَہر	۳ ۴	۴۲۸ ۲۶۰
عامر بن ربیعہ	۳	۳۴۴
عامر المُزَنی الخزاعی	؍؍	۴۷۴
عامر بن مَسعود الجمحی	۴	۳۳۵
عامر بن واثلہ	۵	۴۵۴
عباد بن شُرحبیل	۴	۱۶۶
عُبادۃ بن الصامت عن ابی بن کعب	؍؍ ۵	۱۱۴ ۳۱۳
عُبادۃ بن قُرط	۳ ۵	۴۷۰ ۷۹
عُبادۃ بن الولید بن عبادۃ عن ابیہ	۳	۴۴۱
عباس بن عبد المطلب	۱	۲۰۶

نام باب	جلد	صفحہ
عباس بن مرداس	۴	۱۳
عبد الحمید بن صیفی عن ابیہ عن جدہ	۲	۶۱
عبد الرحمن بن ابزی	۳	۴۰۶
عبد الرحمن بن ابزی الخزاعی عن ابی بن کعب	۵	۱۲۲
عبد الرحمن بن الازہر	۴	۸۸
	"	۳۵۰
عبد الرحمن بن الاسود عن ابی بن کعب	۵	۱۲۵
عبد الرحمن بن ابی بکر	۱	۱۹۶
عبد الرحمن بن ابی عمیرۃ الازدی	۴	۲۱۶
عبد الرحمن بن ابی قراد	"	۲۲۴
	"	۲۳۷
عبد الرحمن بن ابی لیلی عن ابی بن کعب	۵	۱۲۷
عبد الرحمن بن حسنہ	۴	۱۹۶
عبد الرحمن بن خباب السلمی	۴	۷۵
عبد الرحمن بن خنبش	۳	۴۱۹
عبد الرحمن بن سمرۃ	۵	۹۱
عبد الرحمن بن سنہ	۴	۷۳
عبد الرحمن بن شبل	۳	۴۲۸
	"	۴۴۴

نام باب	جلد	صفحہ
عبد الرحمن بن صفوان	۳	۴۳۰
عبد الرحمن بن عامر	"	۴۴۷
عبد الرحمن بن عثمان	"	۴۵۳
	"	۴۹۹
عبد الرحمن بن عوف	۱	۱۱۹
عبد الرحمن بن غنم الاشعری	۴	۲۲۶
عبد الرحمن بن قتادۃ السلمی	۴	۱۸۶
عبد الرحمن بن قراد	۳	۴۴۴
عبد الرحمن بن معاذ التیمی	۴	۶۱
عبد الرحمن بن یزید عن ابیہ	"	۳۵
عبد الرحمن بن یعمر الدیلی	"	۳۰۹
	"	۳۳۵
عبد اللہ ابوبکر	۱	۲
عبد اللہ بن ابی اوفی	۴	۳۵۲
	"	۳۸۰
عبد اللہ بن ابی الجدعاء	۳	۴۶۹
عبد اللہ بن ابی حبیبۃ	-	۳۳۴
عبد اللہ بن ابی حدرد	۶	۱۱۱
عبد اللہ بن ابی ربیعہ	"	۳۶
عبد اللہ بن ارقم	۴	۴۸۳
	۴	۳۵

نام باب	جلد	صفحہ
عبداللہ بن اسلم مولی النبی صلعم	۴	۳۴۳
عبداللہ بن اَقرم الخزاعی	ر	۳۵
عبداللہ بن اُنیس	۳	۴۹۵
	ر	۴۹۸
عبداللہ بن بُسر المازنی	۴	۱۸۷
عبداللہ بن ثابت	۳	۴۷۰
	۴	۲۶۵
عبداللہ بن جابر	ر	۱۷۷
عبداللہ بن جحش	ر	۱۳۹
	ر	۳۵۰
عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب	۱	۲۰۳
عبداللہ بن الحارث بن الجزء الزُبیدی	۴	۱۹۰
عبداللہ بن الحارث عن ابی بن کعب	۵	۱۳۹
عبداللہ بن حُبشی	۳	۴۱۱
عبداللہ بن حُبیب	۵	۳۱۲
عبداللہ بن حُذافہ	ر	۴۵۰
عبداللہ بن حوالہ	۴	۱۰۵
	ر	۱۰۹
	۵	۳۳
	ر	۲۸۸
عبداللہ بن ربیعہ السلمی	۴	۳۳۶
عبداللہ بن رَواحہ	۳	۴۵۱
عبداللہ بن الزبیر بن العوام	۴	۳
عبداللہ الزرقی ویقال لہ عُبَید بن رفاعہ	۳	۴۳۳
عبداللہ بن زَمعہ	۴	۱۷
	ر	۳۲۲
عبداللہ بن زید بن عبد ربہ	ر	۴۲
عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی	۴	۳۸
عبداللہ بن السائب	۳	۴۱۰
عبداللہ بن سَرجس	۵	۸۱
عبداللہ بن سعد	۴	۳۴۲
عبداللہ بن السَعدی	ر	۴۷۰
عبداللہ بن سَلام	ر	۴۵۰
عبداللہ بن عباس	۱	۲۱۴
ر ر عن ابی بن کعب	۵	۱۲۲
عبداللہ بن عبداللہ بن ابی اُمیّۃ المخزومی	۴	۲۷
عبداللہ بن عَتیک	ر	۳۴۶
عبداللہ بن عَدی بن حَمراء	ر	۳۰۵

نام باب	جلد	صفحہ
عبداللہ بن حکیم	۴	۳۱۰
عبداللہ بن عمرو بن الخطاب	"	۲۳۳
عبداللہ بن عمرو بن حرام	۲	۲
عبداللہ بن عمرو بن العاص	"	۱۵۸
عبداللہ بن عمرو بن العاص عن ابی بن کعب	۵	۱۱۲
عبداللہ بن قرط	۴	۳۵۰
عبداللہ بن مالک الاوسی	"	۳۴۳
عبداللہ بن مالک ابن بجینہ	۵	۴۴۳
عبداللہ المزنی	۴	۴۱۹
عبداللہ بن مسعود	۱	۲۷۴
عبداللہ بن المغفل المزنی	۴	۸۰
	۵	۵۴
	"	۲۷۲
عبداللہ بن ہشام	۴	۲۳۳
	۵	۲۹۳
عبداللہ بن یزید الانصاری	۴	۳۰۷
عبداللہ یشکری	۳	۴۷۲
عبدالمطلب بن ربیعہ	۴	۱۶۵
عبید بن خالد السلمی	۳	۴۴۳
	"	۵
	۴	۲۱۹

نام باب	جلد	صفحہ
عبید مولی النبی صلعم	۵	۴۳۰
عبیدہ بن عمرو الکلابی	۳	۴۸۱
	۴	۷۸
عبیداللہ بن ابی جبیبہ	"	۲۲۱
عبیداللہ بن ثعلبۃ بن صعیر	۵	۴۳۱
عبیداللہ بن عباس	۱	۲۱۴
عبیداللہ بن عدی الانصاری	۵	۴۳۲
عتبان بن مالک الانصاری	۴	۲۴۹
عتبان بن مالک الانصاری	"	۴۳
او ابن عتبان	"	۳۴۲
عتبہ بن غزوان	۴	۱۷۴
	۵	۶۱
عتی بن ضمرۃ عن ابی بن کعب	"	۱۳۵
عثمان بن ابی العاص الثقفی	۴	۲۱
	"	۲۱۶
عثمان بن حنیف	"	۱۳۸
عثمان بن طلحہ	۳	۴۱۰
عثمان بن عفان	۱	۷۵
عجوز من الانصار	۴	۵۵
عجوز من بنی عمیر	۵	۲۷۰

نام باب	جلد	صفحہ
عجوز من بنی نمیر	۴	۵۵
عداء بن خالد بن ھوذہ	۵	۳۰
عدی بن حاتم الطائی	۴	۲۵۵
	"	۳۷۷
عدی بن عمیرۃ الکندی	"	۱۹۱
عرباض بن ساریہ	"	۱۲۲
عرفجہ	"	۲۶۱
عرفجہ بن اسعد	"	۴۴۲
	۵	۲۳
عرفجہ بن شریح	۴	۴۱۳
عروہ بن ابی الجعد البارقی	۴	۳۷۵
عروۃ الفقیمی	"	۶۸
عروۃ بن مضرس الطائی	"	۱۵
	"	۲۶۱
عریف من عرفاء قریش	۳	۴۱۲
	۴	۷۸
عصام المزنی	۳	۸۴۴
عطیہ السعدی	۴	۲۲۶
عطیہ القرظی	۴	۳۱۰
	"	۳۸۳
	۵	۳۱۱

نام باب	جلد	صفحہ
عقبہ بن الحارث	۴	۷
	"	۳۸۳
عقبہ بن عامر الانصاری	۵	۲۷۵
عقبہ بن عامر الجہنی	۴	۱۴۳
	"	۲۰۱
عقبہ بن مالک	"	۱۱۰
	۵	۲۸۸
عقیل بن ابیطالب	۱	۲۰۱
	۳	۴۵۱
عکرمہ بن خالد المخزومی	۴	۱۷۷
	"	۱۸۶
علاء بن الحضرمی	"	۳۳۵
	۵	۵۲
علباء	۳	۴۹۹
علی بن ابیطالب	۱	۷۵
علی بن شثبان	۴	۲۳
علیم عن عبس	۳	۴۹۴
عم ابی حرۃ الرقاشی	۵	۷۲
عمار بن یاسر	۴	۲۶۴
	"	۳۱۹

نام باب	جلد	صفحہ
عمارۃ بن رُوَیبہ	۴	۱۳۵
	٫٫	۲۶۱
عمۃ حُصَین بن محصن	۶	۴۱۹
عُمر بن ابی سلمۃ	۴	۲۶
عمر بن الخطاب	۱	۱۳
عمران بن الحصین	۴	۴۲۲
عمر بن ثابت انصاری	۵	۴۴۳
عمرو بن الاخرص	۳	۴۲۶
عمرو بن الاحوص	٫٫	۴۲۶
عمرو بن الاخطب	۵	۴۳۰
عمرو بن اُم مکتوم	۳	۴۲۳
عمرو بن اُمیۃ الضمری	۴	۱۳۹
	٫٫	۱۷۹
	۵	۲۸۷
عمرو الانصاری	۴	۲۰
عمرو بن تغلب	۵	۶۹
عمرو الجمحی	۴	۱۳۵
عمرو بن الجموح	۵	۱۳۴
عمرو بن الحارث بن المصطلق	۴	۲۷۸
عمرو بن الحریث	٫٫	۳۰۶

نام باب	جلد	صفحہ
عمرو بن الحَمِق الخزاعی	۵	۲۲۳
عمرو بن خارجہ	۴	۱۸۶
	٫٫	۲۳۸
عمرو بن سلمۃ	۴	۴۷۴
	۵	۲۹
	٫٫	۷۱
عمرو بن شاس الاسلمی	۳	۴۸۳
عمرو بن العاصی	۴	۲۰۲
عمرو بن عَبَسہ	۴	۱۱۱
	٫٫	۳۸۵
عمرو بن عُبَیداللہ	٫٫	۳۴۷
عمرو بن عوف	٫٫	۱۳۷
عمرو بن الفغواء	۵	۲۸۹
عمرو بن القاری عن ابیہ عن جدہ	۴	۷۰
عمرو بن یثربی	۳	۴۲۳
	۵	۱۱۳
عُمیر مولی ابی اللحم	٫٫	۲۲۳
عُمیر بن سلمۃ الضمری	۳	۴۱۸
عوف بن مالک الاشجعی	۶	۲۲
عُوَیم بن ساعدہ	۳	۴۲۲

نام باب	جلد	صفحہ
عُویمر بن شقر	۳	۳۵۴
	۴	۳۴۰
عیاش بن ربیعہ	۳	۲۰۳
عیاش بن ابی ربیعہ	۲	۳۴۰
	،،	۱۹۱
عیاض بن حمار المجاشعی		۲۲۹
عیسٰی بن یزداد بن فساءۃ عن ابیہ	،،	۳۴۰

باب الغین

نام باب	جلد	صفحہ
غضیف بن الحارث الکندی	۲	۲۰۵
غطیف بن الحارث الکندی	۵	۲۹۰

باب الفاء

نام باب	جلد	صفحہ
فاطمہ بنت ابی حبیش	۲	۴۲۰
	،،	۴۶۳
فاطمہ عمۃ ابی عبیدۃ و اخت حذیفہ	،،	۳۶۹
فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم	،،	۲۸۲
فاطمہ بنت قیس	،،	۳۷۳
	،،	۴۱۱
فاکہ بن سعد	۴	۷۸

نام باب	جلد	صفحہ
فرات بن حیان العجلی	۴	۳۳۲
الفراسی	،،	۴۳۴
فروہ بن مسیک	۳	۴۵۱
فریعہ بنت مالک	۲	۳۷۰
	،،	۴۲۰
فضالہ بن عبید الانصاری	۲	۱۸
فضالہ اللیثی	۴	۳۴۴
فضل بن عباس	۱	۲۰۱
فلان عن النبی صلعم	۴	۶۳
	،،	۱۴۸
فیروز الدیلمی	،،	۲۳۲

باب القاف

نام باب	جلد	صفحہ
قارب	۲	۳۹۳
قبیصۃ بن مخارق	۳	۴۷۶
	۵	۶۰
قتادہ بن ملحان	،،	۲۷
قتادہ بن نعمان	۴	۱۵
	۲	۳۸۴
قتیلۃ بنت صیفی	،،	۳۷۱

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے۔ کوشش کی جائیگی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی شائع کئے جائینگے ۔

رسالے کے دو حصّے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی اُردو پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت۔ ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقتِ اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی اور اگست[1] میں شائع ہوگا ۔

قیمتِ اشتراک۔ سالانہ چندہ مکمل رسالے کے لئے [illegible]۔ ہر حصہ کیلئے [illegible] ۔ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت رعایتی شرح سے وصول ہوگا ۔

خط و کتابت و ترسیلِ زر۔ خریدِ رسالہ کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیلِ زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات چیف ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ۔

محلِ فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے ۔

قلمِ تحریر۔ چیف ایڈیٹر کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے۔ اورینٹل کالج سے متعلق ہیں ۔ حصہ عربی و فارسی و اردو ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔ حصہ سنسکرت و ہندی کے ایڈیٹر ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اور حصہ پنجابی کے بھائی بہانت سنگھ بی۔ اے۔ ہیں۔ اور یہی دونو صاحب علے الترتیب ان دونو حصّوں کے لئے کامل طور پر ذمہ دار ہیں ۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر بجائے جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ۔

اورینٹل کالج میگزین

جلد (۴) عدد (۳)

عدد مسلسل (۱۳)

بابت

مئی ۱۹۲۸ء

(حصہ اول)

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع - ایم اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو ایچ این مترا

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	
۱	ابن خلدون نمبر ۴	شیخ عنایت اللہ ایم-اے	۱
۲	گرو نانک صاحب کی فارسی تعلیم کہاں تک تھی؟	سید محمد عبداللہ ایم-اے (ریسرچ سٹوڈنٹ)	۹
۳	ابن خلدون نمبر ۵	شیخ عنایت اللہ ایم-اے	۲۱
۴	آل انڈیا اورینٹل کانفرنس . . .	مترجمہ پروفیسر محمد اقبال ایم-اے	۲۵
۵	خزائن مخطوطات (پنجاب یونیورسٹی لائبریری)	سید محمد عبداللہ ایم اے	۲۸
۶	رسالہ در معرفت عناصر و کائنات انجو (مفصل فہرست مضامین مرقع کے آخری صفحہ پر دیکھو)	ایڈیٹر	۳۱ تا ۹۱
۷	اقتباس از نزہۃ الناظرین	ایڈیٹر	۹۲
۸	سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ	میر حفیظ الدین صاحب	۹۷
۹	تنقید و تبصرہ . . . . (۱) رسالہ تاریخ اردو سے قدیم نسخہ (۲) ابو العیناء (۳) نیرنگ نظامی (۴) رہنمائے تعلیم	ایڈیٹر و دیگر حضرات	۱۰۵ / ۱۰۸ / ۱۲۸
۱۰	فہرست رجال مسانید امام احمد بن حنبل ؒ	مولانا نجم الدین صاحب و مولانا نور الحق صاحب	۱۲۹

ابنِ خلدون

نمبر ۴

(سلسلے کے لئے دیکھو ہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۲۶ء)

مقدمہ ابن خلدون کے نہایت دلچسپ حصوں میں سے وہ چند فصول بھی ہیں۔ جن میں مصنف نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ انسان کی شکل وصورت، طرزِ معاشرت اور اسکے جسمانی اور اخلاقی قوی کے نشو ونمو پر مرز بوم یعنی جغرافی ماحول کا بڑا گہرا اور دائمی اثر پڑتا ہے، پچھلی صدی میں انگریزی مورخ بکل (Buckle) اور جرمن عالم راٹسل (Ratzel) نے جغرافی اور طبعی ماحول کے گوناگوں اثرات سے بحث کی ہے۔ اور موجودہ صدی میں سمپل (Semple) اور ہن ٹنگٹن (Huntington) نے اسی موضوع پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ اور اس مضمون کے حدود کو اور وسیع کیا ہے۔ لہذا یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ اس مبحث کے متعلق ہم سے پانچ صدی پیشتر ایک فلسفی عرب مورخ کے مشاہدات و خیالات کیا تھے۔

طبعی یا جغرافی ماحول میں بہت سی چیزیں شامل ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ابن خلدون نے اقلیم (مرزبوم)، آب و ہوا اور خوراک کو لیا ہے۔ اور انکا نوع انسان اور اس کے تمدن پر جو اثر پڑتا ہے۔ اس سے بحث کی ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک عمرانِ بشری یا اجتماع انسانی کے مطالعہ میں علم جغرافیہ کو جو اہمیت حاصل ہے۔ وہ اسباب سے ظاہر ہے کہ اسنے اپنے مقدمہ کے ابتدائی حصّہ میں ربع مسکون کا جغرافیہ بیان کرنا ضروری سمجھا ہے، چنانچہ فصل اول کا مقدمہ ثانیہ جغرافیہ کے لئے وقف ہے۔ اور جیسا کہ اسنے خود تصریح کردی ہے۔ یہ بیان تمامتر جغرافیۂ بطلیموس اور ادریسی کی کتاب روجری پر مبنی ہے۔

تمدنِ انسانی پر آب و ہوا کا عام اثر

ابن خلدون نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے کہ انسان نے صرف انہیں ممالک میں ترقی کی ہے۔ جن کی آب و ہوا معتدل ہے۔ یعنی جہاں نہ زیادہ سردی پڑتی ہے اور نہ زیادہ گرمی۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ ان اقالیم کے باشندے اپنے رنگ روپ، وضع قطع۔ سرشت و سیرت اور اخلاق و عادات کے اعتدال سے متصف ہیں۔ یہ اعتدال اور حسن تناسب، ان کے مکانات، لباس، خوراک، دستکاریوں، علوم و فنون

غرض تمدن کے تمام لوازم میں پایا جاتا ہے، چنانچہ ان ممالک کے باشندے اپنے اعتدال کی بدولت تمام اقوام عالم میں افضل و اکمل ہیں۔ اور تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں میں گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ پتھروں سے بلند بلند عمارتیں بناتے ہیں۔ طرح طرح کے نقش و نگار سے انکی زیبائش کرتے ہیں۔ اور عمدہ ساز و سامان کی تیاری میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ سب قسم کی معدنیات کو استعمال کرنا جانتے ہیں۔ اور باہمی لین دین میں سونا چاندی استعمال کرتے ہیں۔ مغرب۔ شام۔ عراقین۔ ہند۔ چین اندلس۔ فرنگستان کی قومیں نوع انسان کے متمدن اور ترقی یافتہ لوگوں میں شامل ہیں۔

اسکے برخلاف جن ملکوں کی آب و ہوا اعتدال سے دور ہے۔ یعنی جہاں انتہا درجہ کی سردی یا گرمی پڑتی ہے۔ مثلاً شمال کے سرد ممالک یا افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا، وہاں کے باشندے غیر مہذب ہیں۔ اور انکی ہر بات حسن اعتدال سے بعید ہے۔ گھر مٹی یا سرکنڈے سے بنا لیتے ہیں۔ معمولی گھاس پات سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ پتوں یا کھال سے ستر پوشی کرتے ہیں۔ اور اکثر بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ سوڈان (حبشیوں) کی نسبت مشہور ہے کہ غاروں اور گڑھوں میں رہتے ہیں۔ گھاس پات پر گزارہ کرتے ہیں۔ اور کبھی ایکدوسرے کو مار کر بھی کھا جاتے ہیں۔ صقالبہ (Slavs) بھی جو شمال کے سرد ملکوں میں رہتے ہیں بہت کم ترقی یافتہ ہیں۔

اگرچہ ابن خلدون نے معتدل اقالیم کی خوشگوار آب و ہوا اور وہاں کے اعلٰے تمدن کے درمیان جو علاقہ و نسبت ہے۔ اسکو خوب

سمجھا ہے۔ مگر جس طریق سے ایک خاص قسم کا طبعی یا جغرافی ماحول ایک بلند پایہ تہذیب کی نشو و نمو میں موافقت کرتا اور مدد دیتا ہے۔ اس کیفیت کی تسلی بخش تفصیل اور کافی توضیح نہیں کر سکا۔

اِنسانی ابدان پر آب و ہوا کا اثر

ابن خلدون کے مشاہدہ کے مطابق حرارت و برودت کا اثر انسان کے جسم اور خاصکر اسکے رنگ روپ پر بھی پڑتا ہے۔ گرم ملکوں کے باشندے مثلاً حبشی یا سوڈانی سیاہ فام ہوتے ہیں اور ابن خلدون نے درست طور پر دھوپ کی گرمی کو انکی سیاہ رنگت کا سبب قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسکی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ اقلیم اول و دوم یعنی خط استوا کے قریب کے علاقوں میں سال کے اکثر مہینوں میں آفتاب سمت الراس پر رہتا ہے۔ دھوپ خوب چمکتی ہے۔ اور سخت گرمی پڑتی ہے۔ جس سے وہاں کے لوگوں کی جلدیں سیاہ پڑ گئی ہیں۔ اس کے برعکس شمالی ممالک میں ہر موسم میں سردی غالب رہتی ہے۔ اور لوگوں کے رنگ سفید ہیں۔

اس بحث کے دوران میں ابن خلدون نے ایک بہت عمدہ نکتہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ قوموں کا باہمی فرق و امتیاز صرف انساب پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ نسب کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں جو قومی اتحاد کا سبب بن سکتی ہیں۔ نسّاب نے جب مختلف قوموں کی مختلف شکل و صورت کو دیکھا تو خیال کیا کہ انکا یہ باہمی اختلاف و امتیاز نسب

پر مبنی ہے ۔ یعنی مختلف قومیں مختلف اشخاص کی نسل سے ہیں ۔ چنانچہ اسی خیال کی پیروی کرتے ہوئے انھوں نے سوڈان اور حبشیوں کو حام کی اولاد قرار دیا ۔ اسی طرح شمالی اقوام کو یافث کی نسل کہا ۔ اور معتدل ممالک کی ترقی یافتہ قوموں کو سام کی ذرّیت ٹھہرایا ۔ ان اقوام کا یہ انتساب خواہ درست بھی ہو تب بھی نسب کو قومیت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ کیونکہ بعض قوموں کا شیرازہ ملک و وطن کے ذریعہ سے بندھا ہوا ہے ۔ جیسا کہ زنگیوں اور حبشیوں کی حالت ہے ۔ اور کبھی مشترکہ عادات و اطوار بھی متحدہ قومیت پیدا کرتے ہیں ۔ ان کے علاوہ دیگر خواص و ممیزات بھی قومی عمارت کی بنیاد قرار پا سکتے ہیں ۔

مرز بوم اور آب و ہوا کا اثر انسانی اخلاق پر

مرز بوم اور آب و ہوا کا اثر انسان کی جسمانی ہیئت سے اثر کر ان کے اخلاق و عادات پر بھی پڑتا ہے ۔ چنانچہ ابن خلدون اپنے مشاہدہ کی بنا پر بیان کرتا ہے کہ حبشی لوگ عام طور پر زندہ دل اور سبک سر ہوتے ہیں بات بات پر ناچنے کودنے لگتے ہیں ۔ اور ہر جگہ خفیف العقل مشہور ہیں ۔ اس نے انکی طبیعت و خصلت کی توضیح انکے ملک کی گرم آب و ہوا سے یوں کی ہے کہ گرمی انکی روح میں انتشار پیدا کر کے فرحت و سرور کا موجب بنتی ہے ۔ جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ فرحت و انبساط کے جذبات سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں ۔ اور متانت کھو بیٹھتے ہیں ۔ الجزائر اور مصر بھی حد درجہ کے گرم ملک ہیں ۔ اور وہاں کے لوگ بھی زندہ دلی، خوش طبعی اور بےفکری

میں حبشیوں کے قریب قریب ہیں - انکی طبیعتوں میں خفتِ عقل اور بے پروائی - ایسی غالب ہے کہ انجام کار پر انکی نظر کم ہی پڑتی ہے - ذخیرہ خوراک جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے - اور ضروریات زندگی روزانہ بازار سے لے آتے ہیں - اہل فاس (مراکش) کی حالت انکے بالکل برعکس ہے - چونکہ وہ سرد اور بلند مقامات میں رہتے ہیں - اسلئے ہر وقت انہیں فکر و تردد دامنگیر رہتا ہے - بڑے متین اور دور اندیش ہوتے ہیں - یہانتک کہ وہ دو برس کے لئے غلہ جمع رکھتے ہیں - اور پھر بھی روزانہ سامانِ خور و نوش بازار سے لاتے ہیں تاکہ انکے اندوختہ میں کوئی کمی واقع نہ ہوجائے۔

الغرض اگر باقی اقالیم و ممالک پر غور کروگے تو وہاں کے باشندوں کے اخلاق و عادات میں وہاں کی آب و ہوا کا اثر پاؤگے - ابن خلدون سے پہلے مسعودی نے بھی سوڈان کے سرعت تاثر اور جوش طرب کو مشاہدہ کیا تھا - اور اسکی علت بیان کرنی چاہی تھی - مگر اس سے زیادہ نہ کرسکا کہ جالینوس اور یعقوب بن اسحٰق کندی کا یہ قول نقل کردیا - کہ یہ امر انکے ضعفِ دماغ اور ضعفِ عقل کے سبب سے ہے - مگر یہ بات بے معنی سی ہے - کیونکہ اسنے اسکو کسی دلیل سے ثابت نہیں کیا -

خوراک کا اثر انسان کے جسمانی اور روحانی قویٰ پر

آب و ہوا کے گوناگوں اثرات سے بحث کرنے کے بعد ابن خلدون

خوراک کے مسئلہ کو لیتا ہے - اور غذا کی کثرت و قلت کا انسان پر جسمانی اور ذہنی لحاظ سے جو اثر پڑتا ہے اسکو بیان کرتا ہے - سب سے پہلے وہ اسباب کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اقالیم معتدلہ کے تمام مقامات یکساں طور پر سیر حاصل اور شاداب نہیں ہوتے - اور نہ ہی وہاں کے باشندے تمام کے تمام خوشحال ہوتے ہیں - بلکہ ان اقلیموں میں بعض مقامات زرخیز ہیں - جہاں زمین کی عمدگی کی وجہ سے غلہ میوہ جات اور دیگر اشیائے خوردنی بہ کثرت پیدا ہوتی ہیں - اور ان مقامات کے لوگ آرام و آسائش میں رہتے ہیں - اس کے برعکس بعض ایسے گرم اور کھلے ہوئے علاقے ہیں جہاں نہ کھیتی باڑی ہوتی ہے نہ گھاس اُگتی ہے - مثلاً حجاز، جنوب یمن، صحرائے مغرب وغیرہ - یہاں کے باشندے بڑی تنگی سے بسر اوقات کرتے ہیں - اگرچہ کبھی کبھی آس پاس کے ملکوں سے غلہ وغیرہ بہم پہنچا لیتے ہیں - لیکن انکی غذا زیادہ تر دودھ اور گوشت ہے - مگر باوجود اسبابت کے یہ صحرائی لوگ جنکو غلہ وغیرہ میسر نہیں آتا - جسمانی اور اخلاقی لحاظ سے ان لوگوں سے اچھے ہیں جو شاداب و سیر حاصل مقامات میں راحت کی زندگی بسر کرتے ہیں - چنانچہ انکے رنگ نسبتاً صاف، بدن ستھرے شکل و صورت اچھی، اخلاق پاکیزہ اور انکے ذہن علم و معرفت کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں - اسکے برخلاف خوش گذران لوگوں میں کثرتِ غذا فضلاتِ ردیہ پیدا کرتی ہے - جن سے فاسد اخلاط بڑھتے ہیں - اور دل و دماغ پر غفلت و بلادت چھا جاتی ہے -

خوشحالی اور سامانِ خوراک کی فراوانی کا اثر انسان کے صرف جسم ہی

پر نہیں پڑتا بلکہ دین اور عبادت کے معاملہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ بدوی اور حضری لوگوں میں سے جو اشخاص سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں وہ عیش پرست اور نعمت پروردہ امیروں کی نسبت زیادہ دیندار اور پرہیزگار ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ جب کبھی خشک سالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تو سادہ زندگی بسر کرنے والے جفاکش لوگوں کی نسبت ناز و نعمت کے خوگر اور ناؤ نوش کے متوالے عیش پرستوں کے لئے قحط کا اثر بہت زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔

غرض اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ابن خلدون کم خوری کے پر منفعت ہونے پر بہت زور دیتا ہے۔ اور اگرچہ غذا کی سادگی اور قلت کے جو فوائد اُسنے بیان کئے ہیں وہ مبالغہ کی آمیزش سے خالی نہیں۔ مگر ان سے اتنا ضرور ظاہر ہے کہ انسان کی صحیح اور تندرست زندگی کا جو معیار اُسنے قائم کیا ہے وہ صحرا نشینوں کی زندگی سے ماخوذ ہے جو قدرتی طور پر کم خوری پر مجبور ہیں ؎

(شیخ) عنایت اللہ (ایم۔ اے)

گرو نانک صاحب کی فارسی تعلیم

کہاں تک تھی ؟

اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کہ گرو صاحب نے فارسی تعلیم کہاں تک پائی تھی۔ ہم پہلے مؤرخین کے خیالات کا خلاصہ درج ذیل کرتے ہیں۔

بابر نامہ میں جو بابر کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے۔ بابا نانک کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا اکبر نامہ۔ وغیرہ میں ہندوؤں کے ایک فرقہ کی طرف اشارہ ہے۔ جسکو وہاں سلیش کے نام سے پکارا گیا ہے۔

اس کے علاوہ عہد اکبری کی تاریخیں بابا نانک کے حالات سے یکسر خالی ہیں۔ تزک جہانگیری میں بھی بابا نانک کا ذکر نہیں۔

فارسی کی سب سے پرانی کتاب جس میں سکھوں اور بابا نانک صاحب کے حالات کسی قدر تفصیل سے درج ہیں۔ وہ غالباً دبستان مذاہب ہے۔ لیکن اس کتاب میں بھی گرو جی کی تعلیم کے مسئلے پر زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس لئے وہ کتاب بھی ہمارے مطلب کیلئے چنداں مفید نہیں۔

تاریخ پنجاب مصنفہ غلام محی الدین بوٹے شاہ[1] میں لکھا ہے۔

"چنانچہ از اشعار ہندی و فارسی آں کہ بنظم آوردہ ہیں طرز معلوم میشود"

یعنی مصنف کے نزدیک ان کے اشعار فارسی زبان میں موجود ہیں۔

بہار گلشن کا مصنف یوں رقمطراز ہے۔

---

[1] اس مضمون میں جہاں کہیں قلمی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ یونیورسٹی لائبریری سے متعلق ہیں۔ [2] قلمی۔ ق۔ ۱۵۳۔

"بیان کمالاتش از تقریر و تحریر مستغنی[1]"

منشی سوہن لعل نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ایک تاریخ عمدۃ التواریخ[2] کے نام سے لکھی ہے۔ مصنف لکھتا ہے۔

"از اشارات وکنایات علم فارسی نیکو مطلع"

میکالف[3] صاحب نے سکھ مذہب پر ایک مبسوط کتاب چھ ضخیم مجلدات میں تحریر کی ہے۔ صاحب موصوف کا بیان ہے"کہ میں نے اس کتاب میں سکھوں کے خیالات وروایات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ اور ہر چیز نہایت شدید سکھ نکتۂ نگاہ سے تحریر کی گئی ہے۔ جسمیں میں نے اپنی طرف سے کسی تنقید وجرح کی کوشش نہیں کی یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے معجزات وخوارق کا ذکر کتاب کے طول وعرض میں بڑی کثرت کے ساتھ کیا ہے۔" پس اس کتاب کے خیالات کو یقیناً تمام سکھ قوم کی اصلی آواز اور فیصلہ سمجھیں۔ تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ صاحب موصوف کے نزدیک یہ امر بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم سکھ مذہب کے بانی کو علم سے بے بہرہ ثابت کریں۔ آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس نہایت کافی داخلی شہادتیں موجود ہیں۔ جو خود گرو جی کے کلام میں ہیں۔ جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ کہ گرو جی نے فارسی تعلیم حاصل کی تھی[4] صاحب موصوف نے ایک اور دلیل دی ہے۔ جو ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ رائے بولار (جو کہ مقام تلونڈی کے محافظ تھے۔) نے گرونانک کے والد سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ تھوڑی بات فارسی تعلیم حاصل کریں۔ تو ان کو ملازمت شاہی میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے[5] یہ دلیل ہمارے لئے اس لئے مسلم نہیں۔ کہ اس وقت تمام سرکاری دفاتر ہندی زبان میں ہوا کرتے تھے۔ اسلئے ملازمت حاصل کرنے کے لیے کسی فارسی عربی کی ضرورت نہیں محسوس ہوسکتی تھی

[1] قلمی ق ۳۴۰۔ [2] صفحہ ۶۔ [3] History of the Sikhs [4] میکالف ج ۱۔ ص ۱۱ [5] ایضاً

آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں "کہ گرنتھ صاحب میں اکثر فارسی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور چند فارسی کے پورے شعر بھی ملتے ہیں۔ ہم اس امر کو ایک مسلّم حقیقت خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ فارسی کے ایک اچھے عالم تھے۔ اور غالباً اسی مطالعہ کتب فارسی نے ان کے دماغ میں عام رواداری کا مادہ پیدا کر دیا تھا"[1] صاحب موصوف نے بعض اور دلایل بھی دیئے ہیں۔ جن کو ہم سردست محفوظ رکھتے ہیں۔ کننگھم صاحب کی ہسٹری آف دی سکھس ایک بلند پایہ کتاب ہے۔[2] اس میں لکھا ہے "کہ ہمارے پاس اس پر یقین کرنے کے کافی دلایل موجود ہیں۔ کہ گورو نانک نے اپنے آپ کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب اور عقائد سے واقف کر لیا تھا۔ اور ان کو مسلمانوں اور ہندوؤں کی کتابوں سے عام واقفیت تھی"[3]

میکس صاحب "انسائیکلو پیڈیا آف اتھکس"[4] میں لکھتے ہیں۔ عام طور پر سکھ روایات کو قابل تسلیم نہیں قرار دیا جا سکتا" ان کے نزدیک گرنتھ صاحب پنجابی۔ ہندی۔ اور فارسی اشعار کا مجموعہ ہے۔ گرو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق ان کی تحقیق ہے "کہ نو سال کی عمر میں انہوں نے فارسی پڑھی۔"[5]

جنم ساکھی (۱۸۷۱ء مطبوعہ لاہور) کی روائت ہے۔ کہ گرو نانک صاحب نے کچھ ترکی بھی پڑھی" ٹرمپ[6] صاحب کا خیال ہے۔ کہ "ترکی سے مراد فارسی ہے۔ جو اس وقت مسلمانوں کی زبان تھی" ٹرمپ صاحب کی تحقیق ہے۔ کہ گرنتھ صاحب میں نانک کے کچھ اشعار فارسی کے ملتے ہیں۔ اگرچہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکی فارسی دانی بہت ہی معمولی

---

[1] ایضاً صفحہ [2] کننگھم صفحہ [3] صفحہ [4] صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ [5] [6] ترجمہ گرنتھ صاحب۔ دیباچہ۔

درجے کی تھی۔ (صاحب موصوف لکھتے ہیں۔ کہ جنم ساکھی مطبوعہ لاہور میں سے یہ الفاظ دیدہ دانستہ نکال دیئے گئے ہیں۔ کہ انکو فارسی (ترکی) سے مس تھا)

ڈاکٹر گوکل چند نارنگ اپنی کتاب ٹرانسفارمیشن آف دی سکھس میں[1] گرونانک صاحب کی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں "کہ ان کی تعلیم باقاعدہ نہیں تھی"۔ اس امر کے ثابت کرنے کیلئے وہ ذیل کی دلائل دیتے ہیں۔

۱۔ نانک کی دوسرے مذاہب کی تنقید عالمانہ نہیں۔

۲۔ یہ قول کہ ان کا پہلا استاد مسلمان تھا۔ مسلمان مؤرخین کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔ جو یہ چاہتے ہیں۔ کہ گرو جی کی آئندہ عظمت کا سہرا تعلیمات اسلام کے سر باندھیں۔

۳۔ فارسی کی ضرورت اسلئے بھی نہیں پڑسکتی تھی۔ کہ دفاتر کی زبان ہندی تھی۔

۴۔ پنتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ کہ گرو جی کا پہلا استاد گوپال پنڈت تھا جو سکول کا معلم تھا۔

۵۔ یہ امر بھی ممکن ہے۔ کہ نانک سید حسن درویش کے سامنے بیٹھے ہوں۔ لیکن اس میں شبہ ہے۔ کہ ان کو فارسی میں یا سنسکرت میں کوئی نظر پیدا ہوئی ہو۔

لیکن یہاں یہ سوال نہیں۔ کہ نانک کی عظمت کس قوم کی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تاریخ کا سوال ہے جس کے ذریعے ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ فارسی جانتے تھے۔ یا نہیں۔ اور اگر جانتے تھے۔ تو کس قدر۔

یہاں تک ہم نے جو لکھا ہے۔ وہ اور مصنفین کی راؤں کا خلاصہ ہے۔ اب ذیل کے حصے میں تین طریقوں سے ہم اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے پہلے پہل گرو جی کے ان حالات زندگی کا خلاصہ نقل کریں گے۔ جن کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ پھر گرنتھ صاحب کے بارے میں اپنی لسانی تحقیق

---

[1] صفحہ ۹

پیش کریں گے۔ اور بالآخر ایک اور دلیل کے ساتھ مضمون کو ختم کر دیں گے۔

ٹرمپ صاحب کے پاس جو جنم ساکھی ہے۔ وہ ان کے بیان کے مطابق سب سے پرانی جنم ساکھی ہے۔ اس میں کوئی خوارق۔ دور از عقل معجزات نہیں۔ گرو جی کے سیدھے سادے حالات مرقوم ہیں۔ ٹرمپ صاحب بجا فرماتے ہیں۔ کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جنم ساکھیوں کے بیانات میں اختلاف پیدا ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سب سے زیادہ مختلف وہ ہے۔ جو لاہور میں طبع ہوئی۔ ہم ذیل کے شذرے میں صرف ٹرمپ صاحب کی مترجمہ جنم ساکھی کی روایات پر اعتبار کریں گے۔

گرو نانک تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش سنہ ۸۸۶ھ مطابق سنہ ۱۴۶۹ء میں بعہد سلطنت بہلول لودہی ہوئی۔ ان کے والد تلونڈی میں پٹواری تھے۔ یاد رہے۔ کہ اس زمانہ میں ملازمت حاصل کرنے کیلئے کسی فارسی عربی لیاقت کی ضرورت نہیں تھی۔ ہندی دفتر کی زبان تھی۔ اور اسی زبان میں تھوڑی بہت مہارت سے ملازمت حاصل ہو سکتی تھی۔

بابا صاحب کی ابتدائی تعلیم کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ پنتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ کہ گرو جی نے گوپال پنڈت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مگر بہت جلد وہاں سے اٹھ آئے۔ ادی گرنتھ میں پنڈت صاحب کے ساتھ معمہ کے رنگ میں۔ مکالمہ موجود ہے۔ اکثر مصنفین۔ سیر المتاخرین[1] کی اس روایت پر اعتبار کرتے ہیں۔ کہ آپ کے پڑوس میں سید حسین نام ایک درویش رہا کرتے تھے۔ ان کو گرو جی سے بیحد الفت تھی۔ انہوں نے گرو جی کو فارسی زبان میں تعلیم دینا شروع کی۔ میکالف صاحب نے فارسی معلم کے ساتھ جو مکالمہ گرو جی کا ہوا تھا۔ وہ درج کیا ہے۔ مگر وہ رکن الدین قاضی کے ساتھ ہوا۔ اس میں سید حسن درویش کا نام نہیں آتا۔ ٹرمپ[2] صاحب نے اس امکان کو تسلیم کیا۔ کہ گرو جی نے

---

[1] جلد ۲ صفحہ ۴۰۰ (طبع ۱۸۸۶) [2] دیکھو نمبر ۳ جنم ساکھی ۳۔

سید حسن سے کچھ استفادہ کیا ہو۔ ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کا خیال ہے۔ کہ گرو جی کو فارسی سنسکرت ہر دو زبانوں میں کوئی زیادہ دسترس حاصل نہ تھی لیکن شاگردی کے معاملہ میں ہر دو امکانات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ؎ۓ اکثر مؤرخین کو اس امر سے کہ وہ اپنی زبان میں بجز خلاف فارسی کے الفاظ بولتے ہیں۔ یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ انہوں نے ضرور کسی استاد سے فارسی حاصل کی ہوگی

بٹالہ میں آپ کا بہنوئی جے رام۔ دولت خان لودھی کے مودی خانہ میں ملازم تھا بیان ہے۔ کہ وہاں آپ نے ملازمت اختیار کی۔ مگر طبیعت سے مجبور ہو کر ملازمت ترک کر دی۔ کہتے ہیں۔ کہ دولت خان آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔ فقرا کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا ذکر بے تحد ویل ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ وہ ہندو مسلمانوں کے امتیازات بالا تھے۔ مسلمان فقرا کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے تھے۔ تاریخ پنجاب وغیرہ میں ان تمام اولیاء اللہ کا نام لکھا ہے جن کی خدمت میں بابا نانک تشریف لیگئے۔ ؎ۓ

بابر نامہ میں گرو جی کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ البتہ گرنتھ صاحب میں ایک دو مقام پہ بابر بادشاہ کا ذکر آتا ہے۔ نیز جنم ساکھی مترجمہ ٹرمپ صاحب بھی کہیں تفصیلی ملاقات سے خالی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابر کے ساتھ گرو جی کے ملاقات کے افسانے بھی اکثر و بیشتر موضوع ہیں۔

رائے بولار کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ یہ بھٹی ذات کے مسلمان راجپوت تھے۔ گرو جی کے ساتھ ان کے تعلقات بہت تھے۔

ٹرمپ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ بابا صاحب کا سفر مکہ محض افسانہ ہے۔ اور اسمیں کوئی اصلیت نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ افغانستان اور ایران

؎ۓ ٹرانسفارمیشن آف دی سکھز صفحہ ؎ۓ تاریخ بوٹے شاہ قلمی، صفحہ ۱۰۳۱

وغیرہ کا سفر آپ نے کیا۔ اور وہاں کے فقرا و صلحا سے ملاقاتیں کیں۔ اکثر معاملات میں تبادلۂ خیالات ہوتا تھا۔ آپ کے ہم سفر لوگوں میں ایک "مردانہ رباب" تھے جو ہر مقام پر آپ کے ساتھ گئے۔

میں نے گزشتہ واقعات میں صرف ان باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا۔ اس ترتیب و تعیین سے ہمارا ایک مقصد ہے۔ جس کا ذکر ہم اس مضمون کے خاتمے پر کریں گے۔ اب ہم گرو گرنتھ کا مطالعہ کریں گے۔ تاکہ ہم گرو نانک کی فارسی میں دسترس کا حال معلوم کر سکیں۔

(۲)

گرو گرنتھ صاحب کا مطالعۂ لسانی۔

گرو گرنتھ صاحب کے پہلے محلے یعنی اس حصہ کی تحقیق سے جو گرو نانک صاحب کی تصنیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پنجابی اشعار میں فارسی الفاظ بکثرت استعمال کیے گئے ہیں۔ صرف "جپ جی" پر ہی نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ ان اشعار میں فارسی کے لفظ بلا تکلف آئے ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ کیو سچیاراں ہوئیے کیو کوڑے تٹے پال
حکم رجائی چلناں نانک لکھیا نال :

گرو گرنتھ صاحب (لاہور ۱۹۱۱ء) ص۱

حکم۔ بمعنی عام۔
رجائی۔ بمعنی رضا۔

۲ گاوے کو جاپے دسے دور
گاوے کو دیکھے حاضرا حضور

(ایضاً)

ادر۔ حاضر

ہدور۔ حضور۔

۳۔ جنی نام دہایا گئے مسقت نال۔ الخ (ایضاً صفحہ ۱۱

مسقت۔ مشقت

۴۔ کھٹ ترسی کھہ بولنا مارن ناد گئے ایضاً صفحہ

ترسی۔ ترشی۔

اسی صفحہ ۲۲ وما بعد پر تقریباً ہر شعر میں فارسی کے لفظ موجود ہیں۔ مثلاً سفیدی ترکش۔ تیر۔ کمان۔ ذات۔ نظر (نذر)۔ بادشاہ (پاتشاہ) زور۔ شمار۔ بدفعلی (بدفیلی) غائباد (گیباد) وغیرہ۔

ٹرمپ صاحب اور دیگر محققین نے بابا نانک کے چند خالص فارسی اشعار کا ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے اشعار جن میں فارسی گرامر کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو۔ یا جن کو کس طرح فارسی کا شعر کہا جا سکتا ہو بہت کم ہیں۔ پیش نظر جو اشعار ہیں۔ ان کی نوعیت یہ ہے۔ کہ فارسی کے کچھ الفاظ (عموماً اسما) ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جنکو جوڑنے کیلئے یا تو کوئی چیز موجود نہیں۔ یا بعض اوقات پنجابی یا گرنتھ کی اصلی زبان کے ایک دو لفظ شعر کے اندر رکھ دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر گرو گرنتھ صاحب صفحہ ۶۵ ملاحظہ ہو۔

۱۔ پیر پیکا مبر سالک صادق شہدے اور شہید
شیخ مشائخ قاضی ملا۔ اور درویش رشید

اس شعر میں جہاں تک میرا خیال ہے "شہدے" "اور" اور" کے سوا کوئی غیر فارسی نہیں اس کے باوجود شعر کو بالکل فارسی شعر نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔ صدق صبوری صادقاں صبر توسہ (توشہ) ملائکاں

دیدار پورے . . . . . الخ — ایضاً صفحہ ۱۰۰

پہلا مصرعہ سارا عربی فارسی الفاظ کا مجموعہ ہے

۳- صدق کر سجدہ من کر مقصود
جید ہر دیکھا تید ہر موجود — ایضاً

۴- قدرت ہے قیمت نہ پائے
جا قیمت پائے کہی نہ جائے — ایضاً

۵- کہر معیت صدق معلی حق علال قرآن
سر سنت سیل روجا (روزہ) ہوہ مسلمان
کرنی کعبہ پسچ پیر کلمہ کرم نواج (نماز)
تسبی (تسبیح) سانت . . . . الخ — ایضاً صفحہ ۱۰۹

اس مثال میں اکثر الفاظ عربی کے ہیں -

نیز چند اشعار فارسی کے پورے بھی ملتے ہیں - لیکن وہ بھی ایسے نہیں - جو ہمارے لئے ایک سند کا کام دے سکیں - بلاشبہ وہ مذکورہ بالا مثالوں کی نسبت زیادہ صاف اور واضح ہیں - لیکن ایک دو اشعار کا موجود ہونا چنداں قوی دلیل نہیں ہے :

۱- یک عرض گفتم پیش تو در گوش کن کرتار
حقا کبیر کریم تو بے عیب پروردگار

۲- دنیا مقام فانی ، تحقیق دل دانی
ہم سر موئے عزائیل گرفت دل ، ہیچ نہ دانی

۳- زن پسر ، پدر ، برادران ، کس نیست دستگیر
آخر بیفتم کس ندارد ، چوں شود تکبیر

۴۔ شب روز گشتم در ہوا کردم بدی خیال
گاہے نہ نیکی کار کردم ہم این چنین احوال
۵۔ بدبخت ہم چوں بخیل غافل بے نظر بے باک
نانک بگوید جن ترا، تیرے چاکراں پہ خاک
(راگ تلنگ محلہ پہلا)

ہمیں ایک نتیجہ پر پہنچنے کے لئے صرف اتنی ہی مثالیں کافی ہوں گی۔ گرنتھ صاحب کے مطالعہ لسانی سے میں جس نکتہ پر پہنچا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ پہلے تو بقول ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کے "گرو جی کی دوسرے مذاہب کی تنقید عامیانہ نہیں" ان کی زبان کا وہ انداز نہیں۔ جو دوسرے مذاہب کے عالم کا ہو سکتا ہے۔

دوم۔ یہ کہ اگر محلہ اول میں جتنے فارسی الفاظ موجود ہیں۔ ان سب کو جمع کیا جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحب کے ذہن میں فارسی کے بہت کم الفاظ موجود ہیں۔

سوم۔ جتنے الفاظ موجود ہیں وہ بالکل عام سے ہیں۔ بظاہر وہ الفاظ عام زبان کے اندر رائج ہو چکے تھے۔ یا اگر رائج نہ بھی ہوئے تھے تو گرو جی نے اکثر مسلمان فقرا کے ساتھ ملاقاتوں میں اخذ کئے ہونگے۔

غرض صرف گرو گرنتھ صاحب میں فارسی الفاظ کا موجود ہونا ہمارے نزدیک اس بات کی کافی اور مؤثر دلیل نہیں کہ گرو نانک فارسی زبان کے ایک بلند پایہ عالم تھے۔ جیسا کہ میکالف صاحب نے تحریر کیا ہے تا وقتیکہ ان کی فارسی دانی کے حق میں اس سے بہتر دلیل نہ مل سکے۔ جو

تمام ارباب نظر کے نزدیک حجت قاطع ہو۔ زبان میں غیر ملکی الفاظ کا آنا بالکل معمولی اور عام بات ہے۔ آج ورنیکلر میں، اور عوام کی زبان میں انگریزی کے صدہا الفاظ بے تکلف موجود ہیں۔ صرف ان الفاظ کا موجود ہونا اس فیصلہ پر نہیں لا سکتا۔ کہ کوئی شخص اس زبان کا ماہر تھا۔

(۳)

گرو نانک جی کی فارسی تصنیفات

معارف نے فہرست کتب خانۂ آصفیہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ بابا نانک نے علم اخلاق و تصوف پر دو تین کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً (۱) الہی نامہ (۲) دل طلب (۳) مناجات در بحر طویل۔ راقم نے ایک خط لائبریرین آصفیہ لائبریری کے نام لکھا۔ جس میں ان سے ان کتابوں کے صحیح حالات بہم پہنچانے کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں جو خط ان کی جانب سے موصول ہوا ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ:۔

دل طلب اور الہی نامہ ہر دو رسالوں کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ دل طلب نظم میں ہے۔ اور الہی نامہ نثر میں ہے۔ ان ہر دو رسالوں کو بابا نانک سے کوئی تعلق نہیں۔ فہرست میں غلطی سے ان کو بابا صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ یہ دونوں رسالے ایک مجموعۂ رسائل میں شامل تھے۔ جن کے آخر میں بابا نانک شاہ کی مناجات ہے۔ فہرست نگار نے غلطی سے تمام رسالوں کو بابا نانک شاہ

کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ غرض دل طلب اور الٰہی نامہ ہر دو بابا نانک شاہ کی تصانیف نہیں ہیں"۔ باقی رہا مناجات کا معاملہ۔ تو وہ گرو نانک کی جپ جی کا ترجمہ ہے۔ جو کسی نے بارھویں صدی ہجری میں کیا ہے۔

گذشتہ بیان سے معلوم ہوا ہے کہ بابا نانک کی کوئی تصنیف فارسی میں موجود نہیں۔ جن محققین نے بابا نانک کے عالم ہونے پر زور دیا ہے۔ اکثر نے صرف اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ گرو گرنتھ صاحب میں فارسی کی آمیزش ہے۔ اس کے علاوہ، انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے گرو نانک صاحب فارسی کے عالم نہ تھے۔ ان کو صرف تھوڑے الفاظ پر عبور تھا۔ جن کو وہ گرو گرنتھ صاحب میں وقتاً فوقتاً استعمال کرتے ہیں۔ فارسی الفاظ کا موجود ہونا کوئی بڑی دلیل نہیں ہے۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بابا نانک نے کئی ملازمین شاہی کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ان کی ہند اور ماورائے ہند کے مسلمان مشائخ کے ساتھ صحبتیں رہیں۔ اکثر مسلمان مرید، ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ پس ان حالات میں ان کی زبان میں فارسی عربی الفاظ کا آ جانا لابدی اور ناگزیر تھا۔ مزید یہ کہ فارسی عربی کے جو الفاظ اور فقرے موجود ہیں۔ وہ بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں۔ بلکہ بگڑی ہوئی صورت میں ہیں۔ لہٰذا یہ نتیجہ زیادہ قرین صواب ہے کہ بابا جی فارسی کا بہت معمولی علم رکھتے تھے۔

سید محمد عبداللہ
ریسرچ سٹوڈنٹ

ابنِ خلدون

(۵)

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۲۶ء)

سوسائٹی یعنی جماعتِ انسانی کی مختلف صورتیں

شمالی افریقہ اور ایشیا کے جو ممالک عربوں کے زیر نگیں رہے ہیں ان کے جغرافی حالات یکساں ہیں۔ ان طبعی حالات میں جماعت انسانی دو مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے یعنی بعض لوگ بدوی حالت میں ہیں اور بعض شہری زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ دونو حالتیں، خارجی حالات کا جن میں جماعتِ انسانی نے نشو و نمو پائی ہے لازمی نتیجہ ہیں۔

اگر ممالکِ اسلام پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ہر جگہ مزروعہ اور شاداب علاقوں کے ساتھ ساتھ لق و دق صحرا اور ناقابل زراعت ریگستان واقع ہیں۔ علاوہ عرب کے جہاں صحرا کے درمیان مزروعہ علاقے خال خال نظر آتے ہیں، شام اور علاقہ فرات کے درمیان ایک اور بلند میدان پھیلا ہوا ہے جو صحرا عرب سے کم وسیع نہیں اور جو صرف مواشی چرانے کے کام آ سکتا ہے۔ اسی طرح مصر میں وادیٔ نیل کے دونو کناروں پر غیر ذی زرع

پتھریلے اور ریگستانی ویرانے واقع ہیں - ایران میں بھی جو زمانۂ قدیم میں شاداب اور زرخیز ممالک میں بابل سے اتر کر دوسرے درجہ پر شمار ہوتا تھا، بے آباد اور خشک علاقے جا بجا پائے جاتے ہیں-

اس لئے مغربی ایشیا کے ممالک اور شمالی افریقہ کے ساحلی صوبجات، نہایت قدیم زمانہ سے ایک خاص قسم کی بدوی زندگی کا مسکن رہے ہیں جو انبیاء اسرائیل کے ایام سے لے کر آج تک کم وبیش غیر متغیر رہی ہے - اس دوران میں قابل زراعت علاقوں میں شہر آباد ہوئے اور بستیاں قائم ہوئیں- یہ شہر اور بستیاں بدوی لوگوں سے اکثر میل جول رکھتی تھیں - اور دراصل انہیں کی قائم کردہ تھیں - اور یہاں زراعت پیشہ لوگ اہل بدو کے حملوں سے پناہ میں رہتے تھے -

اہل بدو اور بڑے بڑے شہروں کے درمیان جو باہمی تعلق اور راہ ورسم نہایت قدیم زمانہ سے قائم تھی، اس کا یہ نتیجہ ہوا- کہ شہری لوگوں کا تمدن، خانہ بدوش چرواہے قبائل میں ایک حد تک سرایت کر گیا - اور ان میں متمدن مہذب زندگی سرگرمی کے ساتھ شروع ہو گئی - جس کے آثار عبرانی قوم کی قدیم ترین کتابوں میں بھی وضاحت کے ساتھ ملتے ہیں- بعد میں یہ تمدن عربوں کے ہاں شستگی اور تہذیب کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گیا ٭

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے- کہ ابن خلدون نے نوع انسان کو دو بڑی جماعتوں یعنی بدوی اور حضری لوگوں میں کیوں تقسیم کیا ہے جن میں سے وہ مقدم الذکر کو قدرتی طور پر قدیم ٹھہراتا ہے ٭

اس کے ساتھ ہی ابنِ خلدون بدوی قبائل کے درمیان، اپنے ذاتی مشاہدہ کی بناء پر فرق و امتیاز کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے عہد تک شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا میں بدوی زندگی بغیر کسی تغیّر و تبدل کے جاری تھی اور آجتک قائم ہے۔

بعض خانہ بدوش قبائل بھیڑ بکری یا گائے پلتے ہیں جن کے لئے انہیں شاداب چراگاہوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ صحراؤں میں دور تک نہیں جاتے۔ ابن خلدون اس قسم میں بربر، صقالبہ، اتراک اور ترکمانوں کو شمار کرتا ہے۔ لیکن ان قبائل کی حالت بالکل دگر گوں ہے جو زیادہ تر اونٹوں کی پرورش کرتے ہیں۔ یہ لوگ لمبے چوڑے صحراؤں میں دور تک نکل جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اونٹ کو کھانے کے لئے صحرائی پودوں، اور پینے کے لئے کھارے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور جاڑے میں ایسے صحراؤں میں رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جہاں اسے نہ صرف گرم اور خشک ہوا ملے۔ بلکہ جہاں باریک ریت سے ڈھکے ہوئے مقامات میں بچے دے سکے۔

یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ اونٹ کے بچّہ کی پرورش پیدائش سے لے کر دودھ چھڑانے کے وقت تک بہت مشکل ہے او سب سے پہلے اسے گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے جو بدوی قبائل اونٹ پالتے ہیں۔ وہ ترجیحاً ریگستانوں میں رہتے ہیں۔ جہاں وہ تمام اطراف میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان بدوی لوگوں کی زندگی، شاداب اور مزروعہ علاقوں سے دور صحراؤں میں گزرتی

ہے۔ شہری لوگ ان سے ڈرتے اور نفرت رکھتے ہیں اور ان کو اکھڑ اور وحشی لٹیرے سمجھتے ہیں۔ اس قسم میں عرب کے بدوی قبائل شامل ہیں۔ پھر افریقہ کے جنگلی بربر، پھر کرد، ان کے بعد بعض ترکمان اور ترکی قومیں۔ لیکن ان اقوام میں سے عرب لوگ صحرا کی خانہ بدوشی زندگی کے سب سے زیادہ عادی ہیں۔ کیونکہ یہ زیادہ تر اونٹ پالتے ہیں، درحالیکہ دیگر قومیں بھیڑ بکری اور گائے کی بھی پرورش کرتی ہیں۔

بدوی اور حضری زندگی کا یہ فرق اور امتیاز ان ممالک کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے بڑا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ہی بدوی اور نیم بدوی قبائل کی تفریق و تقسیم کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہی نیم بدوی لوگ آگے چلکر شہری بن جاتے ہیں۔ بعد میں اس بات کو خاص طور پر واضح کیا جائیگا کہ آبادی کی اس تقسیم نے مشرق کے مختلف ممالک کی سیاسی تاریخ پر کیا اثر ڈالا ہے۔ اور ہر ایک ملک میں ان مختلف جماعتوں میں سے کس کو غلبہ حاصل رہا ہے؛

(شیخ) عنایت اللہ ایم۔ اے

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا پانچواں اجلاس ۱۹ لغایت ۲۳ نومبر ۱۹۲۸ء کو لاہور میں منعقد ہوگا۔

اس کانفرنس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(الف) مستشرقین کو یکجا مجتمع ہونے کا موقع دینا بدیں غرض کہ ہندوستان (یا بیرونِ ہندوستان) کے فضلاء علوم مشرقی کی علمی مصروفیتوں کی جانچ پڑتال ہوسکے۔

(ب) علوم مشرقی کے مطالعہ یا علمی تحقیقات میں تسہیل تعاون،

(ج) فضلاء کو اس بات کا موقع دینا کہ وہ اپنے اپنے مخصوص مضامین پر اظہار خیالات کرسکیں اور ان مشکلات کو بیان کرسکیں جو انہیں اپنے مضامین کے مطالعہ میں پیش آتی ہیں،

(د) مستشرقین کے مابین علمی اور معاشرتی اختلاط کو ترقی دینا۔

(ہ) تعلیم و تعلّم کی قدیم روایات کی حوصلہ افزائی۔

یہ کانفرنس ہر دوسرے سال منعقد ہوتی ہے۔ اور ادبیات و فنونِ مشرقی کے مختلف شعبوں میں علمی تحقیقات کا جتنا کام محققین علوم مشرق نے سرانجام دیا ہو۔ اسکو یکجا کرتی ہے۔ باہمی تبادلۂ خیالات اور فضلاء علوم کے ساتھ ذاتی میل جول نہ فقط تحقیق علمی کے جوش کو

بڑھانے کا ذریعہ ہیں بلکہ ان سے مساعی علمی کی تنظیم بھی عمل میں آتی ہے۔ ان کانفرنسوں کے یہ فوائد یورپ اور امریکہ میں مدت سے تسلیم کئے جا چکے ہیں۔

یہ کانفرنس متعدد شعبوں میں منقسم ہوگی جن کی فہرست سر دست حسب ذیل ہے:-

(۱) ویدک (۲) کلاسیکل (۳) فلسفہ (۴) فلالوجیا یا فلسفۂ زبان (۵) فنون لطیفہ (۶) عربی فارسی اور زند۔
(۷) تاریخ اور آثار قدیمہ (۸) اردو (۹) ہندی
(۱۰) پنجابی (۱۱) انثرو بولوجیا (تاریخ انواع البشر)

ان کے علاوہ ہندوستان کی کلاسیکل موسیقی کا ایک جلسہ منعقد ہوگا۔ ایک مشاعرہ ہوگا اور ایک ڈرامہ سنسکرت میں کیا جائیگا۔ تاریخی دلچسپیوں کے مقامات مثلاً ٹیکسلا اور ہڑپہ کی زیارت کا انتظام کیا جائیگا۔

تمام مستشرقین سے استدعا ہے کہ وہ کانفرنس کے ممبر ہو جائیں اور مبلغ پانچ روپے چندہ ممبری بنام مسٹر اے۔ سی۔ وولنر ایم۔ اے سی۔ آئی۔ ای (جو کہ کانفرنس کے خازنِ اعزازی ہیں) یونیورسٹی ہال لاہور کے پتے سے بھیج دیں۔ جو حضرات کانفرنس میں کوئی مضمون پڑھنا چاہتے ہوں ان کو چاہیئے کہ اپنا مضمون مع ایک خلاصے کے اپریل ۱۹۲۸ء کے آخر تک ڈاکٹر لکشمی سروپ ایم۔ اے۔ ڈی فل (آکسن) آنریری لوکل سیکرٹری یونیورسٹی ہال لاہور کے نام روانہ کردیں اس آخری درخواست پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ

پنجاب یونیورسٹی موسم گرما کی تعطیلات کے لئے جون سے لے کر ستمبر کے آخر تک بند رہتی ہے۔ لہذا مضامین کے خلاصوں کو چھپوانے کا تمام انتظام گرمی کی چھٹیوں سے پیشتر کرنا ہوگا۔

امید کی جاتی ہے کہ ہز اکسیلینسی گورنر پنجاب کانفرنس مذکور کے مربی ہونگے اور اجلاس کا افتتاح فرمائینگے۔ آنریبل سر جیفری ڈی مونٹ مورینسی ممبر مالیات گورنمنٹ پنجاب اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے استقبالیہ کمیٹی کا صدر ہونا منظور فرمایا ہے جو اصحاب استقبالیہ کمیٹی کا ممبر ہونا چاہیں وہ مطبوعہ فارم کو پُر کے دیدیں جو کہ لوکل سیکرٹری ڈاکٹر لکشمن سروپ سے مل سکتی ہے۔

پنجاب ہمیشہ اپنی مہمان نوازی کے لئے مشہور رہا ہے۔ لہذا یہ توقع کی جاتی ہے کہ زندہ دلانِ پنجاب کی ایک بڑی جماعت استقبالیہ کمیٹی میں شریک ہوگی۔ اور باہر سے آنیوالے حضرات کے لئے کانفرنس کے پروگرام کو دلکش بنانے میں ہر ممکن کوشش کریگی تاکہ پنجاب میں ان کا تشریف لانا ہمیشہ کے لئے یاد رہے۔

یونیورسٹی ہال

۵ مارچ ۱۹۲۸ء

لکشمن سروپ

لوکل سیکرٹری

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس

(مترجمہ پروفیسر محمد اقبال)

خزائنِ مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

گذشتہ سے پیوستہ

۸۵ دیوان جلال اسیر۔ دیکھو ریو ص۶۸۱

[اوراق ۳۱۴ ؛ سطور ۱۲ تا ۱۶ ۔ نستعلیق ۔ کرم خوردہ ۔ تقطیع ۸" × ۴" : ۵ × ۲½]

میرزا جلال اسیر متوفی ۱۰۴۹ھ کا دیوان

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

ایک اور معمولی نسخہ بھی ہے ۔

۸۶ دیوان طالب ۔ دیکھو ریو ص۶۷۹

[اوراق ۱۲۱ ۔ سطور ۱۷ ۔ شکستہ ۔ داغدار ۔ مجروح ۔ تقطیع ۷ × ۴½ : ۵½ × ۲½]

ملا محمد طالب آملی المتوفی ۱۰۳۶ھ کا دیوان

تاریخ کتابت ۔ ۲۰ رجب ۱۱۶۵ھ

۸۷ دیوان فانی ۔ دیکھو انڈیا آفس ۔ عدد ۱۵۹۹

[۹۵ ۔ سطور ۱۱ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ۷ × ۵ : ۵ × ۳]

ملا محسن فانی المتوفی ۱۰۸۱ھ کا دیوان ۔

تاریخ کتابت وغیرہ ندارد

۸۸ دیوان تجلی و اوہم۔ دیکھو ریو صفحہ ۷۳۸ و (اوہم) سپرنگر صفحہ ۳۱۲

[اوراق ۶۹ - سطور ۱۹ تا ۲۰ - نستعلیق - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۱۰ × ۷ : ۷½ × ۴]

(۱) مرزا علی رضا اردکانی المتخلص بہ تجلی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) کا دیوان مشتمل بر غزلیات - رباعیات - مثنویات موسوم بہ معراج الخیال

(۲) مرزا ابراہیم اوہم (المتوفی ۱۰۶۰ھ) کا دیوان -

تاریخ کتابت ۱۲۹۰ھ

۸۹ معراج الخیال [اوراق ۹ - سطور ۱۴ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۴½ : ۵½ × ۳½]

مرزا تجلی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) کی مثنوی معراج الخیال ۔

تاریخ کتابت - ۱۹ ذوالقعدہ ۱۱۹۶ھ

کاتب - سید دوست علی

۹۰ کلیات کلیم - دیکھو ریو صفحہ ۶۸۶

[اوراق ۱۸۰ - سطور ۱۶ - شکستہ - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۸ × ۴ : ۶ × ۲½]

مرزا ابو طالب کلیم ہمدانی (المتوفی ۱۰۶۱ھ) کا دیوان ناقص الآخر -

تاریخ کتابت - ۲۰ شوال ۱۱۱۴ھ

اس کے تین اور نسخے بھی لائبریری میں ہیں -

۹۱ رباعیات ملا شاہ - دیکھو ریو صفحہ ۶۹۰

[اوراق ۳۰۹ - سطور ۱۵ - نستعلیق - آب زدہ - تقطیع ۱۰½ × ۵½ : ۷ × ۳½] -

ملا شاہ محمد المتوفی ۱۰۷۲ھ کی رباعیات
تاریخ کتابت - ۲۲ شعبان ۱۲۸۶ھ
غلام نبی قادری نے شاہ صدر الدین کے لئے لکھا -

۹۲ **مثنویات ملا شاہ** - دیکھو بانکی پور فہرست - ج ۲ - ص ۱۱۲ - عدد ۱۱۴
[اوراق ۲۲۵ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹ × ۴½ : ۶ × ۲½]
اس مجموعے میں تین مثنویاں ہیں:-
(۱) ولولہ (۲) ہوش (۳) نسبت
تاریخ کتابت وغیرہ ندارد

۹۳ **دیوان ناطق** - [اوراق ۸۰ - سطور ۲۱ - نستعلیق - قدرے کرم خوردہ - تقطیع ۱۱ × ۶½ : ۸ × ۴]
ناطق کا دیوان جس کو شاعر کے لڑکے فائق نے ۱۲۸۰ھ میں مرتب کیا -
ابتدا ناقص ہے -
تاریخ کتابت ۱۲۹۱ھ

سید محمد عبداللہ
یونیورسٹی لائبریری

رسالہ در معرفتِ عناصر و کائناتِ الجوّ

اس میگزین کے نمبر ۱۰ بابت اگست سنہ ۱۹۲۷ء میں ریاست کپورتھلہ کے بعض مخطوطات کا حال بیان کیا گیا تھا - اسی نمبر میں صفحہ پر ایک مجموعۂ[1] رسائل کا ذکر ہوا تھا جس میں ۱۵ نادر رسالے ہیں - ہم چاہتے ہیں کہ ان میں سے دو رسالوں کو انکی اہمیت کی وجہ سے طبع کیا جائے - یعنی رسالۂ در معرفتِ عناصر و کائنات الجوّ اور جواہر نامہ کو - ذیل میں ہم پہلے اول الذکر رسالہ کو شائع کرتے ہیں،

رسالہ کے دیباچہ میں مصنّف نے اپنا نام محمد بن مسعود المسعودی لکھا ہے اور دیباچہ کی فصل اوّل میں (دیکھو صفحہ ۲ س ۱۴) اپنی تصنیف جہان دانش کا بھی ذکر کیا ہے - حسن اتفاق سے جہان دانش کے نسخے برٹش میوزیم - اکسفورڈ اور برلین میں موجود ہیں - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا لقب شرف الدین ہے - اسنے علم ہیئت پر عربی میں ایک کتاب لکھی جسکا نام اسنے الکفایہ فی علم الہیئۃ رکھا - بعد میں اس کتاب کا ترجمہ اسنے خود ہی فارسی زبان میں کیا - برٹش میوزیم میں جو نسخہ جہان دانش کا ہے اسکے خاتمہ پر ختمِ کتاب کی تاریخ ۱۴ شعبان سنہ ۶۶۳ھ دی ہے (تکملہ ریو صفحہ ۱۵۴) - مگر برلین والے نسخہ میں بجائے اس کے سنہ ۶۶۹ھ اور اکسفورڈ والے نسخہ میں سنہ ۶۶۴ھ تاریخ تالیف دی ہے -

الکفایہ کا ذکر حاجی خلیفہ (طبع مصر ج ۲ صفحہ ۳۱۴) نے یوں کیا ہے "الکفایۃ فی الہیئۃ لمحمد بن مسعود المسعودی ثم ترجمہ بالفارسیہ وسماہ جہان دانش ورتبہ علی مقالتین الاولی فی الافلاک والثانیہ فی الارض" اسی جلد کے صفحہ ۶۴۴ پر اسی مصنف کی کتاب "ہادی فی الفروع لشرف الدین المسعودی الحنفی" بھی مذکور ہے، مگر حاجی خلیفہ نے مصنف کے اس رسالہ کا جو کائنات جو پر ہے - کوئی ذکر نہیں کیا - نہ کہیں اور ہم کو اسکا حوالہ ملا ہے - رسالہ ہذا میں مقدمہ صفحہ ۳ س ۱۰ اور صفحہ ۲۹ س ۴ پر کسی امیر کا ذکر ہے - جسکے

---

[1] کتب خانہ ریاست میں اس مجموعہ کا نام جواہر الحکمت ہے

نام پہ یہ رسالہ لکھا گیا تھا۔ مگر سوء اتفاق سے کاتب نے دونوں جگہ پہ جہاں نام آیا
ہے۔ نام کی بجائے صرف لفظ فلاں لکھ دیا ہے!
علاوہ ابن سینا کے جسکا ذکر اس رسالہ میں چار بار آیا ہے مصنف نے دو مقام پر خیام کے معاصر امام (ابو حاتم)
مظفر اسفزاری کی کتاب آثار علوی کا ذکر کیا ہے۔ یعنی مقدمہ کی فصل دوم میں اور باب ہفتم
میں۔ پہلے مقام پر لکھا ہے کہ یہ امام ریاضی میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور
آثار علوی اپنے وزیر (ابو المظفر علی) فخر الملک کے نام پر لکھی تھی۔ (جو نظام الملک
کا بیٹا ہے۔ اور جو پہلے ۴۸۸ھ میں برقیارق کا اور بعد میں سنجر کا وزیر مقرر
ہوا تھا۔ اور جو اپنے باپ کی طرح ۵۰۰ھ میں قتل ہوا) دوسرے مقام پر
چند صفحے آثار علوی سے منقول ہیں۔ اس اقتباس نے پانچویں صدی کی فارسی نثر کے چند اوراق
ہمارے لئے محفوظ کر دئے ہیں۔

ساتویں صدی کی فارسی علمی تصنیف ہونے کے لحاظ سے یہ رسالہ خاص اہمیت
رکھتا ہے مصنف نے حیرتناک سادگی اور سلاست اور اختصار سے علمی باتیں بیان کی ہیں۔
اور اس اعتبار سے وہ فارسی نثر کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔

مصنف نے اپنے موضوع پر کافی عمدہ مواد جمع کیا ہے جو ارتقاء سائنس کے طالبعلم کے
لئے دلچسپی سے خالی نہیں خصوصاً مصنف کے اپنے مشاہدات میں[1] جنکا ذکر وہ بعض[2] ابواب میں کرتا ہے۔

رسالہ کو شروع کرنے سے پہلے ہم علم آثار علویہ و سفلیہ کی وہ تعریف درج
کئے دیتے ہیں۔ جو حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ج ۱ ص۱۹ پر دی ہے:-

وهو علم يبحث فيه عن المركبات التي لا مزاج لها و
يعرف منه اسباب حدوثها وهو ثلثة انواع
لان حدوثه اما فوق الارض اعني في الهواء وهو كائنات
الجو واما على وجه الارض كالاحجار والجبال واما في الارض كالمعادن

---

[1] ان کے حالات کے لئے دیکھو حواشی جو رسالہ کے آخر میں دئے ہیں [2] مثلاً دیکھو ص۲۳ س ۲

(رسالہ)
در معرفت عناصر و کائنات الجوّ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منت خدای را که مبداء عقول و ارواح است و هست کنندهٔ اجسام و اشباح[1] وجود موجودات هستی جود اوست و مبدأ هستیها وجوب وجود او قادری که بکمال قدرت الٰهی کائنات را در سلک هستی کشید حکیمی که بر موجب حکمت نا متناهی هر یکی را در تقدم و تاخر آن هستی مرتبهٔ بخشید و بعضی را سبب بعضی ساخت و سلسلهٔ اسباب و مسببات پرداخت اوّل فعلی ابداع کرد و بواسطهٔ او ملکی و فلکی اختراع فرمود و طبایع و ارکان در وجود آورد میان صورت و مواد ترکیب داد عناصر بسایط را که آتش و هوا و آب و خاک اند ایجاد کرد حرارت و رطوبت در هوا پدید آورد و برودت آب را داد و یبوست خاک را و کیفیت این چهار را قوت فعلی داد و در دو قوت انفعال نهاد و حرارت و برودت را فاعل گردانید فعل حرارت تلطیف و تفریق و فعل برودت تعقید و تکثیف و رطوبت و یبوست را منفعل گردانید رطوبت را سبب قبول کردن اشکال و هیئت کرد و یبوست را سبب حفظ و ثبات و استمساک آن اشکال و هیئات و از تفاعل آن چهار عنصر مزاجها پدید آورد و بحسب اختلاف مزاجها انواع مرکبات چون معادن و نباتات و حیوان و انسان بیافرید و هر یکی را نفسی و قوتی

[1] حاشیہ اشباح چیزی را گویند که از دور بینند و امتیاز نتوانند کرد که چه چیز است مثل سراب

مخصوص گردانید، نفس ناطقه که شریفتر و فاضلتر است آدمی را داد تا حقایق معقولات
ادراک کنند و بدقایق امور راه یابند، پس طائفه را برگزید و خلعت هدایت،
پوشانید و بنور معرفت بیاراست و خواص را شرف نبوت کرامت کرد و
برتبهٔ کمال رسانید تا جملهٔ حقایق بر ایشان مکشوف گشت و حجت و آثار
بر خاطر ضمائر و سرائر ایشان بانوار اسرار منور شد و پیشوای پیغمبران و مقتدای
رسل سید انبیا محمد مصطفی علیه الصلوات الرحمن علیه با نواع کرامات و اصناف
الطاف مشرف گردانید دین و ملت او را فاضلترین ادیان و ملل ساخت و
دولت نبوت او را پای دار ترین دول کرده امتش را گرامی ترین امم گردانید
و شریفترین ایشان ساخت و شریعتش را ناسخ شرایع دیگران کرد صلوات
۱۰ الله علیه و علی اله الطیبین الطاهرین وسلم تسلیماً کثیرا
اما بعد معلوم عقلا و خردمندان شده است و شریعت حق نیز خبر
داده که دنیا کشت زار آخرت است هرکه در دنیا تخم نیکوئی بیشتر کارد
در آخرت ثمرهٔ سعادت بیشتر بر دارد حیات دنیا سرمایهٔ نجات عقبی است
و بقای این جهانی وسیلت سعادت آن جهانی و بزرگان و خردمندان
در مدت حیات بقدر قوت و طاقت در اکتساب اسباب نجات و درجات
آخرت کوشیده اند و چون دانسته اند که این سرمایهٔ نفس که عمر است در معرض
فنا و زوال است و دفع این آفت فنا ممتنع و محال است طریقی ساخته اند
باندیشهٔ صائبه و رای صالح خویش در[1] استدامت اکتساب اسباب سعادت
آخرت که قائم مقام سرمایهٔ عمر ایشان بوده تا آنچه ثمرهٔ عمر و زندگانی است
۲۰ پس از ایشان باقی بماند که هرچه در تحصیل عرضی خلف کنند[2] و بذل غایت بوده آن غایت
از راه معنی باشد و آن طریق آثار خیر و افعال پسندیده و ذکر جمیل و نام نیکو

---

[1] آ : که در

است که در مدتِ حیات کسب کرده اند و از پس خویش یادگار گذاشته تا بدان سببِ دعوات صالحه ایشانرا حاصل می آید و بوسیلتِ آن دعواتِ خیر بهر وقتی روحی و راحتی و سعادتی بنفس ایشان می پیوندد و مصداق این سخن حدیث حضرت محمد مصطفیٰ صلوات الله و سلام علیه است که

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلث علمٍ علّمه الناس وصدقةٍ جاريةٍ في سبيل الله وولدٍ صالحٍ يدعو له بالخير آورده اند که وقتی در اثنای محاورتی که ارسطاطالیس را باسکندر رومی رفت اسکندر را گفت خدای تعالیٰ ترا عمر جاودانی دهاد! ذوالقرنین گفت ای حکیم از حق تعالی مرا چنیری خواستی که در مجاری سنت اجابت آن محال است حکیم گفت ای پادشاه عمر جاودان تو بقای نام نیکوی تو است من از خدای تعالی خلود ذکر تو خواستم و اجابت این دعا محال نیست و آنکه مشهور است که ذوالقرنین بطلب آبحیات رفت محققان چنین گفته اند که آن آبحیات علم شایسته و سیرت پسندیده است که هر کرا حاصل شده باشد آثار خیر او جاودان بماند پس چنانستی که حیات جاودان یافت پس اعتبار نمودن ببقاء ذکر جمیل و نام نیکو از مواجب حکمت و قضایای خرد و عقل است و آنچه بادشاهان خردمند و بزرگواران نیکو رای در مدح شعرا رغبت نموده اند و مالهای بسیار عطای ایشان فرموده سبب کسب کردن نام نیکو و ماندن ذکر ایام دولت ایشان بوده است چه دانسته اند که طبیعت مردمان را میلی بود بجمع کردن اشعار نیکو و کلام آراسته و چون اشعار و مدائح جمع کنند و یاد گیرند قرناً بعد قرنٍ بماند بدین سبب ذکر جمیل ایشان علیٰ ممرّ الایام باقی ماند و مندرس نشود. نظم

آن خسروان که نام نکو کسب کرده اند | رفتند و یادگار از ایشان جز آن نماند!

ایشان نهان شدند در این ژرف خاکدان | لیکن شعار کردهٔ ایشان نهان نماند
نوشیروان اگرچه فراوانش گنج بود | جز نام نیک از پس نوشیروان نماند

و بسیار پادشاهان بزرگ بوده اند که علمای عهد خویش را فرموده اند تا هر کسی در نوعی که دانسته اند بنام آن پادشاه کتابی ساخته اند و تصنیفی پرداخته تا ذکر جمیل وصیت جزیل آن پادشاه ببقای آن تصانیف و کتب باقی ماند و این طریق را در استدامت و تخلید ذکر کامل تر و بالغ تر شناخته اند چه باین طریق ذکر جمیل و نام نیکوی ایشان درمیان طایفه بماند که خواص مردمان باشد و آن حکما و علما و اهل فضل و هنر اند پس همچنانکه مدح شعرا خدمتی است ممدوح را تصانیف ابنا علم بنام ارباب مراتب و اصحاب مناصب نیز خدمتی است درخور ایشان هرچه ۱۰
تمام تر بدان وجه که سبب تخلید ذکر میگردد که زندگی معنوی است و مصداق این تشبیهات و ملخص این مقدمات آن است که چون این رساله و مصنف این مقاله محمد بن مسعود المسعودی در این روزگار ناهموار که طوفان بلا و عنا موج میزند خواست که در سفینهٔ اقبال صاحب دولتی نشیند که از بلیه غرق و نکبات ایمن گردد و در این غربت و کربت دست در فتراک خدمت مقبلی زند که بزلال اقبال او گرد حوادث و نوازل این زمان بی امان از صفایح احوال و چهرهٔ آمال و اوقات خویش فرو شوید در این معنی سفیر فکر بسیر عقل فرستاد و از رای او استمداد جست از عقل جواب آمد که مقر اقبال و مسکن دولت در این عصر جز عتبهٔ جلالت و آستانهٔ کمال فلان (کذا) نیست آن فتراک دولت که طلب میکنی خدمت خدمهٔ مجلس اوست و این سفینهٔ اقبال که می جوئی قبول سینهٔ او و جناب کریم او مدفع نوائب روزگار

است. تو آستانهٔ رفیع او مفزع ستم رسیده گان فلک غدار آفتاب سعادت
او بر خاص و عام تافته و از انوار سیادت او وضیع و شریف بهره یافته
اخبار فضائل و مناقب او ادانی و اقاصی دانسته اند و آثار مآثر و مکارم
او اذناب و نواصی شناخته اند ذکر محامد و مفاخر او باطراف و اکناف
عالم رسیده است وصفت[1] معانی و معالی او در اسماع جهانیان خزیده
سروری که با طهارت نسب و شرف حسب چندان فضایل مکتسب دارد
که از انوار آن صفحات روزگار آراسته شده است و از آثار آن شجرهٔ
سیادت پیراسته در کمال کفایت و آثار هدایت نشانه و مقتدای جهانست
و در رجاحت عقل و رزانت اقران را قدوه و پیشوا همت خویش بر اهتمام
مهمات خاص و عام وجهت لاکنا خاطر خویش بر انتظام احوال نزدیک و دور
گماشته روزگار خویش بر تمهید قواعد خیرات و احیای مراسم حسنات موقوف
کرده است و جاه و مال خویش در رعایت مصالح خلایق مبذول و مصروف
داشته تا لاجرم همه دلها بدوستی خویش صید کرده است و همه جانها به
مودت و محبت خویش قید کرده وضیع و شریف بدعا و ثنا او رطب اللسان
اند و خاص و عام در ولا و هوای او یک دل و یک زبان اگر سر راه سعادت
می طلبی اینک درگاه او و اگر از نوایب زمان امان می جوئی اینک بارگاه
او کمر خدمت او بر میان بند که دست با مقصود در کمر کردی و در سلک
خدمتگاری وی منتظم شو که از نکبات زمانه حذر کردی گفتم از من چه خدمت
آید که شایستهٔ جناب کریم وی باشد گفت خدمت هر کسی درخور حال و
۲۰ لایق روزگار او بود چون تو مدت العمر در طلب علم سعی کردی و در تحصیل
او رنجها دیدهٔ بفضل الله و منته از ان رنجها گنجها یافته خدمتی که مناسب

---

[1] ر: صنعت

حال تو بود تصنیفی بود در نوعی از انواع علم بنام آن سرور کرام و مفخر انام
چنانکه مقبول اہل فضل و دانش بود و طالبان دران رغبت نمایند و نسخها
ازان منتشر گردد و در قرنها بماند تا ذکر جمیل و نام نیکوی او مدتهای مدید
باقی بود و دعوات صالحه مستفیدان منقطع نگردد و بدان سبب اصناف
سعادات آخرت در تزاید بود چون این کلمات بسفارت فکر از زبان عقل
بسمع دل رسید دل قبول کرد و عزیمت بر این اندیشه جزم گشت متفکر شد
تا کدام جزو است از اجزای علوم و حکمتها که بطبعها نزدیکتر است و رغبتها
در دانستن آن صافی تر و صادق تر و تمامت آن در مقدار اندک بیان
توان کرد چنانکه ملالت نیاورد و بافهام نزدیک بود و بی غوامض و مشکلاتی
١٠ که آنرا باندیشهٔ بسیار و بفکر های قوی حاجت آید[1] مقصود آن ایراد توان
کرد تا چنان بود که هر خردمندی که آنرا مطالعه کند بر معانی آن واقف
گردد و مضمون آن ادراک کند از جمله اجزای علوم آنچه باین شرط نزدیکتر
نوعی بود که آنرا آثار علوی خوانند که از جمله شعب انواع طبیعی است و
آن در شناختن حقیقت اثرهایی است که در هوا پدید آید چون ابر و رعد و
برق و باران و برف و تگرگ و یخچه و نژم[2] و قوس قزح و هاله و دیگر علامتها چون
کواکب منقضه و ذوات الاذناب و صاعقها و بادها و امثال آن و در دانستن
اسباب این اثرها پس بر ایراد این نوع اختیار افتاد و بسبب آنکه مادهٔ این
کائنات چنانکه بیان کرده اند بخاریست که از زمین متصاعد می شود و چون به
بر آمدن بروی زمین راه نیابد محتقن بماند و از او در زمین اثرها پدید می آید
٢٠ و کانسات متولد می شود مانند لعل و فیروزه و یاقوت و بلور و زر و سیم و قلعی
و مس و آهن و اسرب و آن جوهر که او را خارچینی خوانند نوعی از فولاد

---

[1] آ: این سه کلمه ندارد.
[2] آ: نژم یا نژم = ضباب (mist)

است و سیماب و کبریت و امثال این، و عادت چنان رفته است که این آثار را که بحقیقت آثار سفلی اند با آثار علوی بهم یاد کنند بحکم اتحاد ماده جمله، و این جمله را آثار علوی خوانند اگرچه از روی حقیقت آثار علوی آن بود که در علو پدید آید، پس چنین رسالهٔ[1] که برسم خدمت فلان (کذا) تالیف کرده شد بر وجهی که روشن تر و بافهام نزدیکتر باشد یاد کرده آمد، امیدوار که بمحل رضا و موقع قبول وصول یابد و مدار و بنای این رساله بر یک مقدمه و سیزده باب است

باب اول در سبب پدید آمدن ابر باب دوم در شناختن (سبب) پدید آمدن رعد و برق باب سیم در سبب پدید آمدن باران باب چهارم در سبب پدید آمدن برف باب پنجم در سبب پدید آمدن تگرگ باب ششم در سبب پدید آمدن نژم باب هفتم در سبب پدید آمدن قوس[2] قزح باب هشتم در سبب پدید آمدن خرمن ماه باب نهم در سبب پدید آمدن صاعقها و کواکب منقضه باب دهم در سبب پدید آمدن بادها باب یازدهم در سبب پدید آمدن زلزله باب دوازدهم در سبب پدید آمدن چشمهای آب باب سیزدهم در سبب پدید آمدن معدنیات چون لعل و فیروزه و یاقوت و بلور و زر و سیم و مس و قلعی و آهن و سرب و خارچینی

اما مقدمه مشتمل است بر چهار فصل۔

فصل اول

در بیان اقسام اجسام بسایط و مرکبات

بباید دانستن که جسم بر دو قسم است یکی بسیط و ۲۰

---

[1] و: رسالت [2] آ: قوس وقزح

دیگری مرکب،
بسیط آن بود که اجزای که درو فرض کنی یک طبع باشند
ومرکب آن بود که همه اجزای او یک طبع نباشند
مثال بسیط آب و خاک و هوا و آتش است که دران هیچ جزو فرض
نتوان کرد که طبیعت او بخلاف طبیعت جزوی دیگر بود
ومثال مرکب خلاف این مثلاً که هر یکی از شکر و آب جزوی باشند
زجلاب[1] که طبع هر یکی مخالف طبع دیگری بود و
بسیط بر دو قسم است یک قسم قابل تغییر واستحالت است؟) چون این چهار
قسم که گفتیم یعنی آب و خاک و هوا و آتش، این را ارکان و عناصر خوانند
و اصل همه مرکبات این عناصراند و دیگر قسم قابل تغییر و استحالت نیست ۱۰
و آن افلاک و کواکب اند که در علوم طبیعی برهان قائم شده است که ایشان
قابل فنا و استحالت نیستند و بیان اقسام اجسام بسیط و جایگاه طبیعی هر یک
وکیفیت حرکات طبیعی ایشان و جهات آن حرکات در کتاب جهان دانش
یاد کردیم و برهان کرده بر آنکه شکل زمین بشکل کره است درمیان عالم ساکن
گشته و آب از همه جوانب گرد وی در گرفته الا آن یک جانب و آن ربعی است
وزآن که عمارتها بر آنست و هوا گرد این جمله اقسام درگرفته و آتش گرد این هوا
درگرفته و افلاک گرد این جمله اقسام درگرفته، و در این مختصر تفاصیل وبراهین
اعادت نمی کنیم تا دراز نه گردد که آن علمی است جداگانه خلط کردن او باین نوع
نیکو نیاید و اگر کسی را آرزوی دانستن آن باشد آن کتاب مطالعه باید کرد۔

فصل دوم
در ذکر طبقات زمین و هوا

۲۰ بباید دانست که این عناصر و ارکان با آنکه

---

[1] دیکھو فرہنگ،

بسایط اند کلیات ایشان ز اندک اخلاطی خالی نیست و از این هر چهار عنصر آتش در حیز و مکان طبیعی خویش ببساطت نزدیکتر است و از گذشت او خاک و امّا آتش از بهر آنکه هر چه در حیز او با او بیامیزد بر حکم قوتی که او را بران حالتست آن چیز را بسوزاند و آتش گرداند و امّا خاک از بهر آنکه طبیعت او مانع است از بهر نفوذ کردن چیزها آنچه گرد او درگیرد و در او نفوذ کند چون آب مثلاً قوت او چنان نبود که در جملگی اجزای او نفوذ تواند کرد تا بباطن و نزدیک بمرکز او رسد پس آن خاک که بمرکز نزدیک تر است ببساطت نزدیکتر است ولیکن با این همه بساطت او بساطت آتش نبود بحکم آنکه قوتهای فلکی که مسخن و گرم کننده باشند در جملگی اجزای او نفوذ تواند کرد و چون نفوذ کروند لابد استحالتی و حرارتی در او پدید آید و از طبیعت اصلی خویش بگردد پس بدین سبب بساطت او باطل شود و متشابه الاجزا بماند و همچنین بساطت هوا بماند این سبب باطل گشته است و اختلافی در او پدید آمده و هر یکی از زمین و هوا بطبقات گشته اند امّا زمین[1] بسه طبقه است:

طبقه اوّل خاک صرفست که با او هیچ چیز آمیخته نیست که بحوالی مرکز او نزدیکی او باشد و این طبقه یا بسیط تمام است یا ببساطت نیک نزدیک و این تردد از بهر آنست که محال نیست که بتاثیر افلاک و کواکب در و تغیری پدید آمده باشد و کیفیتی بر گرفته مگر از طبع او غریب باشد مانند حرارت مثلاً۔

طبقهٔ دوم خاک است بآب آمیخته و مانند گل گشته،

طبقهٔ سیوم روی زمین است و بیشتر از وی تر است که در زیر آب دیلا

---

[1] دیکھو قزوینی صفحہ ۱۴۷ سطر ۲۰ تا ۲۰ هابط

بمانده است و آنچه زیر آب نیست بسبب تابش آفتاب خشک گشته و
بعضی سنگ شده و کوهها پدید آمده،

اما هوا بچهار طبقه است[1]:

طبقهٔ اول هوائی است مختلط به بخاراتی که از آبها تولد کند و این بخار
بحقیقت هم آب است اما بسبب حرارت که در وی پدید آمده است لطیفتر
گشته است و از جایگاه طبیعی خویش مفارقت کرده و بقهر حرارت متصاعد
گشته در هوا[2] یا هم در مکان خویش قرار گرفته چنانکه در زیر زمین محتقن گشته
باشد که راه بیرون آمدن نیابد چنانکه پس از این یاد کنیم، و بسیار کسان بنداشته
اند که بخار نه آب است و نه هوا بل واسطه است میان آب و هوا از حد آبی
۱۰ در گذشته و بحد هوائی نرسیده، و خواجه امام مظفر اسفزاری را که در این
علم ریاضی در روزگار خویش بی نظیر و مشارٌ الیه بوده همین تصور افتاده
بوده است تا در آثار علوی که بنام وزیر فخر الملک تصنیف کرده باین معنی
تصریح کرده است و گفته که بخار متوسط است میان جوهر آب و جوهر هوا
و این سهویست که برهان بزرگ رفته است که در علوم حکمت برهان قائم
شده که صورت طبیعی چون از جسم مفارقت کند یا خواهد کرد بیک دفعه
کند نه بتدریج که جوهریت قابل حرکت نیست و در او تزاید و تناقص نیست
پس اگر صورت آبی از انجا مفارقت کرده است بهیچ حال آب نمانده
است و اگر صورت آبی چیزی در بخار مانده است خود جمله مانده باشد که
آن صورت را بعض نیست، و این مختصر احتمال تقریر این برهان نکند هم بر این
۲۰ قدر اختصار کرده شد،

مقصود آنست که چون طبقهٔ اول هوا با بخار آمیخته باشد طبیعت آب

---

[1] دیکھو قزوینی ص ۹۲ اُسنے فقط تین طبقے بتائے ہیں، [2] آ: با

گرفته باشد یعنی برودت، و در او نیز حرارتی باشد بسبب آن شعاعِ آفتاب که از روی زمین بر او منعکس شود و انعکاسِ شعاعِ آفتاب برچیزی سبب گرم گشتن آن چیز است چنانکه پس از این بیان کنیم، پس طبقهٔ اول هوا که مجاور زمین است بسبب انعکاسِ نورِ آفتاب گرمی گرفته است و بسبب اختلاط بخار با او سردی گرفته، و اگر صورت نبستی که آن بخار با این طبقه هوا مختلط گشتی و نورِ آفتاب بر او منعکس شدی این طبقه در غایت سردی بودی، الا آنکه حرارتی که بسببِ انعکاسِ نورِ آفتاب در او حاصل می شود از آن برودت چیزی نقصان می کند و از اینست که بشب هوا سردتر از روز بود، و طائفه پنداشته اند که حرارتی که از تابشِ آفتاب حاصل می آید نه بسبب نور است بلکه از ذات آفتاب میخیزد چنانکه از آتش، و این ظنِ باطل است که برهان قائم شده است در علوم حکمت که جرم آفتاب گرم نیست و در او هیچ حرارت نیست، و نیز هیچ کیفیت از این چهار کیفیت که در اجسام سفلی اند، و همچنین جرم جملهٔ کواکب و افلاک که طبیعت ایشان طبیعتی[1] است خارج از طبایع این اجسام که قابلِ کون و فساد اند ولیکن گرمی که از آفتاب حاصل میشود بسبب نور وی است، و دلیل بران چنین است که اگر گرم گشتنِ اجسام از آفتاب نه بواسطه وسبب نور او بودی بلکه از ذاتِ آفتاب بودی بایستی که هر جسم که بجرم آفتاب نزدیکتر بودی گرم تر از آن جسم گشتی که از جرم آفتاب دور است، و نه چنین است که معلوم گشته است که هوائی که مجاور زمین است گرم تر از هوائیست که از او برتر است چنانکه بعد از این یاد کنیم بر سر کوههای بلند بسیار خنک تر باشد از آنکه در زیر آن، و دلیل بر آنکه شعاع و نور آفتاب سبب پدید آمدن حرارت

---

[1] ن: طبیعی

است اعتبار حالِ آئینه است مقعّر که او را لِلصَّنعت چنان ساخته اند که
چون مرکز او را برابر آفتاب داری از همه جوانب و اطراف او نورِ آفتاب
بر مرکزِ او منعکس شود و سبب کثرت اجتماع شعاعات منعکسه آن هوا
که مماسِ مرکزِ آئینه است نیک گرم گردد و مستحیل شود و آتش
گردد تا اگر سوختهٔ یا خرقهٔ بدان موضع نزدیک بداری آتش درو گیرد
و بسوزد، و هیچ سببی نیست حرارت آن هوا را الّا کثرت شعاعهای آفتاب
بحکم انعکاس بران موضع، و من دیدم که فتیلهٔ مشعله[۱] چرب کرده[۲] با رختهای
دیگر در جوال نهادند و بر استرها بار کردند و آفتاب در آخر جوزا بود و
این استرها را بروز در غایت گرما می راندند در بیابانی که میان بلخ و مرو
۱۰ است، از تابش آفتاب و حرکتِ متوالی که فتیلها را حاصل می آمد بسبب
روشِ استر آتش دران فتیلها گرفت و دود بر می آمد، چون از جوال
بیرون کردند شعله[۳] زد و بسوخت،

امّا طبقهٔ دوّم هوا طبقهٔ است (کذا) بربالای طبقهٔ اول (از) زمین دورتر و آن
طبقه نیز با بخار آمیخته بود ولیکن عکس نور آفتاب بوی کمتر رسد لاجرم
حرارت او اندک تر باشد و لسبب اختلاط بخار برودت بر تریِ طبقه
غالب باشد، و این طبقه را مرکز زمهریر خوانند،

امّا طبقهٔ سیوم هوائی صافیست و ببساطت نزدیک و این بربالای طبقه
دوم است که نه عکس آفتاب از زمین بدانجا رسد و نه بخار،

امّا طبقهٔ چهارم بالای طبقهٔ سیوم است و آن هوا آمیخته دخانی که از
۲۰ دخانهای که از زمین متصاعد می شود از طبقهٔ ششم درگذرد و بطبقهٔ چهارم
رسد و اگر پیش از آنکه آنجا رسد برودت بر آن بخارها زنند و آنرا باد

---

۱ آ: مشعل ۲ آ: و ۳ آ: بخار

نکند و بازنگرداند چنانکه پس از این بیان کرده[1] آید و این دخان بدان سبب
از آنجا در گذرد و بر بالای او شود که یبوست بر طبع او غالب است
و چون حرارت و یبوست در او جمع شوند بطبع آتش نزدیک گردد
پس قصد کند تا بمرکز آتش رسد و فاضلترین متاخران خواجه ابو علی
بن الحسین سینا چنین میگوید که ظن من آنست که این دخان بجملگی طبقهٔ
چهارم محیط نباشد و نه نیز بیشتر او بلکه اندک باشد و پراگنده و بیشتر آن
باشد که بنا[2] محترق گردد آنچه آنرا مردمان پندارند که ستاره است که
برفت و از آسمان فرو ریخت و نیست شد چنانکه بعد از این بیان
کرده آید اینست اقسام طبقات هوا.

۱۰ اما آتش[3] یک طبقه است و گرد این جمله در گرفته است و او را
هیچ روشنائی و لونی نیست و بحس بصر مدرک نگردد و شفاف است و
لطیف مانند هوا بلکه از هوا بسیاری لطیف تر و دلیل بر آنکه آنرا لونی
نیست آنست که اگر او را لون بودی بایستی که از دیدن ستارگان
مانع آمدی تا هیچ ستاره (کذا) هرگز ستاره را نتوانستی دید و نیز بایستی که
روشنائی او بر زمین افتادی چنانکه روشنائی آتشهای افروخته افتد
پس معلوم شد که او را هیچ لون نیست و اندر لطافت و شفافی و
بی لونی در آنکه بحس بصر مدرک نشود مانند هوا است فرق آنست که این
محرق و سوزنده است و هوا نیست و آتشهای افروخته را که ما می بینیم
لون از جهت آنست که آتش صافی بدخان مظلم در می آویزد و از مجموع
۲۰ آن لونی و روشنائی[4] حاصل می شود و الا آتش صافی را هیچ روشنائی
لون نیست و از این است که چون دو فتیلهٔ چراغ نیک بلند بر کشی

---

[1] و: کرداند [2] آ: روشنائی [3] اسکے حاشیہ پر کسی نے لکھا ہے: ما تقول فی النار التی تظہر من الحدید والاحجار لیس الدخان فیہا و (هی) مسبوق فی الاظهار عنه یعنها؟ [4] دیکھو قزوینی صفحہ سے بیشتر

تا زبانۂ او قوی گردد آنجا که سر فتیله است بران لون که زبانه است نه نماید
و چنان نماید که آن شعله و زبانه از سر فتیله جدا گشته است و آن موضع
از آتش خالیست و مانند هوا نماید صافی خالی از آتش، و بدان سبب
چنان نماید که آتش بدان موضع بیشتر است و قوی تر، بلکه آتش بحقیقت
آنست بدان سبب که آتش هوائی است سوزنده چنانکه گفتیم،

فصل سیوم

در اثبات استحالت[1] پذیرفتن اجسام و قبول کردن کون و فساد

چون حال عناصر و طبقات او معلوم گشت بباید دانست که این جمله عناصر بطبع
مسخّر و منقاد و فرمان بردار اجرام عالیهٔ فلکی اند، کائنات و فاسدات از تاثیر
اجرام عالیه و طاعت این عناصر تولّد کنند، و فلک و کواکب اگرچه گرم و سرد ۱۰
و خشک و تر نیستند امّا از حرکات ایشان و اتّصالات بعضی در اجرام سفلی حرارت
و برودت و رطوبت و یبوست حاصل می آید بقوّتها که از ایشان فایض
میگردد که از حال آینهٔ محرقه مشاهده می کنیم، و بسبب کیفیتها که در ایشان پدید
آید مستعدِ قبول صورتها گردند و چون استعدادِ صورتِ خاص پدید آمد و تمام گشت
از بخشندهٔ صورتها آن صورت فایض گردد و در او پدید آید و بر کیفیت مناسب صورتِ
مخصوص باشد چنانکه کیفیت حرارت چون در آب غالب گردد بسبب تابش آفتاب یا آتش
استعدادِ قبولِ صورتِ هوائی در او پدید آید، پس لطیف و بخار گردد، و چون آن حرارت
بیشتر شود آن استعداد تمام شود و صورتِ آبی از ان مفارقت کند و صورتِ هوائی پدید
آید، و همچنین کیفیتِ برودت چون در هوا غالب شود به سببی از اسباب استعدادِ قبول

---

[1] دیکھو تعریفی صفحہ

صورتِ آبی در او پدید آید، و چون استعدادِ او تمام شود صورتِ هوائی
خلع افتد و صورت هوائی پدید آید، و همچنین هوا آتش گردد و آب خاک
گردد، و خاک آب گردد، و هر کیفیت که در یکی از این اجسام بسیط یا مرکب
غالب میگردد بحسب آن غلبه قبولِ صورت دیگر پدید می آید و صورتِ او
خلع می افتد، و سبب این جمله آنست که هیولا که قابلِ صورِ این اجسام
است مشترک است میانِ جمله یعنی قابلِ همه صورتهاست، و ازان وجه که
او هیولاست تقاضاء معیّن نکند، بلکه نسبت همه صورتها با او یکسان است
ولیکن باندازه غلبتِ کیفیتها استعدادِ قبولِ صورتهای خاص پدید می آید
و آن صورت بفعل می گردد، و برهان بر اثباتِ استحاله پذیرفتنِ اجسام
از روی اعتبار آنست که اگر یک[1] ساعت بقوّتِ تمام بر توالی و تتابع ۱۰
در کورهٔ آهنگران دمند آن هوا که در اندرون کوره است چنان گردد
که هر چه در او بداری و قابل سوختن بود در حال بسوزد، پس این هوا
آتش گشته باشد که آتش را هیچ معنی دیگر نیست الّا آنکه او هوائیست
سوزنده، و همچنین[2] اگر قدحی بر نگبین یاسمین یا در جواهری که در او چیزی رشح
نتواند بود در گرمای تابستان پُر برف کنی یا یخ آب نیک سرد، و ساعتی
بگذاری، بر ظاهرِ آن قدح قطره های آب پدید آید و اگر قدح نیمه بیش نباشد
هم در اندرون و بیرون و اطراف و لبها و همه مواضع این قطره ها پدید آید،
و شک نیست که آن سبب رشح نیست که اگر باین سبب بودی بایستی که
بر اطراف قدح که آن بلند تر است بلکه در اندرون قدح هیچ پدید نیامدی،
و نیز بایستی که از آب گرم همچنان قطره ها پدید آمدی که آب گرم اولی است ۲۰
ترشح کردن بسبب لطافت، و شک نیست که از آب گرم این قطره ها پدید نیاید

---

[1] بعینہ یہی مثال قزوینی نے دی ہے [2] آ: اوّلا

پس معلوم گشت که سبب بیرون تراویدن نیست و نیز این اوانی
را که از این جواهر کنند مساماکشاده نباشد تا از او چیزی رشح کند بلکه
سبب پدید آمدن این قطرها آنست که آن هوا که مماسِ قدح است
آب می گردد و سببش آنست که این هوا لطیف گشته است بسبب
گرما و چون برف یا یخ آب در قدح کنی آن جوهر قدح نیک سرد شود
پس آن هوا را که مماس کوزه است بیکبار بحکمِ مجاورتِ خویش سرد
گرداند که آن هوا بحکم لطافت که به سببِ حرارت حاصل دارد نیک (سرد؟) میشود
قبولِ استحاله و تغیر باشد پس چون آن هوا نیک سرد شود کثافتی در
او پدید آید و غلیظ گردد و مستعد قبولِ صورت آبی شود پس صورت
۱۰ هوائی از او خلع افتد صورت آبی پدید آید و در زمستان و هوار سرد
این قطرها پدید نیاید بسبب آنکه هوائی که مماسِ قدح باشد لطیف نباشد
بلکه غلیظ تر باشد بحکم برودت پس چنان قابل استحاله نباشد که هوای
گرم هرچه گرم تر لطیف تر و استحاله را قابل تر و دلیل بر این آن
است که در زمستان چون آب گرم و آب سرد در صحرا بر زمین ریزند
آن آب گرم زود تر یخ بندد
و یکی از جمله فضلا این سخن را تزییف می کند و میگوید که من تجربه
کرده ام و آب گرم و آب سرد بصحرا نهادم تا آب گرم سرد شد آب سرد
یخ بسته بود ولیکن این شخص در تزییفِ این محقق نیست و تجربهٔ نیکو
نه کرده است بایستی که آب گرم بنهادی تا فاتر گشتی آنگاه با آب سرد بیکبار
۲۰ در صحرا بنهادی تا معلوم شدی که اوّل کدام یخ می شود بسیار باشد که
مردم از گرمابه بیرون آیند حالی موهای شان یخ بندد و اگر با آب سرد و نو

کرده باشند بدان زودی یخ نه بندد، این احوال به تجربه معلوم شده است
و از این جهت است که در شهرهای گرم سیر که یخ نباشد چون بغداد مزملها
ساخته اند بر بامهای بلند از بهر آب سرد کردن، و بعد از نماز دیگر خنورهای آب
بر آنجا آویزند تا آفتاب در او تابد و اندک تغیر دران پدید آید و از آنچه باشد
پاره لطیف تر شود، چون بر او شب بگذرد و باد شمال بر او وزد نیک
سرد شود و بامداد پیش از آفتاب بر دارند، و اگر آن خنورها پس از فرو شدن
آفتاب بر آنجا آویزند تا شب بر او بگذرد چنان سرد نشود، به تجربه این حال
معلوم گشته است، وسبب آنست که آن قدر آفتاب که بر او تابد لطافت
در او پدید آید که تغیر و استحاله پذیرفتن را مستعد تر گردد و چون آفتاب بر
او نتابد استعداد پدید نیاید، پس معلوم شد باین اعتبارات که حرارت ۱۰
چیزها را لطیف گرداند، و چون لطیف گشت استحاله را قابل تر گردد،

و اما هوا گشتن آب نیک ظاهر است که چون آتش در زیر دیگ
بندند و آب را جوشش پدید آید بخار از او برخیزد و بر بالا شود و هوا گردد،
و همه کس را به تجربه معلوم گشته است که بتابش آفتاب در تابستان
زود آب هوا گردد، و دیده اند که جزوی از آب که با آفتاب نهاده باشند
سخت زود آن آب نیست شده باشد، و حوضها و آبگیرها تابستان زود
خشک شود،

و اما خاک گشتن آب مشاهده کرده اند که قطره های آب صافی بر زمین
می افتاده است و در حال سنگ می شده و این خاکی باشد که آن خاک
را قوتی باشد مخصوص که خاکهای دیگر را نباشد، و شنیده ام که در کوه‌های
غرجستان (و) سمرقند موضعی است و چشمه که از او قطره قطره آب فرو می چکد و

[illegible] قزوینی صفحه ۹ س ۷

حالی سنگ می شود '

و امّا آب گشتنِ خاک و سنگ اصحاب صنعت کیمیا دانسته اند و بسیار سنگ در کوزه نهاده اند و گداخته و تقطیر کرده و آب گردانیده ' پس این اعتبارات دلیل تمام است بر استحاله پذیرفتنِ اجسام '

فصلِ چهارم

در کیفیّت تولّد بخارات

چون معلوم گشت که اجسامِ سفلی قابلِ استحاله اند و اجرامِ عالیه فلکی فاعل و مؤثر ' باید دانستن که چون آفتاب در زمین تابد و بواسطهٔ اضوا ی خویش زمین را و آبها را گرم گرداند از آبها و اجسامِ تر بخاری تولّد کند و از خاک خشک و اجزا ء ارضی دخانی پدید آید '

امّا آن بخار بسبب آن پدید آید که حرارتِ آفتاب بعضی از اجزا ی آن لطیف تر و سبک تر گرداند و آن کثافت که آب را باشد باطل کند پس بخار شود که حقیقت بخاریست لطیف گشته و حرارتی در او پدید آمده ' پس بحکم آن حرارت که در او پدید آمده است قصد بالا کند که حیز طبیعی آتش بر بالاست '

و امّا دخان از بهر آن پدید آید که چون آفتاب در اجزا ی خشک تابد بعضی را از آن اجزا که خشک تر باشد و یبوست آن بیشتر ' بسوزد ' و آن اندک رطوبتی که در او بوده باشد نیست گرداند ' پس بحکم غایتِ یبوست آن اجزا ء نیک خفیف گردند و بحکمِ حرارت و خفّت بر بالا حرکت کند پس حقیقت

دخان اجزای ارضی است سوخته گشته، پس اگر این دخان و بخار بروی زمین تولد کرده باشد متصاعد گردند و بهوا برشوند بحکم حرارتی که در ایشان بوده و باندازهٔ حرارت حرکت می کنند و هرچند حرارت بیشتر بود بلندتر شوند و زود تر حرکت کنند،

امّا اگر در زمین تولد کرده باشد اگر زمین سست بود و مسام کشاده آن بخار و دخان از او برآیند، و اگر زمین سخت باشد و مسام بسته راه نیابد برآمدن را پس هم در زیر زمین مختفی بماند، از این دو بخار و دخان که بهوا آمده باشد چیزها پدید آید و کائنات حادث شود،

ازان انواع که در صدر این رسالة و فهرست ابواب او یاد کردیم این است تمامی مقدّمه و اکنون یک یک باب بترتیبی که گفته ایم بیان کنیم، انشاء الله تعالے۔

باب اوّل

در سبب[1] پدید آمدنِ ابر

باید دانستن که ابر بخاریست غلیظ شده و منعقد گشته، و سبب پدید آمدنِ او آن است که بخارهای تر که از آبها و زمین های نمناک بسبب تپش و تابش آفتاب بر می خیزد، و چنانکه یاد کردیم، چون بحکم حرارتی که در اوست برهوا شود و از طبقهٔ اوّل که هوا او گرم است درگذرد، و به طبقهٔ دوم رسد که هوا سرد است سرمای آن طبقه بر او زند و او را کثیف و ثقیل گرداند

---

[1] دیکھو تعلیقی ص۱۳۹

و منعقد شود که فعل برودت تعقید است، چنین که چون هوا در زمستان سرد شود آب را بسته گرداند، و هرچه بسته و منعقد باشد چون بر آتش عرضه کنی آتش برودتی که در او حاصل است نیست گرداند آن چیز بگدازد، چون یخ و شمع و روغن بلکه زر و سیم و مس و قلعی و امثال آن،
و در خطبهٔ این رساله گفتیم که فعل حرارت تلطیف و تفریق اتصالات و گداختن و جدا کردن اجزاست از یکدیگر، و فعل برودت تعقید و تغلیظ و فراهم آوردن است، و بدین سبب است که چون در زمستان در گرمابه باز کنی تا هوای سرد در او آید آن هوا هوای گرم گرمابه را غلیظ گرداند و بخار گرداند تا هوای گرمابه مظلم و تاریک شود، و هم بدین سبب
است که در زمستان نفس آدمی و حیوانات دیگر بتوان دید مانند دودی، ۱۰
بحکم آنکه آن نفس گرم بر آید و هوای سرد بیک بار بر او زند، و او را کثیف و غلیظ گرداند و بخاری گردد که او را بتوان دید، و شک نیست که نفس بتابستان همچنان بر آید که بزمستان، ولیکن چون هوا گرم شود او را کثیف و غلیظ نگرداند، پس او را نتوان دید،
و هرگاه که این بخار که گفتیم بر هوا شود، اگر اندک و ضعیف باشد حرارت آفتاب در حال اورا بپراگند، و بدین[۱] سبب است که در تابستان و گرمای آن کمتر جمع شود، و اگرچه دران وقت بخار از زمین بر آید و زمستان در شب بیشتر ازان جمله شود که در روز که هوای روز گرم تر از هوای شب باشد، و اگرچنان بود که آن مادّه قوی باشد یا حرارت آفتاب ضعیف و اندک یا هر دو معنی بهم جمع شوند، هم مادّه بسیار و قوی باشد و ۲۰
هم حرارت آفتاب ضعیف و اندک آن بخارها فراهم آیند و کثیف گردند و ابر

---

[۱] ب: بدین

پدید آید، و باشد که به سبب جستن باد این ابرها جمع شوند که باد بعضی را بنزدیک بعضی برد، نیست اکثری مر پدید آمدن ابر را، و نیز باشد که بی آنکه از زمین بخار برخیزد در هوا ابر پدید آید، و این بیشتر در کوه باشد که به سببی از اسباب ناگاه هوای سخت بران هوای بالای کوه زند و آنرا غلیظ و کثیف گرداند و ابر شود بی آنکه مادهٔ او بخاری باشد از زمین برآمده،

امّا در اغلب اوقات و اکثر مواضع پدید آمدن ابر از مادّهٔ بخار باشد چنانکه گفتیم،

باب دُوّم

در سبب[1] پدید آمدن رعد و برق

یاد کردیم که از زمین دو نوع بخار برخیزد، یکی تر و یکی خشک، پس چون اتّفاق افتد که این دو نوع بخار تولّد[2] کنند و بهم بیامیزند و بحکم حرارتی که در ایشان بود بهوا بر شوند و از طبقهٔ اول هوا در گذرند و بطبقهٔ دوم رسند، آنجا که مرکز زمهریر است آن بخارِ تر از انجا درنگذرد که چون آنجا رسد آن سرما او را غلیظ گرداند و ثقیل شود، و حرارت و خفت او کمتر بشود، پس هم آنجا قرار گیرد،

امّا آن بخارِ خشک آنجا قرار نگیرد که او خفیف تر از آن بخار تر باشد، به سبب بیوستی که در او است، و نیز حرارتِ او بیشتر از حرارتِ بخارِ تر باشد

[1] قزوینی صفحہ ۔۔۔ پر یہی تشریح بہت اختصار سے لکھی ہے۔
[2] گ: تولد

و اگرچه بآن سرما از حرارت او چیزی کم شود، و همچنین از خفّت او، آنجا اگر حرارت در پیوست او بیشتر افتاده باشد هنوز بقیتی در او بماند، و بدان سبب خواهد که ازان مرکز درگذرد و قصد بالا کند و بطبقهٔ چهارم هوا رسد، اگر مانعی در راه نیابد،

پس چون اتّفاق افتد که این دو مادّه بهوا بر شوند و بخار آبی در طبقهٔ دوم هوا قرار گیرد و کثیف و غلیظ گردد و ابر شود، و بخار دخانی بالای حیّز او اثر کند و خواهد که از بخار آبی درگذرد و ببالای او بر شود و بقوّت و شدّت تمام سوی بالا حرکت کند و آن بخار آبی ابر گشته را برهم درد و خود را راه کند، پس باندازه و قوّت آن حرکت و خرق کردن و برهم دریدن آن ابر آوازی پدید آید آن آواز را رعد خوانند،

و وقت باشد که بر بالای این مادّهٔ دخانی پارهٔ ابر باشد بغایت کثیف و غلیظ، به سبب آنکه هوای بالا سرد بود آن غلیظ تر و ثقیل تر گشته باشد و بسوی سفل میل میکند و حرکت می کند، چون این مادّهٔ دخانی باو رسد با او مقاومت نتواند کرد و از برهم دریدن او و راه کردن خویش عاجز آید، پس این غلیظ بر او تحامل کند و او را بازپس گرداند، و به سبب برودت آن حیّز و هوا در حرارت و خفّت این بخار دخانی نقصانی پدید آید و جوهر هوا گردد، چنانکه درباب تولّد بادها یاد کنیم،

پس این مادّهٔ دخانی که بادگشته باشد و بازگشته و بسرعت تمام سوی سفل حرکت میکند بآن بخارهای ابرگشته رسد بقوّت و شدّت حرکت خویش آن ابر را برهم درد و آوازی ژرف پدید آید، آن نیز رعد باشد،

و وقت باشد که بخار گرم برخاسته بود و بر بالا می شود و این بخار سرد

از بالا بزمین می آید در راه بیکدیگر رسند و با یکدیگر مقاومت و مزاحمت کنند و تحامل[1] کنند، پس یکی بر یکی اجابتِ قوت کند، و آن دیگر بر دیگر اجابت، وخود را راه کنند و برهم سایند بقوّت تمام، و آن یکی بر بالا شود و آن یکی بزیر فرود آید، و ازان حرکت و بر یکدیگر سائیدن از ایشان آوازی عظیم پدید آید، آن نیز رعد[2] باشد،

و وقت باشد که هوا آمیخته با مادّهٔ دخانی درمیان هردو گرفتار شود و از عنف این دو حرکت نیک گرم شود و آتش گردد چنانکه آن مادهٔ دخانی شعله زند و درگیرد و بحسّ بصر مدرک شود آنرا برق خوانند،

وهمچنین وقت باشد که از مادّهٔ دخانی که از بالا بازگشته بود وسوی زمین می آید آن این غلیظ را که در زیر او باشد بردرد چنانکه گفتیم و ازشدّتِ افراطِ قوت و عنفِ آن حرکت نیک گرم شود و آتش درگیرد و شعله زند هم او را بشنوند و هم شعلهٔ آتش بینند، و زمانِ پدید آمدنِ هردو رعد و برق بمعنی[3] یکی باشد الّا آنکه برق بینیم و رعد را بشنویم به سبب آنکه حسِّ بصر مرئیات را بی زمان بینند[4] امّا حسِ سمع مسموعات را در زمان بشنوند[5] و مدّتی ادراک کند چون مسافتی بود میان شنونده و آن چیز که آواز از او آمده بود، و اگر از مسافتی دور بگازری نگاه کنیم دران وقت که جامه برسنگ میزند اوّل جامه برسنگ زدن بینیم وپس ازان بزمانی آواز شنویم، و اگر بگازر نزدیک باشیم دیدن و شنیدن بهم مقرون باشد به سبب نزدیکی مسافت، و هرچند مسافت دور تر بود آن آواز دیرتر بما رسد، و سببِ این آنست که او را حرکتی است که در هوا پدید می آید به سبب بازهم گرفتن دو جسم صلب

[1] آ: تحامل [2] آ: یعنی رعد و برق [5] کذا [4] یہی مثال قزوینی نے بھی صفحہ ۲ پہ دی ہے۔

یا از هم باز دریدن جسمی صلب و آن حرکت از آن جسم دورتر می شود
تا آنگاه که بسمع شنونده رسد و بهوائی رسد که در صماخ گوش است،
پس آن هوا که[1] گوش از حرکتِ منفعل متحرک شود، و در پیشگاه سوراخ
گوش عصبی است گسترده بر مثال آن پوستی که بر طبل کشند، چون
آن هوا که در گوش است منفعل شود دران عصب حرکتی پدید آید،
چنانکه چون چیزی بر پوست طبل زنی در او طنینی و حرکتی پدید آید، و دران
عصبه قوتی است تعبیه کرده آن قوت آن حرکت را دریابد و نفس را
از دریافتن این قوت آگاهی بود، این حالت را شنیدن خوانند، و مثالِ
حرکت هوا چنان باشد که سنگی بمثل در آبِ ایستاده ساکن اندازند، بر
۱۰ گردِ آن موضع که در افتاده باشد شکل دائره پدید آید و پارهٔ بزرگ تر
می شود هوا نیز هم چنان شکلی می پذیرد، الا آنکه هوا را چون بحکم لطافت
نمی توان دید آن شکل که در او پدید آید هم نتوان دید، و بیان کردن
حقیقتِ آواز و کیفیتِ شنیدنِ آن علمی دیگر است و در این مختصر
شرحِ آن نتوان کرد که لائق نبود، الا ازین قدر که اشارت کرده شد
چاره نیست، و بسیار بود که برق بینند و رعد نشنوند اگرچه موجود گشته باشد
امّا چون قوی و بلند نباشد بما نرسد بحکم بُعدِ مسافت، اینست تمامی سخن
دراین باب،

باب سیم

در معرفت حدوث باران

۲۰ هرگاه بخاری در هوا باشد و سرما بر او زند و ابر گردد و اگر

---

[1] هوای گوش؟

آن ابر بحکم که حرارتی در او مانده است ببالا تر بر شود و یا باد او را تحریک کند
و ببالاتر برد تا بهوای سرد رسد آن سرما بقیت حرارتی را که در او مانده
است کسر کند و نیست گرداند و او را نیک غلیظ و کثیف و ثقیل کند و صفت
بخاری از او باطل کند و صفت آبی بوی باز آرد چنانکه پیش ازان بوده
است. پس قطره قطره از هوا بزمین آید سبب پدید آمدنِ باران اینست،
و چون صورتِ آبی از بخار و ابر باطل نشده است و خلع نیفتاده
الا آنکه کیفیت و غلظت و کثافتی که در او بوده است کمتر شده بحکم
حرارتِ غریب که در او پیدا آمده است، و بدان سبب از مکان طبیعی
خویش مفارقت کرده چون بحکم برودت هوا آن حرارتِ غریب از او مفارقت
گیرد آن کیفیت که پیش ازان داشته است باو باز آید، و همچنان غلیظ
و کثیف و ثقیل شود، و قصد فرود آمدن کند بزمین، بجایگاه طبیعی و اصلی
خویش، و سبب قطره قطره گشتن آنست که این بخار بیک دفعه بدان هوای
سرد نرسد بتدریج تصاعد میکند و آنجا میرسد و آنچه آنجا میرسد باران
می شود، و اثر حرارت در تفریق و انتشار و پراگنده شدن و بسط گشتن
است و اثر برودت در فراهم آوردن و جمع گشتن، پس آن ابر که بحکم
حرارت منبسط گشته است، چون برودت برو زند و باران شد جمع تر و
فراهم تر گردد و پس پاره پاره از او با یکدیگر مجتمع میشود و متراکم میشود،
و هر پاره چون در ذات خویش متناهی است لابد شکلی تقاضا کند و چون
همه یک طبیعت دارند باید که همه را یک شکل باشد، بعضی دراز و بعضی
پهن و بعضی گرد نباشد، بلکه همه باید که گرد باشد که طبیعت شکل بسیط
آن اقتضا کند که شکل او گرد باشد و برهان این در کتاب جهان دانش[1]

---

[1] جہان دانش: اس کتاب کا حال دیباچہ میں دیکھو

در آخر باب چهارم از مقالۂ اول یاد کرده ایم ، اینست تمامت این باب ،

باب چهارم

در معرفت حدوث برف[1]

سبب تولد برف آنست که بخار بهوای سرد رسد و ابر شود و بسبب اندک حرارتی که در او مانده باشد بر بالا تر می شود تا آنگاه که سرمای سخت بر او زند و او را غلیظ گرداند و پیش از آنکه قطره های آب خواهد شدن بیفشرد ، چون منجمد و فسرده گشت ثقلی در او پدید آید و بسبب آن ثقل سوی زمین آید و اجزای آن چون فسرده و بسته گردند خورد باشد اما چون از هوا بزمین فرو می آیند بر یکدیگر می نشینند و بزرگ تر می گردند خاصه چون در آن وقت هوا ساکن نباشد و باد باشد ، آن باد آن اجزا را با یکدیگر جمع کند پاره های بزرگ چون محلوج ندف کرده باشکال مختلفه بر زمین می آید و بعضی اختلاف اشکال او را سببی دیگر استنباط کرده اند و گفته که چون برودت بر بخار مستولی شود و او را برف گرداند اجزای او فراهم تر شوند و بدان سبب تشنجی در او پدید آید اگر آن تشنج از جوانب یکسان باشد شکل او گرد گردد و اگر یکسان نباشد بحسب آن شکلهای مختلف پدید آید .

اما سبب ظاهر آنست که یاد کردیم که باد آن اجزا را فراهم آرد و اشکال مختلفه پدید آید ، و اگر باد نبود در وقت بر زمین آمدن ایشان فراهم نشیند چنانچه گفتیم ،

---

[1] دیکھو قزوینی ص۹۴

باب پنجم

در معرفت سبب[1] پدید آمدن تگرگ

چون بخار تر بهوا بر شود و سرما در او عمل کند و او را کثیف گرداند و قطرهٔ باران شود و بر زمین فرود آمدن گیرد - اگر اتفاق افتد که فعل برودت در او زیادت شود تا او را بفسراند و یخ گرداند تگرگ باشد و این فسردن او بدو سبب رود، (کذا)

یکی آنکه پس از آنکه باران گشته باشد سرمای سخت بر او زند و او را یخ گرداند،

و سببی دیگر که پس از آنکه باران گشته باشد و بزمین می آید بهوائی گرم رسد و حرارت غریب ناگاه از همه جوانب گرد او گیرد و آن برودت که در اوست از آن حرارت بگریزد و از ظاهر آن قطره بباطن او رسد و در باطن او برودت بیشتر گردد همچنان تر بماند تا چون بر زمین افتد زمین تر شود، و این سبب بیشتر در فصل ربیع و خریف پدید آید، اما در فصل ربیع بیشتر بود که دران وقت بخارها از زمین بسیار برخیزد و هوا باعتدال نزدیک تر شود و بدین سبب است که بیشتر تگرگ در فصل ربیع آید و اختلاف او در بزرگی و خوردی بحسب اختلاف ماده بود،

---

[1] دیکھو قزوینی ص۹۰

باب ششم

در سبب پدید آمدن ژژالہ[1]

چون بخاری کہ از زمین متصاعد شود چنانکہ نیک گرم نباشد لابد ثقیل تر باشد کہ حرارت موجب خفت است و برودت موجب ثقل ہرچہ گرم تر سبک تر و ہرچہ سرد تر گران تر پس این بخار کہ نیک گرم نباشد بحکم ثقل سرمای شبہای زمستانی برو زند او را غلیظ گرداند آب شود و بشکل آنکہ گازران در جامہ دمند بزمین فرود آید و بیشتر آن باشد کہ این بخار بزمین نیک نزدیک باشد متصعد باشد بزمین تا ہوای کہ مماس ما باشد چنان نماید کہ پر دود گشتستی و ہوا کہ بر بالا باشد صافی بود بی ہیچ ابر تا اگر شبہا باشد جملہ ستارگان تابان باشد و وقت باشد کہ از زمین ہیچ بخار برنخیزد بلکہ ہوا بغایت صافی باشد و جملہ ستارگان پیدا و لیکن سرما نیک سخت باشد و بسبب شدت آن سرما آن ہوا کہ مماس و مجاور ما باشد ثقیل شود کہ ہمچنانکہ سرما در بخار اثر میکند و او را غلیظ می گرداند در ہوا نیز اثر کند الا آنکہ سرما عظیم سخت باید تا ہوا از او بزیر برود و آب شود

پس بحکم شدت سرما چون این ہوای صافی بخار گردد روی زمین و برگ و درختان و نباتہا نم گیرند و تر شوند و بر برگہا و نباتہا قطرہ ہا پدید آید ہم بران نوع کہ بر ظاہر قدح برنجین پدید آید چنانکہ پیش ازین یاد کردیم و این قطرہا باندک حرارت و تپش کہ باو رسد قصد بالا کند و شاید

---

[1] دیکھو قزوینی صفحہ ۹۲

که سبب آن باشد که این از آبهای دیگر لطیف تر بود که ماده این لطیف‌تر است یعنی هوا٭
و اصحاب نیرنجات چنین گویند که اگر خایهٔ مرغی را تهی کنی و این قطره‌ها را جمع کرده دران پوست خایهٔ مرغ کنی و چند قطرهٔ روغن که لطیف بود در او چکانی تا بروی آن آب پهن شود٭ پس بآفتاب بنهی و چون آفتاب نیک در او تابد آن پوست خایهٔ مرغ بر شود چنانکه از چشم ناپدید شود٭
و وقت باشد که از غایت سرما هوا که مماس زمین باشد بفسرد و مانند برفی بغایت تنک بر زمین پدید آید و این حالها بیشتر در شبهای بود که هوا گشاده بود که آن چنان شبها سرد و تر باشد٭

باب هفتم

۱۰

در سبب پدید آمدن قوس قزح

هرگاه که هوا بآمدن باران نیک تر گردد و ماری رقیق و تری عظیم منعقد شود و صقالتی و زدایشی به سبب باران در او پدید آید٭ اگر اتفاق افتد که دران وقت آفتاب بافق مشرق یا مغرب نزدیک بود و در پیش آفتاب هیچ ابر و غباری و بخار نباشد بلکه گشاده و روشن بود و اگر برابر آفتاب این چنین بخاری بود که گفتیم عکس آفتاب بر این بخار رقیق تر با صقالت افتد و چنانکه در آئینه چیزهای که در مقابله او بود بتوان دید این عکس آفتاب نیز بتوان دید و اگر دران وقت بخار

لطیف تر پدید آید نیز بتوان دید پس قوسی پدید آید در برابر آفتاب برنگهای مختلف، وقت باشد که سه رنگ بود، زرد و سرخ و زنگاری، وقت باشد که دو رنگ بیش نه باشد.

توظاهراست که این قوس از عکس آفتاب است، اما اشکال در چند چیز است، یکی در اختلاف الوان و دیگر در آنکه چرا قرص آفتاب در او پدید نیاید چنانکه در آئینه پدید آید چون برابر آفتاب داریم، و دیگر آنکه این عکس چرا مقوس بود،

و فاضل ترین متاخران خواجه ابو علی بن عبدالله سینا در بعضی از کتب خویش چنین می گوید که سبب اختلاف الوان او را چنانکه می باید معلوم نگشته است،

۱۰ اما بعضی محصلان تکلفی کرده اند و چیزی گفته و خواجه امام مظفر اسفزاری آنرا ملخص کرده است و در آثار علوی خویش آورده و بران مزیدی نیست همچنان نقل کردم در این مختصر، و او سه مقدمه آورده است،

مقدمه اوّل

آنست که هر جسمی که صیقلی باشد مانند آئینه و غیر آن، و چون فرض کنیم که از بصر ما خطی شعاعی بر او پیوندد بنقطه که آنرا زاویه اتصال شعاع نهیم، و چون از این خط شعاعی خطی دیگر بیرون آریم، چنانکه بر آن آئینه عمود باشد، و از این نقطه که در طرف عمود است و مسقط او بر سطح آئینه بنقطه اتصال شعاع خطی کشیم از این خط و آن خط

۲۰ زاویه پدید آید نزدیک نقطه اتصال آن زاویه را زاویه انعکاس

---

[1] آ : مرامی . ۔ یہاں اور بعد میں مؤلف شعاع نور کو آنکھ سے نکلتا ہوا فرض کرتا ہے بجائے باہر سے آنکھ میں آنے کے ۔

شعاع نام نهیم و شعاع بصر چون بسطح آیینه رسد از مواضع اتصال منعکس گردد، پس خطی پدید آید آنرا خط انعکاس نام نهیم، و چون آن خط را که بر سطح آیینه پدید آمده باشد دران جهت که زاویهٔ اتصال است بر استقامت بکشیم و یکی زاویه پدید آید ازین خطی که کشیده باشیم وان خط انعکاس این زاویه را زاویهٔ انعکاس نام نهیم و همیشه این زاویهٔ انعکاس هم چند زاویهٔ اتصال شعاع باشد، این یک مقدمه است، و هرچه بر استقامت این خط بود

خط انعکاس
شخص مرئی
سطح آیینه
زاویه
زمین
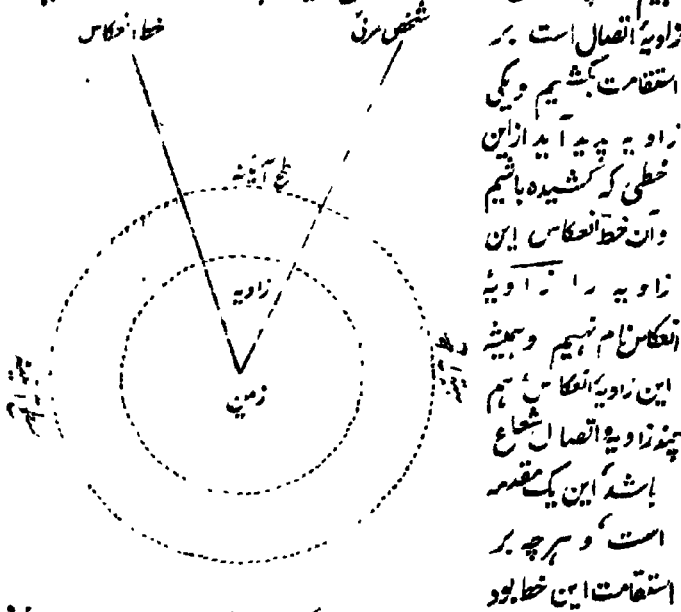
یعنی این خط انعکاس در آیینه مرئی گردد، و آنچه بر این استقامت نبود نتوان دید، و مثال این خط و آیینه این بود که کشیده شده است و بیان کرده ایم ․

مقدمهٔ دوم

آنست که هرگاه آیینه بود سخت خرد و چیزی که بسیار از او بزرگ تر ۲۰

بود در مقابلهٔ او بدار ی شکل آن چیز در او پدید نباید امّا لونش پدید آید چنا
گر سیاه بود و در آئینهٔ سخت خورد نگرد بدان خوردی که شرط است خود ا
نتوان دید مثلاً از عدسی خورد تر ا باید امّا در چیزی دیگر صیقلی که قا
آئینه بود و بغایت خورد بود شکل روی خود در آنجا نتوان دید امّا لو
و سیاهی خویش بیند '

مقدمهٔ سیوم

آنست که چون آئینه را رنگی بود خاص چون چیزی رنگین در مقا
بلِ آن لون که در آئینه آید مرکب باشد از لون آئینه و رنگ آن چ
در مقابل او داشته باشی مثلاً چون آئینه بود از جواهر خاص چینی که ز
او رنگ بر روی زند ' چون مرد اسمر وز او نگاه کند رنگ خود ١٠
بیند که رنگ وی مرکب باشد از سمرت و صفرت ' و چون این مقدما
گشت دانستن آنچه مقصود است آسان گردد '

امّا پدید آمدن قوس بدان سبب باشد که این بخار که در هوا با
اجزائی است خورد و صقالت پذیرفته هر جزوی مانند آئینه باشد بغا
خورد پس چون آفتاب در جهتی بود در مقابلهٔ این بخارات آئینه گرد
بعضی از این اجزای بخار بر وضعی باشند که چون شعاع بصر با و پیو
و از او منعکس شود بجرم آفتاب رسد ' پس واجب کند که جرم آفتا
را در هر جزوی که بدین موضع بود بتوان دید و چون اجزا با آفتا
بر یک وضع و یک نسبت باشد و زاویه های انعکاس متساوی با
و این اجزا بیکدیگر پیوسته و بعد ایشان از آفتاب یک بعد باشد ا ٢٠

---

[1] : آید [2] خود را در ؟ [3] گ : و نیز [4] دیکھو تو ضیح متن جس سے بہت مختصر شرح تقویس کی کرتا ہے ۔

آید که بر خطی باشند مقوّس ، چون بهم پیوسته باشند و آن عکس در هر یکی پدید آمده بود لابد متصل نمایند از دائره که قطب آن دائره قرص آفتاب بود چون آفتاب قطب آن دائره بود و بافق نزدیک لابد دائره را قطع کند ، پس بعضی ازان دائره بر بالای افق باشد و آنرا بتوان دید و بعضی در زیر افق ، پس جمله دائره را بتوان دید و هرچند آفتاب بافق نزدیک تر قوس قزح بزرگ تر ، و چون آفتاب بسمت سر نزدیک رسد قوس قزح را نتوان دید مگر وقتی که در بروج جنوبی که قوسی نیک خورد در جهت شمال پدید آید ، و چون این بخارها بر مثال آینه‌ها باشد بغایت خورد لون آفتاب در ایشان پدید آید اما شکل آفتاب در ایشان پدید نه آید ، و چون این بخار را لونی باشد که بتاریکی و ظلمت زند عکسی که در او پدید آید مرکب بود از ظلمت او و از لون آفتاب ، پس زرد نماید ، و رنگها دو طرف است که ایشان غایت(؟) است ، یکی سیاهی و دیگر سفیدی ، و الوان دیگر همه واسطه اند میان این دو طرف ، بر رنگ زردی آنست که از کمال سفیدی اندک مایه بطرف سیاهی آمده است ، پس از غایت روشنائی آفتاب و تاریکی ابر رنگ زردی پدید آید و نزد قرص آفتاب یک پارهٔ از آسمان بغایت روشن باشد و بر محیط آن قطعهٔ روشن قطعهٔ دیگر باشد در روشنی از اول کمتر ، و از اینجا اجزاء بخار آئینه کردار بعضی بران وضع باشد که شعاع بصر از ایشان منعکس شود بدان قطعه رسد از آسمان که نیک روشن است و گرد آن قطعه در گرفته ، و چون نور آن قطعه کم از نور آفتاب بود لونی که مرکب شود از عکس او

وظلمت ابر سیاهی نزدیک تر ازان بود که زردی است، پس آن لون
حمرت باشد،
و چون بعضی اجزاء بخار بر وضعی باشد که چون شعاع بصر
از ایشان منعکس شوند بدان قطعه رسد از آسمان که روشنائی او
کمتر از روشنائی قطعهٔ پیشین است آن لون که پدید آید لونی بود
بسیاهی نزدیکتر از لون سرخی و آن خضرت است، و بدان سبب
که این قطعه های روشن از آسمان گرد آفتاب در گرفته است و
بر بالای او همیشه چنانست که در زیر او و همیشه قوس قزح چنین
باید که لون زردی درمیان باشد و الوان دیگر بعضی در بالای او و بعضی
۱۰ در زیر او،
و اوضاع ایشان با یکدیگر مختلف همیشه چنین بود مگر وقتی که این
قطعهٔ روشن آسمان از یک جانب آفتاب بیش نباشد از دیگر جانب
ابری باشد یا غباری که مانع گردد از بر افتادن عکس او بر اجزای بخار
آنگاه رنگهای قوسی کمتر باشد بحسب آن سبب، اینست سبب پدید آمدن
قوس قزح و اختلاف الوان، و وقت بود که از ماه شب چهارده چون
بافق نزدیک بود قوس قزح پدید آید ولیکن رنگهای او نیک روشن نباشد
کمتر از لون قوس قزح آفتاب بود، و وقت باشد که باران می آید
و همچنانکه این عکس آفتاب در اجزای بخار ظاهر می شود در قطره های
باران نیز ظاهر می شود، و از قطره های باران هر کدام که بآن موضع می رسد
۲۰ که خط انعکاس او بقرص آفتاب پیوندد این عکس در او پدید آید،

باب ہشتم

در سببِ پدید آمدنِ خرمنِ ماہ

خرمنِ ماہ را بتازی ہالہ[1] خوانند واین دائرۂ باشد روشن، گرد ماہ درگرفتہ، چنانکہ ماہ مرکز آن دائرہ باشد۔ وسبب پدید آمدن آن ہمانست کہ سبب پدید آمدن قوس قزح، ہرگاہ کہ ماہ برمیان آسمان بود۔ و میان بصر ما ومیان ماہ ابرے باشد رقیق ولطیف وتر و در لطافت ورقت چناں بود کہ مانع نگردد از دیدن جرم مہ و نفوذ کردن روشنی او، وچون این ابر صقیل بود مہ را دریک جزو از اجزاء او بتوان دید وآن جزو آن باشد کہ بوضعی ونسبتی بود کہ اگر بجای او آئینہ باشد درآن آئینہ بتابد پس ہرچہ در آئینہ بیند از یک موضع اگر آئینہ ہا بسیار باشد بگرد آن چیز درگرفتہ وہمہ برآن نسبت و وضع باشند بہ آن چیز کہ آئینہ اوّل است۔ شک نیست کہ آن چیز را دران ہمہ آئینہ ہا بتوان دید۔ وچون آئینہ ہا بہم پیوستہ باشند۔ آن عکس در ایشان پدید آید۔ نیز بہم پیوستہ باشد، پس شکلِ دائرہ نماید، وتمامت وروشن گشتنِ این سخن ہمانست کہ درباب قوس قزح یاد کردیم۔ کہ چون اجزا خورد باشد از بخار بہم پیوستہ و صقال یافتہ ہریک بشکل آئنہ باشند خورد، وچون شعاعِ بصر بہ یکی پیوندد از او منعکس شود، اگر آن جزو یا[2] ماہ بر دو وضعی بود کہ خطِ انعکاس بادر رسد روشنی ماہ درآن جزو بتابد، وبسببِ خردی

---

[1] فلکی تشبیہ قوس قزح سے آسمان عظمی اسلئے قزوینی نے اسکو قوس قزح سے پہلے لیا ہے۔ دیکھو عجائب المخلوقات صـ۱
[2] ا؛ متوان سکم آ: اینہا سکہ یا ماہ بر وضعی ؛

آن جزو شکل ماه نماید، پس چون اجزا بهم پیوسته باشند و شعاع
بر زاویهٔ مساوی اتصال منعکس شود و ابعاد این اجزا از ماه یکسان
باشند از همه جوانب ماه شعاع بصر منعکس شود و بماه برسد، و شکل
دائره روشن پدید آید، امّا میان گاهِ که بدان سبب روشن نماید که
آن بخار که درمیانه باشد نیک لطیف بود چون بجرم قمر نزدیک تر بود
بسبب غلبهٔ نور قمر نتابد، و چون دورتر بود بتابد این بر مثال ذرّه در آفتاب
نیست که ذرّه در نور آفتاب تابد و درمیانه نتابد بلکه این همچو کواکب اند
متنفی گردند و نتابند از غایت نور آفتاب و بشب ظاهر گردند، پس
باین سبب میانه آن دائره چنان نماید که خالیستی از ابر،

۱۰ و وقت باشد که بی آنکه باران بارد از زمین بخار برخیزد در شب
گشاده هاله پدید آید و این در شبهای سرد زمستانی بود، زیرا که بجوّ پر سرما
در هوا اندک رطوبتی پدید آید، و چون هیچ غبار و دود نبود صقالت
و زوالیش آن رطوبت باطل نشود، پس شعاع بصر منعکس شود هاله
پدید آید، و باشد که در زیر آفتاب (و) ستارگان روشن هاله پدید آید،

باب نهم

در سبب پدید آمدن صواعق و کواکب منقضّه و ذوات الاذناب و دیگر علامات که در هوا پدید آید

امّا صاعقه برقیست که از هوا بزمین آید و پیش از این سبب پدید آمدن
برق یاد کردیم، پس هرگاه که آن مادهٔ برق بسیار باشد چنانکه حالی فرو

له آ: بتابد،

نیرو و این ابرِ غلیظ که از بالا بزیر می آید بر این مادۂ برق زنند و او
را به قهر و قسر و به سرعت و وقت تمام سوی زمین فرستند، و چون بزمین
رسد او را صاعقه خوانند، و آتش او آتشی باشد لطیف در چیزهای
نرم که رخاوت و سستی دارد چون جامها و امثال آن نفوذ کند و
بسرعت عظیم ازان بگذرد چنانکه دران هیچ اثر نکند، امّا در اجسامی که
صلابتی دارند نفوذ نتوانند کرد با ایشان مصادمت کند و ایشانرا بشگافد
و بسوزد و بریزد،

و در کتب آورده اند که این آتش بر کیسه زند که در او زر و سیم
بود، کیسه را نسوزد و زر و سیم که در کیسه بود بگدازد و همچنین بر ساخت
آید و دوال را نه سوزد و زر و نقره ساخت را بگدازد،

و حاجیان معتمد حکایت کرده اند که در این سال سنه خمس که گذشت
در بادیه صاعقه بارید و بر شتر و بار زد و جوال و پلاس و جامهٔ شتر
بسلامت ماند و رختها که در جوال بود چون کاسه اندزیرو آفتابهٔ مسین
و مثال آن، بگداخت، و بعضی چیزهائی خاکستر گردید و جامهای تن بسلامت
ماند و پشم و موی شتر و بلکه پوستِ او جمله بسلامت بود بر حال خویش،
امّا استخوانهای او از هم فرو ریخت و نیست شد،

و در ولایتِ فرغانه درختی دیدم عظیم شگرف که صاعقه بر او زده
بود و سرتا پای او بدو نیم فرود آورده و یک نیمه افتاده و یک نیمه همچنان
برقرار مانده بود،

و بسیار باشد که صاعقه بر کوه زند و کوه را بشگافد،

و مشهور است که منارهٔ مسجد جامع شهر هزار در ان شصت هفتاد سال

۱؎ آ؛ مصادمت ۲؎ دیکھو عجائب المخلوقات ص۹ س ۲۷ ۳؎ آ؛ ساخت ۴؎ آ؛ چیزهای
۵؎ عجائب المخلوقات ص۹ س ۲۸،

است که از سر تا پای بدو نیمه کرده بود،

اگر این ماده صاعقه غلیظ و قوی باشد چون بر زمین زند فرو شود و حرارت از او مفارقت کند و آن ماده منعقد شود و او آن جوهر باشد که او را درخش خوانند، و بعضی مردمان پندارند که الماس آنست،

و امّا کواکب منقضّه آنست که عوام پندارند که ستاره ایست که از آسمان فرو ریخت و بدین سبب او را کواکب منقضّه خوانند و در اثناء بیان سبب پدید آمدن او و حقیقت او معلوم گردد که چیست،

و سبب پدید آمدن او آنست که چون بخار دخانی از زمین بر خیزد و بهوا بر شود و از هر چهار طبقهٔ هوا در گذرد و بمرکز آتش رسد آتش ۱۰ در او گیرد و شعله زند و این شکلهای مختلف تواند بود، و اگر دراز باشد آتش از سر او در گیرد و بر او می رود تا باخر او رسد، پس اگر ماده غلیظ نباشد آن آتش زود فرو میرو، چنان نماید که ستارهٔ از آسمان برفت و فرو ریخت و بهر شکل و وضع که این ماده را باشد چون آتش در او گیرد بهمان شکل نماید،

و وقت باشد که باریک تر و اندک تر باشد و وقت باشد که بیشتر و قوی تر، و اگر این ماده غلیظ تر و قوی تر افتاده باشد چنانکه آتش در او گیرد زود سپری نگردد آن آتش همچنان افروخته می ماند، و باشد که آن ماده چنان قوی و غلیظ بود که یک دو شبانه روز یا بیشتر بر دارد و از اجزای آتش آنچه بسطح فلک قمر نزدیک تراست و باو متشبث گشته است ۲۰ چون فلک قمر بگردد آنرا با خویشتن بگرداند، پس اگر این مادهٔ دخانی شعله زده بآن چیز رسیده و با فلک قمر میگردد و او را طلوع و غروب پدید آید

ﻪ دیکهو عجائب المخلوقات صـ۹۱ س ۱۹

و این بر اشکال مختلف باشد، گاه بشکل نیزه باشد وگاه بشکل عصای و گاه بود که سر او گرد گشته بود، تا چنان نماید که ستاره ایست که او را دنباله و ذوابه پدید آمده است و این شکل را کواکب ذو ذوابه و ذوالذنب خوانند،

و اگر این ماده گرد باشد چنانکه شکل طبیعی اجسام بسیط است و بسیار غلیظ بود و آتش در او گیرد مانند قرص آفتابی بود که بر آسمان پدید آید و باشد که چند شبانه روز بر دارد و با فلک حرکت کند، و اگر این ماده مستعد شعله زدن نباشد از غلظتی که داشته باشد چون آتش بدو رسد سرخ می نماید، و باشد که آتش او را بسوزاند و به سببی از اسباب از حیز آتش فروتر آید یا خود بحیز آتش نرسیده باشد و هم در طبقهٔ چهارم قرار گرفته باشد بحکم غلظتی که او را بود و یک جزو از اجزای او که خفیف تر بود بآتش رسد و در گیرد و آتش باز پس آید تا بدان ماده رسد و در او گیرد و آن جزو خفیف مستطیل گشته باشد بسوزد و نیست شود و آن مادهٔ غلیظ تا مادام که آتش در او گرفته بود سرخ بود، و چون آتش از او مفارقت کند همچون پاره انگشت سیاه می تابد،

و وقت باشد که مادهٔ این بخار دخانی بود و بسیار بود چنانکه یک سر او بآتش رسد و دیگر سر هنوز از زمین منقطع نه گشته باشد، پس می آید تا بزمین رسد و هرچه بآن ماده متصل بود بسوزد بر مثال[1] آنکه چراغی را بکشند و در زیر چراغ دیگر دارند تا دود و بخاری که از چراغ گشته بر می خیزد بشعلهٔ چراغ افروخته رسد و به سبب دسومتی که در او باشد افروخته شود و باز پس می آید تا به فتیلهٔ چراغ رسد و او را در گیرد

[1] یہی مثال قزوینی نے دی ہے دیکھو عجائب المخلوقات ص۹۱ س ۲۲

پس حال این بخاری که از زمین برخیزد همچنین بود،

باب دهم

در سبب[1] پدید آمدنِ بادها

بباید دانستن که حقیقت باد هوائیست متحرک و پدید آمدن او بر دو وجه است:

یک وجه آنکه حرکتی در هوا حادث شود به سببی از اسباب چنانکه یاد کنیم بی آنکه جوهر هوا حادث گشته باشد،

و دوم وجه آنکه جوهرِ هوا و حرکت او هردو حادث گشته باشند،

امّا وجه اول سبب او بدو قسم است:

10 اوّل آنکه کیفیّتی در هوا حادث گردد که آن کیفیّت موجبِ حرکت او باشد،

دوم آنکه چیزی خارج از ذاتِ او[2] او را تحریک کند بی آنکه هیچ کیفیّتی در ذات او حادث شود و آن کیفیت که در ذات او پدید آید یا حرارتی بود یا برودتی، پس پدید آمدن باد را بر وجه اوّل دو سبب است:

یکی حادث گشتن حرارتی در هوا،

و دیگر حادث گشتن برودت،

و سه دیگر سبب از خارج که متحرکِ او باشد، امّا سببِ اول و آن پدید آمدن حرارت است در هوا،

---

[1] دیکھو قزوینی ص۹۲
[2] آ: او و

باید دانستن که فعل حرارت تفریق و بسط کردن و پراگنده کردن است و فعل برودت جمع کردن و فراهم کشیدن، پس هرگاه که جانبی از جوانب هوا در تابستان به سبب تابش آفتاب نیک گرم گردد انبساطی در او پدید آید، و مثال آنکه چیزی متخلخل شود و بدین سبب حجم او بیشتر گردد، پس هوای را که مماس و مجاور است دفع کند تا جای او بگیرد[1]، پس بدان سبب حرکتی در هوا پدید آید، و آن هوا متحرک باشد،

و اگر کسی خواهد تا زیادت گشتن حجم چیزی به سبب حرارتی که در او پدید آید مشاهده کند، باید که آفتابه را پُر آب کند چنانکه بمقدار ناخنی یا کمتر بماند تا بلب رسد، پس پیش آفتاب بنهد تا آب نیک گرم ۱۰ شود، هرچند آب گرم تر میشود حجم او بیشتر می گردد، تا چنان شود که آفتابه بسر بشود و از لبهای او آب روان گردد، شک نیست که ماده آب زیادت نه گشته است بل حجم و مقدار او زیادت شده،

و در علم حکمت تحقیق این سخن کرده اند و برهان نموده بر آنکه مقادیر اجسام عرضی است نه ذاتی، و روا بود که مادهٔ جسم بر حال خویش بود و عرض او مختلف شود، و اینجا موضع تحقیق آن نیست بمصادره فرا باید گرفتن که حرارت سبب زیادت گشتن حجم و مقدار جسم باشد، اعتبار باید کرد حال گرم گشتن آب را تا طمانیت حاصل آید،

و سبب دوم و آن حادث گشتن کیفیت برودت است در هوا،

باید دانستن چنانکه حرارت سبب زیادت گشتن حجم و مقدار است ۲۰ برودت سبب نقصان اوست و از این سبب است که چون آب در

---

[1] آ: گیرد

کوزه یخ بست و حجم او اندک تر گردد تا اگر کوزه سر تنگ باشد چون آب در او یخ بسته شود بشکند، و سبب شکستن آن است که اوّل روی آب یخ بندد، پس آن آب که درمیانه‌گاه کوزه است، و چون کوزه سر تنگ بود زیر آب و روی او یخ بست مابقی ندید از نفوذ کردن هوا در کوزه، پس چون باقی آب یخ بندد حجم او خورد تر شود و بهم در کشیده گردد، پس اجزای کوزه را از همه جوانب بخویشتن درکشد که اگر در نکشد لازم آید که آن یخ از همه جوانب یا از بعضی مماس سطح کوزه نماند[1]، پس فرجه پدید آید میان سطح کوزه و میان یخ و آن فرجه خالی نتواند بود از جسمی که خالی بودن احیاز[2] و مواضع و جایگاها از اجسام

۱۰ محال است که ابطال خلا مُبرهن است،

و چون سر کوزه استوار شده است هوا راه نیابد تا در او آید، و دران فرجه قرار گیرد، و هیچ جسم دیگر نیست که قائم مقام آن آب شود که دران مکان بوده است، پس چون فرجه از این جسم نتواند بود و هیچ جسم بدان فرجه نمی باید، لازم آید که آن آب که یخ گردد سطح کوزه را با خویشتن درکشد، و این سخن از فروع و شعب مسئله خلا فست و تحقیق او لائق این موضع نیست، امّا این قدر اشارت کردن رخصت است و عیب نبود،

و مقصود آنست که چون جانبی از جوانب هوا نیک سرد شود، آن سرما او را منقبض گرداند و خویشتن را درهم زند حجم او بدین سبب اندک

۲۰ تر شود، پس هوای که مجاور او در جهت او حرکت کند تا آن موضع را که از او خالی میگردد دگیرد، پس معلوم شد که حرارت و برودت هوا سبب

---

[1] صحیح وجہ برتن کے ٹوٹنے کی یہ ہے کہ پانی کا درجۂ حرارت جب گھٹتا ہو تو ۴ درجہ کے درمیان پانی پھیلتا ہے اور اسکا حجم بڑھ جاتا ہے۔

[2] ی: نماید [3] آ: احیاز

حدوث حرکت میگردد در او ، و اما آن سبب خارج از جوهر هوا که او را
تحریک کند آن باشد که بخاری از زمین برخاسته بود بر هوا میشود۔
و چون بمرکز زمهریر رسد سرمای سخت بر او زند و او را ابری گرداند
غلیظ و ثقیل و بسرعت عظیم از بالا باز گردد بسوی زمین می آید لابد
هوا که در زیر او باشد دفع میکند و خویشتن را راه میکند و بدان
سبب حرکتی در هوا پدید می آید ، و هر باد که بدین سبب بود آغاز
و ابتدای جستن و وزیدن او از بالا بود ، اینست سبب پدید آمدن
بادها بر وجه اول ، یعنی حادث گشتن حرکت در هوا بی حدوث جوہر
و اما بر وجه دوم که جوهر هوا حادث گردد سبب او ماده او به
دو گونه است :
یکی آنکه بخار تر از زمین بر می خیزد بدان سبب که معلوم گشته
است ، و گرمای هوا و تابش آفتاب آن بخار را لطیف تر و خفیف تر
می گرداند ، پس هم در حال که از زمین برخیزد جوهر هوا می گیرد ،
و دوم آنکه بخار خشک از زمین برخیزد و به هوا بر شود و قصد
حیز اثیر کند ، چون بمرکز زمهریر رسد سرما بر وی زند ، از حرارت
و یبوست چیزی نقصان کند و جوهر هوا گردد ، و آن ابر غلیظ که گفتیم
بر او زند و او را باز پس گرداند اینست تولد بادها ،

باب یازدهم

در سبب زلزله

هرگاه که در زیر زمین بخار تر یا خشک یا هر دو تولد کند ، بدان سبب

سنہ جیکھو ترزوبی ۱۳۶

که معلوم گشت، و آن زمین سخت باشد و مسامها بسته آن بخار از او بر نتواند آمد هم در وی محتقن بماند،
وچون مقدار او بسیار بود و حرارتش زیادت گردد آن حرارت قوتی کند تا بروی زمین آید و چون زمین سخت باشد و مسام بسته راه نیابد به بر آمدن از قوت و اضطراب او آن زمین بجنبد،
پس اگر قوت او چندان بود که زمین را بتواند شگافت بشگافد و بر آید و زمین ساکن شود، و اگر برودت زمین حرارت او را کسر تواند کردن هم درانجا قرار گیرد و زلزله نیز فرو نشیند، و اگر بر یک دیگر غالب می گردد چنانکه مقاومت می باشد میان ایشان زلزله می
۱۰ باشد، و بیشتر زلزله که افتد در کوهستانها افتد، اما در زمین شوره ناک و ریگناک وسست زلزله نیفتد، اگر افتد نادر بود بحکم آنکه این زمینها را مسام گشاده بود بخار در او محتقن نشود، و وقت باشد که آن ماده که محتقن گشته است بسیار بود و در اجزای زمین حرکت کند و بدان سبب آوازی و طنینی از زمین بر آید
وبسیار بود که چون زلزله فرو نشیند و موضعی از زمین شگافته شود، از انجا چشمه روان شود و بود که آتش بر می آید،
اما سبب روان شدن آب آن باشد که در زمین آب تولد کرده باشد به سببی از اسباب که درباب دیگر بیان کنیم و راه نیابد تا بیرون آید، چون شگافته شود راه پدید آید و این چنین در کوه پایها افتد،
۲۰ و اما سبب بر آمدن آتش آن بود که آن محتقن بخاری باشد دخانی و در او دهنیتی و دسومتی باشد حرارت او نیک بسیار بود، چون بقوت

تمام زمین را بر درد و از او بر آید از شدت آن حرکت حرارت
زیادت گردد و آتش شود و شعله زند، و اگر آن مادۂ لطیف تر
بود و آن شعلہ نیک غلیظ بتابد مانندِ نوری بود کہ بر می آید،
و بسیار بود کہ بی آنکہ زلزلہ آید از زمینہای کہ دراو بادہای
وسیم بود، چون زمینہای گورستان و امثال آن روشنائی پدید
آید، و تا کسی راگمان نیفتد کہ پدید آمدنِ نورہا جز بدین سبب
نباشد کہ خدای تعالیٰ قادر است کہ در مواضع متبرکہ و مزارہای
فاضل نورہا آفریند اظہارِ کرامت شخصی را یا بقعۂ را، و این سبب
کہ ما بیان کردیم منافی آن نیست، و انکار کردنِ این کرامت از
ضلالت و جہالت بود، نعوذ باللہِ منہا،
و اما سبب بر آمدن باد آن باشد کہ در باب ما تقدّم ذکر کردیم
کہ آن مادۂ محتقن بخاری باشد خشک، چون از او منقطع نگردد و دائماً
از ان شگاف بر می آید و در حال جوہرِ ہوا می گردد، و نیز باشد
کہ در حال ہوا نشود و ہمچنان بخار نماید و بہوا بر شود،

باب دوازدہم

در سبب[1] پدید آمدن چشمہای آب

تولّدِ آب از زمین ہمچون تولّد ابر بود در ہوا، ہر گاہ کہ بخاری در
زمین محتبس بماند و بجائی میل کند و برودت بر او غالب شود
صفت آبی باو باز آید، و چون مدد بسیار یابد و در زیر زمین نگنجد

[1] دیکھو قزوینی صفحہ ۱۵۱

قوت کند و زمین را بشگافد، و بعید نبود که بدان سبب نیز زلزله
بود و تا مادام که مدد می یابد آن[1] آب روان می باشد، و چون
این چشمها روان شوند و بیکدیگر پیوندند و از برفها که بر سر کوه ها
بگدازد مدد یابند جویها[2] و رودها شوند و در دوودها و دریا و
مستنقعات جمع گردند و آفتاب در تابد و بخارها از آن بر انگیزد و
آن بخارها بهوا بر شوند و ابر و باران گردند و بر زمین ببارند و زمین
فرو خورد و دیگر بار[3] به سبب حرارتی بخار گردد، و بعضی بهوا بر آید،
و دیگر بار ابر شود، و بعضی در زیر زمین بهم جمله شوند و مادهٔ آب چشمه
گردند و همچنین علی سبیل الدور ابد الدهر می باشد بفرمان خدای عز و جل
و شاید که به سبب دیگر چشمها پدید آید و آن سبب آن بود که
برف بر بالای کوه می گدازد و بزیر می آید، چون بزمین که سنگ
ریزه آمیز بود فرو خورد و همچنان در نشیب می رود چندانکه راه
می یابد، و اگر نیابد[4] سوی نشیبی در مسامهای زمین پراگنده شود و
بجا و که راه می یابد بیرون می آید، و آب ها که در چاهها جمله آید
همچنین جمله شود یعنی بطریق ترشیح
و چون اتفاق افتد که در این آب جوهری باشد که در آب
بگدازد چون گوگرد و نمک و امثال این از آن جوهر چیزی با آن آب
بیامیزد و آب طعم آن چیز گیرد و همچنین رنگ و بوی آن چیز، و
از این سخن بر این قدر اختصار کردیم،

---

[1] آ: و جویها [2] آ: و آن
[3] و: باز [4] آ: نیابد، قزوینی نے اسکو زیادہ مفصل بیان کیا ہے۔

باب سیزدہم

(در سبب[1] پدید آمدنِ معدنیات از سیم و مس و امثال این

بباید دانستن که جوہر معدنِ از امتزاج بخار مائی و بخار دخانی تولد می کند که چون این دو بخار نضج یابند و بہم بیامیزند بحسب اختلافِ آمیختنِ ایشان با یکدیگر در کمیّت یعنی مقدار و اندازۂ ہریکی و در کیفیت یعنی نضج و حرارت و برودت و رطوبت و یبوست مزاجی خاص دران مرکب پدید آید که بحسب آن مزاج مستعدِ قبول صورتی خاص گردد و چون استعدادِ پدید آمد[2] فرشتۂ که پدید آرندۂ صورتہا ست بامرِ خدای عز و جل آنصورت در او پدید آرد[3]،
ومعدنیات بر دو قسم است:

یک قسم حجریات اند که زخم دار نباشند یعنی در زیر خاپسک پہن نشوند و بآتش نرم نگروند و نگدازند، و این مانند لعل و فیروزه و یاقوت و بلور باشد،

و دیگر قسم منطرقات اند که زخم دار باشند و بآتش بگدازند، چون زر و سیم و مس و قلعی و آہن و اسرب و خارچینی که اورا آہن چینی خوانند، و این زخم داری و آن طباع بہ سبب رطوبت لزج است که در ایشان مانده است و آنرا دھنیت خوانند و حجریات را از این رطوبت لزج نیست،

---

[1] دیکھو تحریفی صفحہ [2] آ: آمدن [3] آ: آید

و مادۂ حجریات بخاری است مائی که نضج عظیم یافته بتاثیر حرارت
آفتاب و صفای عظیم پذیرفته پس منعقد و منجمد گشته، و انعقادِ او
سبب حرارت است که حرارت نیز بعرض نه بذات سببِ انعقادِ
بعضی چیزها گردد ازان وجه از بهر آن حرارت سبب[1] خشکی و یبوست آن
چیز گردد و یبوست پدید آید و آن ماده لزج گردد لزوجتِ آن امتزاج
مائی است باجزای ارضی و چون حرارت نیک بافراط کشد آن رطوبت
لزج نیک اندک شود و یبوست و خشکی عظیم پدید آید و آن ماده منعقد
گردد، و باشد که تاثیراتِ آن حرارت سخت بسیار گردد و بدان سبب
دیگر بار انعقاد باطل شود، امّا گداخته نگردد که گداختن را رطوبت لزج
۱۰ باید، و چون دران ماده هیچ رطوبت نمانده باشد بگدازد، امّا متفتت
شود یعنی ازهم فرو ریزد،

و مثل این آنست که چون آب را با خاک بیامیزیم و گل کنیم و با
یکدیگر شان نیک سرشته کنیم و لزوجتی دران گل پیدا آید و چون
آن گل پیشِ آفتاب نهیم حرارت در او اثر کند و رطوبتش کمتر
شود و لزوجتِ زیاده، و چون ازان گل لزج تنوری سازیم یا خشتی و
در آفتاب نهیم حرارتِ آفتاب آن رطوبت را نیک اندک کند و یبوست
پدید آرد و خشک گردد و منعقد شود، و چون در داش نهیم و آتش
کنیم آن اندک رطوبتی که در او مانده باشد نیست گردد و یبوست و
خفاف زیادت شود و منعقد تر شود یعنی صلب تر گردد و سفال شود
۲۰ یا خشت پخته، چون فعلِ حرارت و تاثیرِ او از حد بگذرد و بافراط کشد
یبوست نیز بافراط کشد و در او جز اجزای ارضی یا آتش صرف نماند[2]

---

[1] سببی [2] آ: نماید،

متفتّت گردد و از هم فرو ریزد مانند خاکستر، و پدید آمدن کوهها بدین[1] طریق
است که سنگ خاکی است که[2] تاثیر آفتاب در روزگارهای دراز منعقد
گشته است همچنین که گفتیم، و ریگ اجزای سنگ است که از غایت
یبوست از هم فرو ریخته است در قرنها و دورها، و چون در اجزای ریگ
نگاه کنیم بعضی را ازو سرخ بینیم و بعضی را زرد و سیاه و سفید و
رنگهای مختلف که انواع سنگها را بود،
مقصود آنست که چون انعقادِ این جواهر حجری به سبب برودت
نیست به سببِ حرارت نگدازد[3]، و به سببِ حرارت آن چیز گدازد که
سبب برودت منعقد گشته باشد مانند شمع و روغن و امثال این،
امّا انعقاد جواهر زخم دار به سبب برودت است و آن رطوبتِ ۱۰
لزج که بر ایشان نمانده است بدان سبب با آتش گداخته گردند، و این
جواهر زخم دار که بر شمردیم اصحابِ صناعت کیمیا اجساد سبعه خوانند، و
مادّهٔ[4] ایشان از این دو بخار مائی و دخانی است، هرگاه که این دو بخار
بتاثیر حرارتِ آفتاب نضج یابند و متشابه الاجزا گردند و صافی شوند
و پس از این برودتی بدیشان راه یابد بدان سبب منعقد شوند،
آنچه از مادّهٔ بخارِ آبی منعقد گشته باشد جوهر سیماب بود، و آنچه از مادّهٔ
بخارِ دخانی منعقد گشته باشد کبریت، و چون سیماب خالی نیست از اندکی
مقداری اندک و لطیف از اجزای بخارِ خشک یا[5] و یبوستی که در
اوست بدین سبب است، و هیچ مقدار سیماب نبود که سطح او از آن،
یبوست خالی بود و بدین سبب است که چون دست بر او نهی در
دست نیاویزد، و جوهر کبریت نیز خالی نیست از اندک بخار مائی و اجزای

---

[1] آ: بد این — [2] دیکھو قزوینی ص ۱۴۹ [3] ۵: بگدازد [4] دیکھو قزوینی ص ۲۰۲ بقول ہیوم یارڈ (دیکھو رسالہ اسلامک کلچر ج ۲ نمبر ۳ بابت جنوری ۱۹۲۸ء ص ۱۲۰) معدنیات کی پیدائش کا یہ نظریہ آٹھویں صدی عیسوی میں جابر بن حیان نے قائم کیا تھا۔ اور موصوف کی رائے میں بہرحال یونانیوں کے نظریوں سے بہتر تھا۔ [5] آ: یا د

ہوائی با یکدیگر نیک بر آمیختہ اند و مخمر گشتہ بآن مادہ مانند روغنی شدہ
است و چون اجزای مائی وہوائی آن مادہ اندکی زیادت شود چون
منعقد گردد آن جوہر نفط باشد'

و اصحاب صنعت کیمیا سیماب را اُم الاجساد خوانند و کبریت را
ابو الاجساد کہ تولد اجساد سبعہ از این دو جوہر است'

امّا تولّد زر چنان بود کہ این دو مادہ پس از انکہ نضج و صفلی عظیم
یافتہ باشند بسببی از اسباب بیکدیگر راہ یابند و ممتزج گردند امتزاجی
قبول در قدر چنانکہ ہیچ بر یکدیگر غالب نباشند لکذا و پس از این امتزاج
نیز نضجی دیگر یابند و نیک متشابہ الاجزا شوند پس (بسبب؟) برودت منعقد
گردند' آما منعقد جوہر زر باشند'

و امّا جوہر نقرہ' اگر این دو مادہ کہ گفتیم متزاج چنان کنند کہ سیماب
غالب باشد و پس از امتزاج نیز نضجی تمام یابند پس منعقد گردند' آما
منعقد جوہر نقرہ باشد'

و آما مس' اگر امتزاج این دو مادہ چنان بود کہ بخار کبریتی بمقدار
زیادت بود و پس از امتزاج نضجی یابند پس منعقد شوند آن جوہر
مس باشد'

اما قلعی اگر این امتزاج چنان افتد کہ مادۂ سیمابی غالب بود' آما
پس از امتزاج ہیچ نضج نیابد و منعقد گردند آن جوہر قلعی باشد' و بسبب
آنکہ نضج تمام نیافتہ باشند پس امتزاج و اجزای ایشان متشابہ نگشتہ
باشد ہوا در میان اجزای آن مادہ بماندہ باشد و چون منعقد شود آن
ہوا در این میانہ گرفتار شود و بدین سبب است کہ متخلخل باشد و چون

لہ ان دھاتوں کے تولد کے لیے دیکھو قزوینی ص۲۰۰ جبعد'

قوّت کنی صریری پدید آید که به سبب آن هواست که در میانهٔ اجزای او مانده باشد،

امّا آهن، چون این دو بخار نیک و صافی نباشند و نضج تمام نیافته باشند پس بهم بیامیزند با عتدالِ کمیّت و مقدار پس از امتزاج نضج یابند پس منعقد گردند جوهر آهن بود،

امّا اسرب، چون این دو بخار صافی نباشند و باندک غباری آمیخته باشند امّا نضج تمام نیابند پس باهم بیامیزند و بخار سیماب غالب باشد در قدر، و پس از امتزاج نضجی دیگر نیابند همچنان منعقد شوند آن اسرب باشد، و این چنان بود که انعقاد او بر عقب امتزاج باشد چنانکه هنوز تمام ممتزج نگشته باشند، و جوهر سیماب و جوهر کبریت در او نیک تمام مستحیل نشده باشد، و بدین سبب است که چون او را بسوزی سرخ گردد و جوهری شود آنرا اسنج گویند و آن رنگی باشد که نقاشان بکار برند،

و فرق میانِ شنگرف و سنج آنست که شنجرف از سیماب و کبریت صافی سازند، و سنج از آن اسرب که سیماب و کبریتی در وی صافی نیست و بسمرقند سنج این شنگرف را خوانند و شنگرف دو سه خوانند،

[illegible] خار[illegible] چینی، چون این بخار بغایت صافی باشند و نضج تمام یابند و باعتدال با یکدیگر بیامیزند چنانکه هیچ یک غالب نباشد، امّا پس از آمیختن نضجی دیگر یابند و زود منعقد گردند آن جوهر آهن چینی بود، و فرق میان این جوهر و جوهر زر [illegible]ست که جوهر زر آنست که جوهر زر را پس از امتزاج آن بخار نضجی دیگر پدید آمده است و جوهر خارچینی را نیامده، و از احوال معدنیات بدین قدر اختصار کردیم تا دراز نشود، و این رساله را بدین ختم کردیم و بالله التوفیق ٭

سلے و: آنرا

فرہنگ

رسالہ در معرفت عناصر و کائنات الجو

الفاظ کے بعد حوالے صفحات کے ہیں اور صفحہ کے اوپر جو ہندسہ لکھا گیا ہے ، اس سے مراد سطر ہے ۔

آتش در زیر دیگ بستن (۴۹/۱۲) دیگ کے نیچے (مسلسل) آگ جلانا۔

آہن چینی = خار چینی (۷۹/۱۵)

ابوالاجساد (۸۲/۵) = کبریت (اصطلاح کیمیا)

اجابت قوت کردن (۵۵/۲) ؟ react ہونا ، از ہم فرو ریزد ۸۹/۱۵ ستفت شود

استقامت خط - (۶۳/۱۵) خط کی سیدھ

افسرانیدن ، بفسرانند (۵۹/۶) جما دینا - منجمد کر دینا

امّ الاجساد (۸۲/۴) = سیماب (اصطلاح کیمیا)

باز ہم گرفتن دو جسم (۵۵/۲۱) دو جسموں کا آپس میں ٹکرانا

پراگند (۵۲/۱۶) مضارع پراگندن کا ، ہر تا ما دام کہ = تا وقتی کہ (۷۱/۱۲ و ۷۸/۲)

ترابیدن (۴۸/۱) = ٹپکنا ۔

جستن باد (۵۳/۱ ، ۵۰/۱۷) ہوا کا (دفعتًہ) چلنا ۔

جلّاب (۴۰/۷) شکر اور پانی کا مرکب ۔ محیط المحیط میں ہے کہ جلاب اس پانی کو کہتے ہیں جس میں منقی کو کچھ عرصہ تک بھگو کر رکھا جائے ۔ (ڈوزی تکملۂ لغات ہائے عربی) بعض فارسی اشعار میں یہ لفظ بہ تخفیف بھی آیا ہے ۔

خایۂ سیک جملہ شدن (۷۰/۱۹) جمع ہونا (۷۹/۱۵) پنک ہنظر (تذ دبربان)

خنُور ۔ (۴/۴۹) برہان میں ہے کہ خنور آلات و ضروریات خانہ وظروف و اوانی و کاسہ و کوزہ و خم و امثالِ آن باشد' (خَنْبُور بھی درست ہے)' بظاہر متن میں صراحی کی طرح کی کوئی چیز مراد ہے ۔

داش ۔ (۱۴/۸۰) کورہ کہ خشت و خم و کاسہ و کوزہ و امثال آن دران بہ پزند (برہان)' a potter's furnace

دُرخش (۱۶/۷۰) ایک قسم کا جوہر' دیکھو متن میں اسکا حال'

زخم دار (۷۹ ") متطرقہ' malleable × نزوالیش (۳/۱۱ و ۸۰) مقالات

زرف (۲/۵۴) آواز زرف = کڑک

ساخت (۹/۶۹) یراق و بند و بار زین اسب' برگستوان (برہان)

سرما (۵/۸) مطلق سردی

سست (۵/۵۱) زمین سست ضد زمین سخت ہے' یعنی نرم زمین جسکے مسام کشادہ ہوں ۔ (۱۱/۶۹) ریتلی زمین

سُفل ۔ (۱۳/۵۴ ، ۱۹) نیچے کی جانب

سَنج ۔ (۱۲/۸۴) چون اسرب را می سوزند سرخ گردد و جوہری شود آن را سنج گویند و آن رنگی باشد کہ نقاشان بکار برند (متن) Red lead'

شٹائن گاس نے سنج کے معنی شنجرف لکھے ہیں۔ بقول صاحب متن یہ مخصوص سمرقند ہے

سوختہ (۵/۴۴) حراقہ' لتہ = رگوئی[1] سوختہ کہ بدان آتش از آتش زنہ گیرند (برہان) ۔

ضوء ۔ جمع اضواء (۵/۸۰) روشنی کی کرنیں (لین)

غرجستان سمرقند ۔ غرجستان کو سمرقند کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' معجم البلدان

---

[1] رگوئی = کہنہ ولتہ مستعمل (برہان)

ج ۲ ص۵۸۹ پر غرجستان کے حدود یوں دئے ہیں: شمال میں مروالرود
جنوب میں غزنہ، مشرق میں غور، مغرب میں ہرات، دیکھو لیسٹرینج کی کتاب
Lands of the Eastern Caliphate کا نقشہ نمبر ۸، سمرقند اور اس
کے درمیاں سیکڑوں میلوں کا فاصلہ ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
ج ۲: ص۱۴۱ پر ہے کہ غرجستان افغانی ترکستان میں مرغاب کی بالائی
وادی میں واقع ہے۔ ظاہراً متن رسالہ میں غرجستان (سمرقند) ہوگا
(یاقوت کے نزدیک صحیح نام غرشستان ہے اور غرجستان عامی تلفظ
ہے) فراہم آوردن وکشیدن (۲۱۳ و ۲/۲۷۳) سکیڑنا

کشادِ ہالہ (۱/۶۸) فراخی ہالہ کی ۔ ہالے کے اندر کی جگہ۔

مزملہ ۔ (۲/۹۴) بقول لین اہل بغداد کے نزدیک اس لفظ کا اطلاق ایک قسم
کے گھڑے یا مٹکے پر ہوتا ہے ۔ جسمیں چاندی یا سکے کی ٹونٹی پانی پینے
کے لئے لگی ہوتی ہے ۔ اس برتن کے اوپر ٹاٹ کا غلاف چڑھاکر برتن اور
ٹاٹ کے درمیان مٹی بھر دیتے ہیں ۔ پہلے رات کو سامد ارمٹی کی بوتلوں میں پانی ٹھنڈا
کرتے ہیں پھر ان مٹکوں میں ڈال دیتے ہیں تو ان میں وہ بدستور ٹھنڈا رہتا ہے ۔ متن سے
معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مزملے بغداد والے اپنے کوٹھوں پر بنا رکھتے تھے۔

مصادرہ (۱/۴۳) بمصادرہ فرا باید گرفتن، تھانوی نے کشاف اصطلاحاتِ فنون
(۱: ۸۲۸) پر لکھا ہے: و قد تطلق المصادرات علی مقدمات مذکورۃ فی
العلوم المدونۃ مسلمۃ فی الوقت مع استنکار و تشکیک، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

میان گاہ ہا (۲/۶۸) = میان گاہ ہا درمیانی جگہیں یا جگہ، نیز دیکھو ۳/۷۴ جہاں
میانہ گاہ آیا ہے ۔

نژم ۔ (۲/۶۰) دیکھو حاشیہ متن ہم چند (۱/۶۳) = برابر
پنجہ (۵/۵۹) اولہ،

حواشی

زکریا بن محمد بن محمود قزوینی کی کتاب عجائب المخلوقات (طبع گوٹنجن ۱۸۴۹ء) سے حواشی ذیل میں مدد لی گئی ہے اس لئے کہ قزوینی کا سن ولادت ۶۰۰ھ اور سن وفات ۶۸۲ھ ہے۔ اور تقریباً یہی زمانہ محمد بن مسعود مسعودی کا ہے۔ ان دونو مصنفوں کے بیانات میں اتنا تطابق ہے کہ اتحاد ماخذ کے سوا کوئی اور باعث اس کا قرار دینا مشکل ہے۔ افسوس ہے کہ محمد بن مسعود کے حالات معلوم نہ ہو سکے کہ ان سے یہ عقدہ حل ہونا ممکن تھا۔

ص ۳۵ س ۲۰ ظلم ۔ گویا یہ اشعار شیخ سعدی کے مشہور قطعہ کے جواب میں ہیں جو گلستان کے باب اول کی حکایت اول میں آیا ہے ۔ گلستان ۶۵۶ھ کی تصنیف ہے ۔ اور شیخ سعدی کا سن وفات ۶۹۱ھ (حاجی خلیفہ ۲: ۲۲۷) پس بظاہر رسالہ مندرجہ متن ۶۵۶ھ کے بعد تصنیف ہوا ۔

ص ۴۲ س ۱ مظفر اسفزاری۔ امام ظہیر الدین بیہقی نے اپنی کتاب تواریخ الحکما میں ان کی نسبت یوں لکھا ہے :

الفیلسوف ابو حاتم المظفر الاسفزاری کان حکیماً معاصراً للفیلسوف عمر الخیام وبینہما مناظرات ولکن المظفر عنہ بعید، والغالب علی المظفر علوم الہیئۃ و علم الاثقال والحیل وکان حانثاً رؤفاً بالمستفیدین علی خلاف طبیعۃ الخیامی، وللمظفر تصانیف کثیرۃ فی الریاضیات والآثار العلویۃ وغیر ذلک، وھو الذی عمل میزان ارشمیدس الذی یعرف بہ الغش

والعیار و صرف عمرہ فی ذلک مدۃ، فناف خازن السلطان الاعظم وھو خصّی یقال لہ سعادۃ الخازن ظہور خیانتہ فی الخزانۃ بسبب ہذا المیزان فکسرہ و فتّت اجزاءہ، و لمّا سمع الحکیم مظفر مرض و مات اسفا، (یہی عبارت بہ اندک تصرف شہرزوری نے اپنی تاریخ الحکماء میں دی ہے)

ص ۴۴ س ۱۱ جرم آفتاب گرم نیست الخ یہ بات آج کیسی عجیب معلوم ہوتی ہے!

ص ۶۱ س ۱۲ در سبب پدید آمدن قوس قزح - اس بارے میں عربوں کے معلومات کا مفصل حال انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۲ میں بذیل قوس قزح دیکھو۔ محمد بن مسعود قوس قزح کی وہی نادرست تشریح پیش کر رہا ہے جو ارسطو نے کی تھی یعنی یہ کہ بارش کے قطروں سے آفتاب کی کرنوں کے انعکاس کی وجہ سے قوس قزح پیدا ہوتی ہے، مگر مصنف کے زمانہ میں دنیا اس تشریح سے آگے نہ بڑھی تھی - اس مسئلہ کو درست طور پر حل کرنے میں اور درست سبب کے دریافت کرنے میں جو تدریجی ترقی ہوئی وہ ذیل کے بیانات سے معلوم ہوگی - جو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا سے ماخوذ ہیں:-

(۱) قوس قزح انحرافِ نور سے پیدا ہوتی ہے (Vitallio تیرھویں صدی)

(۲) پہلی کمان کرن کے دو دفعہ منحرف ہونے اور ایک دفعہ قطرے کے اندر سے منعکس ہونے سے پیدا ہوتی ہے[۱] - یعنی کرن

---

[۱] اسکی تشریح کے لئے دیکھو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور اجمالی بیان کے لئے Light & colour by Houston (London 1923) P. 4

قطرے کے اندر داخل ہو کر منحرف ہوئی ہے اور قطرے کے دوسرے سرے سے منعکس ہو کر اسی پہلو کی طرف آتی ہے جدھر سے قطرے میں داخل ہوئی تھی اور قطرے سے باہر نکلتے وقت پھر منحرف ہوتی ہے (تیادرق ۱۳۰۴ء اور ۱۳۱۱ء کے درمیان) بظاہر یہ نظریہ مصنف کی کتاب ہی میں بند رہا۔ شائع نہیں ہوا۔

(۳) پہلی[۱] کمان دہرے انحراف اور ایک انعکاس سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری[۲] (یعنی بیرونی) کمان دوہرے انحراف اور دوہرے انعکاس سے (مارکو انٹونیو' اسکا رسالہ ۱۶۱۱ء میں شائع ہوا مگر تصنیف اس سے بیس سال پیشتر ہوا)۔

(۴) اسوقت تک رنگوں کی کوئی تشریح نہ کی جا سکی تھی۔ جب ۱۶۶۶ء میں سر آئزک نیوٹن نے منشور کے ذریعہ سفید روشنی کی تحلیل کی تو رنگوں کا مسئلہ حل ہوا اور معلوم ہوا کہ مینہ کے قطرے منشور کی طرح عمل کرتے ہیں۔ دیکھو شکل۔
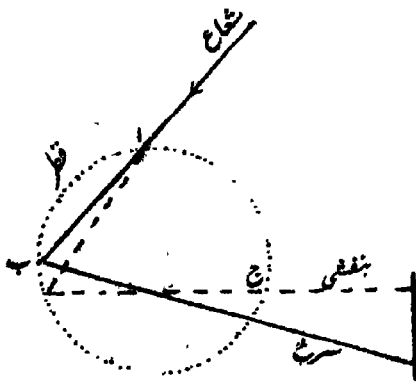
(۵) پہلی کمان کے اندرونی اور دوسری کمان کے بیرونی کنارے کے وسط کے قریب بعض رنگین پٹیاں نظر آتی ہیں جنہیں متمم کمانیں (Complementary Bows) کہتے ہیں۔ انکا سبب انیسویں صدی میں دریافت ہوا۔

Primary and Secondary Bows

ص ۶۲ س ۲ قوس قزح کے تین رنگ (زرد - سرخ - سبز) درحقیقت قوس قزح میں سات رنگ ہوتے ہیں (یعنی بنفشی، اودا، نیلا، ہرا، پیلا، نارنجی، سرخ) جنکی ترتیب سپکٹرم کی ترتیب پر ہوتی ہے۔ مگر یہ رنگ اتنے صاف نہیں ہوتے جتنے سپکٹرم میں ہوتے ہیں۔ بنفشی رنگ اندر کی طرف اور سرخ باہر کی طرف ہوتا ہے، قزوینی (صنـ) کے نزدیک قوس کے رنگ قطرات اور سورج کے رنگوں کی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں اسی لئے مختلف رنگوں کی قوسیں نظر آتی ہیں۔ بعض سرخ بعض سبز بعض بنفشی بعض ارغوانی، اکثر رنگ قوسوں کا تین رنگوں سے مرکب ہوتا ہے اور اور کا ہے اس میں پیلا رنگ بھی نظر آتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک اختلاف الوان کی وجہ قوس کے اجزاء کا سورج سے قرب وبعد ہے۔ جو حصہ سرخ دکھائی دیتا ہے وہ آفتاب سے قریب ہے، جو پیلا نظر آتا ہے وہ سرخ کی نسبت زیادہ دور ہے، ارغوانی سورج سے دور ہے - اور تاریکی سے مخلوط، اور کراثی[1] پیلے ارغوانی اور بنفشی سے مرکب ہے۔ حاصل یہ کہ قزوینی نے سات رنگوں میں سے پانچ بیان کردئے ہیں۔

ص ۶۳ س ۱۱ امام مظفر کا حال اوپر (حاشیہ بر صفحہ ۴۲ س ۱۰) آچکا ہے مگر قزوینی نے عجائب المخلوقات صفحہ ۹۵ پر چار مقدمات قاضی عمر بن سہلان کے حوالے سے بیان کئے ہیں - جن میں سے تین کا ماحصل اور ترتیب یہی ہے قاضی عمر کا حال بیہقی نے لکھا ہے - اور ایک نصیحت آمیز خط بھی نقل کیا ہے جو قاضی نے اسکو لکھا تھا - بیہقی بچپن میں خیام سے بھی ملا ہے - اور امام مظفر کی نسبت وہ کہتا ہے کہ خیام میں اور اس میں مناظرے ہوا کرتے تھے - اس بیان

---

[1] کراث = Leek

سے ظاہر ہے کہ امام مظفر اور قاضی عمر معاصر تھے مگر یہ کہنا مشکل ہے۔
کہ ان مقدمات کو پہلے کس نے ترتیب دیا، بہر حال امام مظفر نے اس مسئلے پر
بعض آلا کا صرف ملخص دیا ہے، بلاشبہ قاضی صاحب کا بیان زیادہ سلجھا ہوا ہے۔ مگر یہ بھی
ممکن ہے کہ قزوینی کی عبارت میں جو صفائی نظر آتی ہے وہ اس لئے ہے کہ زبان
عربی ایک علمی مطلب کے ادا کرنے کے لئے زیادہ موزونیت رکھتی ہے۔

ص ۶۴ س ۱ نمایید - یہ تصحیح قزوینی ص۹۹ س ۲۲ کی بنا پر ہے۔ مگر اس سے
اگلی دو ایک سطروں کی عبارت واضح نہیں گو مطلب ظاہر ہے۔

ص ۶۵ س ۱۴ ببعد بررنگ زردی آنست الخ حاصل یہ کہ زرد رنگ نام
ہے۔ کمال سفیدی اور قدرے سیاہی کی آمیزش کا، سرخ رنگ زیادہ
سیاہی اور کم سفیدی کی آمیزش کا۔ سبز رنگ سفیدی اور کم سیاہی
کی آمیزش کا۔ یہ دقت تشریح میں صرف سپکٹرم کی ناواقفیت سے پیدا ہو رہی ہے
جب تک سپکٹرم سے رنگوں کی تحلیل نہ ہوئی ان رنگوں کی صحیح تشریح کے
ناقابل رہی۔

ص ۶۶ س ۱۵ ' ماہ شب چہاردہ کی قوس قزح ' یہ مشاہدات درست
ہیں' اینسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:
چاند بھی سورج کی طرح قوس قزح پیدا کر سکتا ہے، مگر رنگ نسبتاً
بہت ہلکے ہوتے ہیں، ارسطو جس کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے اسنے
اس کا مشاہدہ کیا۔ کہتا ہے کہ قمری قوس قزح صرف چودھویں رات کو نظر آتی ہے۔

ص ۶۹ س ۲۱ ہزار دران - معجم البلدان میں الہزار در ایک محل کا نام ہے جو بصرے میں
تھا اور کوئی جگہ اس نام کی مذکور نہیں' بہار عجم میں ہزار درہ کو لکھا ہے " ظاہر و نام دہ باشد"
کہیں متن میں تھا مع شہر ہرات در این شصت ہفتاد سال الخ تو نہیں تھا، لیکن یاقوت ۶۰۷ میں ہرات
میں تھا اسنے کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کیا سنہ ۶۱۸ میں تاتاریوں نے ہرات کو ویران کر دیا۔
بقول اسفزاری صاحب تاریخ ہرات یہ شہر ۶۱۹ تا ۶۳۲ ویران رہا۔ اس مصنف نے
جامع مسجد ہرات کا ذکر تفصیل سے کیا ہے مگر [illegible]

اقتباس از فرحت الناظرین

محمد اسلم بن محمد حفیظ پسروری انصاری قادری نے شاہ عالم کے زمانہ میں فرحت الناظرین
کے نام سے ایک فارسی تاریخ لکھی ہے جسمیں عام اسلامی تاریخ کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ بھی
سنہ ۱۲۰۰ھ تک دی ہے۔ ذیل کا اقتباس شیوخ وعلما و شعرائے ہند کے متعلق جزئیات پر [illegible]
تعلق سکتے ہیں۔ اس کتاب کے ایک نسخہ سے لیکر ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ یہ نسخہ ریاست [illegible] ٹونک [illegible]
ہے اور اسکا اور اسکے مصنف کا کچھ حال ہم اسی میگزین کے نمبر ۱۰ صفحہ ۱۶ پر درج بھی کر چکے ہیں۔

چون از سوانح سلاطین عصر خاقان اعظم پرداخته لابد است که
از مشائخین عظام و علمای کرام و شعرای نامدار معاصر خلیفهٔ کامگار
بعضی مذکور نمایم اگرچه اکثری ازین‌سده (؟) خوارق عادات مشهور و به
کشف کرامات معروف بودند، لاجرم محرر این اوراق احوال جمعی از
مشاهیر مشایخ عظام مرقوم میسازد. بحی (بعون ؟) رب المعبود

[مشایخ عظام]

(۱) المستغنی عن التوصیف شیخ عبداللطیف رح[1]

از علوم دینی و معارف یقینی بهرهٔ تمام داشت و در امر معروف
و نهی منکر مبالغه می نمود و مبلغ قلیل از وجه حلال بهم رسانیده بدان
تجارت و از کسب بلاشبهه آنچه حاصل می شد بمصارف ضروریه صرف می

---

[1] دیکھو منتخب التواریخ خافی خاں ۲ : ۵۵۵

نمودند و اکثر در زاویہ مسدود داشتی و فتوح و نذور نگرفتی و طریقۂ مریدی و پیری درمیان نبود، و بغیر زوجۂ محترمہ خادمۂ دیگر نداشت و کم کسی را پیش خود راہ دادی، خدیو حق [پرست] در ایام پادشاہزادگی در برہانپور بارہا بمنزل آن عزلت گزین تشریف بردہ صحبت معنوی داشتہ اند، وشیخ ہم بے تقیید[؟] برای امور دینی بخدمت می آمد و آنچہ از اشعار مستقیم شیخ فراہم گرفتہ بودند تا آخر عمر برسم خاطر نیض مظاہر بود و او در سنہ ہزار و شصت ہجری [۱۰۶۰] داعی حق را اجابت فرمود، در بلدہ برہانپور مدفون گردید و وقت رحلت وصیت کردہ کہ در محوطۂ مرقدش بار ندہند تا مردم قبر پرست نشوند، تاریخ فوتش آہ زان شیخ کامل یافتہ اند

۱۰۶۵

(۲) شیخ برہان شطار برہانپوری

او در ترک علایق و درک حقایق وکسب فضایل یگانہ بود و خرقۂ خلافت از شیخ عیسی سندی داشت و او مرید شیخ محمد لشکر و او خلیفہ شیخ محمد غوث گوالیاری بود خدیو خدا پژوہ را در ایام بادشاہزادگی مکرر با آن اہل طریقت ملاقات دست دادہ و اقیام مردم مریدش بودند و منتصف شعبان سنہ ہزار وہشتاد و نہ [۱۰۸۹] کہ سنین عمر آن ستودہ سیر از ہشتاد متجاوز بود در برہانپور مرحلہ پیمای سفر واپسین گردید۔

---

۱ یہ سن مادۂ تاریخ کے مطابق نہیں ہے ۱۰۶۵ [؟] ۲ در محوطۂ مرقدش بار ندہند دیکھو خافی خاں ۳ مادہ جو اس نے شیخ کا سن وفات ۱۰۸۹ جلوس عالمگیری دیا ہے جو ۱۰۸۹ کے مطابق ہے۔ خافی خاں نے جس کا والد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، حال شیخ کا مفصل دیا ہے ۴ یعنی اورنگ زیب۔

(۳) مجمع المکارم و مرجع الاکارم میر سید محمد قنوجی رح

جامع معقول و منقول، کاشف معضلات فروع و اصول، ہموارہ بدرس علوم دینی و نشر معارف یقینی اشتغال داشته، خلیفهٔ شیخ محب الله الہ آبادی بود، حضرت فردوس آشیانی اواخر ایام سلطنت خویش سید را از بلدهٔ قنوج که مولد و منشاء او بود به خواہش و اعزاز تمام طلبیده بقرب خویش اختصاص داده بودند بعد ازانکه آنحضرت به ریاض رضوان خرامیدند حضرت ظل الٰہی[1] سید را از مستقر الخلافه اکبر آباد بکمال توقیر و احترام طلب حضور فرموده بشرف تقرب و مجالست اقدس بلند پایگی بخشیدند و حضرت خاقانی مصنفات حجة الاسلام محمد غزالی قدس سرهٗ علی الخصوص کتاب افادات آیات احیاء العلوم و فتاوی عالمگیری که در زمان سعادت نشان تالیف یافته و دیگر کتب سلوک را در ہفته سه روز باسید مذکور مذاکره میکردند، و دوام آن سید عالی مقام بدرس طلبه و افادهٔ طلاب اشتغال داشت،

در سنه پانزده جلوس[2] رحلت نمود،

(۴) سید فیروز

درویش مرتاض و از اہل مجاہده بود خدیو خدا طلب در بلدهٔ خجسته بنیاد اورنگ آباد که سیاح بود طلب حضور فرموده در باغ دولت خانهٔ مقدس برای او منزل مقرر نموده بودند اکثر شبہای

---

[1] یعنی شاہجہان، [2] ۱۰۸۳ھ

جمعه پیش سید تشریف برده صحبتِ معنوی میداشتند،

(۵) ملاّ شاه بدخشی

از خلفای قدوهٔ عرفان شیخ میر قادری قدس سرہٗ بود، شعارِ عارفانه داشت و اشعارِ موحدانه می گفت، و دائم منبسط بود، دارا شکوه اعتما[د] مفرطی باو داشته، و ملا یکچند پیش از انتقال پیر روشن ضمیر زمستان بلاہور و تابستان به کشمیر می گذرانید، لعد ازان بموجب اشاره آن رہنمای سرگشتگان وادیِ طلب درکشمیر رخت اقامت انداخت و باعانتِ نواب بیگم صاحب و داراشکوه عماراتِ عالیه طرح نمود، فردوس آشیانی یکبار بمنزلِ او تشریف برده بودند از اشعارِ آبدار اوست ؎

آن ابروی کجش را تیغ خمیده گفتم
زان تیغ اشارتی کرد بالای دیده گفتم

و تاریخ جلوس میمنت مانوس خلیفهٔ الہی را چنین در سلکِ نظم کشیده ؎

صبحی دلِ من چون گلِ خورشید شگفت — حق پیدا شد غبارِ باطل را رُفت
تاریخ جلوس شاه اورنگ مرا — ظل الحق گفت، الحق این را حق گفت
۱۰۶۹

او از کشمیر بلاہور آمده در سنهٔ چہارم جلوس والا رحلت نمود در مقبرهٔ پیر خود مدفون گردید،

شه خافی خان ۱۲ ۸۶

تاریخ فوتش بر لوحِ قبرش کشیده اند ؎

داد ملّا شاه در توحید جان

۱ ۰ ۷ ۲

۲ ۔ ملّا خواجه

موطنش بهار و از اکابر نژادهای آن دیار و بوارستگی بسر می برد و بلباس خشن و طعام ناگوار خرسندی داشت و پیرامون تأهل نگردید و بی تکلف تنها به کوچه و بازار سیری کرد، بارها فردوس آستان بخانۂ ملا خواجه رفتند ملاقات نکرد و خود بخانۂ فردوس آستانی آمده بارها ملاقات نموده مسرور ساخت، ملّای[1] سعد الله خان را با وی کمال تعلق و اعتقاد بود، و در اوایلِ جلوس بادشاهِ حق آگاه که سنه[2] یکهزار و شصت و هشت [۱۰۶۸] باشد، روزی بسیرِ باغِ فیض بخش لاهور رفته بود درانجا دو سه مرتبه گفت مرا می طلبند و همدران اوقات داعیِ حق را لبیک گفته در مقبرۂ پرِ خود مدفون گردید،

(باقی دارد)

---

[1] ک: بملای

[2] عالمگیر کا پہلا جشن جلوس یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ میں ہوا مگر سکہ اور خطبہ اس جلوس میں نہیں ہوا (خافی خاں ۲:۳۹)

سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ

فصل اول

جاہلی عرب

(گزشتہ سے پیوستہ)

اہل عرب کی دو قسمیں الغرض اس طول وطویل خطۂ ملک کے باشندے وہ عربی لوگ ہیں۔ جنہوں نے اسے قدیم الایام سے اپنے قبضۂ تصرف میں کر رکھا ہے۔ عربی مصنف اپنے ملک کے باشندوں کو دو جماعتوں میں منقسم کرتے ہیں۔ اوّل زمانہ قدیم کے وہ عرب جو مدت ہوئی کہ نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ (عرب بایدہ) اور دوم وہ عرب جن کی نسلیں آجتک مذکورہ بالا ممالک میں آباد ہیں۔

قسم اوّل کا مجمل حال اول الذکر عرب کثیر التعداد اور کئی قبیلوں میں منقسم تھے۔ یہ سب قبایل یا تو تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ یا دیگر قبایل کے ساتھ مل جل کر ایسے بے نشان ہو چکے ہیں۔ کہ ان کا کھوج لگانا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے متعلق کوئی تاریخ موجود نہیں۔ اگرچہ بعض نہایت مشہور واقعات کی کیفیت اور بعض قوموں کی تباہی کی سرگذشت روایات کے ذریعہ محفوظ ضرور ہے۔ جنکی تصدیق قرآن شریف بھی ہوتی ہے۔

زمانہ قدیم کے چند نہایت مشہور قبایل ان قدیم اہل عرب کے چند نہائیت مشہور قبایل حسب ذیل ہیں۔ قبیلہ عاد۔ ثمود۔ طسم۔ جدیس۔ جرہم۔ اور عمالق۔

قبیلہ عاد قبیلہ عاد کا مورث اعلیٰ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح تھا۔ جو اختلاف زبان کے بعد احقاف یعنی صوبہ حضرموت کے ایچ پیچ ریتوں میں آباد ہو گیا تھا۔ اور یہیں اسکی اولاد مستقل اقامت اختیار کرکے بڑھتی رہی۔ ان کا پہلا بادشاہ

شداد بن عاد تھا جسکی بابت مشرقی مصنف بہت سی حکایات بیان کرتے ہیں۔ خصوصاً یہ کہ اوسنے ایک خوبصورت اور عالیشان شہر کو پایۂ اختتام تک پہنچایا ہے جسکی تعمیر اس کے باپ نے شروع کی تھی۔ اس شہر میں اوسنے ایک نہایت نفیس اور سربفلک محل بھی تعمیر کرایا۔ جسے نہایت خوشنما باغوں سے مزین کیا۔ اور انہیں آراستہ و پیراستہ کرنے میں تو وہ مصارف ہی کو خیال میں لایا۔ اور نہ اسنے محنت ہی سے جی چرایا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یوں بے تحاشا خرچ کرنے اور فوق العادت محنت کے اظہار سے اوس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اپنی رعایا کے دلوں میں یہ خیال جاگزین کرا دے۔ کہ وہ دیوتا ہے۔ یہ باغ یا بہشت باغ ارم کے نام سے مشہور تھا۔ اور نہ صرف مشرقی مصنف ہی اپنی تحریروں میں اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آتا ہے[۱]۔ یہی مصنف یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا شہر ابھی تک صحرائے عدن میں صحیح وسالم موجود ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص مصلحتوں کی بنا پر اُسے انسانی نظروں سے پوشیدہ کر چھوڑا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ خاص خاص حالتوں میں خاص خاص شخصوں پر اس شہر کو ظاہر بھی کرتا ہے۔ اس بیان کی تائید میں وہ ایک شخص قلابہ[۲] نامی کی حکائیت بیان کرتے ہیں۔ جسنے خلیفہ معاویہ کے وقت میں یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ شداد کا وہ شہر مجھپر ظاہر ہوا ہے۔ جب خلیفہ معاویہ نے اوس شخص کو بلا کر اس واقع کی تصدیق کرنی چاہی۔ تو اس نے اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی۔ کہ میرا اونٹ کھو گیا تھا۔ اور میں اوسکی تلاش میں سرگردان پھر رہا تھا۔ کہ یکایک اوس شہر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ جب شہر میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ اوسمیں ایک متنفس بھی موجود نہیں۔ پس میں گھبرایا۔ اور خوفزدہ ہو کر اتنی ہی دیر ٹھیر سکا۔ کہ چند ایک خوبصورت پتھر لے سکوں۔ جو میں خلیفۃ المسلمین کے ملاحظہ کیلئے ساتھ لیتا آیا ہوں۔

قبیلہ عاد کی تباہی | مرور زمانہ جب عاد کی اولاد سچے خدا کی پرستش سے منحرف ہو کر

---

[۱] بحوالہ سیل مترجم [۲] معجم البلدان ۱: ۲۱۵ پر اسکا نام عبداللہ بن قلابہ دیا ہے۔ (اڈیٹر)

بت پرستی میں پڑگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت[۵۱] ہودؑ کو ان لوگوں میں وعظ و نصیحت کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کیلئے بھیجا۔ لیکن ان بدنصیبوں نے اپنے پیغمبر کی ہدائیت اور تلقین پر ذرا کان نہ دھرا اور اولٹے مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک آگ سے بھری ہوئی۔ بلکہ گھونٹنے والی ہوا کو چلنے کا حکم دیا۔ جو سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی۔ یہ ہوا قبیلہ عادؔ کے نتھنوں میں سے گھس کر ان کے جسم سے خارج ہوگئی۔ اور سب کا نہس نہس کر دیا۔ صرف وہ معدودے چند لوگ ضرور بچ گئے۔ جو حضرت ہودؑ پر ایمان لے آئے۔ اور ان کے ساتھ دوسرے مقام پر چلے گئے تھے۔ حضرت ہودؑ بعد ازاں حضر موت چلے آئے اور انتقال کے بعد ایک مقام موسوم بہ عازک (؟) میں دفنائے گئے۔ جہاں اسوقت میں ایک چھوٹا سا قصبہ آباد اور قبر ہودؑ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قبیلہ کی تباہی سے پیشتر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا غرور توڑنے اور حضرت ہودؑ کیطرف متوجہ کرنے کی غرض سے انہیں خشک سالی میں مبتلا کیا یہ قحط متواتر چار سال تک رہا۔ اور نہ صرف ان کے تمام مویشی ہی ضائع ہوگئے۔ بلکہ وہ خود بھی موت کے کنارے آ لگے۔ اسپر انہوں نے لقمان[۵۲] کو ساٹھ آدمیوں سمیت اس غرض سے مکہ بھیجا۔ کہ وہ بارش کیلئے دعا مانگیں۔ جب یہ دعا پایۂ قبول کو نہ پہونچی۔ تو لقمان اپنے چند ہمراہیوں سمیت مکہ ہی میں ٹھیر گیا۔ اور اسطرح اوس عالمگیر تباہی اور بربادی سے بچ گیا۔ جو اس کی قوم پر نازل ہوئی۔ لقمان اور اس کے ہمراہیوں کی نسل سے بعد ازاں ایک قبیلہ بن گیا۔ جو عادِ ثانیہ کہلایا۔ بعض مفسرین کا بیان ہے۔ کہ عادِ اولیٰ کے لوگ بڑے طویل القامت ہوا کرتے تھے۔ اور کہ ان کا قد پچاس اور تیس گز کے مابین ہوتا تھا۔

قبیلہ ثمود یہ قبیلہ ثمودؔ بن جثر بن ارمؔ کی نسل سے تھا۔ جب اس قبیلے کے لوگ بھی بتدریج بت پرستی میں پڑ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کیلئے حضرت صالح ؑ کو بھیجا۔ ان پیغمبر کا

---

[۵۱] یہود کے نزدیک۔ Heber ایک اولوالعزم پیغمبر تھے۔ (عیسائی) علماء کو اتفاق ہے۔ کہ وہ یہی پیغمبر تھے جنکو مسلمان ہودؑ کہتے ہیں۔ [۵۲] اسی نام کا ایک اور آدمی داؤدؑ کے زمانہ میں بھی ہوگذرا ہے۔ مگر یہ اور شخص ہے۔

زمانہ زمانہ حضرت ہودؑ اور ابراہیمؑ کے مابین واقع ہوا ہے۔ اس لئے یہ حضرت شالخ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ مسٹر ڈاربیلوں Herbelot (d') کا خیال ہے۔ بلکہ اغلب ہے۔ کہ بقول علامہ بوکارٹ یہ وہی ہوں۔ کہ جن کو فالج کا نام دیا گیا ہے مختصر یہ کہ صرف چند لوگوں نے انکی ہدایت پر کان دھرا۔ اور باقی حضرت صالحؑ سے یہ مطالبہ کرنے لگے۔ کہ آپ اپنی نبوت کے ثبوت میں یہ معجزہ دکھایئے۔ کہ ایک اونٹنی ہماری موجودگی میں اسی سامنے والے پہاڑ سے مع بچے کے نمودار ہو۔ حضرت صالحؑ نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔ کہ یہ درخواست منظور کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اونکی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور ایک اونٹنی برآمد ہوئی۔ جس نے ایک بچہ جنا جو دودھ پینا ترک کر چکا تھا۔ لیکن اہل ثمود نے بجائے اوسپر ایمان لانے کے فوراً اونٹنی کو پکڑ لیا۔ اور اس کی کونچیں کاٹ کر ذبح کر ڈالا۔ خدا تعالیٰ کو ان کا یہ غیر صالح عمل نہایت ناپسند ہوا۔ اسکی پاداش میں تین دن بعد اس سرزمین میں زلزلہ آیا۔ اور آسمان سے ایک کڑکا سنائی دیا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے کڑک کر کہا تھا۔ کہ "مرجاؤ" غرض ان آفتوں نے ان لوگوں کو گھروں کے اندر ہی اندر آ لیا۔ اور سب کو ہم آغوش موت بنا دیا۔ حضرت صالحؑ ان لوگوں سمیت جو آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس تباہی سے محفوظ رہے۔ اور بیت المقدس چلے آئے۔ جہاں سے بعد ازاں مکہ تشریف لائے۔ اور وہیں جاں بحق ہوئے۔

قبیلہ ثمود کی یادگار | یہ قبیلہ اول اول یمن میں بود و باش رکھتا تھا۔ لیکن جب حمیر بن سبا نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔ تو وہ صوبہ حجاز کے ایک مقام حجر میں آبسے۔ جہاں انہوں نے چٹانوں کو کاٹ کر اپنے گھر بنائے۔ جن کا ذکر قرآن شریف میں بھی آتا ہے۔ یہ گھر اور چٹان کا وہ شگاف جسمیں سے اونٹنی نمودار ہوئی تھی۔ ابتک بدستور موجود ہے۔ ایک چشمدید شہادت[1] اس بات پر شاہد ہے۔ کہ وہ شگاف تیس گز عریض ہے۔ یہ گھر جن کا طول و عرض بالکل معمولی ہے۔ ان لوگوں کو قائل معقول کرنے کیلئے زبردست دلیل

[1] یہ قول ابوموسیٰ الاشعری کا ہے۔

کا کام دیتے ہیں۔ جو اس غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ کہ قبیلہ ثمود کے لوگ بھی طویل القامت ہوا کرتے تھے۔

ان دونوں مہتم بالشان قبائل کے دردناک انجام کو قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے ان سزاؤں کی مثال کے طور پہ بیان کیا ہے جو سخت ضدی اور ہٹ منکروں پہ نازل کی جاتی ہیں۔

قبائل طسم وجدیس قبیلہ طسم کا مورثِ اعلیٰ لود بن سام تھا۔ اور قبیلہ جدیس کا سلسلہ یثر سے چلتا تھا۔ یہ دونوں قبیلے آپس میں شیر وشکر تھے۔ اور طسم کی زیر حکومت امن و امان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن اس حکمران قبیلے کا ایک ظالم بادشاہ ایک دفعہ اس مضمون کا قانون نافذ کر بیٹھا۔ کہ قبیلہ جدیس کی کوئی لڑکی اوسوقت تک شادی نہ کرے۔ جب تک کہ پہلے اس سے ہمبستر نہ ہولے۔ جدیس کو یہ بات قدرتاً ناگوار گذری۔ انہوں نے ایک خفیہ سازش کر کے قبیلہ طسم کے بادشاہ اور عمائد کو ایک دعوتی جلسے میں بلایا۔ اور اپنی تلواروں کو ریت کے اندر چھپا رکھا۔ جب وہ لوگ بے خبری کے عالم میں فرحاں وشاداں بیٹھے ہوئے تھے تو جدیس یکایک ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور سب کو قتل کر کے اونکی قوم کے ایک بڑے حصے کی بیخکنی کر دی۔ لیکن جو لوگ بچکر بھاگ گئے۔ انہوں نے ذوجیشان ابن اقران شاہ یمن کی مدد سے قبیلہ جدیس پر حملہ کر کے اونہیں بھی قطعی نیست و نابود کر دیا۔ اوسوقت کے بعد سے پھر کوئی مذکور ان دونوں قبیلوں کی بابت سننے میں نہیں آیا۔

قبائل جرہم وعمالق جرہم۔ قبیلہ عاد کا ہمعصر تھا۔ اور قطعی نیست و نابود ہو چکا ہے۔ عمالق کا مورثِ اعلیٰ عمالق بن الیفز بن الیفاز تھا۔ گو بعض مؤرخین کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ عمالق عام میں نوح کا بیٹا تھا۔ اور بعض اسے ازد بن سام کا فرزند بیان کرتے ہیں۔ الغرض وہ کوئی شخص کیوں نہ ہو۔ یہ امر واقع ہے۔ کہ اوس شخص کی اولاد نے بڑی طاقت حاصل کی۔ اور حضرت یوسف کے زمانے سے پیشتر اپنے بادشاہ ولید کی ماتحتی میں شمالی مصر کو فتح

کر دیا تھا۔ مشرقی مؤرخین کا قول ہے۔ کہ ولید پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے فرعون کا لقب اختیار کیا۔ گویا ان کی یہ مراد ہے۔ کہ عمالقہ وہی لوگ تھے۔ جنہیں مصری مؤرخ راعیانِ فینقی کہتے ہیں۔ بہرحال جب انہیں مصر پر حکومت کرتے چند پشتیں گذرگئیں تو اہلِ مصر نے انہیں اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اور بالآخر بنی اسرائیل نے ان کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

زمانۂ حال کے عرب عربی مؤرخین کی تحریروں کے مطابق اہلِ عرب دو فرقوں میں منقسم ہیں۔ ایک تو وہ جو قحطان یعنی یوکٹن بن عابر کی نسل سے ہیں۔ اور دوسرے عدنان کی۔ مؤخر الذکر حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہ کے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھا۔ یہ مؤرخ فرقہ اول کو عرب عاربہ یعنی خالص النسل عرب کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور فرقۂ ثانی کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو عرب بن گئے۔ اگرچہ بعض کا خیال ہے۔ کہ خالص النسل عرب بس وہی تھے۔ جو پہلے تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ اور اس لئے وہ اولادِ قحطان کو بھی مستعربہ ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ ضرور کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ مستعربہ کی نسبت زیادہ خالص عرب ہیں۔ اس لئے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد بالکل دوسری نسل سے تھی۔

اولاد حضرت اسمٰعیل حضرت اسمٰعیل کی اولاد اس لئے خالص النسل عربوں میں شمار نہیں ہوسکتی۔ کہ ان کا مورثِ اعلیٰ نسل اور زبان دونوں کے لحاظ سے عبرانی تھا۔ لیکن قبیلہ بنو جرہم کے ایک شخص مضاض نامی کی لڑکی سے شادی کرکے وہ ان میں ایسا مل گیا۔ کہ ان دونوں قبیلوں کی اولاد ایک واحد قوم بن گئی۔ عرب اپنا سلسلہ نسب بالعموم عدنان تک پہنچاتے ہیں۔ اور اس کو ابوالعرب سمجھتے ہیں۔ شاذ و نادر صورتوں ہی میں وہ نسب نامے کو عدنان سے آگے پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ عدنان سے اسمٰعیل تک کا سلسلہ مختلف فیہ ہے۔ گو عدنان سے نیچے قریباً متفق علیہ ہے۔

اولاد کوش بن حام | مذکورہ بالا قوموں کے علاوہ جن ذکر عرب مؤرخین نے کیا ہے۔
جو سب کی سب سام کی نسل سے تھیں۔ اور قومیں بھی ہیں۔ جو کوش بن حام کی اولاد ہیں۔
انجیل میں لفظ کوش ہمیشہ عرب اور اہل عرب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر انجیل کے جو
انگریزی تراجم ہوئے ہیں۔ ان میں ایتھی اوپیا مندرج ہے۔ لیکن درحقیقت اہل کوش
اصلی سرزمین عرب میں آباد نہ تھے۔ بلکہ دریائے فرات اور خلیج فارس کے ساحلوں
پر بستے تھے۔ جہاں وہ اپنے آبائی ملک خوزستان یا سوسیا سے آکر آباد
ہو گئے تھے۔ ممکن ہے۔ وہ مرور زمانہ سے دوسری نسلوں کے عربوں سے
مل جل گئے ہوں۔ لیکن مشرقی مورخین یا تو ان کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ یا اگر کرتے
ہیں۔ تو بہت کم۔

یمن جرہم اور حجاز کی سلطنتیں کس طرح قایم ہوئیں؟ | عرب چند صوبوں تک اولاد قحطان کے
زیر حکومت رہے۔ قحطان کے ایک بیٹے
یعرب نے یمن کی سلطنت قایم کی۔ اور دوسرے بیٹے جرہم نے سلطنت حجاز
کی بنیاد ڈالی۔

حکومت یمن | صوبہ یمن دیا اوس کا زیادہ شاداب علاقہ یعنی اضلاع سبا
اور حضرموت) قبیلہ حمیر کے بادشاہوں کے زیر نگین تھا۔ یہ سلطنت اگرچہ
بعد ازاں اولاد کہلان کے قبضۂ تصرف میں چلی گئی۔ لیکن کہلان بدستور شاہ حمیر
کہلاتا رہا۔ اور اوسکی اولاد نے تبّع کا عام لقب اختیار کر لیا۔ لفظ تبّع کے معنی جانشین
کے ہیں۔ اور یہ لقب اس خاندان کیلئے وہی مفہوم رکھتا تھا۔ سیزر (قیصر) شاہان
روم اور لفظ خلیفہ جانشینان آنحضرت کیلئے اس کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے بادشاہ
بھی تھے۔ جو یمن کے دوسرے حصّوں پر حکمران تھے۔ ان بادشاہوں میں سے اکثر
شاہان حمیر کے زیر نگین تھے۔ جنہیں وہ شہنشاہ کہا کرتے تھے۔ لیکن ان چھوٹے

بادشاہوں کے متعلق تاریخ میں کسی مہتم بالشان واقعہ کا ذکر نہیں آیا۔ اور اگر کہیں آیا بھی ہے تو اوس پر پورا پورا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

سیل عرم | جو قبیلے یمن میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں جس پہلی اور دردناک مصیبت سے سامنا پڑا۔ وہ سیل عرم تھا۔ یہ طوفان سکندر اعظم کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وقوع پذیر ہوا۔ اور تاریخ عرب میں نہایت مشہور واقع ہے۔ اس عظیم مصیبت میں آٹھ قبائل اپنے گھروں کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے۔ جن میں سے بعض نے بعد ازاں غسّان اور حیرہ کی سلطنتیں قایم کیں۔ اغلب خیال ہے۔ کہ اس عالمگیر مصیبت نے ان قبایل اور بستیوں کو بھی جلاوطنی پر مجبور کیا جنہیں ان کے سردار بکر۔ مضر اور ربیعہ اپنے ہمراہ لیکر الجزیرہ میں چلے گئے تھے۔ جہاں تین صوبے یعنی دیار بکر۔ دیار مضر اور دیار ربیعہ ابتک ان سرداروں کے نام پر مشہور چلے آتے ہیں۔ عبدالشمس عرف سبا نے جب وہ شہر پایۂ اختتام کو پہنچا لیا۔ جو پہلے تو اس کے نام پر سبا کے نام سے مشہور تھا لیکن بعدازاں مآرب کہلانے لگا۔ تو اُسنے اس غرض سے کہ جو پانی پہاڑوں سے آتا ہے۔ ایک تالاب کی شکل میں جمع رہے۔ ایک پیچ پشتہ یا بند تعمیر کرایا۔ اس سے عبدالشمس کا صرف یہی مطلب نہ تھا۔ کہ پانی محض لوگوں کے پینے پلانے یا کھیتی باڑی کے کام آئے۔ بلکہ پانی کو یوں اپنے تصرف میں کرنیسے وہ اُس ملک پر اپنا سکہ بٹھانا چاہتا تھا جیسے اُسنے بزور شمشیر فتح کیا تھا۔ یہ بند شہر سبا کے قریب بمنزلہ ایک پہاڑ کے ایستادہ اور ایسا مضبوط تھا کہ لوگوں کو وہم و گمان بھی نہیں گذرتا تھا۔ کہ کبھی یہ گر بھی جائیگا۔ پانی بتدریج چالیس گز تک بلند کیا گیا وہ ایسی مستحکم دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ اور لوگوں کو انکی پائداری پر اتنا وثوق تھا کہ اکثر باشندگانِ شہر نے اپنے رہائشی مکانات بھی انہیں دیواروں پر بنا رکھے تھے۔ شہر کے ہر خاندان کو معین مقدار سے پانی دیا جاتا۔ جو نالیوں کے ذریعہ وہاں تک پہنچتا تھا لیکن انکا یہ غرور اور شور حشمی اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی۔ اور انہیں عاجز اور منتشر کرنے کیلئے ایک عظیم الشان طوفان بھیجا گیا۔ جسنے رات کے وقت جبکہ اہل شہر خواب استراحت میں پڑے مینڈ کے خراٹے لے رہے تھے اس بند کو توڑ دیا اور تمام شہر اور آس پاس کے قصبوں کو بہا کر لے گیا۔

تنقید و تبصرہ

رسالہ "تاج" کا اردوئے قدیم نمبر

رسالہ "تاج" حیدرآباد کا ایک علمی ادبی رسالہ ہے۔ ملک کا ادبی طبقہ عام طور پر اس سے روشناس نہیں لیکن اس نے اپنا اردوئے قدیم نمبر شایع کر کے اردو علم و ادب کی دنیا میں اپنے آپ کو نمایاں امتیاز کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔ اردو زبان کے بارے میں تاریخی و لسانی تحقیقات و تدقیقات کا مذاق رکھنے والی نگاہوں کیلئے دلچسپی کا غیر معمولی سامان فراہم کرتا ہے۔

اس نمبر کا دو مستقل تالیفوں پر اطلاق ہوتا ہے جسمیں پہلی تالیف حکیم سید شمس الدین صاحب قادری ماہر علوم آثار قدیمہ (حیدرآباد) کی کاوش و ذہانت کی رہین منت ہے۔ اسمیں دکنی اردو اور اسمیں نظم و نثر کی مفصل تاریخ۔ اس کی عہد بعہد کی ترقیوں کا تذکرہ ابتدائی زمانہ سے لیکر اورنگ زیب کے عہد کے آخر کے شعرا اور مصنفین تک کے صحیح حالات تحریر ہیں۔

اردو تذکرہ نویسی سے جن اہل ذوق کو ذرا بھی دلچسپی ہے وہ اس المناک حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ ہمارے ہاں کے تذکرہ نویسوں نے اس فن لطیف کے ساتھ کس درجہ لاابالیانہ اور بے پروایانہ سلوک روا رکھا ہے۔ تلاش کے باوجود ہمیں کوئی ایسی مثال نظر نہیں آتی جسے مستثنیات کی فہرست میں بار یابی نصیب ہو سکے۔ ہمارے ہاں کے تذکرہ نویس ذاتی تلاش و تفحص تحقیق و تدقیق اور استدلال و درایت سے گریز کرنے کے عادی اور اگلے مولفوں کی افسانہ طرازیوں کی نقل کرنیکے مشتاق نظر آتے ہیں۔ شروع سے لیکر آخر تک مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں۔ اور خود اپنی نگاہ تحقیق کو مطلق تکلیف نہیں دیتے۔ سن و بیت ماہ و سال اور حالات و واقعات کی صحت اور اسباب صحت جو فن تذکرہ نویسی کے امتیازی

و اساسی اصول ہیں۔ ان کی تحقیقات عالیہ کے دوران میں اک سرے سے مردود تو جا بجا ملتے ہیں۔ ان کے ہاں روایت کا شوق عام۔ اور درایت کی سعی فضول سمجھی گئی ہے۔ نظر بریں حالات جب ہم اس تالیف کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں بے اختیار حکیم صاحب موصوف کی محنت و کاوش کی داد دینی پڑتی ہے۔

حکیم صاحب کو اس تالیف کی تیاری میں عربی، فارسی، انگریزی، اردو، فرنچ اور جرمن کی متعدد کتابوں کی ورق گردانی کرنے اور ان میں سے اپنے مفید مطلب امور کے اخذ و انتخاب اور رد و قبول میں جو دقت پیش آئی ہوگی۔ وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یقیناً انکی محنت و کوشش کا یہ نتیجہ ایک نہایت شاندار اور قابل قدر علمی حیثیت کا حامل اور اردو زبان میں اس موضوع پر اپنی طرز کی مستند و مؤقر مثال ہے۔ بالخصوص اردو کے قدیم دکنی شعرا کے سلسلہ میں جنہیں سے ہم بیسیوں کے نام اور حالات و واقعات سے بےخبر اور سراسر تاریکی میں تھے حکیم صاحب موصوف کی سعی بلیغ، بہر لحاظ لائق تشکر ہے۔ اور اس اعتبار سے حکیم صاحب نے اردو پر جو احسان عظیم کیا ہے۔ اس کے بار سے اردو علم و ادب کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا اس اہم موضوع پر اس تالیف میں پانچ مستقل ابواب نظر آتے ہیں جن میں حکیم صاحب نے مفصلاً داد تحقیق دی ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ اگر اس کتاب میں صرف یہی ابواب ہوتے تو بھی وہ اسقدر۔ قدر و منزلت کی مستحق ہوتی۔ کیونکہ "دکھنی اردو" کی نامعلوم حالت پر جو روشنی اس سے پڑتی ہے۔ وہ بالکل نئی اور اچھوتی ہے۔

ہمارا خیال ہے۔ کہ اردوئے قدیم کے بارے میں اسقدر جامع و مانع۔ اور مفصل و مبسوط معلومات کسی کتاب اور تذکرہ میں ایک جگہ جمع نہیں ملیں گے۔ اور حکیم صاحب کی یہ کتاب آنے والے تذکرہ نویسوں کی بہترین کوششوں کا مخزن و ماخذ بن جائے گی۔ اور ایک ایسا کارنامہ قرار دی جائے گی۔ جسے ہر دور اور ہر عہد میں بنگاہ استحسان دیکھا جائیگا۔

حکیم صاحب نے اپنی اس تالیف کا انتساب مولانا مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔

آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اردو کے نام سے کیا ہے ۔ اور اس میں شک نہیں کہ اردو زبان کی عام خدمت کے علاوہ اردوے قدیم کی خدمت کے معاملہ میں بھی کوئی شخص مولوی صاحب موصوف سے زیادہ قابل خطاب و مستحق انتساب نہیں ہو سکتا ۔

حکیم صاحب کی اس گرانمایہ تالیف کے بعد دکن کے مشہور و معروف بزرگ حضرت بندگی مخدوم ابو الفتاح صدر الدین سید محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ کا ایک رسالہ موسوم بہ "معراج العاشقین" نظر افروز ہوتا ہے جو تقریباً نویں صدی ہجری کے آغاز کی دکھنی اردو میں تصنیف ہوا ہے ۔ یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد عبد الحق صاحب بی ۔ اے ۔ آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اردو کی تصحیح و تحشیہ و ترتیب سے شایع کیا گیا ہے ۔ شروع میں مولوی صاحب موصوف نے حضرت خواجہ گیسو دراز کے اکثر حالات و واقعات بیان کیے ہیں ۔ اور زیر نظر تالیف سے متعلق بعض امور پر بحث بھی کی ہے ۔ نیز آخر میں بعض اجنبی اور غیر مانوس الفاظ کی فرہنگ بھی دیدی ہے ۔

رسالۂ تاج " کا دوسرا قابلقدر کارنامہ ہے ۔ جس سے ہم اس عہد کی دکھنی اردو کے باب میں بہت کچھ مفید اور نتیجہ خیز معلومات حاصل کر سکتے ہیں

آخر میں ہم "تاج" کے مدیر جناب غلام محمد انصاری وفا کو داد دیتے ہیں ۔ جن کی کوششوں نے "رسالہ کے اردوے قدیم نمبر" کو ہماری بہتر سے بہتر توجہات کا مستحق بنا دیا ۔ رسالۂ تاج " کی سالانہ قیمت صہ ر معہ محصول ہے ۔

(ملنے کا پتہ)

دفتر رسالۂ تاج " چھتہ بازار حیدرآباد دکن

ابن یمین

رشید یاسمی نے دو باب اور چند فصلوں میں ایک فارسی رسالہ ابن یمین کے حالات میں لکھا ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اس رسالہ کو اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ اور صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی پنڈی بہاؤ الدین نے اس اردو ترجمہ کو شائع کیا ہے۔ ابن یمین کے حالات پر اس کتاب سے بہتر کتاب غالباً وجود میں نہیں آئی۔ اور دوستداران ادب فارسی کمپنی مذکور کے مشکور ہوں گے۔ کہ انہوں نے اردو خوان پبلک کیلئے اس مفید کتاب کو شائع کیا۔ کتاب کے پروف احتیاط سے پڑھے نہیں گئے۔ اور اعلام کو بعض جگہ ممسوخ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ٹائیٹل پر مولفہ مولانا عبدالسلام بجائے مترجمہ الخ چھپ گیا ہے۔ قیمت غیر مذکور۔ کمپنی مذکور سے طلب کی جائے۔

رسائل

نیرنگ (رامپور) کا خاص نمبر بابت جنوری و فروری ۱۹۳۲ء ریویو کیلئے ہم کو موصول ہوا ہے۔ یہ نمبر ۱۸۰ صفحہ پر شائع ہوا ہے۔ اسمیں نظم و نثر کے ۹۰ مضامین درج ہیں۔ ان کے علاوہ ہمات تصاویر اور ۱۳ عکس تحریرات مشاہیر بھی شامل ہیں۔ غرض یہ نمبر نہایت اہتمام سے نکالا گیا ہے۔ مضامین عموماً دلچسپ ہیں۔ اور بعض بہت بلند پایہ۔ مضامین متنوعہ کا یہ دلفریب مجموعہ یقیناً بہت محنت سے مرتب ہوا ہوگا۔ اور جناب مدیر اس کے لئے مستحق مبارکباد ہیں۔

رہنمائے تعلیم - یہ ماہوار تعلیمی رسالہ زیر ادارت جناب بچھی چند ودیارتھی بی۔ اے بی۔ ٹی۔ چار دیگر اصحاب کی اعانت سے شائع ہوتا ہے جنوری ۱۹۳۲ء کا نمبر ہمارے سامنے ہے۔ اس نمبر میں ۴۸ تعلیمی مضامین ۱۱۴ صفحوں پر دیئے ہیں۔ پھر مختلف نوٹ اور کاروائیاں ۱۶۔ اور ریویو ۴ صفحوں پر۔ آخر میں گلدستۂ اطفال کے نام سے ۴۴ صفحہ

کا رسالہ بچوں کے لئے شامل ہوا ہے۔ ہمنے بعض مضامین کو پڑھا۔ ہماری رائے میں یہ رسالہ معلّمین اور دیگر اصحاب ذوق کیلئے بہت مفید ہے۔ مضامین تجربہ کار اور لائق اساتذہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اور اس لحاظ سے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لینے والے اصحاب کو اس رسالہ کی قدر کرنی چاہیئے۔ سالانہ چندہ للعہ۔ مینجر رسالہ رہنمائے تعلیم رام گلی لاہور سے طلب کیا جائے۔

فہرست رجال مسانید امام احمد بن حنبلؒ

(سلسلے کیلئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۲۸ء)

نام	جلد	صفحہ	نام	جلد	صفحہ
کلدۃ بن حنبل	۳	۴۱۲	ماعز	۴	۳۴۲
کیسان عن النبی صلعم }	۳	۴۱۷	مالک بن الحرث }	۴	۳۴۴
	۴	۳۳۵		۵	۲۹
باب اللام			مالک بن حویرث }	۳	۴۳۶
				۵	۵۲
اللجاج	۳	۴۷۹	مالک بن ربیعہ۔	۴	۱۷۷
لقیط بن صبرہ }	۴	۳۲	مالک بن صعصعہ	۴	۲۰۷
	۴	۲۱۱	مالک بن عبداللہ الخثعمی	۵	۲۲۵
لیلی بنت قانف			مالک بن عتاہیہ۔	۴	۳۴۴
الثقفیۃ۔	۶	۳۸۰	مالک بن عمرو القشیری۔	۴	۳۴۴
باب المیم			مالک بن نضلہ ابو الاحوص	۳	۴۷۳
مؤذن النبی صلعم۔	۴	۳۳۶	مالک بن ہبیرہ	۴	۷۹

نام	جلد	صفحہ
مجاشع بن مسعود	۳	۴۶۸
	۵	۷۰
مجمع بن جاریۃ	۳	۴۲۰
	۴	۲۲۶
	۴	۲۹۰
مجمع بن یزید	۳	۴۷۹
مجمع بن یعقوب عن غلام من اہل قبا ادرک النبی صلعم	۳	۵۰۲
محجن بن ادرع	۴	۳۳۸
	۵	۳۱
محجن الدیلی۔	۴	۳۴
محرش الکعبی	۳	۴۲۶
	۳	۴۲۷
محمد بن ابی بن کعب عن ابیہ	۵	۱۳۹
محمد بن حاطب الجمحی۔	۳	۴۱۸
	۴	۲۵۹
محمد بن سلمۃ الانصاری	۳	۴۹۳
	۵	۱۳۹
محمد بن صفوان	۳	۴۷۱
محمد بن صیفی	۴	۳۸۸
محمد بن طلحہ بن عبید اللہ	۴	۲۲۶
محمد بن عبد اللہ بن جحش۔	۵	۲۸۹
محمد بن عبد اللہ بن سلام	۶	۶
محمود بن لبید	۵	۴۲۷
محمود بن لبید و محمود بن ربیع	۵	۴۲۹
محیصہ بن مسعود۔	۵	۴۳۵
مخارق (بن عبد اللہ۔)	۵	۲۹۴
مخنف بن سلیم	۴	۲۱۵
مرۃ البہزی	۵	۳۳
	۵	۳۵
مرۃ بن کعب او کعب بن مرۃ	۴	۲۳۴
مرثد بن ظبیان	۵	۶۸
مرداس الاسلمی۔	۴	۱۹۳
مزیدۃ او زائدۃ بنت حوالہ۔	۵	۳۴
مستورد بن شداد۔	۴	۲۲۸
مسعود بن یزید۔	۴	۷۴
مسلمۃ بن مخلد بن الصامت	۴	۱۰۴
مسور بن مخرمۃ الزہری۔ و مروان بن الحکم۔	۴	۳۲۲
مسیب بن حزن۔	۵	۴۴۳

نام	جلد	صفحہ
المشائخ عن ابی بن کعب	۵	۱۳۱
مصدق النبی صلعم	۳	۴۱۴
	۴	۳۱۵
مَطَر بن عُکامس (السلمی)	۵	۲۷۷
مطرّف بن عبد اللہ عن ابیہ۔	۴	-۲۴
المُطّلب عن النبی صلعم۔	۴	۱۶۷
المطّلب بن وَدَاعہ	۳	۴۲۰
	۳	۴۲۰
	۴	۲۲۵
	۶	۳۹۹
معاویۃ بن جاہمہ	۳	۴۲۹
معاویۃ بن الحکم السلمی۔	۳	۴۴۳
	۳	۴۴۳
معاویۃ بن حَیدَہ	۵	۴
معاویۃ بن خدیج۔	۶	۴۰۱
معاویۃ بن ابی سفیان۔	۴	۹۱
معاویۃ بن قُرّہ عن ابیہ۔	۳	۴۳۴
	۳	۴۳۶
معاویۃ اللیثی۔	۳	۴۲۹
معاذ بن انس الجہنی	۳	۴۳۷
	۴	۲۳۴

نام	جلد	صفحہ
معاذ بن جَبَل	۵	۲۲۷
معاذ بن عبد اللہ بن خُبَیب	۴	۶۹
معاذ بن عفراء	۴	۲۱۹
مَعقِل بن سِنان الاشجعی۔	۳	۴۷۴
	۳	۴۸۰
معقل بن یسار۔	۵	۲۵
مَعْمَر بن عبد اللہ۔	۳	۴۵۳
	۶	۴۰۰
مَعْن بن یزید السُلَمی۔	۳	۳۷۰
	۴	۲۵۹
مُعَیقیب (بن) ابی فاطمۃ الدوسی	۳	۳۲۶
	۵	۴۲۵
مُغیرۃ بن شُعبہ۔	۴	۲۴۴
مِقداد بن الاسود۔	۴	۷۹
	۶	۲
	۶	۸
من سَمِعَ النبی صلعم۔	۴	۶۶
	۵	۵۹
من سَمِعَ منادی النبی صلعم۔	۳	۴۱۵
من شَہِدَ النبی صلعم۔	۴	-۶۰

نام	جلد	صفحہ
مولی لرسول اللہ صلعم	۳	۴۴۳
	۴	۲۳۷
مہاجر بن قنفذ	۴	۳۴۵
	۵	۸۰
مہران مولی رسول اللہ صلعم	۳	۴۴۸
میسرۃ الفجر (وہو ابو بدیل)	۵	۵۹
میمون بن سنباذ (الاسلع)	۵	۲۲۷
میمون او مہران مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴	۴۳
میمونۃ بنت الحارث زوج النبی صلعم	۶	۳۲۹
میمونۃ بنت سعد	۶	۳۶۳
میمونۃ بنت کردم	۶	۳۶۶
باب النون		
ناجیۃ الخزاعی	۴	۳۲۳
نافع بن عبد الحارث	۳	۴۰۷
نافع بن عتبہ بن ابی وقاص	۴	۲۳۷
نبیشۃ الہذلی	۵	۷۵
نبیط بن شریط	۴	۳۰۵
نضلہ بن عمرو الغفاری	۴	۳۳۶
نصر بن دہر؟ (لعلہ نصر)	۳	۴۳۱

نام	جلد	صفحہ
نعمان بن بشیر	۴	۲۶۴
	۴	۳۷۵
نعمان بن مقرن	۵	۴۴۴
نعیم بن حمار الغطفانی	۵	۲۸۶
نعیم بن مسعود	۳	۴۸۷
نعیم بن نحام	۴	۲۳۰
نفر من بنی سلمۃ	۵	۴۲۶
نقاوۃ الاسدی	۵	۷۷
نمیر الخزاعی	۳	۴۷۱
نواس بن السمعان الکلابی	۴	۱۸۱
نوفل الاشجعی	۵	۴۵۶
نوفل بن معاویۃ	۵	۴۲۹
باب الواو		
وائل بن حجر	۴	۳۱۵
	۶	۳۹۸
وابصۃ بن معبد الاسدی	۴	۲۲۷
واثلۃ بن الاسقع	۳	۴۹۰
	۴	۱۰۶
والد بعجنۃ بن عبد اللہ	۶	۲۹۶
وحشی الحبشی	۳	۴۰۰
ورقۃ بن عبد اللہ	۶	۴۰۵

نام	جلد	صفحہ
وفد عبد القیس۔	۳	۴۳۱
	۳	۴۳۲
	۴	۲۰۵
ولید بن عقبہ بن ابی معیط	۴	۳۲
ولید بن الولید	۴	۵۷
	۶	۶
وہب بن حذیفہ۔	۳	۴۲۲
وہب بن خنبش الطائی	۴	۱۷۷
(ولعلہ خنبش)	۴	۱۸۴
باب الہاء		
ہبیب بن مغفل۔	۳	۴۳۷
	۴	۴۳۷
ہرماس بن زیاد الباہلی	۳	۴۸۵
	۵	۷
ہزال (الاسلمی)	۵	۲۱۶
ہشام بن حکیم بن حزام	۳	۴۰۳
	۳	۴۶۸
ہشام بن عامر الانصاری	۴	۱۹
ہلب الطائی (ابن یزید)۔	۵	۲۲۶
ہند بن اسماء	۳	۴۸۴

نام	جلد	صفحہ
ہوذۃ الانصاری	۳	۴۹۹
باب الیاء		
یحیی بن حصین بن عروۃ	۴	۶۰
عن امہ	۵	۳۸۱
یحیی بن حصین عن عروۃ	۴	۶۹
عن جدہ	۵	۳۸۱
یزید بن الاخنس	۴	۱۰۴
یزید بن الاسود العامری۔	۴	۱۹۰
یزید بن ثابت	۴	۳۸۸
یزید بن السائب بن یزید۔	۴	۲۲۱
یزید عن العوام۔	۴	۸۹
یعلی بن امیۃ	۴	۲۲۲
یعلی بن مرۃ۔	۴	۱۴۰
یوسف بن عبد اللہ	۴	۳۵
بن سلام۔	۶	۶
یونس بن شداد	۴	۷۷
ابواب الکنیٰ		
باب الکنیٰ المصدرۃ بالاب		
ابو ابراہیم الانصاری عن ابیہ۔	۴	۱۵۰
ابو ابی بن ام حرام عبادۃ	۶	۷

نام	جلد	صفحہ
ابوالاحوص عن ابیہ ۔	۶	۷
ابو اروی	۴	۴۴۳
ابو اسرائیل عن النبی صلعم ۔	۴	۱۶۸
ابو اُسید (الساعدی)	۴	۴۹۶
ابو امامہ الباہلی ۔	۵	۲۴۸
ابو امیۃ الفزاری	۴	۳۱۰
	۵	۲۹۳
ابو ایاس ۔	۳	۴۳۵
ابو ایوب الانصاری ۔	۵	۴۱۲
ابو بردۃ الظفری	۶	۱۰
ابو بردۃ بن قیس اخو ابوموسیٰ الاشعری	۳	۴۳۷
	۴	۲۳۸
ابو بردۃ بن نیار	۳	۴۶۶
	۴	۴۴
ابو برزۃ الاسلمی	۴	۴۱۹
ابو بشیر الانصاری ۔	۵	۲۱۶
ابو بصرۃ الغفاری ۔	۶	۷
	۶	۳۹۶
ابو بصیر العبدی عن ابی بن کعب	۵	۱۴۰
ابو بعجۃ بن عبداللہ ۔	۶	۴۶۶

نام	جلد	صفحہ
ابوبکر عن ابیہ	۴	۸۰
ابوبکر الثقفی ۔	۶	۴۶۶
ابوبکر بن ابی زہیر عن ابیہ ۔	۳	۴۱۶
ابوبکر الصدیق ۔	۱	۲
ابوبکرۃ نفیع بن الحارث بن کلدۃ	۵	۳۵
ابو تمیمۃ الجہنی ۔	۳	۴۸۲
ابو ثعلبۃ الاشجعی ۔	۶	۳۹۶
ابو ثعلبۃ الخشنی ۔	۴	۱۰۶
	۴	۱۹۳
ابو ثور الفہمی	۴	۳۰۵
ابو جبیرہ بن الضحاک بن الضحاک	۵	۳۸۰
ابو جبیرۃ بن الضحاک عن عمومتہ	۴	۶۹
	۴	۲۶۰
ابو جحیفۃ (السوائی)	۵	۳۰۷
ابو جعد الضمری	۳	۴۴۴
ابو جمعۃ حبیب بن سباع ۔	۴	۱۰۶
ابو جہیم بن الحارث بن الصمۃ	۵	۱۶۹
ابو حازم الطائی	۳	۴۲۶
	۴	۲۹۲

نام	جلد	صفحہ	نام	جلد	صفحہ
ابوحذرد الاسلمی	۳	۴۲۳	ابورہم الغفاری	۴	۳۴۹
	۳	۴۴۸	ابوریحانۃ	۴	۱۳۳
ابوالحسن المازنی ۔	۴	۷۷	ابوزید الانصاری ۔	۵	۷۷
ابوالحکم او الحکم بن سفیان	۳	۴۱۰	ابوزید عمرو بن الاخطب	۵	۴۳۰
	۴	۲۱۲	ابوسعید الخدری ۔	۳	۲
ابوحمید الساعدی ۔	۵	۴۲۳	ابوسعید الزرقی ۔	۲	۳۲۱
ابوحیۃ البدری ۔	۳	۴۸۹	ابوسعید بن زید	۴	۱۴
ابوخداش ۔	۴	۲۲۰		۴	۴۶
ابوداؤد المازنی	۵	۴۵۰	ابوسعید بن ابی فضالۃ	۳	۶۶
ابوالدرداء عویمر	۵	۱۹۴		۴	۱۵
	۶	۴۴۰	ابوسعید بن المعلی	۳	۱۰
	۶	۴۴۵		۴	۱۱
ابوذر الغفاری ۔	۵	۱۴۴	ابوسخیرۃ الغفاری ۔	۴	
ابورافع	۶	۸	ابوسلمۃ الانصاری ۔	۵	۶
	۶	۳۹۰	ابوسلمۃ بن عبد الاسد ۔	۴	
ابورزین العقیلی ۔	۴	۱۰	ابوسلیط البدری ۔	۳	
ابورفاعہ	۵	۸۰	ابوسنابل بن بعکک	۴	
ابورمثۃ التیمی ۔	۲	۲۲۶	ابوسنان وحراج	۴	
	۴	۱۹۳	ابوالسوار عن خالہ	۵	
ابوروح الکلاعی ۔	۳	۴۷۱	ابوسود	۵	

نام	جلد	صفحہ
ابو سیارۃ المتعی۔	۴	۲۳۶
ابو شریح الخزاعی	۴	۳۱
	۶	۳۸۴
ابو شہم	۵	۹۴
ابو صرمہ	۳	۴۵۳
ابو طریف	۳	۴۰۶
ابو الطفیل عامر بن واثلہ	۵	۴۵۳
ابو طلحہ زید بن سہل الانصاری۔	۴	۲۸
ابو عامر الاشعری۔	۴	۱۲۹
	۴	۱۶۳
	۴	۲۰۱
ابو عالیۃ الریاحی عن ابی بن کعب	۵	۱۳۳
ابو عبدالرحمن الجہنی۔	۴	۲۳۳
ابو عبدالرحمن سفینہ مولی رسول اللہ صلعم۔	۵	۲۲۰
ابو عبدالرحمن الفہری۔	۵	۲۸۹
ابو عبداللہ الصنابحی	۴	۳۴۸
ابو عبدالملک بن منہال۔	۴	۱۶۵
ابو عبس شیخ ادرک النبی صلعم۔	۳	۴۷۹
	۴	۷۵

نام	جلد	صفحہ
ابو عبید۔	۳	۴۸۴
ابو عبیدۃ۔	۱	۱۹۰
ابو عثمن النہدی عن ابی بن کعب	۵	۱۳۲
ابو عزۃ	۳	۳۲۹
ابو عسیب	۵	۸۱
ابو العشراء الدارمی۔	۴	۳۳۴
ابو عقبہ	۵	۲۹۵
ابو عقرب	۵	۶۷
ابو عمرو بن حفص۔	۳	۴۷۵
ابو عمرۃ الانصاری۔	۳	۴۱۷
ابو عمرۃ عن ابیہ۔	۴	۱۳۸
ابو عمیر۔	۳	۴۸۹
ابو عیاش الزرقی۔	۴	۵۹
ابو الغادیہ	۴	۷۶
	۵	۶۸
ابو فاطمہ	۳	۴۲۸
ابو قتادۃ الانصاری۔	۴	۳۸۳
	۵	۲۹۵
ابو کاہل واسمہ قیس	۴	۳۰۶
ابو کبشۃ الانماری۔	۴	۲۳۰

نام	جلد	صفحہ
ابوکلیب	۳	۳۱۵
ابولابس الخزاعی۔	۴	۲۲۱
ابولبابۃ عبدالمنذر بن عبدالمنذر	۳	۴۳۰
البدری۔	۳	۴۵۲
	۳	۵۰۲
ابولیلی عبدالرحمن بن ابی لیلی۔	۴	۳۴۷
ابومالک الاشجعی۔	۴	۱۴۰
ابومالک الاشعری۔	۵	۳۴۱
ابومالک سہل بن سعد الساعدی	۴	۳۳۰
ابومحذورۃ المؤذن۔	۳	۴۰۸
	۶	۴۰۱
ابومرثد الغنوی۔	۴	۱۳۵
ابومسعود البدری الانصاری۔	۴	۱۱۸
ابومسعود عقبۃ بن عمرو۔	۵	۲۷۲
ابوالمعلی۔	۳	۴۷۷
ابوملیح عن ابیہ۔	۵	۲۴
ابوالمنذر ابی بن کعب۔	۵	۱۱۳
ابوموسیٰ الاشعری۔	۴	۳۹۱
ابوموسی الغافقی۔	۴	۳۳۴
ابومویہبہ مولی رسول اللہ صلعم	۳	۴۸۸

نام	جلد	صفحہ
ابونجیح السلمی	۴	۳۸۴
ابوالنعمن الانصاری۔	۳	۴۷۶
ابونملۃ الانصاری۔	۴	۱۳۶
ابونوفل بن ابی عقرب عن ابیہ	۴	۳۴۷
ابوواقد اللیثی۔	۵	۲۱۷
ابووہب الجشمی	۴	۳۴۵
ابوہاشم بن عتبہ۔	۳	۴۴۳
ابوہاشم بن عتبہ۔	۵	۲۹۰
ابوہریرۃ الدوسی عن ابی بن	۳	۲۲۸
کعب	۵	۱۱۴
ابوہند الداری۔	۵	۲۷۰
ابوالیسر الانصاری عن کعب		
بن عمرو۔	۳	۲۲۷

باب الکنی المصدرۃ بالابن

نام	جلد	صفحہ
ابن اکوع	۴	۵۰
ابن اوزع۔	۴	۳۳۷
ابن ابی خزامہ	۳	۴۲۱
ابن ابی زید۔	۳	۴۱۸
ابن ام مکتوم۔	۳	۴۳۳

نام	جلد	صفحہ
ابنۃ ابی الحکم الغفاری	۴	۶۴
	۵	۸۴
	۵	۳۷۷
ابنۃ خبّاب	۶	۳۷۲
ابن الربیعؓ عن ابیہ۔	۳	۴۸۱
ابن صروٰ۔	۶	۳۹۴
ابن صفوان الزہری۔	۴	۲۶۲
ابن عائبس۔	۳	۴۱۷
ابن عبس	۳	۴۱۹
ابنی قریظہ۔	۴	۳۴۱
ابنۃ کردم عن ابیہا۔	۴	۶۴
ابن مرّبع الانصاری۔	۴	۱۳۷
ابن معدہ صاحب الجیوش۔	۴	۱۷۶
ابن المنتفق	۶	۳۸۳
ابن نجاد عن جدۃ۔	۴	۷۰

الکنیٰ المصدرہ بالاُم

نام	جلد	صفحہ
ام اسحاق مولاۃ ام حکیم۔	۶	۳۶۷
ام ایمن۔	۶	۴۲۱
ام ایوب۔	۶	۴۳۳
	۶	۴۶۲

نام	جلد	صـ
ام بجید۔	۶	۲
ام بلال	۶	۱۸
ام جندب الازدیہ۔	۶	۶۹
ام جمیل بنت مجلل۔	۶	۲۷
ام حبیبہ	۶	۲۵
ام حبیبہ بنت جحش۔	۶	۳۴
ام حبیبۃ بنت ابی سفین ام المومنین۔	۶	۴۵
ام حرام بنت ملحان۔	۶	۶۱
	۶	۴۳
ام الحصین الاسلمیۃ	۶	۰۲
ام حمید۔	۶	۶۱
ام حکیم بنت زبیر	۶	۷۱
	۶	۱۹
ام خالد بنت خالد بن سعید۔	۶	۱۴
ام الدرداء	۶	۹۱
	۶	۵۲
ام رومان ام عائشۃ ام المومنین	۶	۶۲
ام سلمہ ام المومنین۔	۶	۱۸
	۶	۹۱

نام	جلد	صفحہ
ام سلیم	۶	۳۷۹
	۶	۴۳۰
ام سفیٰن بن عمرو بن الاحوص	۳	۵۰۳
	۶	۳۷۹
ام شریک	۶	۴۲۱
	۶	۴۶۲
ام حبیبۃ الجہنیہ۔	۶	۳۶۶
ام طارق	۶	۳۷۸
ام طفیل	۶	۳۷۵
ام عامر	۶	۳۷۲
ام عبدالرحمٰن بن طارق۔	۶	۴۳۶
ام عثمان ابنۃ عثمان۔	۴	۶۸
ام عطیۃ الانصاریہ۔	۵	۸۴
	۶	۴۰۷
ام العلاء الانصاریۃ	۶	۴۳۶
ام عمارۃ بن کعب	۶	۳۶۵
	۶	۴۳۹
ام فروہ	۶	۴۷۴
	۶	۴۴۰
ام فضل بن عباس۔	۶	۳۳۸

نام	جلد	صفحہ
ام قیس بن محصن۔	۶	۳۵۵
ام کرز الخزاعیہ۔	۶	۴۶۴
ام کرز الکعبیۃ	۶	۳۸۱
"	۶	۴۲۲
	۶	۴۴۰
ام کلثوم بنت عقبہ۔	۶	۴۰۳
ام مالک البہزیۃ۔	۶	۴۱۹
ام مبشر امرأۃ زید بن حارثہ	۶	۳۶۲
	۶	۳۷۲
	۶	۴۲۰
ام مسلم الاشجعیۃ	۶	۴۳۷
ام معقل الاسدیۃ۔	۴	۲۱۰
	۶	۳۷۵
	۶	۴۰۵
ام المنذر بنت قیس الانصاری۔	۶	۳۶۳
ام ولد شیبۃ بن عثمان۔	۶	۴۰۴
ام ہانی بنت ابی طالب	۶	۳۴۰
	۶	۴۲۳
ام ہشام بنت حارثہ	۶	۴۳۵
	۶	۴۶۳

نام	جلد	صفحہ
باب الجد		
جد اسمٰعیل بن امیّۃ	۳	۴۱۲
جد ابی الاشتد السلمی	۳	۴۲۴
جد ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید	۴	۷۰
جد حبیب	۳	۴۴۵
جد زہرہ المعید۔	۴	۳۳۶
جد طلحۃ الایامی	۳	۴۸۱
جد عکرمۃ بن خالد المخزومی۔	۳	۴۱۶
باب الجدۃ		
جدۃ رباح بن عبد الرحمن		

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جاوے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے۔ کوشش کی جائیگی کہ اس رسالہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں کے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید قلمی رسالے بھی بالاقساط شائع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے۔ حصہ اول عربی، فارسی، اردو اور پنجابی (بحروف فارسی)، حصہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی)۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی اور اگست میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک۔ سالانہ چندہ مکمل رسالہ کے لئے [illegible]۔ ہر حصہ کے لئے [illegible]۔

اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ بوقت داخلہ کالج رعایتی شرح سے وصول ہوگا۔

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق جملہ خط و کتابت اور ترسیل زر بنام پرنسپل اورینٹل کالج [illegible] کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات چیف ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلم تحریر۔ چیف ایڈیٹر کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں۔ حصہ عربی و فارسی [illegible] ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔ حصہ سنسکرت و ہندی کے ایڈیٹر ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم۔ اے پی ایچ ڈی اور حصہ پنجابی کے بعض [illegible]

[illegible]

فہرستِ مضامین

رسالہ در معرفتِ عناصر و کائنات الجوّ

عنوان	صفحہ
دیباچہ از ناشر	۳۱
دیباچۂ مصنف	۳۳
مقدمہ در چہار فصل	۳۹
فصل ۱ - در بیان اقسام اجسام بسایط و مرکبات . . .	۳۹
فصل ۲ - در ذکر طبقات زمین و ہوا	۴۰
فصل ۳ - در اثبات استحالت پذیرفتن اجسام و قبول کردن کون و فساد . .	۴۶
فصل ۴ - در کیفیت تولد بخارات	۵۰
باب اول - در سبب پیدا آمدن ابر	۵۱
" دوم - در سبب پیدا آمدن رعد و برق	۵۳
" سیوم - در معرفت حدوث باران	۵۶
" چہارم - در معرفت حدوث برف	۵۸
" پنجم - در سبب پیدا آمدن یخچہ . .	۵۹
باب ششم - در سبب پیدا آمدن نزم	۶۰
" ہفتم - در سبب پیدا آمدن قوس قزح	۶۱
" ہشتم - در سبب پیدا آمدن خرمن ماہ	۶۲
" نہم - در سبب پیدا آمدن صواعق و کواکب منقضہ و ذوات الاذناب و دیگر علامات کہ در ہوا پدید آید	۶۸
" دہم - در سبب پیدا آمدن بادہا	۷۲
" یازدہم - در سبب زلزلہ . . .	۷۵
" دوازدہم - در سبب پیدا آمدن چشمہای آب	۷۷
" سیزدہم - در سبب پیدا آمدن معدنیات	۷۹
فرہنگ	[illegible]
حواشی .	[illegible]

اورینٹل کالج میگزین

(جلد ۴ ۔ عدد ۴)

بابت

اگست ۱۹۲۸ء

(عدد مسلسل ۱۶)

(حصّہ اوّل)

چیف ایڈیٹر

مولوی محمد شفیع ایم ۔ اے

مطبع کریمی لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر چھپا اور بابو این این مترا

نے

اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	افغانانِ قصوری	ایڈیٹر	۱
۲	چندر بھان برہمن	سید محمد عبد اللہ ایم - اے	۲
۳	عربی جغرافیہ نگار	صوفی غلام مصطفےٰ تبسم ایم - اے	۱۳
۴	رسالہ در معرفت عناصر و کائنات الجو کا سن تصنیف . . .	ایڈیٹر	۲۴
۵	عرب جاہلیت کی شاعری	محمد فضل حق ایم اے میکلوڈ عربک ریسرچ سکالر	۲۵
۶	اقتباس از فرحۃ الناظرین	ایڈیٹر	
	شاہ اورنگزیب کے عہد کے مشاہیر علما و شعرا کے تراجم		۵۳
	ذکر علمای این عصر		۷۰
	ذکر اسامی شعرای عصر		۸۶
	فہرست تراجم		۱۰۸
۷	جواہر نامہ	ایڈیٹر	
	دیباچہ		۱۱۲
	متن جواہر نامہ		۱۱۳
	فہرست مضامین		۱۳۲
۸	سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ	میر حفیظ الدین صاحب	۱۳۳

افغانانِ قصوری

کرنیل جیمس سکنر[1] نے تشریح الاقوام کے نام سے ایک کتاب فارسی میں لکھی۔ جس میں ہندوستان کی مختلف قوموں کے حالات دئے ہیں۔ برٹش میوزیم میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے جس کا ذکر ریو نے اپنی فہرست کے صفحہ ۶۵ پر دیا ہے۔ یہ نسخہ مصور ہے۔ تصویریں مختلف ہندوستانی اقوام کی شکل وشباہت اور لباس کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور ہندوستانی مصور (یا مصوروں) نے بنائی ہیں۔ اس کتاب کی تیسری فصل میں قصور کے پٹھانوں کا مختصر حال دیا ہے۔ اسکو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ تصویر جو اس بیان کی وضاحت کے لئے اصل نسخہ میں ہے اسکا عکس بھی شایع کرتے ہیں:—

احوالِ افغانانِ قصوری

قصور شہریست بفاصلہ ہجدہ[۱۸] کروہ از لاہور بجانب مشرق ... شہر مذکور تمام افغانان قصوری مسکنت دارند و زمین مردخیز است و افغانان

---

[1] موصوف ۱۷۷۸ء میں ہندوستان میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۱ء میں ہانسی میں فوت ہوا۔

آنجا جمله روزگار پیشه و در شجاعت و تهور و جلادت معروف و مشهور علی الخصوص در فن شمشیرزنی طاق و زن و مرد آنجا بجز و جمال شهره آفاق اند و نواب قطب الدین خان درین زمان سرگروه ایشان است در رفاقت کدام پادشاه ازین طائفه کار جنگ بجز سرانجام یافته بود ازین جهت نامور شده اند و تا حکم سلطنت چغتائیه در اطاعت پوشان می بودند و بعد بدنسقی خلافت هند مطیع کسی نشدند و با راجه رنجیت سنگه در آغاز طلوع نیر آفتاب حشمتش بجنگ مقابله شده بودند راجه مذکور بتائید یزدانی و امداد آسمانی در یکدو روز بر ایشان غالب آمده تمام سرداران و فوج ایشان را که جمله از قوم افغانان قصوری بودند هزیمت داده بزور تیغ مغلوب ساخت و شهر را بتصرف خود آورد و تا حال در قبضه اوست فقط ۔

چندربھان برہمن

چندربھان کا والد دھرم داس لاہور کا باشندہ تھا[۱]۔ اور ملازمت بادشاہی میں پیشۂ متصدی سے آذوقہ حاصل کرتا تھا۔ تذکرۂ حسینی[۲] کا بیان ہے کہ دھرم داس کا وطن اصلی اکبرآباد ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ چندربھان لاہور کا باشندہ تھا۔ جس کو غلطی سے بیل صاحب[۳] نے

۱؎ عمل صالح (قلمی)، ورق ۱۱۳، ۲؎ تذکرہ حسینی (قلمی)، ق ۹۵ ۳؎ بیل کی ڈکشنری مشاہیر طبع ۱۸۹۴، ص ۱۴

پٹیالہ سے تعبیر کیا ہے۔ مرآۃ الخیال میں اسے "چندر بھان زنار دار" کے نام سے یاد کیا گیا ہے[1]۔

ابتدائی تعلیم ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی سے حاصل کی[2]۔ طالب علمی کے زمانے سے لے کر زمانۂ ملازمت تک کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ عمل صالح[3] میں لکھا ہے کہ برہمن پہلے پہل امیر عبدالکریم میر عمارت لاہور کی ملازمت میں داخل ہوا۔ چندر بھان کا بھائی اودے بھان، شاہجہان آباد کے ناظم عاقل خان کے دفتر میں نوکر تھا۔ سب سے پہلے غالباً برہمن کی شاہ جہان سے ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا[4]۔ چندر بھان امیر عبدالکریم میر امارت کی ملازمت چھوڑ کر کچھ مدت بعد افضل خاں وزیر کل کی ملازمت میں منسلک ہوا۔ لیکن افضل خاں کی وفات (۱۰۴۸ھ) نے اسے ایک جاں نثار مربی سے محروم کر دیا۔ بعد ازاں اسکو شاہی ملازمت میں منشی گری کے کام پر مامور کر دیا گیا۔ تاکہ وزرا اور دیگر افسران اعلیٰ کی تحریری معاونت کرے۔ دارا شکوہ کو برہمن کی طرز تحریر نہایت پسند تھی۔ چنانچہ برہمن مدت مدید تک دارا شکوہ کا منشی خاص رہا۔ تا آنکہ وہ عالمگیر کے ساتھ حصول تخت کے لئے جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد برہمن نے عزلت گزینی کر لی۔ اور بنارس میں ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوا[5]۔

منشآت برہمن سے معلوم ہوتا ہے کہ چندر بھان کے تین اور بھائی بھی تھے۔ جن میں سے ایک اودے بھان، عاقل خان کے دربار میں متصدی تھا۔ باقی دو بھائی رائے بھان و اندر بھان تعلقات دنیوی سے

---

[1] مرآۃ الخیال (قلمی)، ق ۱۴۸ [2] نشتر عشق (قلمی)، ج ۱، ق ۵۰ و ریو ج ۲، ص ۹۲۳،
[3] ورق ۱۲، [4] نشتر عشق بحوالہ سابق [5] ایضاً

علیحدہ ہو کر، فقر و فنا کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ برہمن کے تعلقات ان کے ساتھ نہایت خوش آیند تھے۔ چنانچہ اپنے خطوط میں ان کے متعلق نہایت عزت و احترام کے الفاظ استعمال کرتا ہے[1]۔

منشات میں ایک اور خط ہے جو برہمن نے اپنے فرزند تیج بھان کے نام لکھا ہے[2]۔ اس کے علاوہ برہمن کی کسی اور اولاد کا حال معلوم نہیں بیل صاحب لکھتے ہیں کہ برہمن نے بمقام آگرہ ایک نہایت اچھی رہائش گاہ تیار کی تھی۔ لیکن اب اس کے آثار ناپید ہیں[3]۔ امرائے ہنود میں لکھا ہے کہ اب تک آگرہ میں ایک باغ 'باغ چندر بھان' کے نام سے مشہور ہے[4]۔

برہمن نہایت سلیم المزاج، صلح کل ہندو تھا۔ عمل صالح[5] میں لکھا ہے کہ ہر چند بصورت ہندو ست لیکن دم در اسلام می زند" اپنی تحریرات میں ہندوانہ مراسم کا نہایت عزت سے ذکر کرتا ہے۔ طبیعت میں ایک گداز تھا۔ کہتے ہیں[6] ہر وقت آنکھیں تر رہتی تھیں۔ ابنائے نوع کیساتھ ہمدردی بے حد تھی۔ منشات[7] میں بے شمار ہندوؤں کے نام ملتے ہیں۔ جن کے متعلق برہمن نے امراء و عمائد کو سفارشی خط لکھے ہیں۔ جن میں ان کے حالات کی پریشانی اور قابلیت پر زور دیا ہے۔

دارا شکوہ، برہمن کی اکثر قدر افزائی کیا کرتا تھا۔ تذکروں[8] میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ برہمن نے ایک غزل لکھی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

---

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک نسخہ ہے [2] منشات برہمن (قلمی) ق ۹۶ [3] ص ۱۸۳
[4] بیل بحوالۂ سابق [5] حوالۂ سابق [6] عمل صالح بحوالۂ سابق [7] نسخہ یونیورسٹی لائبریری
[8] نشتر عشق وغیرہ،

مرا دلے ست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

دارا شکوہ کو یہ غزل بے حد پسند آئی۔ اس غزل کو لے کر وہ شاہ جہان کے پاس حاضر ہوا۔ بادشاہ کی طبیعت اس وقت کچھ آزردہ تھی۔ یہ شعر سن کر اور مضطرب ہوئی۔ امرا نے لطائف الحیل سے بادشاہ کی طبع کو تسکین دی۔ اور شاہزادہ سے کہا کہ اس قسم کے اشعار پیش کرنے سے احتراز کیا کرے۔ اگرچہ روایت کی صحت میں کچھ کلام ہے۔ مگر یہ امر بالکل مسلم ہے۔ کہ برہمن کو دارا شکوہ کے دربار میں خصوصیت حاصل تھی۔ برہمن کو خطِ شکستہ میں کمال حاصل تھا[1]۔ تذکرۂ خوشنویسان[2] میں اس کے خط کی صفائی کی تعریف کی گئی ہے۔

یہاں تک برہمن کے وہ حالات ہیں جو مختلف تذکروں اور تاریخوں سے جمع کئے جا سکے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی تصنیفات پر ایک تبصرہ کرینگے۔ جس سے برہمن کی شاعری اور انشا کا ایک سرسری اندازہ کرنا مقصود ہے۔

منشات کی ابتدا میں برہمن نے اپنی متعدد تصانیف کا نام لیا ہے مثلاً چہار چمن (۲) گلدستہ (۳) تحفۃ الانوار (۴) نگار نامہ (۵) تحفۃ الفصحا (۶) مجموعۃ الفقرا۔ ان کے علاوہ (۷) منشات اور (۸) دیوان وغیرہ وغیرہ ان سب میں سے زیادہ مشہور چہار چمن۔ منشات اور دیوان تین تصانیف ہیں۔

---

[1] عمل صالح (قلمی) ق ۱۳ ۷ [2] تذکرہ خوشنویسان

۱۔ چہار چمن۔ یہ کتاب شاہ جہان کے عہد حکومت کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ ان تمام اوقات کا ذکر ہے۔ جن پر برہمن نے بادشاہ کے ساتھ ملاقات کی۔ اور ان ملاقاتوں کے دوران میں اپنے اشعار بادشاہ کو سنائے شاہ جہان کا روزمرہ پروگرام بڑی شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن نے سب سے پہلے ۱۰۵۵ھ میں شاہجہان کے دربار میں بار پایا[1]۔ چہار چمن خود مصنف کے حالات اور بعض جزئی تفصیلات کے لئے ایک مفید تاریخی مجموعہ ہے۔ اور شاہ جہان کی تاریخ لکھنے والے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

۲۔ منشآت برہمن۔ یہ چندر بھان برہمن کے ان خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو اس نے وقتاً فوقتاً شاہ جہان، امرائے دربار، ہمسران عہد اور اپنے متعلقین کے نام مرقوم کئے۔ زیادہ تر لشکر خاں اور افضل خاں وزیر کل کی طرف لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر سفارشی خطوط ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے اسمار لکھے جاتے ہیں۔ جن کی قابلیت یا پریشانی حال کی طرف توجہ دلائی گئی ہیں۔ بہوپت رائے منشی، خواجہ انند روپ، ہرناتھ برہمن، تلسی رام۔ خواجہ کھیم داس، اندر بھان، دیالداس، ملا محمد جان قدسی، گوپال داس منشی، پران ناتھ وغیرہ۔ ان ناموں کے پیش کرنے سے یہ مقصود ہے۔ کہ شاہ جہان کے عہد میں ہندو ملازمین اور ان کی فارسی دانی کی تدریجی ترقی کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ آخر میں ایک آدھ خط اپنے والد کے نام ہے۔ چند خطوط اپنے تارک الدنیا بھائیوں (رائے بھان و اندر بھان)

---

[1] دیکھو ریو، ج ۲، ص ۹۲۵

کے نام لکھے گئے ہیں۔ کچھ خطوط اپنے فرزند تیج بھان کو مخاطب کرکے تحریر کئے گئے ہیں۔ جن میں اسکو فارسی عربی میں کمال حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

۱۔ برہمن کے یہ خطوط تاریخی حیثیت سے چنداں قابل وقعت نہیں البتہ فن انشار کے نکتہ نظر سے قابل قدر مجموعہ ہے۔

۲۔ تذکرۂ حسینی[1] کا مصنف لکھتا ہے کہ" دیوانے و انشائی بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"۔ عمل صالح[2] میں لکھا ہے کہ وہ اپنی انشا میں ابوالفضل کا مقلد ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بیان صحیح نہیں۔ برہمن کی طرز نہایت سادہ ہے۔ بخلاف اس کے ابوالفضل نے فارسی میں نہایت مشکل اور پیچیدہ انداز تحریر کو عروج کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ برہمن کے سامنے ابو الفضل کی انشاء موجود ہوگی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوانہ افتاد طبع کے باعث وہ مشکل نگاری سے متنفر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ محمد صالح[3] کے بیان کے مطابق ترسل و انشا میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔ اور اسکو نامہ طرازی اور مدعا پردازی میں پوری مشق تھی۔ لیکن اسکے باوجود اسکا انداز بالکل سادہ "تکلف و اغراق سے پاک، مسلسل استعارات و تشبیہات سے خالی ہوتا ہے۔ کلمات الشعرار[4] کے مصنف کا بیان ہے۔ کہ بطرز قدیم شستہ و صاف . . . . . در ہندو واں غنیمت بود"۔ میرے خیال میں اس کے سب سے مشکل خطوط وہ ہیں۔ جو اسنے تیج بھان اور

---

[1] تذکرہ حسینی (قلمی) ق ۴۹ [2] ق ۱۳، [3] عمل صالح (قلمی) ق ۱۷،
[4] کلمات الشعرا (قلمی) ق ۹،

اپنے تارک الدنیا بھائیوں کو لکھے ہیں۔ اگر ان کو غور سے دیکھو تو ابوالفضل وغیرہ کی نہایت ہی خفیف جھلک دکھائی دیتی ہے۔ لیکن ہم یہ فتویٰ کبھی نہ دے سکیں گے۔ کہ اسکا انداز تحریر مشکل ہے۔ اور بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گلستاں کی عبارت ہے۔ مثلاً "چون جان بخشی او فرموده اند نان بخشی، او کم از جان بخشی نیست" وغیرہ وغیرہ (۲) رائے صاحب رائے من، ہر چند کمتر یاد مے فرمایند، بیشتر بیاد مے آیند"

۲۔ سادگی کے علاوہ ایک اور امر قابل غور ہے۔ کہ اس کے رسائل و رقعات نہایت مختصر ہیں۔ القاب و آداب میں وہ شان و شوکت نہیں بلکہ اس کی جگہ سلاست اور سادگی پائی جاتی ہے۔ اگر ایک طرف ابوالفضل ملا عنایت اللہ کنبوہ، ملا منیر اور دوسرے منشیان عہد کے خطوط رکھو اور دوسری جانب برہمن کے۔ تو یقیناً دور حاضر کا ایک تعلیم یافتہ آدمی برہمن کے خطوط کو بلحاظ سادگی اور ایجاز کے ترجیح دیگا۔ مثال کے طور پر ذیل کے القاب جو مختلف الحال مکتوب الیہ کی طرف لکھے گئے ہیں۔ لکھے جاتے ہیں:۔

۱۔ افضل خان کے نام = خان شہامت نشان سلامت[۱]
۲۔ " کے نام = نقاوۂ دودمان مجد و اعتلا
۳۔ راجہ ٹوڈرمل شاہجہانی کے نام = راجہ والا منزلت سلامت
۴۔ راجہ لعل چند کے نام۔ رائے صاحب رائے من
۵۔ والد کے نام = قبلۂ حقیقی سلامت

---

[۱] یہ سب اقتباسات، منشات برہمن سے لئے گئے ہیں۔

۶۔ بھائی کے نام = برادرِ غمخوار من

۷۔ فرزند کے نام = معلوم فرزند ارجمند خواجہ تیج بھان باد

۴۔ تحریر میں ہندوانہ عقائد کا رشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ مثلاً یہ لکھنا ہو کہ "فلاں کہ نشانِ عبادت و اطاعت بر جبین و رشتۂ عقیدت در گلو دارد" ۔ برہمن اکثر مقامات پر اس کو یوں ادا کرتا ہے "برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبین و زنار عقیدت در گلو دارد" ۔ اسی طرح اس کا ایک شعر ہے :۔

مرا برشتۂ زنار الفتے خاص است
کہ یادگار من از برہمن ہمیں دارم

دیوان برہمن: برہمن نے اور کتابوں کے علاوہ ایک دیوان بھی یادگار چھوڑا ہے۔ نشترِ عشق[1] کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن نے ایک دفعہ کئی دیوان نہایت عمدہ خط میں لکھوائے۔ اور ہر ہر صفحے کو نہایت اعلیٰ بیل بوٹوں کے ساتھ آراستہ کیا۔ اور پھر نہایت نفیس جلدبندی کر کے ایران و توران وغیرہ بیرونی ممالک کے علماء و شعراء کی طرف روانہ کیا۔ اور لکھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب کر کے اس کی طرف روانہ کریں۔ علما کی ستم ظریفی سمجھئے یا بے ذوقی۔ کہ انہوں نے جلد اور آراستہ و پیراستہ بیل و بوٹوں کو دیوان سے جدا کر کے اس کی طرف واپس بھیجدیا۔ اور دیوان یعنی متن کو ضایع کر دیا"۔ اس حکایت کی صحت اور درستی کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس سے اتنا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کہ

---

[1] نشترِ عشق (قلمی) ج ۱، ق ۹۰،

برہمن نے اپنا دیوان اپنے جیتے جی مرتب کر لیا تھا۔ دیوان کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔ یہ دیوان غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے۔ قصائد موجود نہیں۔ البتہ غزلیات میں بعض مدحیہ غزلیات موجود ہیں مثلاً

چراغ بزم شہنشاہ شد چنان روشن
کہ شد ز پرتوِ آن چشم آسمان روشن

برہمن کی خصوصیات شاعری میں سے ایک سادگیٔ کلام ہے"۔ دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمن فارسی و اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا ہے۔ عشق کی کیفیات، محبت کی صعوبتیں، تصوف کی منزلیں، وحدۃ الوجود کے مراحل، برہمن کے کلام میں اسی طرح پائے جاتے ہیں۔ جس طرح باقی شعرا کے کلام میں۔

ہندوؤں میں برہمن سب سے پہلا باکمال شاعر تھا جس نے دیوان چھوڑا ہے۔ ہمارے تذکرہ نویسوں نے برہمن کے کلام میں سے صرف چند اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن سب سے پہلا ہندو شاعر ہونے کے لحاظ سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے خیالات کا عمق دریافت کرنے کے لئے بہت سی مثالیں پیش کی جائیں :-

ہر کہ دارد ہوس عشق، نشانے با اوست — چوں گل لالہ بدل داغ نہانے با اوست
در جہان باش ولیکن ز جہاں فارغ باش — ہر کہ فارغ ز جہانست جہانے با اوست
مرد را سود و زیاں در نظر آید یکساں — ہر کہ شد در گرو سود، زیانے با اوست

وحدۃ الوجود : با نسے خانہ و بت خانہ و لے خانہ یکیست
خانہ بسیار و لے صاحب ہر خانہ یکیست

بے ثباتی عالم :- بنای قصر جہاں را ثبات ممکن نیست
بجز اساس محبت کہ دیر بنیاد است

راستی :- راستی نیست اینکہ دارد سرو
راست گویم کہ راستی دگر است

عمر :- خواہی کہ کنی از روشِ عمر تماشا
یک لحظہ برہمن بسرِ جو شدہ بنشیں

تخیل :- بسکہ طبع شگفتہ داریم
لاجرم ہمچو گل پریشانیم

تخیل :- آن نکتہ کہ غالب نام دارد
از روئے تو انتخاب کردیم

ترک مدعا :- برہمن ار نکند یاد مدعا چہ عجب
کہ مدعا ہمہ در ترکِ مدعا باشد

کمر :- درین خیال چو مو گشتم و ز شوق ہنوز
خیال موئے میان تو از میان نرود

تخیل :- بنازم آن سرِ زلفِ سیہ کہ نیم شبے
چو در خیالِ من آید، شبم دراز کند

وحدۃ الوجود :- گل یکے خار یکے شاخ یکے تاک یکیست
نزدِ اربابِ نظر ہر خس و خاشاک یکیست

محبّت :- دل در غنیمت عشق پروردہ از محبت ہمیشہ بار ورست
برہمن بازہ دل بنگاہے بردند دلبرے لب شکرے، دل آزارے چند
مرا برشتۂ زنار لطفِ خاص ست کہ بیادگارِ من، از برہمن دارم

ما دردِ دل خویش نہفتیم و نگفتیم — شب تا سحر از درد نہفتیم و نخفتیم
بارشتۂ مژگاں ہمہ شب دانۂ اشکے — از غیر نہاں داشتہ سفتیم و نگفتیم
در راہ محبت بخیال قدم او — ہر مرحلہ را با مژہ سفتیم و نگفتیم
درسینۂ خود را ز غم عشق برہمن — چوں غنچہ بصد پردہ نہفتیم و نگفتیم

ما پست و بلند روزگاران دیدیم — ما فصلِ خزان و نوبہاران دیدیم
در راہ طلب دو اسپہ مے باید تاخت — ما تاختن شاہ سواران دیدیم

مرآۃ الخیال[۱] کے مصنف نے سارے دیوان میں سے یہ غزل پسند کی ہے:-

کنم زسادہ دلی بند دیدہ مژگاں را — بمشت خس نتواں بست راہ طوفاں را
شبے خیال تو آمد بخواب آسودیم — دگر زہم نکشودیم چشم گریاں را
برہمن از تو سخن بے دلیل مے خواہم — کہ اعتبار نباشد دلیل و برہاں را

سید محمد عبداللہ
ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی

---

[۱] مرآۃ الخیال (قلمی)، ق ۱۴۸

عربی جغرافیہ نگار

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۲۸ء)

فصل دوم

ابو عبداللہ محمد ادریسی عرب کا ممتاز ترین جغرافیہ نگار نہیں لیکن جب علمی دنیا میں مشرقی علم جغرافیہ کا ذکر آئے تو ابوالفدا کے نام کے ساتھ اسکا نام بھی ذہن میں آتا ہے۔ اسکی کتاب بلاشک و شبہ ایک نہایت مفید تصنیف ہے۔ رینو[1] لکھتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ کتاب سترابو[2] کی کتاب کی طرح فن جغرافیہ کی ایک حقیقی یادگار ہے۔ اسکا ایک حصہ ابتدا ہی میں چھپ گیا تھا۔ جسکو بعد میں میرونائٹ جبریل سیونیتا[3] - اور جون ہزرونیٹ[4] نے ترجمہ کیا۔ جو دربار شاہی کے عربی اور سریانی زبانوں کے مترجم تھے۔ ان دونوں ایڈیشنوں میں کتاب کا عنوان جغرافیہ نیوبی انسس[5]

---

1. Reinaud 2. Strabon.
3. Maronites Gabriel Sionita
4. Joannes Hesronita 5. Geographia nubiensis.

لاطینی زبان میں ہے ۔ اس کتاب کو شائع کرنے والے عربی مصنف کا نام نہ پڑھ سکے ۔ ادریسی کی تصنیف کو مکمل صورت میں یوبیر[1] نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے ۔ لیکن یہ ترجمہ قابل اصلاح ہے ۔

ادریسی جسکو عرب والوں نے شریف کا لقب دیا ہے ۔ ادریسیوں کے اس علوی خاندان سے تھا ۔ جسکی ایک شاخ مراکو میں حکمران رہی وہ مقام سبتہ میں ۴۹۳ھ میں پیدا ہوا ۔ جہاں اسکے والدین جاکر آباد ہوئے تھے ۔ اس نے پہلے قرطبہ میں تعلیم پائی ۔ جوانی میں بہت سے سفر کئے ۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ میں نے لزبن، اندلس کی کانوں مراکو اور قسطنطنیہ کو بھی دیکھا ہے ۔ وہ فرانس اور انگلینڈ کے سواحل تک پہنچا تھا ۔ اگرچہ وہ ان ممالک کے حالات صحیح بیان نہیں کرتا ۔ ادریسی ایک عبارت میں جسکو ابوالفدا نے نقل کیا ہے ۔ یوں بیان کرتا ہے : ـ

"ہم نے اپنی آنکھوں سے بحر ظلمات کے مد و جزر کو دیکھا ہے ۔ بحر محیط کے اس حصہ میں جو ہسپانیہ اور برطانیہ کے مغرب میں واقع ہے ۔ سمندر کا پانی دن کے تیسرے گھنٹے سے چڑھنا شروع ہوتا ہے ۔ اور نویں گھنٹے کے آخر تک چڑھتا رہتا ہے ۔ اس کے بعد چھ گھنٹوں میں دن کے ختم ہونے تک اترتا رہتا ہے ۔ پھر چھ گھنٹوں تک چڑھتا اور علیٰ ہذالقیاس اترتا ہے ۔ چاند کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں اور سولھویں راتوں میں اس مد و جزر کا زیادہ زور ہوتا ہے"۔

---

1. Jaubert.

ان راتوں میں پانی معمول سے زیادہ چڑھتا ہے۔ اور دیگر اوقات کی نسبت اس کا درجہ بلندی زیادہ ہوتا ہے۔ اس واقعہ کو مغربی سواحل کے باشندے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں + مشرق میں ادریسی نے ایشیائے کوچک تک سفر کیا تھا۔

ہمارا جغرافیہ نگار صقلیہ کے نارمن بادشاہ روجر دوم کے دربار میں ۵۴۴ھ میں تھا الصفدی نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ یہ بادشاہ فلسفیانہ علوم کا بہت شائق تھا۔ اسنے ادریسی کو افریقہ سے بلا کر یہ کام اس کے سپرد کیا۔ کہ ایک ایسی چیز بنائے جو ہیئت ارض کا نمونہ ہو۔ ادریسی نے چاندی کی کچھ مقدار طلب کی۔ بادشاہ نے چار لاکھ درہم کے ہموزن ایک ٹکڑا اسے دیا۔ ادریسی نے اس دھات سے متصلہ دائرے بطور کراۃ سماوی تیار کئے۔ اور ساتھ ہی ایک قرص یا مسطح مدور تیار کی۔ جو وزن میں ۴۵۰ رومن پونڈ (جسکا وزن ۱۱۲ ڈرام کے برابر ہے) تھی۔ پھر خواہش کی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کی جائے۔ جس میں سطح مدور کی تشریح اور توضیح اور ارض کا پورا پورا بیان ہے۔ اس سوانح نگار کا خیال ہے۔ کہ بادشاہ نے مختلف ممالک میں کارندے اس غرض سے بھیجے کہ وہاں جاکر ان علاقوں کے جغرافی حالات لکھیں۔ اور جو قابل ذکر واقعات ان کی نظر سے گزریں۔ ان کی تفصیل بیان کریں۔ ادریسی کی کتاب کی بنیاد انہی بیانات پر ہے۔ اُسنے اس کتاب کا نام نزہتہ المشتاق رکھا ہے۔ اسکا دوسرا نام روجری بھی ہے، یعنی منسوب بہ روجر۔

یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ صقلیہ کی بندرگاہوں میں مسافروں کی کثرت ہوا کرتی تھی۔ ادریسی کو مسافروں، سوداگروں، حاجیوں اور

اوڈگر آنے جانے والوں کی زبانی بہت سے حالات دستیاب ہوئے ہونگے۔ اور چونکہ وہ ایک عیسائی بادشاہ کے دربار میں تھا۔ عیسائی ممالک مثلاً اٹلی فرانس، جرمنی، الیریا، وغیرہ کے حالات ان سے دریافت کرنے میں بہت آسانی ہوگئی ہوگی۔ جو پہلے عربی جغرافیہ نگاروں کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ اسکوسکنڈنیویا یا جزیرہ نمای سویڈن ناروے تک کے حالات معلوم تھے۔ جنکے متعلق قدما کا خیال مبہم تھا۔ اسی طرح اس نے افریقہ کے اندرونی علاقوں کے متعلق معلومات بہم پہنچائے۔ لیکن پھر بھی ایک قدیم غلطی پر اضافہ کرتے ہوئے اس نے براعظم افریقہ کو خط استوا کے نیچے مشرق کی جانب اسطرح بڑھا دیا۔ کہ بحرہند جنوب میں تنگ ہو کر دوسرا بحیرۂ روم بن گیا ہے۔ ادریسی کی کتاب میں بہت سے نقشے بھی ہیں۔ لیکن وہ بہت ناقص ہیں؎۔

ابوالفدا کی تصنیف تقویم البلدان فن جغرافیہ میں عرصۂ دراز سے مشہور ہے۔ اور مغرب میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ رینو لکھتا ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ شکرڈ[1] نے سترھویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں کیا۔ جو شائع نہ ہوسکا۔ جے گریوئس[2] اس نے چند سال بعد (لندن ۱۶۵۰ء) اس کے چند اقتباسات جو خوارزم اور ماوراء النہر کے متعلق ہیں شائع کئے۔ اسکا مکمل ترجمہ جو ۱۷۴۶ء میں ہوا تھا۔ رئیسکی[3] نے لیڈن میں ۱۷۷۰ء میں پشنگ کے سلسلۂ کتب میں شائع کیا۔ ایف ڈی مکیلس[4] نے اسکا کچھ حصہ

---

1. Schickard. 2. J. Gravius
3. Reiske.
4. F. D. Michaelis.

؎ یہ نقشہ حال ہی میں بڑی تقطیع پر جرمنی میں شائع ہوا ہے۔ اسکو دیواری نقشوں کی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے (اڈیٹر)

متعلقہ مصر مع اسکے لاطینی ترجمہ کے شائع کیا (گوٹنجن ۱۷۶۶ء) آئیکورن[1] نے اسی جگہ افریقہ کا جزو شائع کیا۔ سولوا[2] نے ۱۸۳۹ء میں جزء[3] المغرب کا ترجمہ الجزائر میں شائع کیا۔ اور بالآخر رینو[4] اور ڈاسلان[5] نے مکمل متن عربی اور آدھی کتاب کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا (پیرس ۱۸۴۰-۱۸۴۸ء)۔ سٹینس لاس گیارد[6] نے کتاب کو ۱۸۸۳ء میں مکمل کر دیا۔ ان تین صدیوں میں جو توجہ اس کتاب کی طرف کی گئی ہے وہ اسکی اہمیت کا کافی ثبوت ہے۔ رینو[7] لکھتا ہے " ان چند تنقیحات سے ادریسی کی کتاب کی طرح ابو الفداء کی کتاب جغرافیہ کی قدر و قیمت بحیثیت فن جغرافیہ کی بہترین کتاب ہونے کے کم نہیں ہو سکتی۔ یورپ نے عہد وسطیٰ میں کوئی ایسی کتاب تصنیف نہیں کی۔ جسے ابو الفدا کی کتاب کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ ابو الفدا کے معلومات بالخصوص شام اور اسکے گرد و نواح کے علاقوں کے متعلق بالکل جدید ہیں۔ باقی علاقوں کے حالات وہ اپنے پیشرو جغرافیہ نگاروں خاصکر ادریسی، ابن حوقل، اصطخری سے استفادہ کرتا ہے۔ وہ ابن سعید کی کتاب اور قانون البیرونی سے بھی مستفیض ہوتا ہے۔ اور عموماً بطلیموس کا تتبع کرتا ہے۔

فصل سوم

ان[8] دو مذکورہ بالا مصنفوں کی زبردست شہرت کے باوجود اور البیرونی

1. Eichhorn. 2. Solvet.
5. de Slane. 6. Stanislas Guyard.
7. Reinand. 8. ادریسی اور ابو الفدا

کے محدود جو دعلمی دنیا میں بے نظیر درجہ رکھتا ہے - ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبید اللہ یاقوت مصنف معجم البلدان سب سے بڑا عربی جغرافیہ نگار ہے - یاقوت یونانی الاصل تھا - وہ قریباً ۱۱۷۹ء میں پیدا ہوا - بچپن ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا - اور انہی کے درمیان پرورش پائی - اُسے ایک سوداگر نے خرید لیا - جسکی مستقل رہائش بغداد میں تھی - آقا کی فراخدلی کی بدولت اس نے بغداد کے تمام مروجہ علوم مثلاً دینیات، فقہ اور علم ادب کا بغور مطالعہ کیا - اس آقا نے جب اسکی ذہانی قابلیتوں کو ملاحظہ کیا - تو اسے آزاد کرکے اپنے کاروبار میں شریک کر لیا - اس کاروبار کی سب سے بڑی شاخ کتابوں کی تجارت تھی - اس کے بعد اس نے دور و دراز علاقوں کے سفر کئے - ایران کے شمالی حصوں کی سیاحت کو گیا - متعدد بار جزیرہ قیس میں اترا - جو اسوقت یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت کی زبردست منڈی تھی - جب اسکا بوڑھا آقا مر گیا تو یکے بعد دیگرے دمشق، حلب اور موصل میں سکونت گزیں ہوا - اور بالآخر مرو میں مستقل رہائش اختیار کر لی - یہ شہر اسوقت اسلامی تہذیب کا ایک نہایت پُر رونق اور متمدن مرکز تھا - اس شہر میں بہت سے کتبخانے تھے - جنکا ذکر یاقوت نے نہایت تحسین و خوبی کے ساتھ کیا ہے [دیکھو معجم البلدان طبع یورپ ج ۴ ص ۵۰۹] -

---

۱ یاقوت کا پورا نام "الشیخ الامام شہاب الدین ابی عبد اللہ یاقوت الحموی الرومی البغدادی" ہے

۲ معجم البلدان کو فرڈی ننڈ وستنفلڈ نے ۶ جلدوں میں لیپزگ میں شائع کیا (۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۳ء تک) باربیئے ڈمینار نے اسکے ایک حصے کا ترجمہ جو ایران سے متعلق ہے - فرانسیسی زبان میں ۱۸۶۱ء میں کیا - ٹی جی جے یونبول نے یاقوت کی کتاب کا خلاصہ موسوم بہ مراصد الاطلاع اسماء الامکنہ کے متعلق شائع کیا (لیڈن ۱۸۵۰ء - ۱۸۶۴ء)

وہ لکھتا ہے:-

اگر حملۂ[1] تتار اور ان علاقوں کی بربادی واقع نہ ہوتی تو میں عمر بھر مرو ہی میں رہتا - اس لئے کہ یہاں کے لوگوں کی خیر اندیشی، ملائم طبعی اور حسن معاشرت اور شہر کے ادبی خزائن نے مجھے گرویدہ کر لیا تھا - اصل کتابوں کے مضبوط نسخے یہاں بکثرت موجود تھے - میری واپسی کے وقت مرو میں دس کتب خانے تھے جو وقف تھے - منتخب کتابوں کے اتنے بڑے ذخیرے میں نے دنیا بھر میں کہیں نہ دیکھے تھے - ان کی تفصیل یہ ہے:-

۱-۲، شاہی مسجد کے دو کتب خانے - ایک عزیزیہ جسمیں قریباً ۱۲ ہزار کتابیں تھیں - اسکا بانی عزیز الدین ابوبکر عتیق الزنجانی (یا عتیق بن ابی بکر) یہ سلطان سنجر کا فقاعی[2] تھا - پہلے مرو کے بازار میں پھل پھول بیچا کرتا تھا پھر بادشاہ کا آبدار مقرر ہوا - اور اسکا مقرب بن گیا -

۳- شرف الملک کا کتب خانہ - بانی کا نام ابوسعد محمد بن منصور ہے - سنہ ۴۹۴ھ میں انکا انتقال ہوا - یہ کتب خانہ ان کے بنا کردہ مدرسہ میں واقع تھا -

۴- نظام الملک کا کتب خانہ - یعنی وزیر حسن بن اسحٰق کا، جو انکے بنا کردہ

---

[1] یہ ترجمہ معجم کی اصل عبارت پر مبنی ہے - کارادُو نے اس میں سے چند باتیں درج کی تھیں - مگر اصل کی دلچسپی کی وجہ سے ہم نے یاقوت کا سارا بیان درج کر دیا ہے - (اڈیٹر)

[2] فقاع - جو کی شراب، بیئر، پینے کی ایک چیز جو پھلوں سے تیار کی جاتی تھی -

مدرسہ میں تھا۔

۵۔۶۔ سمعانیوں کے دو کتب خانے۔

۷۔ کتاب خانہ مدرسہ عمیدیہ۔

۸۔ مجد الملک کا کتاب خانہ۔ مجد الملک مرو کے وزراء متاخرین میں سے تھے۔

۹۔ کتب خانہ جات خاتونیہ۔ یہ مدرسہ خاتونیہ میں واقع تھے۔

۱۰۔ الضمیریہ۔ اس کتاب خانہ سے جو مرو کی ایک خانقاہ میں تھا۔ کتابیں بہت سہولت سے مستعار ملتی تھیں۔ دو سو جلدیں اسکی ہمیشہ میرے مکان پر رہتی تھیں۔ جن میں اکثر کے لئے زر امانت وغیرہ بھی نہ دیا گیا تھا ان دو سو جلدوں کی قیمت دو سو دینار ہوگی۔ میں ان سے حسب دلخواہ مستفید ہوتا رہتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یاقوت نے اس شہر میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن اس بات کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ صرف اتنا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کا نام تعظیم سے لیتا ہے۔ یاقوت، چنگیز خاں کے خوف سے بھاگا۔ خوارزم اور آذربایجان کے شہروں سے گزر کر اُس نے چاہا کہ موصل میں سکونت اختیار کرے۔ مگر مغلوں کے حملے کا ہر وقت اندیشہ تھا۔ چنانچہ وہاں بھی قیام نہ کر سکا۔ اور وہاں سے چل کر سنجار میں رہائش اختیار کی۔ بالآخر حلب پہنچا۔ جہاں ۶۲۶ھ میں وفات پائی۔

ہم دو اہم کتابوں کے لئے اس مصنف کے ممنونِ احسان ہیں پہلی تصنیف معجم جغرافیہ موسوم بہ معجم البلدان ہے۔ جس کو وسٹنفلڈ نے لیپزگ میں ۶ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ (۱۸۶۶ء-۱۸۷۳ء) اور دوسری معجم تراجم ہے جسکو مارگولیتھ سلسلہ تذکار یہ گیب میں شایع کر رہا ہے۔ مؤخر الذکر کتاب[1]

---

[1] اب یہ کتاب مکمل ہو چکی ہے (اڈیٹر)

——— کا نام معجم الأدبا ہے ۔ اسکے علاوہ اسنے ایک کتاب مشترک کے نام سے لکھی ہے ۔ اسے بھی وسٹنفلڈ نے شائع کیا ہے یہ ضخیم اور مفید تصنیفات جو ترتیب ابجد کو ملحوظ رکھکر لکھی گئی ہیں ۔ یاقوت کے عہد میں کوئی نئے طرز کی کتابیں نہ تھیں ۔ اس قسم کی متعدد کتابیں عربی زبان میں موجود ہیں ۔ ان کتابوں کی مروجہ طرز تحریر ان کی خوبی و دلچسپی کو کسی طرح کم نہیں ہونے دیتی ۔

یاقوت سے کچھ عرصہ پہلے مرو کے ایک عالم سمعانی[1] نے ایک ضخیم معجم کتاب الانساب کے نام سے لکھی تھی ۔ جس میں لوگوں کے نام ان کے خاندان یا جائے پیدائش کے لحاظ سے ترتیب ابجد میں دیے ہیں ۔ مثلاً مسعودی ، طبری ، اصفہانی ، ہر نام کے نیچے جائے مذکورہ اور وہاں کے مشاہیر کے مختصر حالات درج ہیں ۔ سمعانی ، مرو کے ایک قدیم علم دوست گھرانے میں ۵۰۶ھ میں پیدا ہوا ۔

کہا جاتا ہے ۔ کہ اسنے چار ہزار شیوخ سے استفادہ کیا تھا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ اسنے لوگوں کی ایک کثیر تعداد سے احادیث حاصل کی ہونگی ۔ اسنے اسلامی دنیا کے مشرقی علاقوں کا بھی سفر کیا ۔ اور بغداد ، رے ، نیشاپور ، طوس ، بخارا ، خوارزم ، اصفہان ، شام ، الجزیرہ اور حجاز کی سیر کی ۔ ۵۵۳ھ میں اسے اہالیان سنج (حوالی مرو میں ایک قلعہ ہے) اور قوم غزّ کے درمیان کئی سال سے اس قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اسنے ثالثی گری کا کام سرانجام دیا ۔ وہ مرو کے حمیدیہ کالج میں پروفیسر

---

[1] ابو سعید عبد الکریم ابن ابو بکر محمد سمعانی سن پیدائش ۲۱ شعبان ۵۰۶ھ ہے ۔ یکم ربیع الاول ۵۶۲ھ کو وفات پائی ۔

رہا۔ ابنِ عساکر کے (جو ایک معروف عالم متبحر، مشہور جامع احادیث، اور تاریخ دمشق کا مصنف ہے) سمعانی سے دوستانہ تعلقات تھے۔

یاقوت کی کتاب سمعانی کی کتاب سے زیادہ اہم ہے۔ اسکی معجم کو وسعتِ مضامین، تفصیلات، حسنِ تکمیل اور خوبیِ بیان کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ یاقوت شہروں اور صوبوں کے جغرافی حالات بیان کرنے کے بعد ان کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر وہاں کے مشاہیر کے حالاتِ زندگی لکھتا ہے۔ دوسرے مصنفوں کی طرح افسانوں سے زیادہ کام نہیں لیتا۔ بلکہ انسانی تمدن اور علم الحیوانات میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ سنجیدہ مزاج لیکن ساتھ ہی نازک طبع اور حساس بھی ہے۔ اسکی بہت سی عبارتیں دلکش اور مؤثر ہیں۔ خواہ وہ تاریخی قصے ہوں جیسے رشید اور اسکے خوبصورت غلام دنانیر کی حکایت جو بذیل طالقان (ایران) بیان ہوئی ہے۔ اور خواہ ملکوں کے تاریخی حالات۔ ہم ذیل میں ایک عمدہ صفحہ کی عبارت بطور مثال کے لکھتے ہیں۔ جسمیں شعبِ بوان کا ذکر ہے۔ اس وادی کے متعلق اسکی رائے ہے کہ یہ دنیا کے نہایت دلآویز مناظر میں سے ہے:۔

متعدد شعرا اور بالخصوص متنبی[1] اس شہر کی توصیف میں رطب اللسان ہیں لیکن سب سے زیادہ دلکش وہ بیان ہے جو احمد الفلکی کے خط میں ہے۔ جو اسنے اپنے ایک دوست کو لکھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں[2] آپ کو شعبِ بوان سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس دلچسپ اور

---

[1] متنبی کے اس عربی قصیدے کی طرف اشارہ ہے۔ جسکا پہلا شعر یہ ہے ؎

مغانی الشعب طیباً فی المغانی ۔۔۔ بمنزلۃ الربیع من الزمانِ

[2] یہ ترجمہ عربی اصل کا صرف مطلب بیان کرتا ہے وہ بھی ایک حد تک (ایڈیٹر)

دلکش منظر کا مجھ پر بہت احسان ہے۔ (کیونکہ) اسکا نظارہ الم ربا ہے۔
اور زمانے کی گردش کے غم کو غلط کرنے والا ہے۔ میری نگاہیں نہایت
طمانیت کے ساتھ ان ندی نالوں کے پرسکون خرام کا تعاقب کرتی ہیں۔
جنکا پانی عشاق کے ان آنسوؤں سے زیادہ رقیق ہے۔ جنکو سوزِ فراق نے
گاڑھا کر دیا ہو۔ عاشقان ناشاد و رسوا کے لبوں سے زیادہ سبز ہے۔
اس مسلسل اور آہستہ خرام دریا کا پاٹ دور جاکر بڑھ جاتا ہے۔ اور
اسکی لہروں میں تموّج پیدا ہوتا ہے۔ اور اسکے حبابوں کا جوش پھولوں
اور باغوں میں ٹوٹتا ہے۔ آنکھوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنہری ریت
پر نقرئی دھاگا ہے۔ اور مرجان اور زبرجد کے درمیان موتیوں کی لڑی پڑی
ہے۔ جب ان گھنے درختوں کی گہری چھاؤں میں داخل ہوں تو خالقِ حقیقی
کی صنعت گری اور لطف و کرم یاد آتا ہے۔ تازہ شاخوں اور لچکدار ٹہنیوں
کا ذرا انداز میں خم ہونا (گاتا) شاہدانِ نازک بلند قامت کو شرمندہ کرتا ہے۔
نسیم کے نرم جھونکوں سے بھی وہ جنبش میں آجاتی ہیں۔ ان شاخوں پر
پختہ پھل لگے ہوئے ہیں۔ جنکی خوشبو پھولوں کی خوشبو سے ملکر سماں
پیدا کرتی ہے۔ میں نے اس وادی میں ایک دن گزارا ہے۔ میری
آنکھوں میں تری تصویر تھی۔ اور تیرا شوق میرا ندیم تھا۔ اور میں نے
تیری یاد میں کئی پیالے پیے"

یاقوت کا یہ مذاقِ شعری اور جذبات اسکی کتاب کی صحت کو جو اسلام
کے لئے مایۂ ناز ہے۔ کسی طرح کم نہیں ہونے دیتا۔

رسالہ در معرفت عناصر و کائنات الجو کا سن تصنیف

محمد بن مسعود مسعودی کا رسالہ مندرجہ عنوان گذشتہ نمبر میں شایع کیا گیا تھا۔ اور چند حواشی اسکے ساتھ ملحق کئے گئے تھے (دیکھو یہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۶ء ص ۸۷ تا ص ۲۵ س ۲۰ پر ایک نوٹ لکھتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ قطعہ مندرجہ متن گویا گلستان کے ایک قطعہ کے جواب میں لکھا گیا ہے لہذا مسعودی نے یہ رسالہ ۶۵۶ھ کے بعد لکھا جو گلستان کا سن تصنیف ہے۔ لیکن یہ قطعہ بعینہٖ لباب الالباب (ج ۱ ص ـــ) میں موجود ہے جو حدود ۶۲۰ھ میں لکھی گئی۔ لہذا یہ استدلال درست نہیں کہ رسالہ مذکورہ ۶۵۶ھ کے بعد لکھا گیا۔ البتہ ایک اور ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۶۵۰ھ کی تصنیف ہے' وہ ذریعہ یہ ہے۔ دانش نامۂ جہاں ہے جو ۸۷۹ھ میں "کمترین خاندان علی عمران غیاث الدین بن علی بن علی امیران الحسینی الاصفہانی" نے بدخشان میں مرتب کی۔ اسمیں دو جگہ مسعودی کے رسالہ عناصر کی عبارتیں اختصار سے نقل کی ہیں۔ انمیں سے ایک وہ ہے جو ص ۶۹ س ۱۰ سے شروع ہوتی ہے دانش نامہ میں اسکو یوں لکھا ہے: "و محمد مسعودی کہ یکے از حکماست در یک کتاب خود آوردہ است کہ حاجیان معتمد حکایت کردند کہ در سال خمسین (بجای خمس) در بادیہ صاعقہ شد الخ۔ یہ عبارت اسی طرح دانش نامہ کے ایک دوسرے نسخہ میں بھی ہے جو ہمارے پیش نظر ہے۔ اغلب ہے کہ رسالہ عناصر میں خمسین ہی تھا اور وہ منقول عنہ میں مسخ ہو کر خمس بن گیا۔ مصنف خمسین سے کتاب کے سال تصنیف کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ یعنی ۶۵۰ھ کی طرف دانش نامہ کا معتدبہ حصہ علم آثار علوی پر ہے۔ اور مصنف نے اس میں اکثر رسالہ عناصر کی عبارتوں کو بلفظ یا اختصار کے ساتھ درج کیا ہے۔ اسکی تفصیل کو ہم کسی دوسری فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں۔

سلہ اس حوالہ کیلئے ہم پروفیسر محمود شیرانی کے منت پذیر ہیں سلہ اس کتاب کا ایک ناکمل نسخہ برٹش میوزیم میں ہے (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مصنفہ ریو صفحہ ۴۳۱)، ریو اسکا سال تصنیف درست معین نہیں کر سکا کیونکہ تاریخ خاتمہ میں درج تھی اور اس نسخہ میں ذرا بگڑی ہوئی ہے۔ یہ حصہ برٹش میوزیم کے نسخہ میں نہیں ہے' اس کتاب کا ایک نفیس نسخہ شہزادہ احمد علی جان صاحب تاجپوری کی عنایت سے ہم نے دیکھا' اسکے آخر میں عبارت ذیل درج ہے:- تمام شد کتاب "کنوز دانش نامۂ جہان از اول تا آخر در شہر ربیع الثانی سنہ تسع و ثمانین و ثمانمایہ در قصبہ جرم بدخشان" اس عبارت کی سیاہی باقی کتاب سے گونہ مختلف ہے۔ گو مطلب پرانا معلوم ہوتا ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں فہرست مضامین کے بعد مصنف نے لکھا ہے

عرب جاہلیت کی شاعری

تمہید - عربی السنہ سامیہ کی ایک مہتم بالشان شاخ ہے - یہ اصلاح پہلے پہل ڈاکٹر شلیزر نے اٹھارھویں صدی کے آخر میں تمام ان زبانوں کے لئے جو سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد کے یہاں بولی جاتی ہیں استعمال کی - اور یہ خیال اس نے غالباً انجیل مقدس کے عہد قدیم کتاب پیدائش باب دس سے اخذ کیا جہاں کہ اقوام عالم کی تقسیم دی گئی ہے - یہ تقسیم نہ تو جغرافیائی اعتبار سے کی گئی ہے اور نہ ہی نسلی لحاظ سے بلکہ محض واقعات سیاسیہ پر مبنی ہے - یہ اصطلاح عربی کے علاوہ بابلی - اشوری - فینقی - عبرانی - سریانی - ماللی - حبشی اور سبا اور حمیر کی زبانوں کے مفہوم کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے -

سامی نسل کا زاد و بوم

سامی نسل کے زاد و بوم کے متعلق علمائے مستشرقین نے بہت سے متضاد نظریات پیش کئے ہیں - اس عقدۂ لاینحل کی تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے مشہور مستشرق ڈاکٹر نلڈکی کے خیال میں سامی نسل کا اصلی وطن افریقہ کا شمال مشرقی حصہ ہے - مگر ان لوگوں کا اپنے وطن مالوف کو چھوڑنا سلسلۂ تاریخ نویسی سے کہیں پہلے وقوع میں آچکا تھا - یا یوں کہو کہ سامی نسل کا پھیلاؤ جنوب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) "در سایۂ مرحمت سلطان محمود بہادر خان خلد اللہ ملکہ ماتعاقب الملوان لاہل الزمان وا ہی مرتب باسم والتش نامہ جہان مخصوص می گردد" ترتیب کتاب کی یہ ہے پہلے دس فصلیں، پھر ۲۰ اصل، پھر ۲ نتیجہ، پھر خاتمہ، خاتمہ میں ایک تبصرہ اور ۲۲ وصلہ ہیں ۔

شمال کی طرف ہوا ۔ با ایں ہمہ ڈاکٹر نلڈکی کی رائے کے مطابق عربستان کا سامی نسل کے لئے اصلی وطن ہونا بعید از قیاس امر نہیں - رابر ٹسن سمتھ کے خیال میں ڈاکٹر نلڈکی کا نظریہ اس عام خیال کا کہ عرب سے ہی سامی نسل ایشیا کے مختلف حصوں میں پھیلی متضاد نہیں ۔

عربی زبان کی خصوصیّات

عملی طور پر عربی کے سوا دیگر السنۂ سامیہ پردۂ ہستی سے معدوم ہو چکی ہیں ۔ جو کچھ ہمیں دستیاب ہوا ہے وہ صرف مختلف قسم کے کتبے اور مذہبی کتابیں ہیں جو ایک محقق کے لئے نہایت ناکافی ذخیرہ ہیں ۔ عربی زبان قدامت کے لحاظ سے دیگر السنۂ سامیہ کی نسبت بہت متاخر ہے ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عربی سامی نسل کے مختلف اطرافِ عالم میں پھیلنے سے پہلے کی زبان سے دیگر سامی زبانوں کی نسبت زیادہ قریب ہے جس کی تائید اسطرح ہوتی ہے کہ عربی زبان نے السنۂ سامیہ کی خصوصیات اور آثار کو اپنی ہمشیرہ زبانوں کی نسبت کہیں زیادہ محفوظ رکھا ہے ۔ لیکن یہ خصوصیات زبان کی نشو و نما کا صرف ایک ہی پہلو دکھاتی ہیں ۔

عربی لغت نہایت وسیع ہے حتی کہ اعیان مادیہ میں ایک چیز کے لئے ایک علحدہ لفظ وضع کیا گیا ہے ۔ صرف یہی نہیں کہ اس میں مترادفات بکثرت پائے جاتے ہیں بلکہ مظاہر قدرت کے ہر ایک شعبہ خواہ وہ کیسا ہی نا قابل التفات کیوں نہ ہو اور ہر ایک سانحۂ عالم کے لئے خواہ وہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو ایک مخصوص لفظ موضوع ہے یہی امر اس کے کمال اور نقص ہر دو کا باعث خیال کیا جا سکتا ہے ۔ یہ زبان

جزئیات کے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے نہایت ہی موزون ہے۔
یہی وجہ ہے کہ معانی مختلفہ کے ادا کرنے میں پورے طور پر قادر ہے
اور یہ خصوصیات کم وبیش ہر ایسی قوم کی زبان میں پائے جاتے ہیں ۔
جن کی تمدنی حالت صحرائے عرب کے باشندوں کی تمدنی حالت سے
ملتی جلتی ہے۔ مگر عربی زبان بلحاظ اس امر کے کہ اس کی نہایت وسیع
لغت نے ایک بڑے عظیم الشان تمدن کے پھیلانے میں ایک بڑا
بھاری حصہ لیا ہے ممتاز ہے ۔

جاہلیت کے معنی کی تعیین

اصلاح مؤرخین میں زمانۂ جاہلیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے ۔ مگر ہم اسے ایک خاص معنی
میں استعمال کرتے ہیں ۔ یعنی زمانۂ جاہلیت سے مراد بعثت سے تخمیناً سوا
سو سال پہلے کا زمانہ ہے ۔

اصحاب لغت کے یہاں جہل کے معنی اکھڑپن کے ہیں جسکی ضد
علم نہیں بلکہ حلم ہے ۔ حلم سے مراد ایک مہذب انسان کا اپنی تمام
اخلاقی ذمہ واریوں کا احساس ہے ۔ اس کی تائید میں ہم چند مثالیں
پیش کرتے ہیں ۔ عمرو بن کلثوم کہتا ہے ؎

أَلَا لَا يَجْهَلَنْ أَحَدٌ عَلَيْنَا
فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِينَا

خبردار ہمارے سے کوئی اکھڑپن سے نہ پیش آئے ورنہ ہم سب سے
بڑھ کر اکھڑپن دکھلائیں گے ۔

عبید بن ابرص اپنی قوم کی مدح میں کہتا ہے ؎

بِیضٌ بِھَالِیلٌ تَنفِی الجَھلَ حِلمُھُم
وَتَفزَعُ الاَرضُ مِنھُم اِذھُم غَضِبُوا

(میری قوم کے لوگ) چمکتے ہوئے چہروں والے سردار ہیں جن کا تحمل مخالفوں کے اکھڑپن کو ناکارہ کر دیتا ہے۔ مگر جب وہ خود غصہ میں آتے ہیں تو کرۂ زمین مارے خوف کے تھرتھرا اٹھتا ہے ؛

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

وَتَجھَلُ اَیدِینَا وَیَحلُمُ رَأیُنَا
وَنَشتُمُ بِالاَفعَالِ لَا بِالتَّکَلُّمِ

ہمارے ہاتھ تو اکھڑپن کرتے ہیں۔ لیکن ہماری رائیں باوقار ہیں۔ ہم زبان سے نہیں بلکہ ہاتھوں سے گالیاں دیتے ہیں ؛

جاہلیت میں نوشت و خواند کا رواج

پانچویں صدی مسیح کے اوائل میں تمام شمالی عربستان کی زبان متحد ہو چکی تھی۔ مگر اسکا تمام لٹریچر منظومات تک ہی محدود تھا۔ کیونکہ جاہلیت میں نوشت خواند کا رواج بہت کم تھا۔ بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں ان معدودے چند اشخاص کے نام قلمبند کئے جو خوش قسمتی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور وہ بھی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے یہ ملکہ غیر کمل طور پر شام اور عراق کے درباروں کے ذریعہ حاصل کیا۔ لیکن چونکہ نظم و نثر کی نسبت بسہولت زبانی یاد رہ سکتی ہے۔ اس لئے روایات ادبی میں نظم کو نثر پر قدرتاً ترجیح رہی۔

جاہلیت کی نثر۔ نثر جو ہم تک پہنچی ہے۔ وہ تمام ترقس بن ساعدہ

معبد ابن طوق العنبری جیسے اشخاص کی لمبی لمبی تقاریر کے ٹکڑے یا ضرب الامثال یا کاہنوں کے مسجعات یا اکثم بن صیفی جیسے حکماء کے دانشمندانہ اقوال ہیں جو اوائل عصر عباسی کے محققین مثلاً ابو عُبید ۔ ابو عُبیدہ مفضّل ضبّی جیسے لوگوں کی ان تھک کوششوں کی طفیل ہمارے لیے العقد الفرید امثال العرب ۔ صبح الاعشیٰ ۔کتاب الاغانی جیسی تصانیف میں محفوظ ہیں۔

جاہلیت کی نظم

دنیا کے بہت سے دیگر ادبیات کی طرح عربی لٹریچر بھی پہلے پہل زبانِ نظم سے گویا ہوا ۔ نظم عربی باوجودیکہ قواعد عروض و قوافی کی باضابطہ تدوین و ترتیب بہت دیر بعد ہوئی ۔ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ صحیح معنے میں اپنی تمام ضروریات عروضی کو ساتھ لئے ہوئے شمالی عربستان کے وسیع علاقہ میں معرضِ وجود میں آگئی ۔ اوائل قرنِ سادس کے شعراء کا کلام زبان کے نہایت لطیف امتیازات پر ایسی طرح مشتمل نظر آتا ہے کہ بعد کے آنے والے معجز کلام شعرا بھی اس سے گوئے سبقت نہ لے جا سکے ۔ قرونِ مابعد کے ناقد ہمیشہ شعرائے جاہلیت کے طرزِ بیان ۔ محاورہ اور ادا کو معیار ٹھیرا کر متاخرین کے کلام کی صحت و غلطی کو پرکھا کرتے تا آنکہ ان کے رجعت پسند خیالات نے یہاں تک ترقی معکوس کی کہ زمانۂ جاہلیت سے قرب و بعد ہی کو طرزِ بیان کی صفائی اور دل نشینی کا معیار قرار دے دیا گیا ۔ جتنا کوئی شاعر جاہلیت سے قریب ہوتا اتنا ہی اسے مدح و ستائش کے زیادہ قابل سمجھا جاتا ۔ اگرچہ بعد میں شعوبیہ کی تحریک میں ابو نواس (المتوفی ۸۰۶) جیسے منچلوں نے

اس معیار کو پائے نفرت سے ٹھکرا کر "طرح نو در اندازیم" کی صلائے عام دی اور ابن قتیبہ (۸۷۸ء) جیسے حق پسند مورخین نے بدلائل اس کا رد کیا مگر یہ خیال ادباء خصوصاً مشارقہ کے دماغوں میں آج تک ایک غیر محسوس طریق پر مرکوز چلا آرہا ہے۔

اتحاد زبان اور اسکے وجوہ

نظم جاہلی کے مطالعہ کے وقت ہم اس امر کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ قبل از اسلام کی نظمیں جو جزیرۃ العرب کے مختلف حصص کے مختلف قبائل کے مختلف شعراء کی طرف منسوب ہیں ان کی زبان میں کوئی معتد بہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ آغاز بعثت سے پہلے جزیرۃ العرب کے ایک وسیع علاقہ میں ایک ہی زبان جسے بعد میں تفصیلاً "لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ" سے تعبیر کیا گیا رائج ہوگئی تھی۔ گو مقامی بھاکاؤں میں کچھ کچھ اختلاف ضرور پایا جاتا ہوگا۔ مگر وہ چنداں قابل التفات نہیں۔ اس اتحاد لغت کے کئی ایک بواعث قرار دئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً صحرا نشین قبائل کا گھاس اور پانی کی تلاش میں ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف نقل مکانی کرنا اور حج بیت اللہ کے عظیم الشان سالانہ اجتماع کا منعقد ہونا ایک بڑی حد تک زبان کے اندر اتحاد پیدا کرنے میں دخل رکھتے ہیں۔ نیز عکاظ کی تماشاگاہ جو کہ اس زمانہ کی ضروریات کے رو سے ایک مہتم بالشان منڈی قرار دی گئی تھی۔ حریف قبائل کی خصومتوں عداوتوں۔ خانہ جنگیوں اور ملکی فسادات۔ اختلاف اور جھگڑوں کو عارضی طور پر فرو۔ کر دینے کی وجہ سے مقامی بولیوں کے باہم شیروشکر ہو جانے میں بڑی

مفید ثابت ہوئی - علاوہ ازیں غسّانی خاندان دمشق اور لخمی خاندانِ الحیرہ کے پر تکلف اور عیش پسند درباروں کے اثر نے مختلف مروجہ بولیوں کے اتحاد کا راستہ اور بھی صاف کر دیا -

نظم عربی کا منبع

نظم عربی کا منبع نثرِ مقفیٰ یعنی سجع کو تصور کیا گیا ہے - اپنے دماغ میں ایک بے آب و گیاہ سراسر خشک بنجر اور ریتلے بیابان کے پار کارواں کے لمبے لمبے کوچوں کا تصور کرو جبکہ اونٹ کی ناہموار رفتار سوار کے جسم کو پیچ و خم میں ڈال رہی ہوتی ہے تو اشتربان اپنے کسل مند دورانِ سر کے احساس کو طبیعت سے دور کرنے کے لئے ایک سُریلی لَے میں الاپنا شروع کر دیتا ہے - ناگاہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ سب اونٹ اپنے سروں کو اٹھائے پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے چلنا شروع کر دیتے ہیں - اونٹ کے بھاری پاؤں کے متوازن طور پر زمین پر پڑنے سے ایک گونہ موزونیت محسوس ہوتی ہے - اسی موزونیت سے موسیقی اور موسیقی سے نظم عربی نے جنم لیا - سو یہ حِدا یا حُدا جو ایک خاص قسم کی ضرورت سے پیدا ہوئی عربی نظم کا مبداء بن گئی -

نظم عربی کا مولد

نظم عربی کا مولد وسط اور شمالی عربستان ہے جس کا کچھ حصہ تو ریگستانی ہے - گو کہیں کہیں سیر حاصل خطے بھی پائے جاتے ہیں - مگر

زیادہ تر بے آب و گیاہ چٹیل میدان ہے۔ جہاں گرمیوں میں سخت گرمی اور سردیوں میں سخت سردی ہوتی ہے۔ بارش نام کو بھی نہیں جس کی وجہ سے کسی قسم کی مستقل رہائش یا قیام کا انتظام بعید از خیال امر نظر آتا ہے۔ زمانۂ قدیم سے اس علاقہ کے باشندے جو طبعی حالات کے رو سے بادیہ نشین ہیں۔ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے کے گلے لیئے پھرتے چلے آئے ہیں کیونکہ ان کا سامان معیشت انہی پر منحصر ہے۔ ضرورت وقتی کے لحاظ سے وہ ہمیشہ سبزہ زار اور چراگاہ کی تلاش میں اپنے کمبل اور سیاہ ٹاٹ کے خیموں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے ہیں۔ جنگل کی تازہ اور صاف ہوا۔ خوبصورت نیلا آسمان ایک ہو کا عالم اور افق سے پرے پھیلا ہوا صحرا، جہاں نظر کے حائل صرف ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور کہیں کہیں کھجور کے سر بفلک درخت ہیں جنہیں صبح و شام کی شفق اپنی قرمزی چادر پہنا دیتی ہے۔ انسانی جذبات کے ابھارنے اور قدرتی تشبیہات و استعارات پیش کرنے میں ایک حیرت افزا اعجازی اثر دکھلاتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ہیکل انسانی کی رگوں میں عزت نفس۔ عصمت۔ حریت اور حمیت کا خون لہریں مارنے لگتا ہے۔ حیاتِ انسانی کا دامن تمدن و معاشرت کے بد نما دھبوں سے آلودہ نہیں ہونے پاتا وہیں قطامی کے اشعار ذیل کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ؎

وَمَنْ تَكُنِ الْحَضَارَةُ اَعْجَبَتْهُ

فَاَیُّ رِجَالِ بَادِيَةٍ تَرَانَا

وَمَنْ رَبَطَ الْجِحَاشَ فَاِنَّ فِيْنَا

قنا سلبا وافرا سا حسانا

جنہیں شہری زندگی خوش لگنے لگے۔ ذرا ہم بادیہ نشینوں
کو بھی دیکھ کہ کیسے زندگی بسر کرتے ہیں!
جو شخص اپنی امارت کے اظہار میں گھر کے سامنے گدھے باندھے
ہمارے یہاں تو لانبے مضبوط نیزے اور خوبصورت گھوڑے ہیں۔
تم خود اندازہ کر سکتے ہو۔ کہ جو قوم ایسے دلکش طبعی مظاہر
کے ماحول میں زندگی بسر کرتی ہو۔ اس کا لٹریچر بھلا کن کن انسانی
جذبات و عواطف کو اپنے اندر نہ لیئے ہوگا۔ عرب بادیہ نشینوں کی
غیر متبدل زندگی صرف شدت قحط کے دنوں میں جب کہ موسم سرما کی
خون کو منجمد کر دینے والی باد نکباران کے خیموں کے گرد و پیش کے دمن
و مزابل کو تہ و بالا کرتی ہے۔ اور نخلستان کے آسمان سا خرما کے درختوں
کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔ اور بالو ریت کے ٹیلوں پر سے ہرن اور گورخر نیچے
اتر کر کہیں کہف وکناس میں جا پناہ گزین ہوتے ہیں۔ اور بڑے بڑے
جوانمرد حلقۂ قمار اور بزم عشرت میں "بے دھڑک مال تلف کرنے سے"
ہچکچانے لگ جاتے ہیں۔ یا جب کسی مخالف یا حضری قبیلہ پر حملہ کرنے
کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ بدل سکتی ہے۔ ورنہ ان کی اپنی نوعیت کی زندگی
نے ان کے اوضاع و اطوار کو ایک مخصوص غیر متحرک سانچے میں ڈھال
رکھا ہے۔ اور یہی امر ان کے طبعی جذبات کو ہر ایک بیرونی عارضی اثر
سے محفوظ رکھنے کا بڑا باعث ہے۔

نظم جاہلیت کی دلنشینی

نظم جاہلیت کی دل نشینی کا اس سے اور کیا زیادہ ثبوت ہو سکتا

ہے۔ کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طبقوں کے بڑے بڑے مقتدر لوگ شعرائے جاہلیت کا کلام سن کر اور پڑھکر سر دھنا کرتے۔ چنانچہ حضرت فاروقؓ اعظم جیسا عظیم الشان شخص صحرائی بدویوں کے شعر سُنکر لطف اندوز ہوتا۔ زہیر ابن ابی سلمیٰ کے اشعار کی بابت آپ کی رائے مشہور ہے۔ جن لوگوں نے عہد خلافت کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی آگاہ ہیں کہ مالک بن نویرہ کے جنگ ارتداد میں قتل پر اس کے بھائی متمم کی نظمیں خالدؓ بن ولید سیف اللہ جیسے جلیل القدر شخص کے عزل کا باعث قرار پائیں۔ حضرت ابن عباسؓ جنکے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "فَقِّهْهُ فِی الدِّیْن" کی دعا فرمائی اور جنہیں علم تفسیر کا ابوالبشر کہنا بجا ہے۔ شعر و سخن کے بڑے دلدادہ تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعۃ المخزومی اور آپ کی حکایات اہل ادب کے یہاں معروف ہیں۔ بسا اوقات محاورۂ قرآن کی تصدیق میں آپ کسی جاہلی شاعر کے شعر سے استشہاد فرمایا کرتے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے جو جاہلیت کے تمام دیگر اطوار و عادات سے بیزار تھے جاہلی نظم کی پوری طرح حفاظت کی۔ حتیٰ کہ حضور سرور کائنات شعرائے جاہلیت کے حکمت و دانش کا کلام سنکر نہایت محظوظ ہوتے۔ چنانچہ لبید کے شعر سے

الا کلُّ شیٍٔ ما خلا اللہ باطلُ
وکلُّ نعیمٍ لا محالۃ زائلُ

سنو! اس وحدہ لاشریک کے سوا ہر ایک چیز فانی ہے۔ اور ہر ایک خوشی کا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہو کر رہے گا۔

سُنکر فرمایا کہ عرب کے کلام میں اس سے زیادہ کوئی سچا کلام نہیں۔
حسانؓ ابن ثابت سے منبر پر چڑھوا کر قریش کے متعلق منظوم کلام سُنا کرتے۔حضرت عائشہؓ کی زبانی مروی[۱] ہے کہ

اِدْفَعْ ضَعِیْفَکَ لَا یُحِیْزُکَ ضعفہٗ
یَوْمًا فَتُدْرِکُہُ العَوَاقِبُ قَدْ نَمَا
یَجْزِیْکَ اَوْ یُثْنِیْ عَلَیْکَ وَاِنَّ مَنْ
اَثْنٰی عَلَیْکَ بِمَا فَعَلْتَ کَمَنْ جَزٰی

کمزور و ناتواں کو اٹھا جو تجھے جزا تو نہیں دیگا پر اسکے بعد کے حالات
اسے ضرور معراج ترقی پر پہنچادیں گے۔
سو اسوقت یا تو تجھے جزا دیگا یا تیری مدح وثنا کا گیت گائے گا۔
یہ بھی ایک گونہ جزا ہی ہوا کرتی ہے۔
ایسی روایات سے ان متعصب لوگوں کے الزام کی بخوبی تردید ہوتی ہے جو یہ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام نے شاعری کو قابل اعتراض قرار دیا ہے۔

ادبیات عرب کی جمع و ترتیب

لٹریچر کی باضابطہ جمع و ترتیب کا زمانہ دولت عباسیہ کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔اس سے پہلے راویوں کی زبانی یادداشتوں کی بدولت زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ابتداء میں راوی جو خود بھی شاعر ہوتا

---

[۱] کتاب زہر الآداب المصری

کسی شاعر کے تلمذ میں اسکے راوی کی حیثیت سے زندگی کا ایک حصہ بسر کرتا۔ لیکن بعد میں یہ ایک مستقل فن قرار پاگیا۔ رُواۃ کے غیر معمولی قوت حافظہ کی نسبت بہت سی حیرت انگیز روایات مروی ہیں۔ مثلاً حمّاد الراویہ نے ایک ہی نشست میں ۲۹۰۰ نظمیں سنائیں۔ مگر باوجود اس غضب کے قوت حافظہ کے سہو ونسیان کا احتمال بالکل ممکن ہے۔ کیونکہ عربی نظم کی ہیئت مخصوصہ بعض اشعار کے رہ جانے یا غلط جگہ پر رکھے جانے یا منتقل ہو جانے کو بڑی آسانی سے قبول کرتی ہے۔ اور یہ امر ناقابل تسلیم ہے کہ بعض راویوں نے اپنے یا کسی دیگر گمنام شاعر کے کلام کو کسی بڑے مشہور شاعر کی طرف منسوب کرنے سے پہلو تہی کیا ہو۔ بایں ہمہ نظم جاہلیت کا ایک بڑا حصہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ یقیناً قابل وثوق ہے اور یہ بھی تاریخی طور پر مسلم ہے کہ جو کچھ ہمارے سامنے موجود ہے وہ تلف شدہ حصّہ سے اقل قلیل کی نسبت رکھتا ہے تاہم جو کچھ بھی پایا جاتا ہے وہ ایسا ہے جو محققان مشرق کی نظروں میں سالہا سال سے ایک قابل قدر ادبی ذخیرہ تصوّر کیا گیا ہے۔

جاہلی شاعر اور اسکا رتبہ

ابن رشیق نے لکھا ہے۔ کہ عرب بادیہ نشین صرف تین مواقع پر آپس میں رسم تہنیت بجا لاتے

(۱) بیٹے کی ولادت پر

(۲) قبیلہ سے کسی کے شاعر ہونے پر

(۳) شریف النسل گھوڑی کے بچّہ دینے پر

ان کے خیال میں شاعر یعنی صاحبِ شعور ایک طرح کا جادو گر ہوتا اور جنون پریوں سے سرفراز ہونے کے باعث مافوق العادت امور پر قادر ہوتا۔ اس کی یہاں تک عزت کی جاتی کہ قبیلہ کے لوگ اسے لسان الغیب تصور کرتے۔ صلح و جنگ کے معاملات میں اس کے فیصلہ کے آگے سر جھکا دیتے۔

سب سے قدیم شاعر جس کا کلام ہمیں دستیاب ہوا ہے وہ مہلہل بن ربیعہ ہے اسکے نوے شعر متفرق طور پر موجود ہیں۔ موضوع اس کے بھائی کلیب کا مرثیہ ہے جس کی موت بنو تغلب اور بنو بکر کے درمیان ایک دیرپا لڑائی کا باعث ہوئی۔

ڈاکٹر گولڈزیہر کا نظریہ

ڈاکٹر گولڈ زیہر کے خیال میں عرب نفسانیات کا غور سے مطالعہ کرنے پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عرب شاعری کا پہلا موضوع ہجو و مذمّت تھا۔ بادیہ نشین اعراب کے خیال میں الفاظ قوائے روحانیہ و جسمانیہ ہر دو پر اثر ڈالنے کا ایک مفید اور کارگر آلہ تھے کیونکہ وہ اپنے گرد و پیش کی اشیا کو ذی روح فرض کر کے خطاب کیا کرتے۔ ہجو سے محض اپنی بڑائی اور دوسرے کی برائی ہی مدنظر نہ ہوتی بلکہ اسے ایک خطرناک حربہ سمجھا جاتا جو استہزاء اور استحقار کے ساتھ مخالف کی بدنی طاقت پر بھی مؤثر ثابت ہوتا۔ اور اس کے اعضائے جسمانی کو بھی ناکارہ اور شل کر دیتا۔ یہ اُن لکھے الفاظ تیر سے بھی زیادہ سرعت کے ساتھ

گردو نواح کے قبائل میں پھیل جاتے اور مخالف کی کمال تذلیل و تحقیر کا موجب ہوتے ۔

نظم کی دوسری صنف جس نے ان کے یہاں رواج پایا ہوگا وہ مرثیہ ہوگا ۔ مرثیہ گوئی عموماً قبیلہ کی خواتین کا حصہ ہوتا ۔ خنساءؓ مشہور شاعرہ عرب اس موضوع میں خاص پایہ رکھتی ہیں ۔

تیسری قسم جسکے مروج ہونے کی بابت گمان ہوسکتا ہے ۔ وہ نظمیں ہیں ۔ جنہیں ابو تمام نے باب النسیب میں ترتیب دیا ہے ۔ ایسی نظموں میں عموماً عشق و محبت ۔ سوز و گداز ۔ ہجر و وصل ۔ ناز و نیاز وغیرہ جیسے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے ۔ اس قسم کے منظومات عربوں جیسی غیرت مند ' آزاد ' اور سلیم الذوق قوم کا طبعی خاصہ ہیں ۔

عربی قصیدہ

مگر زمان بعثت سے ڈیڑھ سو سال قبل یا یوں کہو کہ عربی شاعری کی ابتداء کا جب سے ہمیں سراغ ملتا ہے شاعری بہ حیثیت ایک فن ہونے کے غیر معمولی رسوم اور تکلفات کی زنجیروں میں جکڑی جاچکی تھی جس پر انکے دندناتے ہوئے قصائد شاہدِ حال ہیں ۔ قصیدہ ان کے یہاں ایک ایسی نظم ہے ۔ جسے ہر ایک قسم کے خیالات کے اظہار کا آلہ قرار دیا جاسکتا ہے ۔ قصیدہ میں عربی زندگی کے تمام شعبوں کی مختلف تصاویر ایک معین طریق پر مرتب کی جاتی ہیں ۔ کسی قصیدہ کا مقصد مخصوص خواہ کچھ ہی ہو لیکن شاعر مقررہ مراتب طے کئے بغیر اس تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا ۔ چنانچہ ابن قتیبہ اپنی کتاب الشعر والشعراء

میں لکھتے ہیں جس کا ملخص حسب ذیل ہے۔
عرب شاعر اپنے آپ کو ایک یا دو ساتھیوں کے ساتھ صحرا میں سفر کرتا ہوا تصور کرتا ہے۔ راستہ میں وہ اپنی محبوبہ کے قبیلہ کی عارضی قیام گاہ پر گزرتا ہے جسے بادسموم کے زبردست جھونکوں اور موسمی بارشوں نے بے نام و نشان کر دیا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے نہایت اصرار و الحاح سے دم بھر کے لئے اس اجڑے دیار میں ستا جانے کی استدعا کرتا ہے تاکہ وہ محبوبہ کی یاد میں دل کھول کر آنسو بہائے کیونکہ یہ وہ دلفریب منظر ہے جہاں اس نے محبوبہ کے ساتھ عیش و آرام کے دن بسر کئے تھے۔ مگر اب گردش روزگار سے اسے جان فرسا زہرہ گداز فراق کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا ہے اور جہاں اب ہرنوں کے گلے کا وانِ دشتی کے غول غول پھرتے نظر آتے ہیں۔
نظم کا یہ حصّہ نسیب کے نام سے مشہور ہے۔ عرب شعراء قصیدہ کی ابتدا میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا کرتے۔ چنانچہ امرؤالقیس جسے رسول اکرم صلعم نے جہنمیوں کا علم بردار اور جسے ادباء "مقصد القصید" کے گرامی لقب سے یاد کرتے ہیں کہتا ہے:۔

قِفَا نَبْكِ من ذكرى حبيب ومنزل
بسقط اللوى بين الدخول فحومل
وقوفا بها صحبي على مطيهم
يقولون لا تهلك أسى وتجمل
وان شفائي عبرة مهراقة

فصل عند رسم دارس من معول

آؤ میرے یارو! کچھ ٹھہرو کہ ہم تم مل جل کر روئیں۔ ایک دوست کے ذکر اور اسکی منزلوں کی یاد سے جو تودہ ہائے ریگ پیچیدہ پر مقام دخول اور حومل میں واقع ہیں۔

میرے دوست اپنی اپنی سواریوں کو میرے سر پر روکے کھڑے ہیں اور محبت سے کہتے ہیں کہ رنج و الم میں جان اپنی نہ کھو اور دامن صبر کو اپنے ہاتھ سے مت دے۔

میں کہتا ہوں کہ رونا ہی میری شفا ہے۔ پس جی جان سے چاہتا ہوں کہ ان مٹنے والے نشانوں کے پاس تھوڑا سا رو لوں۔

ایسا اوقات نسیب کے حصہ کو لمبا کرکے محبوبہ کے محاسن کو پورے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ہم معلقہ عنترہ سے اس امر کی وضاحت کرتے ہیں۔

وتسبیک بذی غروب واضح　　عذب مقبلہ لذیذ المطعم
وکان فارۃ تاجر بقسیمۃ　　سبقت عوارضہا الیک من الفم
او روضۃ انفا تضمن نبتہا　　غیث قلیل الدمن لیس بمعلم
جادت علیہ کل بکر حرۃ　　فترکن کل قرارۃ کالدرھم
وتری الذباب بہا یغنی وحدہ　　غرداً کفعل الشارب المترنم

(جب کی بات یاد کر) کہ وہ تجھ کو ایسے دانتوں کی لڑی دکھا کر پھانستی تھی جو تیز و باریک اور بہت اجلے چمکتے اور چومنے میں میٹھے اور بہت مزے کے تھے۔ یعنی جب وہ تیری طرف دیکھ کر مسکراتی تھی۔

اس کے حلقۂ دہن کی بوئے خوش ایسی مہکتی ہے گویا کسی عطار کا مشک نافہ ایک حسین عورت کے پاس ہے۔ جسکی خوشبو اگلے دانتوں

کے دکھائی دینے ہنسنے بولنے سے پہلے اس کے منہ سے تجھکو پہنچتی
ہے۔
یا گویا ایسی ہری بھری چراگاہ ہے جس کو کسی چرندہ نے نہیں چرا
اور ایک بڑا بھاری مینہہ اسکے بیل بوٹیوں کا ضامن ہوا۔ اور
گوبر کا نشان اس میں نہیں پا یا گیا۔ اور چلنے والوں سے محفوظ
رہے ایک حسین عورت کے پاس ہے جس کی بوباس اسکے منہ
سے نہارے نہار آتی ہے
(ایسی چراگاہ) جس پر پانی سے بھرے ہوئے بادل اتنے برسے کہ
ہر چھوٹے گڑھے کو روپے کی مانند چمکول کیا۔
شہد کی مکھی جو اچھی بو پر مرتی ہے۔ وہاں متصرف ہے کسی کو آنے
نہیں دیتی اور خود کسی دم نہیں ٹلتی اور حال اسکا یہ ہے کہ متوالے
گوتیے کی طرح اپنی موجوں میں گاتی رہتی ہے۔
نسیب کہ چکنے کے بعد شاعر ہوش سنبھالتا ہے۔ اور سفر کو
جاری رکھتا ہے۔ اس موقع پر اپنی اونٹنی یا گھوڑے کی تعریف کرتا ہے
اسے سرعت رفتار کی وجہ سے کبھی تو گورخر قرار دیتا ہے اور کبھی شترمرغ
کا ہمپایہ ٹھیراتا ہے۔ اور کبھی اسے نیل گائے کے روپ میں ڈھالتا ہے
لیکن بسا اوقات اس تشبیہہ و تمثیل کے میدان سے نکل کر وہ ہمہ تن
مشبہ بہ کی تصویر کی تکمیل میں لگ جاتا ہے۔ جس کا بہترین نمونہ لبید کا
مشہور قصیدہ ہے سے

وتضیئ فی وجه الظلام منيرة   کجمانة البحری سل نظامها
حتی اذا انحسر الظلام واسفرت   بکرت تزل عن الثری ازلامها

وتسمعت رز الانیس فراعها | من ظهر غیب والانیس سقامها
فغدت کلا الفرجین تحسب انه | مولی المخافة خلفها وامامها
حتی اذا یئس الرماة وارسلوا | غضفا دواجن قافلا اعصامها
فلحقن واعتکرت لها مدریة | کالسمهریة حدها وتمامها
لتذودهن وایقنت ان لم تذد | ان قد احم من الحتوف حمامها
فتقصدت منها کساب فضرجت | بدم وغودر فی المکر سخامها

وہ اندھیرے میں ایسے چمکتی تھی جیسے دریائی موتی جس کی لڑی کو باہر کھینچا جائے اور وہ گرنے میں چمکے۔

رات تو اس نے جوں توں گذاری چنانچہ جب چاندنا ہو گیا اور صبح میں داخل ہو گئی تو ٹھنڈے ٹھنڈے چل دی مگر گیلی زمین پر سم اسکے نہیں جمتے تھے۔

اُسنے کان دھر کر آدمی کی بھنک دور سے سنی چنانچہ اس بھنک نے غائبانہ اسکو چونکایا اس لئے کہ وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ اور آدمی اسکا بڑا روگ ہے۔

وہ ٹھنڈے ٹھنڈے میں چلدی اور یہ سمجھتی تھی کہ آگے پیچھے کو بچانا چاہیئے اس لئے کہ یہی دونوں مار کی جگہ ہیں۔

وہ ایسی بھاگی کہ جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا کہ تیروں کی مار سے دور نکل گئی اور مایوس ہو گئے تو انہوں نے ایسے شکاری کتوں کو اس پر چھوڑا جنکے کان لٹکے ہوئے اور گردن میں پٹے تھے۔ اور گھر کے کھائے کھلائے اور سکھائے بتائے ہوئے تھے۔

وہ کتے اتنے جھپٹے کہ اسکو جا دبایا مگر وہ انپر ایسے سینگوں سے

لپکی جو اپنی تیزی اور کمال میں سمہر لوہار کے نیزہ کی تیزی رکھتے تھے۔
وہ بھاگے اس لئے ان پر لپکی کہ ان بلاؤں کو دفع کرے اور
یہ سمجھ گئی کہ اگر نہ دفع کرے گی تو پھر اپنی خیر نہیں۔
کساب کتیا اسکے سینگوں سے بندھ گئی اور پھر ساری لہو لہان
ہوگئی۔ اور سخام اسکا کتا مارا گیا اور میدان چھوڑا گیا۔

اس ضروری تمہید کے بعد شاعر اپنے اصلی مقصد کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس کا نام اصطلاح ادباء میں تخلیص۔ تخلص یا مخلص ہے اور فارسی میں اسے گریز کہتے ہیں۔ شاعر اپنے سامعین کے سامنے بڑے عجیب و غریب پیرایہ میں قبیلہ کے معاشرتی حالات کا خاکہ کھینچتا ہے اور اپنے ممدوح کے جود و سخا کی تعریف میں الفاظ کے دریا بہاتا ہے۔ یا اسکی بہادری اور شمشیر زنی کی ستائش میں اپنے قلم کی تیغ دو دم کو بے دھڑک چلاتا نظر آتا ہے۔ یا ایک واعظانہ اور حکیمانہ لہجہ میں اپنے ممدوح کے بدوی اخلاق کی پورے طور پر تصویر کھینچتا دکھائی دیتا ہے یا ایک تہدیدی لہجہ میں مخالف قبیلہ کی مذمت کرکے انہیں مرعوب کرنا چاہتا ہے۔

جاہلیت کے نامور شعراء

جاہلی عرب کے قافلہ سالار شعراء امرؤالقیس۔ علقمہ الفحل۔
۱ ۔ النابغۃ الذبیانی ۔ زہیر بن ابی سلمی۔ عنترۃ بن شدّاد العبسی۔ حارث بن حلزہ ۔ طرفہ بن عبد ۔ عمرو بن کلثوم ہیں۔ بعض شعراء ایسے ہیں جنہوں نے دونوں زمانہ پائے انہیں مخضرمیون کہتے ہیں۔

مثلاً حسان بن ثابت ۔ کعب بن زہیر ۔ ابو محجن ۔ ابن ہرمہ ۔ متمم بن نویرہ ۔ الحطیئہ ۔ لبید بن ربیعہ ۔ الاعشیٰ ۔

نظم جاہلی کے مجموعے

معلقات ۔ حماسہ ابو تمام ۔ حماسہ ابو عبادہ بحتری ۔ اغانی ابوالفرج مفضلیات الضبی ۔ نقائض جریر و فرزوق ۔ دواوین شعراء الہذلیین نوادر اصمعی یعنی الاصمعیات اور بہت سا مواد العقد الفرید لابن ربہ ۔ زہر الآداب للحصری ۔ الکامل للمبرد ۔ مجمع الامثال للمیدانی ۔ خزانۃ الادب لعبد القادر البغدادی ۔ نہایۃ الارب للنویری میں بھی مل سکتا ہے ۔

نظم جاہلی کی اہمیت اور اسکے موضوع

جاہلی نظم عرب کے رسوم و رواج ، عادات و اخلاق ، طرز معاشرت جنگوں ، خوبیوں ، کمزوریوں ۔ خانگی بود و باش ، تمدنی حالت ، تجارتی لین دین ، مذہب ، اعتقادات ، خیالات ، جذبات و عواطف ، اخلاقی ترقی ، الغرض تمام ان امور کا آئینہ ہے جن کے مطالعہ کی کسی مورخ یا ماہر اخلاقیات و معاشرت کو ضرورت ہوسکتی ہے ۔ اسکے عام موضوع لڑائیاں ۔ خانگی زندگی ۔ آبائی کارنامے ۔ حماسہ ، گھوڑے ۔ اونٹ ۔ ہتھیار ۔ مہماں نوازی ۔ حسن و عشق کے افسانے ، ایام ہائے گذشتہ کی یاد ۔ شرفا کی مدح ۔ خطابت ۔ حب وطن ۔ حب قوم کے کارنامے اور مراثی ہیں جس میں مرنے والے کے اصلی اور واقعی اوصاف درج ہوتے ہیں ۔ جاہلی نظم جاہلیت کی زندگی اور خیالات

کی بولتی چالتی تصویر ہے۔ جس میں عربی زندگی کا حال بلا کم و کاست یا بڑھاؤ چڑھاؤ کے بیان کیا گیا ہے۔ "الشعر دیوان العرب" کے یہی معنی ہیں۔

عرب سورما

ایک مکمل عرب سورما وہ شخص ہے جو بہادر، جری، شجاع، بات کا پورا، مخلص، صاف دل ہونے کے علاوہ چست و چاق، عاشق مزاج، جواد، سخی۔ مہمان نواز، عشرت پسند ہو۔ با ایں ہمہ دوپہر کی جلتی دھوپ، گھپ اندھیری رات اور کڑکتے ہوئے بادلوں والی موسلادھار بارش میں سفر کا عادی، قمار باز، مال کو بے دھڑک تلف کرنے والا، نڈر، رند مشرب، تیز دو، شتر کینہ، تلوار کا دھنی اور قبیلہ کا غلطی اور راستی ہر حالت میں اخیر دم تک ساتھ دینے والا ہو ؎

وهل انا الا من غزية ان غوت
غويت وان ترشد غزية ارشد

میں (قبیلہ) غزیہ ہی سے تو ہوں۔ اگر غزیہ ناراست چلیں تو بھی ان کا ساتھی ہوں۔ اور اگر راست روی اختیار کریں تو بھی میرا مرنا جینا انہی کے ساتھ ہے۔

عرب سورما لڑاکا اور فخارہ ہوتا ہے جیسا کہ عمرو بن کلثوم کے معلقہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو غیر ضروری طور پر کبھی خطرہ میں نہیں ڈالتا۔ جب نہ لڑنے سے کوئی نقصان نہ ہو تو "الفرار فی وقتہ ظفر" پر عمل کرتے نہیں شرماتا اور نہ ہی اسے عار سمجھتا ہے۔ لیکن قبیلہ

کی عورتوں جو عموماً لڑائی میں قبیلہ کے ساتھ ہوتیں کی آبرو بچانے کے لئے وہ اخیر دم لڑتا ہے چنانچہ عمروؓ بن معدی کرب جو ایک مشہور یمنی جنگجو سردار تھے - اور جنہوں نے اسلام لاکر فتوح سواد میں بڑا نام پایا - ایک موقع پر کہتے ہیں ؎

لما رأیت نساء نا یفحصن بالمعزاء شدا
وبدت لمیس کانها بدر السماء اذا تبدا
وبدت محاسنها التی تخفی وکان الامر جدا
نازلت کبشهم ولم ارمن نزال الکبش بدا

جب میں نے اپنی قبیلہ کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ سراسیمہ وار پتھریلی زمین پر دوڑتی پھرتی ہیں -

اور (میری بیوی) لمیس بھی اپنے حسن خداداد کے ساتھ اس طرح نمودار ہوئی جیسے نکھرے ہوئے آسمان میں چودھویں رات کا چاند اور اپنے ننگے چہرے کیسا تھ جو کبھی بے نقاب نہیں ہوا تھا - گھبرائے پھرتی تھی اور حالت نازک ہوگئی -

تو ایسی حالت میں - میں سردار قوم کے مقابلہ کے لئے اتر آیا - اور مقابلہ کئے بغیر چارہ نہیں تھا -

جاہلی شجاعت اور بسالت - بہادری اور مردانگی کا نمونہ شنفری ازدی اور اسکا ساتھی تابط شراً خیال کئے جاتے ہیں - شنفری نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا - لہذا اسکی قوم نے دشمنوں کے خوف کی وجہ سے اسکے جلا وطن ہونے کا اعلان کر دیا - دشمن ہر طرف سے للکارتے اور دھمکیاں دیتے اور اپنے اپنے مقتولین کے بدلہ لینے کی قسمیں

اٹھاتے مگر وہ انہیں محض گیدڑ بھبکیاں سمجھ کر تن تنہا مخالفین کے منصوبوں کو خاک میں ملاکر اپنے قبیلہ کو بزدلی پر کوستا ہے ؎

لا تقبروني ان قبري محرم | عليكم ولكن ابشري ام عامر
اذا احتملوا رأسي وفي الرأس اكثري | وغودر عند الملتقى ثم سائري
هنالك لا ارجو حياة تسرني | سجيس الليالي مبسلاً بالجرائر

مجھے مٹی میں دفن نہ کیجو۔ کیونکہ میرا دفن کرنا تم لوگوں پر حرام ہے ہاں او لنگڑ بگڑ! خوش ہو کہ تجھے میرا گوشت نصیب ہوگا)
جب دشمن میرا سر کاٹ کر اٹھالے جائیں گے۔ اور سر ہی میں میرا اکثر حصہ ہے۔ اور میرا دھڑ میدان جنگ میں پڑا رہیگا۔
تب میں جو اپنے تمام جرموں کی پاداش بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا گیا ہوں آئندہ زندگی سے خوشی کی کیا توقع کرسکتا ہوں؟

تابط شرا ثابت بن جابر بن سفیان فہمی جو اغربۃ العرب میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ ایک مشہور ڈاکو۔ قزاق۔ تیز دو اور اعلیٰ شاعر تھا وہ اپنے یہاں مردانگی کے معیار کا مختصر گو کر خت الفاظ میں مرقع پیش کرتا ہے ؎

قليل التشكي للمهم يصيبه | كثير الهوى شتى النوى والمسالك
يظل بموماة ويمسي بغيرها | جحيشا ويعروري ظهور المهالك
ويسبق وفد الريح من حيث ينتحي | بمنخرق من شده المتدارك
اذا خاص عينيه كرى النوم لم يزل له | كالئ من قلب شيحان فاتك
يرى الوحشة الانس الانيس ويهتدي | بحيث اهتدت ام النجوم الشوابك

وہ مصائب پر کم شکایت کرنے والا، ولولوں اور امنگوں سے پر۔ سرزاردل

ارادے دل میں چھپائے ہوئے ہے۔

دن اس جنگل میں تو شام دوسرے میں، تن تنہا، خطرناک مواقع پر

بے دھڑک جا پڑتا ہے۔

دوڑنے میں تند ہوا سے بھی آگے گذر جاتا ہے۔ جہاں سے بھی چلے۔

اگر کبھی ہلکی نیند سو بھی جائے تو اسکا چوکنا دل محافظ کھڑا رہتا ہے۔

تنہائی اسکی انیس وہمدم ہے۔ وہ پروین کی طرح اپنے راستہ کو کبھی

گم نہیں کرتا۔

اپنے دوست یا ہمسایہ سے مردانہ وار عہد پوری اور بے غرض ایثار جس کے لئے عرب آجتک شہرۂ آفاق ہیں۔ سموئل بن عاد یا یہودی کا نام زبان زد خلائق ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے " وفاء کوفاء السموئل" یا کسی شخص کی تعریف میں " اوفاء من السمئول" یعنی سموئل سے بھی زیادہ وفادار۔ کیونکہ اس نے ایک موقع پر امرؤالقیس "شہزادۂ صحراگرد" مشہور کندی شاعر کی زرہوں میں جو اس نے اپنے باپ کے قاتل قبیلہ بنواسد کے برخلاف قسطنطنیہ کے دربار سے مدد لینے جاتے وقت سموال کے پاس قلعہ الابلق میں بطور امانت چھوڑیں تھیں۔ خیانت گوارا نہ کی۔ حتیٰ کہ اپنے بیٹے کا قلعہ کی دیواروں کے نیچے سر اڑتا دیکھکر بھی یہ شخص جادۂ وفا سے سر موُ نہ جھکا۔ چنانچہ وہ فخریہ کہتا ہے۔ ؎

وفیت بادرع الکندی انی ۔۔۔ اذا ما ذم اقوام وفیت

واوصی عادیا یوما بان لا ۔۔۔ تھدم یا سموئل ما بنیت

میں نے کندی کی امانتی زرہوں میں خیانت کو جائز نہ رکھا۔ اور اپنے عہد کو پورا کیا۔ جب کہ اور لوگ بدعہدی سے بدنام ہو جاتے ہیں۔

مجھے میرے باپ عاویانے مرتے یہ وصیت کی کہ دیکھنا کہیں میرے
بناکردہ مینارِ شرافت و مجد کو ڈھا نہ دینا!۔
عرب جود و سخا کا نمونہ حاتم طائی ہے۔ اس شخص کا نام چاردانگ عالم
میں جوانمردی کے لئے مشہور ہے حتیٰ کہ شیخ شیراز نے بھی اسکی فراخدلی
کے گیت گائے ہیں ؎

زنبگاہِ حاتم یکے نیک مرد ——— طلب دہ درم سنگ فانیز کرد
زراوی چنیں یاد دارم خبر ——— کہ پیش فرستاد تنگِ شکر
زن از خیمہ گفت ایں چہ تدبیر بود ——— ہمہ دہ درم حاجت پیر بود

جس پر حاتم نے جواب دیا ؎

گر او در خورِ حاجت خویش خواست
جوانمردئ آلِ حاتم کجا است!

وہ خود اپنی بیوی ماویہ بنت عبداللہ بن مالک سے خطاب کرتا
ہے ؎

اذا ما صنعت الزاد فالتمسی له ——— اکیلا فانی لست آکله وحدی
اخا طارقا او جار بیت فاننی ——— اخاف مذمات الاحادیث من بعدی
وانی لعبد الضیف ما دام ثاویا ——— وما فیّ الا تلک من شیمة العبد

جب تو کھانا تیار کرے تو کسی ایسے شخص کو بھی بلا جو کھانے میں میرا
شریک ہو سکے۔ کیونکہ میں اکیلے نہیں کھا سکتا۔
یعنی کسی رات آنے والے بھائی یا پڑوسی کو (بلا لے) کیونکہ میں برا
نام نہیں چھوڑنا چاہتا۔
میں مہمان کا غلام بے دام ہوں اور غلامی کا ایک یہی وصف مجھ میں پایا جاتا ہے۔

آخر میں ہمیں انکے بدلہ اور کینہ کی خصلت کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جو ایک مجبوری ہوتی جس کا بوجھ عرب بدوی کے ضمیر پر پڑا رہتا۔ جسے دور کرنا وہ اپنی اخلاقی ذمہ داری تصور کرتا۔ حمیۃ الجاہلیۃ سے یہی مراد ہے۔ یہ ایک طبعی ضرورت ہوتی جسکے پورا نہ ہو چکنے تک انتقام لینے والے شخص کو نہ ہی نیند آتی نہ ہی کھانے پینے کا مزہ آتا بلکہ یہ خیال بیماری کی طرح اس کے گلے کا ہار بنا رہتا۔ چنانچہ قیس بن زہیر العبسی کہتا ہے ؎

شفیت النفس من حمل بن بدر
وسیفی من حذیفۃ قد شفانی

میں نے حمل بن بدر کا کام تمام کرکے اپنے جی کو ٹھنڈا کیا اور میری تلوار نے مجھے حذیفہ کے روگ سے نجات بخشی۔

مقتول کا سب سے قریبی رشتہ دار جس پر انتقام لینا فرض ہوتا۔ عیش و عشرت منانے ناچ و رنگ میں حصہ لینے، شراب پینے، غرضیکہ تمام لذائذ نفسانی سے کنارہ کش رہتا اور جب تک اپنے چچا، بھائی، باپ، ماموں، بیٹے کا بدلہ قاتل یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار سے نہ لے لیتا اس کے دل کی جلن ٹھنڈی نہ ہوتی لیکن اگر کوئی شخص قصاص کی جگہ دیت پر جس میں اونٹنیاں دی جاتیں راضی ہو جاتا تو تمام سوسائٹی اسے ہیٹا خیال کرکے عرضۂ طعن بنا لیتی کیونکہ اسنے خون پر دودھ کو ترجیح دی چنانچہ ایک حماسی فخریہ کہتا ہے ؎

ولکن ابی قومی اصیب اخوھم
رضی العار فاختاروا علی اللبن الدما

مگر میری قوم نے جنکا عزیز بھائی مارا گیا تھا خوں بہا کی عار قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دودھ پینا منظور نہ کیا۔

ایک اور حماسی جسے سات خونبہا پیش کیے گئے مگر اس نے انتقام ہی کو ترجیح دی کہتا ہے ؎

ابعد الذی بالنعف نعف کویکب
رھینۃ رمس ذی تراب وجندل
اذکر بالبقیا علی ما اصابنی
وبقیای انی جاھد غیر مؤتل

کیا اس عزیز کے مارے جانے کے بعد جو مقام نعف کویکب پر ریت اور کنکر والی قبر میں مدفون ہو چکا ہے۔

مجھے قاتل پر رحم کرنے اور انتقام سے دستبردار ہونے کی تلقین کی جاتی ہے؟ میرا رحم تو یہی ہوگا کہ میں بس چلے انتقام لینے سے کوتاہی نہ کروں!

نظم جاہلیت اور عروض

یہاں اس امر کا بیان ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اوزان و بحور عروضی جس طرح ہم انہیں جانتے ہیں جاہلی عرب اس سے قطعاً ناآشنا تھے۔ علم عروض آٹھویں صدی کے اخیر میں مرتب ہوا۔ جسکی ابتداء یوں بتلائی جاتی ہے کہ اصحاب عربیت کا مشہور امام خلیل رح ابن احمد الفراہیدی المتوفی ۷۹۱ھ شہر مکہ کے بازار سوق الصفارین (ٹھٹھیاروں کا بازار) میں سے گذر رہا تھا تو اسنے مطرقہ (ہتھوڑا) کی آواز سنکر خیال کیا کہ آواز ایک

موزونیت رکھتی ہے اور کہا یہ "حقا حقا حقا" کی آواز ہے۔ جیسے فعلن
فعلن فعلن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسکا یہی خیال آخرکار کلام کے
لئے ایک خاص معیار یعنی علم عروض کی تدوین کا باعث ہوا۔

نظم جاہلی پر عام ریویو

قصہ کوتاہ جاہلی نظم کے مضامین افق عربستان کے اندر ہی محدود
ہیں۔ اسکے خیالات بدوی تمدن کی فضا سے معمور ہیں۔ صحرائی زندگی
کی یکسانیت۔ واقعیت۔ مادیت اور اصلیت کا آئینہ ہیں۔ کیفیات
نفسانیہ کے باریک فرقوں سے معرٰی ہیں کیونکہ کشمکش حیات مادی
زندگی کے مشاغل کو چھوڑ کر عقلیات اور ذہنیات میں توجہ لگانے
کا ہرگز موقع نہیں دیتی۔ بدوی کو حقائق ذہنیہ یا مذہبی فکر و تدبر
کا کوئی موقع نہیں۔ اسی وجہ سے بدوی زندگی کو جدت آفرینی سے
کچھ بہرہ حاصل نہیں۔ پھر بھی جاہلی نظم رسیلی۔ دلسوز۔ جذبات سے
معمور ہے۔ وہ تمام کی تمام محسوسات باطنی سے ہٹ کر محسوسات
خارجی سے تعلق رکھنے والی۔ معصوم۔ بھولی بھالی ہے۔ تشبیہات۔
استعارات و کنایات سے مالا مال مگر خیالات بلند و باریک سے عاری
ہے۔ مگر ہمیں بدوی شاعری کا مقصد بیسویں صدی کے معیار پر نہیں
پرکھنا چاہیئے۔ کیونکہ عرب بدوی نے ہم صدیوں بعد میں آنے والے
عجمیوں کو خوش کرنے کے لئے بلکہ اپنے فوری فطرتی جذبات کے اظہار
کے لئے اپنے اشعار میں اپنے بس کی تمام رنگ آمیزی کو صرف کردیا
ہے۔ جہاں معائب وہاں محاسن بھی۔ خار و گل پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں

مگر کوئی ادیب کسی زبان کے ادبیات کے ہردو پہلوؤں کا پورا اندازہ کئے بغیر محقق کہلانے کا مستحق نہیں ؎

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

فضل حق ایم۔اے

اقتباس از فرحۃ الناظرین

شاہ اورنگزیب کے عہد کے مشایخ علما اور شعرا کے تراجم

مئی ۱۹۲۸ء کے رسالہ میں فرحت الناظرین سے چند مشایخ کا حال لیکر درج کیا گیا تھا۔ باقی مشایخ اور علما و شعرا کا حال اب درج کیا جاتا ہے افسوس ہے کہ جس نسخہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے اسمیں اغلاط بہت ہیں۔ ممکن ہے کہ ناظرین میں سے کسی صاحب کے پاس اس کتاب کا بہتر نسخہ ہو اور وہ تصحیح کے لئے قلم اٹھائیں۔

۷۔ شیخ محمد سعید[1] رح

مرید والدِ خود شیخ احمد سرہندی بود، فاضل متشرع و عالم متورع بود، بارشادِ خدا طلبان و درس علوم دینی اشتغال می نمود، جودتِ طبع و خیالات بلند او از حاشیہ کہ بر حاشیہ خیالی

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ پر ان کا نام احمد سعید دیا ہے ؎

نوشته بر ارباب تدقیق ظاهر می گردد، و در سنه چهارم جلوس عالمگیری عازم وطن اصلی گردید، ولد ارشد این مغفور شیخ عبد الاحد به میان گل مشهور که بفضل و کمال ظاهر و باطن موصوف بود، تاریخ رحلتش "قیل ادخلوها بسلام آمنین" یافته و شیخ ممدوح و شیخ سعد الدین و شیخ عبد الاحد مسطور مکرر بملازمت پادشاه دین پناه رسید (۵) مشمول عواطف و احسان شدند،

۸ - شیخ محمد معصوم[۱]

مرید و خلیفه والد بزرگوار خود شیخ احمد بود، در تربیت مریدان و تعبیر وقایع و حل مشکلات اینان از برادران و سائر شیوخ زمان امتیاز داشت، و از تصانیف سه جلد مکتوبات است که بس اسرار عزیزه و نکات عجیبه و علوم بدیعه دران اندراج یافته و بنابر استدعای پادشاه دین پناه چند بار ببارگاه عظمت و جاه رسیده باقسام تبجیل و تکریم و انواع توقیر و تعظیم مخصوص گشته بود و در سنه هزار و هفتاد و نه [۱۰۷۹] ازین دار پر ملال به نزهت سرای وصال انتقال نمود، تاریخ رحلتش سه

"رفته ز جهان امام معصوم"

۱۰ ۷۹

یافته اند،

شیخ محمد معصوم بفضائل صوری و کمالات معنوی اتصاف داشت و روی از اسباب بر تافته بظاهر و باطن متوجه مسبب راست بود

سلہ ان کا حال دیکھو خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۲۲ پر سلہ اس مادہ سے ۱۰۷۱ حاصل ہوتا ہے مگر خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۲۲ پر انکا سن وفات ۱۰۷۰ دیا ہے سلہ انکا حال خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۲۲ پر زیادہ تفصیل سے دیا ہے۔ نیز تذکرۂ علمای ہند صفحہ ۲۱۲ پر،

و شیخ عبداللہ حاوی فضایل صوری و معنوی جامع فواضل ظاہری و باطنی بود و سیف الدین معارف باطنی را با علوم ظاہری جمع کرد و در طی مراتب سلوک و طرق عرفان و اجتماع طلاب و تکمیل مریدان از سائر اقران و مشائخ زمان امتیاز داشت، این ہر سہ بزرگوار بانعام خلیفۂ الہی ممتاز بودہ باعزاز و احترام بسر بردند در عہدِ فرخ سیر انتقال کردند، واحدی (بقولی) در عہد بہادر شاہ انتقال رحمہم اللہ

۹- شیخ محمد یحیی رح

ابن شیخ احمد شیخ سرہندی بود بہ تقوی و صلاح اتصاف داشت و اکثر اوقات بدرس علوم متداولہ می گشت (کذا) مکرر بدرگاہ سلاطین پناہ رسیدہ موردِ مراحم اعطافِ شاہنشاہی شدہ در عہدِ بہادرشاہ فوت کرد رحمہ اللہ،

۱۰- شیخ داؤد گنگوہی رحمہ اللہ

از فرزندانِ شیخ عبدالقدوس و جانشینِ والدِ ماجدِ خود شیخ محمد صادق بود بسماع و وجد شغف تمام داشت، و در اثنای تواجد گریہای شور انگیز نمودی و در حضّارِ مجلس درد و سوز سرایت کردی مکرّر بخدمتِ فردوس آشیانی و خلیفۃ الرحمانی[له] رسیدہ مشمول عواطف گردیدہ بود و در سنہ پنجم جلوس والا از دارِ محنت بہ

له = شاہجہان ۵ه = اورنگزیب،

نزہت گاہ جنت رحلت نمود ،

۱۱- سیّد جعفر احمد آبادی رحمۃ اللہ

صاحبِ فضل و کمال و جانشینِ والدِ ماجد خود سیّد جلال بود، اشعارِ دلآویز و نکاتِ حکمت آمیز او حالت بخش اربابِ حال است، و دیوان ترتیب داده و کتابی محتوی بر احوالِ ساداتِ عظام تالیف نموده روضات نام نهاده و صفا تخلص می کرد، و این چند بیت از اشعار اوست ؎

راز ما در زمانه افتاد است　　بزمها را فسانه افتاد است
ای صفا درمیان ماه رخان　　شاهدِ ما یگانه افتاد است

؎

جز من که گرفته ام دو زلفش　　کس در شبِ تار مار نه گرفته

بحضور رسیده بگوناگون عنایات و انعام نقد و خلعت و فیل مخصوص شده بوطن مراجعت نموده نهم ذیحجه سنه یکهزار و هشتاد و پنج هجری (۱۰۸۵) ازین رباط غرور بسرای سرور انتقال نمود،

۱۲- سیّد برہان

نبیرهٔ مخدوم جهانیان روح الله روحهٔ نخستین کسی است ازین قبیله که بدیارِ گجرات بارشادِ خلایق پرداخت و در قریه سنوه(۹) سه

گروہی احمد آباد مدفون گشت و سیّد محمد مشتہر بشاہ عالم نبیرۂ سیّد برہان مسطور صاحب خوارق بود از بس شہرت مستغنی از ذکر و بیان است، مرقدش در رسول آباد زیارت گاہ اہل آن دیار است و سیّد محمد پدر سیّد جلال بعبیا حت وجہ فصاحت زبان موصوف بود، فردوس آشیانی دو بار سیّد را دیدہ بود و او در سنہ ہزار و چہل و پنج [۱۰۴۵] ازین منزلِ فانی بمنزہاتِ آنجہانی رخت کشیدہ و در گنبدی کہ نزدیک مقبرۂ شاہ عالم قدّس سرہٗ واقع شدہ مدفون گردید، او در تاریخ ولادتِ خود باین مصراع

ع

"من و دست و دامانِ آلِ رسول"

ملہم شدہ، سیّد جلال پدر سیّد جعفر مذکور مغفور بصفاتِ مرضیہ و اخلاقِ سنیّہ موصوف بود و مضامینِ رنگین و معانی دلنشین را بہ لباسِ نظم می آراست و رضا تخلص می کرد از منظوماتِ اوست

ع

من از غمِ تو در آتش تو شمعِ بزمِ رقیب
کلیم مست تمنا و جلوہ بر سنگ است

در سنہ ہزار و پنجاہ و دو [۱۰۵۲] فردوس آشیانی سیّد را از احمد آباد بہ کمالِ خواہش و مہربانی طلبیدہ بمنصب شش ہزاری و خدمتِ صدارت کل ممتاز فرمودہ بودند، غرۂ جمادی الاولیٰ سنہ یکہزار و پنجاہ و ہفت [۱۰۵۷] از محنت کدۂ دنیا بسرای سور عقبیٰ رحلت نمود، تاریخ وفاتش

ع

جانشینِ حیدرِ کرّار بود
یافته اند و دو پسر داشت مهین پور او سید جعفر مذبور و خلفِ دیگر خان رفیع مکان رضوی خان صدرالصدورِ خلیفه الهی بود،

۱۳- سیّد نعمت اللہ رح

بوفورِ دانش و جودتِ طبع اتّصاف داشت، مولدِ او قصبهٔ نارنول است در اثنای سیاحت بولایتِ بنگاله رسیده اقامت نمود، شاه شجاع با و طرفه اعتقادی داشت و اکثر بمنزل او رفته استفاده می نمود و بعد از شکستِ شاه شجاع دل از مملکتِ بنگاله برگرفت دران اوقات سیّد را با پادشاه گیتی ستان مکاتبات و مراسلات اتفاقات افتاده درسنه هزار و هفتاد و دو [۱۰۷۲] ازین مرحله آنچنان رو بتافت که جوینده از وی نشان نیافت،

۱۴- شیخ نور الحق دهلوی رح

فاضل محدّث و عالم متبحر بود، خلیفه و جانشین پدر خود شیخ عبدالحق دهلوی است رحمة الله علیه و شیخ مذکور نسبت وارادت سلسلهٔ قادریه وسلوالیة (شاذ لیه ؟) داشت و او برسی جز صحیح بخاری شرحی وافی داشت و معضلات و مشکلات احادیث را حل ساخته

و در تقویت مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جہد بلیغ نمودہ و احادیثِ مخالفِ این مذہب را تا ویلاتِ خجستہ فرمودہ و بر عقائدی و شرحِ مطالع و شرحِ ہدایہ حکمت و دیگر کتب متداولہ حواشی دارد و در نظم و نثر وحید زمان بود' این رباعی از وست ؎

رباعی

از شیوۂ ہمدمان این دور خلاف گویم رمزی اگر نگیری بگزاف
چون شیشہ ساختند پیوستہ بہم دلہا ہمہ پُر غبار در وہا ہمہ صاف

بارہا بہ ملازمتِ اقدس عالمگیر بادشاہ رسیدہ بعنایاتِ پادشاہانہ ممتاز گردیدہ بود در سنہ ہزار و ہفتاد و سہ [۱۰۷۳] کہ سنین عمرش بہ نود[1] و دو رسیدہ بود عزیمتِ سفرِ آخرت کرد' تاریخ وفاتش قبض العلم یافتہ اند'
۱۰۷۳

۱۵۔ شیخ بازید سہارنپوری

عالم متورع و فاضل متشرع بود و خرقۂ خلافت از شیخ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ یافتہ ہموارہ بدرسِ طلبہ و ارشاد و طلب (طالبان؟) اشتغال داشت' و از ما دون حق و از ماسوی منقطع بود' بملازمت خلیفۂ الٰہی رسیدہ ممتاز بانعامات دیدہ (ندور؟) بود' و در بلدۂ سہارنپور بدرس و تدریس و تذکیر اوقات خود را معمور میداشت در سنہ یکہزار و یکصد و دہ ہجری [۱۱۱۰] رحلت نمود'

---

[1] مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۱۱ : نود سال عمر یافت' یہی ریو نے لکھا ہے (دیکھو فہرست ص ۲۲۳)

۱۶ - شیخ[1] پیر محمد[2] لکھنوی

بفضل و کمال (و) بی‌تعلقی و وارستگی درست مرید شیخ عبداللہ ژندہ پوش بود، و شیخ عبداللہ از متوطنان نواحی کوہ لبنان بود، پیوستہ ژندہ پوشیدی و از اسباب دنیا چیزی با خود نداشتہ سفر بسیار کردہ بود، وادیٔ دشوار گذار را بقدم توکل پیمودہ بود و نسبتِ ارادت بہ سلسلۂ چشتیہ داشت در روضۂ معینیہ شیخ پیر محمد را اشتغال و اذکار تلقین فرمودہ و آنچہ درین طریق لابد سالک است تعلیم نمودہ و بسکونت قصبۂ لکھنؤ دلالت کردہ عزیمتِ دیارِ عربستان نمود، و شیخ باشارۂ پیر خود در قصبۂ لکھنؤ مقیم بودہ بدرس علومِ دینی و کتبِ سلوک اشتغال داشت، و شیخ در روضۂ متبرکہ مخدوم شیخ مینا قدس سرہٗ چہار سال بچلہ کشی مشغول بود و ازانجا باجازتِ مخدوم در شاہ جہان آباد رفتہ چندی در مقبرۂ اسوۃ اولیا قطب الاقطاب انزوا گزیدہ بعد مرورِ ایام در دار الخیر اجمیر رفتہ در روضۂ قدوۃ الواصلین حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری (سجزی) بچلہ کشی پرداخت، در اثنای چلہ خواجہ را دیدہ و ملہم شدہ کہ در لکھنؤ رشتہ استقامت نمایند ولایتِ لکھنؤ بہ شیخ میناست و شما را بسلطان المشائخ آند یار ملقب گردانیدم، شیخ باجازتِ خواجہ در لکھنؤ آمدہ بر تذکر الحال روضہ نعلیہ (؟) شیخ درانجا واقع است زیر درخت کمینہ (؟) وانیلی کہ الی یومنا ہذا آن درخت ایستادہ یادگار ازان معارف آگاہ اند بسر نمودہ توطن گزیدہ بدرس علوم دینی و تربیت مریدان

[1] دیکھو خزینۃ الاصفیا صفحہ ۴۲۷ خصوصاً اقتباس معارج الولایہ جسکا مصنف ان سے ملا ہے - صاحب معارج نے اخبار الاولیا (قلمی) میں بھی اپنی ملاقات کا ذکر قریباً اسی طرح کیا ہے۔
[2] انتقال دیکھو خزینہ صفحہ ۴۲۹

پرداختند، و توکل شیخ نه بحدی که در احاطهٔ تحریر و تقریر در آید کرا یارا که به تحریر آن پردازد غیر از جبّه و دستار و اوراد و کتب ضروری چیزی با خود نداشتند و سوای بوریا و آفتابه وضوی آوندی هم نبود، همه عمر در توکل بسر برد و در سنه هزار و هشتاد و پنج [۱۰۸۵] وفات یافت رحمة الله علیه، و عزیزی تاریخ فوتش بخدا پیوست یافته، بعد فوتش سنوده باخلاق، حقایق و معارف آگاه شاه آفاق بهاری خلیفه و سجاده نشین شیخ مرحوم گردیده قدم قدم طریقه پیر خود مسلوک داشت و در علوم دینی تفوق از قران خود می‌نبشت[1] (کذا مصنفاً) در سنه یکهزار و هشتاد و هفت (۱۰۸۷) از دارلفنا بدار البقا خرامید،

۱۷ - میر محمد شریف لاهوری

مرید و خلیفه شاه پیر محمد لکھنوی بود بارشاد و تربیت مریدان تفوق از ابنای خود جسته اکثر اوقات خود را بسیر حجاز مصروف داشتند، بالآخرة در بلدهٔ شاهجهان آباد در مغل پوره تکیه بنا نموده محل اقامت مقرر فرمودند و تن برضا ایزدی داده رحلت فرمودند در همان مکان متبرکه مدفون گردیدند

۱۸ - حاجی محمد حسین چہرہ پوش سیاح

از عراق عرب آمده در نواحی کلانور متعلقه صوبه لاهور اقامت

---

[1] خزینہ میں نشتہ ہے۔ [2] از اقران خود می جست؟

چندی فرموده باز بسفر حجاز پرداختند، بعد مرورِ ایام در ایام سلطنت فردوس مکان باز بهند آمده در مقام مذکور تکیه بنا فرموده اقامت ورزیده بارشاد و ہدایت مریدان پرداختند، صاحب خارق عادات ومحاسنِ اخلاق و متشرع بودند، فردوس آشیانی مکرر در تکیۂ سید رفته، سید زنہار باموردنیوی و ملاقات سلطان مذکور متوجہ نگردیده همہ عمر خود در توکل و نان دہی بسر برده، والی یومنا خلفایش بر ہمیں و تیره بسر می برند و نذور ہم قبول نفرموده، و خلیفۂ رحمانی نیز در ایام شاہزادگی بخدمت سید مبرور مشرف ملاقات گردیده نسبت پدر خود موردِ مرحمت سید گردیدند و آن مبرور منغفرت (؟) در ایام یکہزار و ہفتاد دو ہجری [۱۰۷۲] در ماه شوال بدارالبقا رحلت فرمود از خلفایش حاجی محمد عادل از متوطنان ملک پنجاب جانشین وخلیفه شده به تربیت مریدان پرداخت در توکل ونان دہی گوی از ہمسران بلکه از پیر خود برده بسر می برد، وتکیۂ عالی شان بنا فرموده برای ورود مسافران مہمان خانۂ تعمیر فرموده صاحب خرق عادات و محاسن اخلاق بودند،

درسنہ یکہزار و نود و پنج [۱۰۹۵] رحلت فرمودند،

۱۹- صاحب صدق ویقین شاه نور الدین قدس سرہٗ

ساکن نوشہره متعلقه پرگنہ گجرات شاه دولۂ قوم مغل بوده اند در بدو حالت درسلسلۂ مداریہ منسلک بودند ہر سال درعرسِ شاه مدار

رسیدن در مکن پور برخود واجب[۱] و لازم دانسته می رسیدند اتفاقاً در سنه یکہزار و نود [۱۰۹۰] بارادہ طواف مزار متبرک شاہ مدار عازم شدہ واردِ تکیۂ حضرت حاجی حسین گردیدند باہتمام حاجی محمد عادل مزدورہ[۲] و خدمای حاجی مذکور مسجد در تکیہ متبرکہ بنا فرمودند و احتراز از بی نماز نمودہ در حالتِ عدم وضو خشت و گل را بدست می گرفتند'

شاہ نورالدین کہ از بدوِ حالت گاہی وضو و نماز آشنا نبودہ بطور مداریہ بسر می بردند بعد ورود تکیہ متبرکہ خواستند کہ در تعمیر مسجد شریک بودہ در تحمیل خشت[۳] و لای مشغول بشوند صدبار (خدمای) و فقرا حاجی محمد عادل مزاحمت نمودہ استغاثہ نمودند کہ ما زنہار یک خشت را بی وضو نہادیم تو کہ خلاف شرع و از صوم و صلوٰۃ مناسبت نداری چگونہ بہ تعمیر پردازی شاہ مذکور از ممانعت ایشان دست باز نداشتہ نسبت سابق مقید بہ تعمیر گردید و گفت کہ شما این ماجرا را پیش پیر خود می برید و از احوالِ من بپرسید اگر اجازت خواہند فرمود بہتر و الّا نہ دست باز خواہم داشت' بہ فقرا متفق شدہ حقیقتِ حال را بعرض حاجی محمد عادل رسانیدند' حاجی مذکور متامل گردیدہ فرمودند کہ دست از ممانعت باز دارید کہ بعد من این سرحلقہ و خلیفہ شما خواہد بود'

خدما و فقرا از استماع اینچنین کلمات متحیر گردید بشاہ مذکور پیغام تعمیر مسجد رسانیدہ حدیث حاجی را بعینہ نقل کردند' شاہ مذکور بمجرد استماع این کلمہ از افعال شنیعہ خود مبرا گشتہ بہ توبہ و زاری پرداختہ پیام بیعت حاجی فرستادند' حاجی استدعای آنہا

---

[۱] دیکھو صفحہ ۔ [۲] جمع مزدور ! [۳] اصل: وخشت'

را بدرجۂ اجابت مقرون ساخته بارشاد و ہدایت شاہ مذکور را از
زمرۂ واصلانِ حق گردانید، وچون درسلسلۂ عالیہ ایشان مقرراست
شخصی راکہ من بعد خود خلیفہ نمودن منظور می‌شود در ایام تمارض
خود آنرا بامامت پنجگانہ مقرر می فرمایند و بعلوم دینی استفاد(کذا) می‌کنند
حاجی محمد عادل در مرض موت خودشاہ نور الدین را خلیفہ وجانشین
خود مقرر فرمودہ و بعہدۂ امامت صلواۃ پنجگانہ نصب ساختہ درسنہ
یکہزار و نود وپنج [۱۰۹۵] بخلد برین شتافتند، و شاہ نور الدین
صاحب عرفان و جامع اخلاق بود پیوستہ بتوکل بسر می برد صاحب
الخرق عادات(کذا) ومظہر کرامات بود و آثار   آرد پختہ بہزار
کس طعام پختہ قسمت می فرمودند و چندبار بسفر حجاز پرداختند و ہر
مستمندی کہ بخدمتِ حضرت ایشان معرفت بمطالب علیہ خود رسیدہ
فایز می شد، درسنہ یکہزار و یکصدوبیت ونہ[۱۱۲۹] بخلدِ برین شتافت
رحمۃ اللہ علیہ،

۲۰- حاجی سعد اللہ

مرید وخلیفہ ارشد و جانشین شاہ نور الدین بودند بارشاد وہدایت
مریدان و ورع و تشرع عدیم المثال بودند، محرر این اوراق چندبار
بخدمتِ ایشان مستفید گردید بہ تحصیلِ علوم درسی مخاطب بودند، بیمن
توجہ آن مصرکرامات این محرر از تحصیل علوم درسیہ فراغت حاصل
نمودہ، صاحب خرق عادات بودند و درسخاوتِ وجود و مروتِ بی ہمتا

در سنہ یکہزار و یکصد و ہفتاد [۱۱۷۰] بخلدِ برین شتافتند رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ - صاحب عرفان شیخ عبد الرحمٰن

باخلاقِ ستودہ موصوف بود، از اغنیا و فقرا ہر کہ (نزدِ) او وارد می شد دقیقہ از دقایق خدمت نمی گذاشت و ہر کہ از امرا و اغنیا تکلیفِ نیاز می کرد نمی گرفت و کتابی محتوی بر احوالِ مشایخ متقدمین و متاخرین تالیف نمودہ مرآۃ الاسرار نام کردہ و در قصبہ امیٹھی کہ از توابع سرکار لکھنؤ است عمارات طرح انداختہ بسری برد،

۲۲ - شیخ پیر محمد سلونی

ریاضت بسیار کشیدہ و بہ صحبتِ بسیار مشایخ رسیدہ بود، اکثر سکنہ آن نواحی باجناب اعتقاد دارند،

۲۳ - سید پیر محمد قادری برہانپوری

متقی متورع بود و سببِ ارادت بہ سلسلۂ قادریہ داشت در بعضی اسفار رفیق خلیفہ رحمانی بود

۲۴ - شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری

بصلاح و تقوی آراستہ و بعلم دعوت اسما از دیگر مشایخ و فقرا ممتاز بود و مرید شیخ فرید کہروال و او ارادت بشیخ محمد گوالیاری دارد

سلہ مآثر الکرام (ص ۲۴۲) میں ہے کہ قصبہ سلون مضافات الہ آباد سے ہے۔ شیخ پیر محمد کا حال خزینۃ الاصفیا ا: ۴۷۷ پر دیکھو۔ ونکے نواسہ سید سعد اللہ کا حال خافی خان (۲: ۵۵۹) اور آزاد بلگرامی (مآثر الکرام ۱: ۲۱۷) نے مفصل دیا ہے

مکرر بدرگاه خلیفه الزمانی حسب لطلب رسیده مشمول عواطف خسروانی
بوده در لاہور بسری برد و دیہی بطریق مدد معاش بنام فرزندان خود
در لاہور مقرر کردہ نزدیکِ خانۂ خود مسجدِ عالی بنا کرده ہمانجا اقامت کردند
در سلطنت الخلیفہ رحمانی (کذا) انتقال نمود،

۲۵- شیخ عبد الملک

مرید و جانشینِ والدِ خود شیخ فرید کہرداں بود بزہد و تقویٰ و علم و
فضل اتصاف داشت برفاقتِ شیخ محمد اشرف مکرر بملازمت شاہ عالمگیر
مستسعد شده کامیابِ مطالب گشته در بلدۂ سرہند سی و پنج عالمگیری
انتقال نمود،

۲۶- سیّد عبد الفتّاح گجراتی

پیرِ نورانی بود از کمالات نصیبہ وافی داشت، مثنویِ ملای رُوم[1]
را خوب میدانست و اوقاتِ خود را بخدا پرستی معمور داشت،

۲۷- شیخ محمّد ماه جونپوری

بفضایلِ صوری و معنوی اتصاف داشت و سلسلۂ ارادت به
سلطان المشایخ قدّس سرّہٗ داشت در انصرام مطالب پاشکستگان

---

[1] انکا حال مآثر الکرام ج ۱ صفحہ پر مفصل تر دیا ہے، تاریخ وفات [illegible] انہوں نے مثنوی مولانا کی شرح بھی لکھی ہے

گرو ای (ز دلهای ا) فقر و عزلت سعی وافر می کرد در بلدهٔ جونپور اقامت داشت هرچند عالمگیر پادشاه قصد طلب او نمود زینهار حرکت نمی نمود '

۲۸ - شیخ شمس الدین

برادرِ خردِ شیخ محمد ماه بود، به تهذیب اخلاق کوشیده باوج اخلاق سنیّه عروج نموده در بلدهٔ جونپور (به) درس علوم ظاهری و سلوک اشتغال داشت '

۲۹ - شیخ عبدالرشید جونپوری

انصاری ستوده شیم و حمیده اخلاق بود ' اوقاتِ خود را در ذکرِ حق مشغول داشت رحمة الله '

۳۰ - شیخ عبدالوهاب نقشبندی لاهوری

ستوده اوضاع و پسندیده اطوار بود از بی تعلقی میل بتاهل نمیکرد و چهل و پنج سال در حجرهٔ تنگ بسر بردهٔ نفس گیرا داشت مردم بسیار از صحبتِ شیخ از مناهی و ملاهی اجتناب نموده سالکِ طریق صلاح و فلاح شدند شیخ در سنه دهم جلوسِ عالمگیری در عمر هشتاد سالگی مرحله پیمای سفر واپسین گردید و در لاهور مدفون شد '

۱۔ انکے حالات کے لئے دیکھو مآثر الکرام ج ۱ صـ ۲۰۲ اور خزینہ صـ ۴۶۳ ' مآثر میں انکا سن وفات ۱۰۸۱ھ دیا ہے - ۲۔ درست معلوم ہوتا ہے نہ ۱۰۵۵ھ جو خزینہ میں ہے اسلئے کہ صاحب اخبار الاخیار ۱۰۵۲ھ کے بعد ان سے ملا گیا - ۳۔ تذکرہ علمای ہند صـ ۱۱۹ '

۳۱ - شیخ پیر محمدؒ جنیدی (جینڈی ؟)

بزہد و تقوی آراستگی داشت و درقلعہ جنید (جنیند ؟) طرح اقامت انداختہ بدرس علوم دینی اشتغال داشت رحمۃ اللہ علیہ

۳۲ - شیخ محمدؒ وارث

باخلاق حمیدہ موصوف و بفقر و قناعت مشہور و بہ تزکیۂ باطن و مجاہدۂ نفس پیوستہ مشغول بودہ، در شاہجہان آباد اقامت داشت[1]

۳۳ - شاہ دولای گجراتی

بخدمت مخدومی سید امام فایز گردیدہ از سوال (نوال ؟) او بہرۂ وافی یافت و از مشاہیر آفاق گشت خرد و بزرگ سکنہ پنجاب را باو طرفہ اعتقادیست و باوجود عدم اسباب دخل خرج بسیار داشت و مردم کثیر از مطبخ او وظیفہ خوار بودند و اقسام وحوش و طیور گرد او جمع آمدہ و فیل و شتر و شیر و ببر و دیگر جانوران فراہم آوردہ راتبہ آنہا مہیا داشت و عمارات عالی ساختہ و مابین لاہور و گجرات پل طولانی بر نہر ذیک احداث نمودہ درسی جلوسی انتقال نمودہ رحمۃ اللہ

۳۴ - سید فاضل خان گجراتی

بورع و تقوی موصوف و بر نہی و منکر و امر معروف تقید داشت مگر بعنایت خلیفۃ الرحمانی ممتاز گردید در گجرات خور و سکونت داشت

---

[1] انکا حال دیکھو خانی خان ۱ : ۵۵۱ پر [2] دیکھو خزینہ صفحہ ۴۴۲ [3] خزینہ : سیینار سرست چشتی،

در سنہ سی و یک جلوسی انتقال نمود رحمۃ اللہ

۳۵ - محمد خویشگی (کنجاہی)

صاحب و سالک مسلک وجد و حال بود گوہران اشعار فارسی و ہندوی آن بحر اسرار ہمہ آبدار و آویزۂ گوش مستعدان روزگار است از واردات اوست ؎

آشوب درد خاطرم از بی سرشتہ اند — بی برگہا بہار من از وی سرشتہ اند

ہرکس کہ آید از در من مست میرود — گویا کہ خاک درگہم از می سرشتہ اند

در کنجاہ باگاہ دلی بسر می برد' سرگشتگان وادیٔ طلب را بمنزل مقصود رہنمائی میکرد'

۳۶ - شیخ بایزید[۱] قصوری

از مریدان شیخ آدم[۲] بنوری بود تبرک و تجرید موصوف و بزہد و انقطاع مشغوف از غایت بی تعلقی در کوچہ و بازار سر و پا برہنہ می گردید و از امر معروف و نہی منکر خود را مقصر نمی داشت' بعد چندی در دار الخلافہ شاہ جہان آباد اوقات او بمواعظ و نصایح (و انجاح؟) مہات ارباب حوائج (صرف) می گردید (کذا) در عہد عالمگیر بعلیین بشتافت رحمۃ اللہ علیہ

۱؎ انکا حال دیکھو خافی خان ج ۱ ص ۱۵۱ پر' صاحب اخبار الاخیار کے وہ معاصر ہیں - اور اسنے انکا حال تفصیل سے دیا ہے' ۲؎ دیکھو خزینہ ص ۵۹۲ یہ مجدد صاحب کے اعظم خلفا میں سے تھے -

در ذکرِ علمای این عصر

۷۳ - دانشمند خان[۱]

موسوم بمحمد شفیع و مشهور بملا شفیعای یزدی، در عصرِ فردوس
آشیانی شاه جهان برای تجارت و سیاحت به هندوستان آمده چون
مکرر صیتِ فضایل و کمالاتِ او بمسامع عز و جلال پادشاه رسیده
بود که یگانهٔ آفاق (و) سرآمدِ علمای خراسان و عراق است او را
از بندر سورت که عازم وطن بود بخواهشِ تمام و اعزازِ فراوان طلبِ حضور فرمودند
وجهتِ مناظره و امتحان او قدوه علمای فحول جامع معقول و منقول
حقانی و معارف نگاه (کذا) عبدالحکیم سیالکوٹی را نیز طلبیدند و آن هر دو
فاضل بی همتا بادراکِ ملازمت مستسعد شده در انجمن فیض توطن در
تفسیرِ آیهٔ کریمهٔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ مباحثه کردند و ممیز علامی
سعدالله خان قرار یافت، وسخنانِ بلند ونکات دلپذیر ازان
هردو دانشمند تحریر بمنصهٔ ظهور آمد جامع این اوراق از طول کلام اندیشیده
و ایرادِ دلایل علمی و ذکر اسئوله و اجوبهٔ طرفین را مناسب بسیاق
این مختصر ندیده بشرح مباحثات نه پرداخت:
القصه حضرت فردوس آشیانی محاوره و تقریر ملا را خوش
نموده در سلکِ ملازمان منظم فرمودند و در اندک مدت منظورِ عاطفتِ

---

۱ خان کا حال مآثر الامرا میں دیکھو، انکا سن وفات ۱۰۸۰ھ ہے۔

پادشاهی بوده بخطابِ دانشمند خانی سرافراز گردیده بمنصب سه هزاری و خدمت بخشیگری خلعتِ امتیاز پوشید و در آخر ایام سلطنت آن حضرت از منصب و خدمت استعفا نموده در شاه جهان آباد منزوی گشت،

چون اورنگِ خلافت و جهانداری بفرّ جلوس عالمگیری ارتفاع یافت خان مذکور موردِ مراحم خاقانی شده بمنصبِ چار هزاری فرق عزت افراخته و آخر بوالا پایه پنجهزاری صعود نموده بخدمت میر بخشیگری مرتبه امتیاز یافت و پادشاه دین پناه بعض کتب را نزد خان موصوف تکرار نموده خصوص احیاء العلوم امام غزالی از اوّل تا آخر تلمذ نموده

۳۸ - فاضلخان[1]

موسوم بملا علاء الملک تونی از علوم معقول و منقول بهرهٔ عام داشت و در الهی و طبیعی و اقسام ریاضی بی همتا بود و بمیامنِ الطاف فردوس آشیانی بمنصب چار هزاری تارک اعتبار بر افراخته خدمت میر سامانی داشت و در عهد پادشاه دین پناه در سنه ششم جلوس والا در خطهٔ کشمیر بینظیر بعد از سپری شدن راجه رگهناته بوالا پایه دیوانی و وزارت کل عروج نموده بعد از ده روز بمرض اسهال کبدی طریق فنا و راه آخرت پیمود،

۳۹ - شیخ هروی

در آغاز تمیز و عنفوان شعور از خراسان به هندوستان آمده اکثر

---

[1] دیکھو بیاض ۲۹ اور حوالجات جو وہاں دئے ہیں۔ اصل میں ۱۰۷۳ کا واقعہ ہے (دیکھو عالمگیرنامہ ۸۱۵) جو مطابق ہے سنہ ششم جلوس عالمگیری کے،

کتب متداول را نزد ملا عبدالسلام لاہوری کہ از افاضل مقرری بود متحدشدہ نمودہ و در ایام جوانی عازم حجاز شدہ بطواف حرمین زادہما اللہ شرفاً مستسعد گشت و علم حدیث دران امکنہ شریفہ سند نمودہ باز بہ ہندوستان آمدہ برہنمونی بخت در سلک ملازمان اعلیحضرت انتظام یافت و بہ تعلیم داراشکوہ مقرر گشت و آخر ایام بمنصب دو ہزاری رسیدہ مدتی بخدمت صدارت کل ممتاز بود، در سنہ ہزار و ہفتاد و سہ (۱۰۷۳) جلوس عالمگیری ندای ارجعی را شنیدہ روانۂ موطن اصلی گردید،

۴۰ - اعتماد خان

نامش ملا عبدالقوی و مولد و منشا اشی بر ہانپور از علوم دینی حفظ وافر و از دیانت و راستی نصیب کامل داشت، در ایام شہزادگی خدیو خدا جو مقرب و محل اعتماد بود بعد جلوس خدیو خدا آگاہ بہ منصب دو ہزاری و پانصدی رسیدہ بخدمات عمدہ سرافراز می شد و در سنہ ہفتم جلوس والا امیر خان ناظم صوبۂ کابل جمعی را کہ والی ایران بجاسوسی فرستادہ بود از نواحی کابل گرفتہ بحضور پرنور ارسال داشت و خدیو جہان پناہ باعتماد خان حکم فرمودند کہ بمبالغۂ تمام استفسار این معنی را ازان جماعۂ نمودہ بعرض مقدس رساند، چون آن جماعۂ انکار جاسوسی نمودند اعتماد خان بکسان خود گفتند کہ امشب اینہا را بردہ حوالۂ کوتوال نمایند باز استفسار کردہ خواہد شد،

لہ تلمذ ؛ اخذ؛ ٹہ اصل : صداقت

چون آنها نام کوتوال شنیدند از حیات مایوس شده یکی ازان سرہنگان که پیوسته انتهاز فرصت می نمود و در اہل سواری (؟)، حربه را پوشیده میداشت خود را پتهل(؟) رسانیده از ہمانجا شمشیر کشیده خود را بخان مذکور رسانید شمشیر انداخت و آن خان سعید را شهید ساخت مردم گرد وپیش دویده آنها را که ده نفر بودند به قتل رسانیدند،

۴۱ - قدوهٔ علمای کرام شیخ نظام[1]

به پرہیزگاری و خداپرستی موصوف و بمزید دانش و تبحر در علوم و فرطِ معلومات مشهور و معروف بود اکثر متداولات را در برہانپور که مولد اوست نزد فاضل نحریر قاضی نصیر خوانده و قاضی نصیر الدین برہانپوری مذکور از مشاہیر فضلای عصر بود و او کسب علوم متداوله پیش پدر خود قاضی سراج الدین نمود تفوق از ابنای جنس خود جسته بود در سنه ہزار وسی ویک [۱۰۳۱] ره نورد سفرِ آخرت گردید

۴۲ - ملا عبد الحکیم[2]

نشیب و فرازِ طریقِ کمال پیموده در مضمار فضایل قصب السبق از ہمسران ربوده بود در ایام جنت مکانی[3] بکم و بیش ساخته بقناعت می گذرانید، در عصر فردوس آشیانی[4] چون ہنگامهٔ دانشوران رونق

[1] انکا ذکر عالمگیرنامہ ص ۸۵۸ پر آیا ہے نیز دیکھو تذکرہ علمای ہند ص ۲۴۲ اور انکے استاد کا حال تذکرہ ص ۲۳۵ پر،
[2] انکے حالات کیلئے دیکھو مآثر الکرام ص ۲۰۲، خزینہ ص ۹۴۳، تذکرہ علمای ہند ص ۱۱۱ [3] یعنی جہانگیر [4] شاہجہان،

گرفت و بازار فضل گرمی رواج پذیرفت ، ملا از انعام وعطایای آن حضرت دامن امید گران بار گردانید و چندی برسم سیورغال یافته و هرگاه بدرگاه می آمد بنقود نامعدود کامیاب می گشت و دو بار بزر سنجیده شده مبلغ گرامند یافت چنانچه سبقا مذکور شده و در فنون علوم بنام نامی آن بادشاه مصنفات مفیده پرداخته و از تصانیفش حاشیه بیضاوی و حاشیه مطول و حاشیه خیالی و حاشیه میر قطبی و حاشیه شرح مطالع و مراح الارواح و حاشیه عبد الغفور و تکمله اش و حاشیه شرح اشارات و شرح حکمة العین بغایت مشهور است و در مدارس علما و فضلا مقرر (وغیره) مذکور آن قدوهٔ افاضل دوازدهم ربیع الاول سنه هزار و شصت و هشت (۱۰۶۸) که اول جلوس عالمگیری بود در سیالکوٹ رحلت نمود غفر الله له

۴۴ ـ ملا عبد الله

خلف سرآمد نحاریر زمان ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بود بگردآوری علوم وحل مشکلات وتحقیق دقایق وتشخیص حقایق آن چنانچه باید پرداخته و حفظ کلام مجید و صلاح و تقوی زینت افزای فضایل و کمالش گردید و بانقطاع وعزلت گزینی وقلت اختلاط ارباب دول برو الد خود مزیت داشت و از تصانیفش حاشیه هدایه بغایت مشهور است ، وقتی که عالمگیر در سرکار لاهور پرداخت ملا را بعد اعزاز

۱ بادشاہ اور تذکرہ میں زیادہ طویل فہرست دی ہے ۔ کذا در خزینہ بحوالہ مخبر الواصلین مگر مآثر الکرام میں جس سے یہ ترجمہ بہت مطابقت رکھتا ہے ۔ اور تذکرہ علمای ہند میں ۱۰۶۸ھ بجای ۱۰۶۷ھ دیا ہے ۔ عالمگیر کا جلوس اول یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ کو ہوا ۔

و احترام طلب نمود و نہایت مدد کہ بر والدِ ماجدِ او مقرر بود مع
شئ زاید بآن قدوهٔ علما مقرر فرمودند

۴۴- میر ہاشم گیلانی

از معلّمانِ پادشاه[۱] دین بود و بکثرت دانش و فور فضل و قوتِ
حافظه و حدت فہم امتیاز داشت و دوازده سال در حرمین محترمین
کسبِ علم نموده به ہندوستان آمده فنِ طب و اقسامِ ریاضی را
پیش جالینوس (........؟) خواند در احمد آباد غایبانہ سرافرازی
یافت، و بتقریبی بحضور آمده در سلکِ ملازمانِ درگاه منتظم گردید و
به یاوری بخت بتعلیم حضرت شاہنشاہی مامور شد و دران ایام
حاشیه بر تفسیر بیضاوی نوشته بنامِ نامی فردوس آشیانی مطرز
گردانید، در اورنگ آباد در سنه ہزار و شصت و یک [۱۰۶۱] که
عمرش از ہشتاد گذشته بود درگذشت،

۴۵- ملّا عبداللطیف[۲] سلطانپوری

او نیز از معلّمانِ پادشاه بود در معقولات و منقولات بہرۂ تمام
داشت، اکثر علوم را از جامع کمالات ملّا جمال لاہوری خوانده و
معقولات را در خدمت شاه فتح اللہ شیرازی استفاده نموده بود و
اواخر عمر نابینا شد و چند دیه بطریق سیورغال از فردوس آشیانی یافته

۱؎ مولوی اصلاً نہیں ہے ۲؎ یہ بھی اورنگزیب کے استاد تھے ۔ دیکھو تذکرہ علمای ہند ص ۱۳۲ ،

بدرس مشغول بود در سنہ[1] ہزار و چہل و دو [۱۰۴۲] برحمت حق پیوستہ و تاریخ فوتش ع
"آفتاب علم را آمد کسوف"
یافتہ۔

۴۶ - شیخ فیض اللہ پسروری

برادر خرد جدّ ماجد این محرر اوراق، در معقول و منقول بہرہ تمام داشتند و در علوم (مر) وجہ، اکثر اوقات در عزلت و گوشہ نشینی بسر می بردند آخر عمر بادشاہ[2] دین پناہ تکلیف خدمت افتا (کذا) ہد (کذا) پیوستہ بدرس علوم دینی مشغوف بودند و در جود و سخا بی ہمتا و در سلک قادریہ درآمدہ اکثر بہ تربیت افادۂ معنوی مستفید بودند در سنہ یکہزار و چہل و نہ [۱۰۴۹] داعی حق را لبیک اجابت گفتند۔

۴۷ - ملّا عبدالوہاب پسروری

جدّ والد ماجد محرر اوراق از مشاہیر فضلای عصر بودند بہ پرہیزگاری و خدا پرستی موصوف و بمزید دانش و تبحر در علوم (و) افر (ا) ط معلومات مشہور و معروف و در انجاح مرام طبقات انام مساعی جمیلہ داشتند و کسر نفس و تواضع با صغیر و کبیر سجیۂ مرضیہ اوشان بود، اکثر متداولات را در سیالکوٹ بخدمت ملّا عبدالحکیم خواندہ در علم فقہ

[1] اس تاریخ سے مادہ تاریخ کو مطابقت نہیں، مصراع تاریخ سے ۱۰۳۶ یا الف ممدودہ کو دو کے برابر سمجھیں تو ۱۰۴۸ حاصل ہوتا ہے۔ تذکرہ علمای ہند میں اسی تاریخ کی بنا پر انکی تاریخ وفات ۱۰۳۶ دی ہے [2] بظاہر شاہجہان مراد ہے۔

و اصول و معانی بهره تمام داشتند و همه عمر اعتماد بر توکل نموده
بدرس علوم دینی و کسب علم یقینی اشتغال داشتند، فردوس آشیانی
مکرر بخدمت ایشان رفته متعدده مناصب و وظیفه شدند بالآخر
بسعی و تردد سعدالله خان دو موضع در وجه التمغه باسم فرزندان
خود قبول نمودند سعدالله خان بعرض اقدس فردوس آشیانی رسانید
که ملّا دو دیه قبول نموده اند فردوس آشیانی فرمان التمغه چار دیه باسم
فرزندان ملا تیار نموده بخدمت ملا فرستاد تا الی (کذا) یومنا مواضع
مذکور در عمل فرزندان ملّا بود، الحال به سبب تفرقه در هنگامه سکهان
دیهات مسطوره از تصرف ما مردم بدر رفته، ملا در سنه یکهزار و پنجاه
و نه [۱۰۵۹] هجری بدارالجنان خرامیدند رحمة الله علیه،

۴۸- قاضی عبدالوهاب

در علم فقه و اصول مهارت تمام داشت و در راستی و درستی
و دیانت بی همتا بود،

۴۹- ملّا عوض

قصبه وطنش اخسیکت بود و در بلدهٔ بلخ در حوزهٔ (حلقه؟) درس میر عوض
تاشکندی کتب درسی خوانده بر اکثری از هم سبقان فایق گشت
و مدتی دران دیار بتدریس اشتغال داشت برهنمونی بخت و مساعدت

زمانہ سنہ ہژدہم جلوس فردوس آشیانی رسیدہ موردِ عنایت و نوازشِ خسروی گردید و در زمرۂ ملازمان انتظام یافتہ بخدمت افتای اردوی ممتاز شد و در عہدِ پادشاہِ دین پناہ بمنصب ہزاری رسیدہ یکچند خدمت احتساب عسکر داشت و بدرسِ علمِ دینی مشغول بود،

۵۰ - حاجی احمد سعید

موطنش بہار و از فضلای کبار، اکثر متداولات پیشِ والدِ خود مولانا محمد سعید خواندہ و بخدمت بسیاری از افاضل رسیدہ کسب علوم نمودہ، در علمِ فقہ مہارت تمام داشت در سلکِ ملازمانِ فردوس آشیانی منتظم شدہ خدمت افتای عسکر داشت و آخر ایامِ سلطنت آنحضرت بہ حجابت روم امتیاز یافتہ و بطواف حرمین معظمین مستسعد شدہ، در عہدِ عالمگیر بادشاہ بمنصبِ ہزاری سرافراز شدہ بدرسِ علوم مشغول بود،

۵۱ - محمد وارث خان

موسوم بہ شیخ وارث، در اقسامِ علوم و فنون دانش بہرہ داشت و در کاردانی و معاملہ فہمی یگانہ بود و در انشا طرازی بی قرینِ زمانہ گشت و بسلاستِ کلام و فصاحتِ الفاظ قصب السبق از ہمسران ربودہ ہموارہ

بخدماتِ لائقه سرفراز بود،

۵۲ - شیخ سلیمان میری (؟)

از کمال راستی و درستی و دیانت و امانت در خاطرِ مقدسِ پادشاهِ وقت جا داده معزز بود و در احقاق و انجاح مطالبِ مظلومان کوشش فراوان و سعی بسیار میکرد و بغایت بردبار و خلیق بود و آخرالامر بخدمتِ دار و غگیِ عدالت معزز بود و باوجود کثرتِ مشاغل شبها بدرسِ علوم می پرداخت،

۵۳ - شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی

باستیفای علوم عقلی و نقلی و استقصای فنونِ دانش و صنوف هنر قصب السبق از دانشورانِ روزگار بوده و بدقت طبع و بصارت (؟) رای و اضارتِ ذہن و فصاحتِ زبان از امثال و اقران امتیاز داشت و کسبِ فضایل پیشِ والدِ ماجدِ خود مولانا عبدالرشید که از فحولِ علما بود نموده و در عنفوانِ شباب از پایۂ تحصیل بدرجۂ تدریس عروج نموده در وطنِ خود افاده گرم داشت و پای قناعت در دامنِ عزلت پیچیده پیش اغنیا تردد نمی کرد، در سنہ چہارم جلوسِ عالمگیری که مستقر الخلافه مطرح عساکرِ اقبال بود کمالاتِ قدسی شیخ مذکور در محفلِ پادشاه دین پناه مذکور شد و بعضی رسایل و مسوداتش از نظر

فیض اثر گذشت خدیو جہان پناہ بخواہش تمام عنایت فراوان شیخ را بحضور طلبیدہ مورد انواع الطاف فرمودہ بمنصب و خدمت عرض مکرر امتیاز بخشیدند و احوالش در ضمن سوانح آن خدیو نامدار تحریر شدہ،

۵۴ - مرزا محمد زاہد[۱]

خلف مرزا اسلیم کابلی، در اکثر علوم علی الخصوص در کلام و حکمت و منطق از ہمسران افضل و اعلم بود افکار صحیح و خیالات بلند از حواشی کہ بر شرح مواقف و ملا جلال و دیگر کتب درسی تحریر نمودہ بر اہل فطرت و ذکا ظاہر می گردد و بسیاری از طلبہ بمیامن صحبت و تربیت او از حضیض شاگردی باوج استادی صعود نمودہ بی ہمتا شدند، و تصانیفش الحال فی زماننا از کتب معضلات است مدتی بخدمت احتساب اردوی پادشاہ امتیاز داشت، من بعد بخدمت صدارت کابل کہ وطن مالوفہ او بود اشتغال داشت،

۵۵ - ملا قطب الدین[۲] شہید سہالوی

در علم معقول و منقول سبقت از ہمسران ربودہ و پای قناعت در دامن عزلت چیدہ پیش اغنیا نمی رفتند و پیوستہ بدرس طلبہ علوم و کسب علوم معنوی پرداختہ در قصبہ سہالی کہ از مضافات لکھنؤ

[۱] دیکھو ماثر الکرام ج ا صفحہ ۲۰۶، انکے باپ کا نام ماثر میں قاضی محمد اسلم لکھا ہے۔ اور تاریخ وفات سنہ ۱۱۱۱ھ۔ تذکرۂ علمای ہند صفحہ ۶۸ پر ماثر کے ترجمہ کا اعادہ کیا ہے [۲] دیکھو ماثر الکرام ج ا صفحہ ۲۰۹، تذکرہ صفحہ ۱۶۷

بسر می بردند بارہا عالمگیر پادشاہ متصدی ملاقات ملا گردیدہ ملا ملتمس او را بدرجۂ اجابت نفرمودہ اکثری را از مرتبۂ شاگردی باوج استادی رسانیدند از جملہ تلامذہ ایشان ملا قطب الدین شمس آبادی که از فحول حکماست و مصنف مسلم الاصول و میزان السلم از تلامذہ آن نحریر زمان بودند بوصفش از احاطۂ تحریر و تقریر خارج بالآخرہ باغوای بعضی مفاسدہ در سنہ چہل[1] و ہفت عالمگیری در قصبہ مذکور شہید شدند رحمۃ اللہ علیہ

۵۶ - ملا غلام[2] نقشبند لکھنوی

که جملاً احوال ایشان سبقاً تحریر یافتہ از فحول علمای عصر بود در علوم عقلی و نقلی و علم حدیث و تفسیر سبقت از ہمسران ربودہ حواشی از فکر بسیار داشت فکر صائب ایشان از بعضی مصنفاتش مفہوم میگردد و پیوستہ باوجود کسب باطنی انتہاز فرصت جستہ بدرس علوم ظاہری اشتغال داشتند ،

۵۷ - ملا محمد یعقوب

فاضل دانشمند و صاحب فطرت بلند و عالی ذہن ، علوم عقلی و نقلی را بارہا درس گفتہ و بر کتب درسی حواشی مفید نوشتہ ارباب فہم را از حواشی دیگر مستغنی نمودہ ، حاشیۂ بیضاوی از علوم و بلندی ملا خبر می دہد

۵۸ - چلپی عبداللہ

از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام

---

[1] دیکھو تذکرہ علمای ہند صفحہ ۱۶۹ ، یہ ۱۱۲۱ میں فوت ہوئے ، [2] یعنی ۱۱۴۷ مگر ماثر میں ۱۱۰۳ ہے اور یہی ٹھیک ہے [3] دیکھو ماثر الکرام صفحہ ۲۲۰ ، تذکرہ صفحہ ۱۵۸ ، ۱۱۲۶ میں فوت ہوئے ،

داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیۂ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ عبارات عربی و ترکی و فارسی را خوب می نوشت و در علوم تصوف و حکمت تالیف رائقہ و تصانیفِ لائقہ دارد و در زمانِ فردوس آشیانی از روم بہ ہندوستان آمدہ در زمرۂ فقرا بسر می برد و ملا سعد اللہ علامی یکچند از ضروریات او خبر می گرفت در نوشتنِ فتاویٰ شاملِ حال و مامور بود،

۵۹- قاضی عبد الرحمٰن

از علم و صلاح نصیبۂ وافی داشت و بہ دیانت اتصاف داشت، سالہا خدمتِ قضا در قصبہ گہرمن مضافاتِ سرکار گورکھپور کہ مولد او ست داشت، چون حقیقتِ فضیلت و تدین قاضی بعرضِ خلیفہ رحمانی رسید قاضی را طلب حضور فرمودہ بمنصب سرافراز ساختند و در اندک زمان بمساعدت روزگار بخدمت فوجداری گورکھپور و دیوانی خالصات سرکار مسطور فرق امتیاز افراخت،

۶۰- قاضی محمد حسین جونپوری

از علم و فضل بہرہ تمام داشت و در عصر فردوس آشیانی مدتہا خدمتِ قضا و بلدہ مسطور داشت و در اوایلِ عہدِ خلیفہ رحمانی بمنصب سرافرازی یافتہ بقضای الہ آباد ممتاز شد و یکچند باین امر قیام داشت در سنہ ہفتم جلوس مطابق حکم والا بحضور رسیدہ مشمولِ عواطفِ خسروی

گردیده باضافۂ منصب و خدمت احتساب لشکر اقبال خلعت امتیاز یافت،

۶۱۔ ملا قطب ہانسی

از مخلصان زبده متوطنان شیخ عبد اللطیف برہانپوری او از مخصوصان سعد الله خان مرحوم بود بنابر خصوصیتی بادی در خلا و ملا بازداشت و از برہان پور رخصت شده بوطن خود که در نواحی ملتان داشت آمده سکونت گزید، در اوایل جلوس خلیفہ رحمانی بحضور رسید بانعام چہار لک دام سرافراز گردید و دیہی را بقطب آباد موسوم گردانید،

۶۲۔ شیخ قطب برہانپوری

فاضل متورع و حافظ مجود و تیرانداز مقری بود و قرآن را به نسبت (؟) تمام قرأت می نمود و اشعار عرب بسیار بخاطر داشت و بغایت خوب می خواند و باوجود فضایل و کمالات غربت و مسکنت باعلی درجه داشت و در شہر رمضان المبارک پیش نمازی خلیفہ رحمانی ختم قرآن می کرد و یکچند به معلمی پادشاہزاده محمد اعظم مباہی بود و در سنه پنجم جلوس والا در دار الخلافه برحمت حق پیوست،

۶۳۔ سید علی اکبر سعد اللہ خانی

اکثر فنون دانش ورزیده و بر غوامض و دقایق علوم آگہی داشت

سیّما در فقه، از جلیسان و ندیمان سعدالله بود و یکچند بآموزگاری لطف الله خان اشتغال داشت و بسعی و حسن تربیت او خان مذکور در اکثر علوم مهارت بهم رسانیده بود بتالیف فتاویٰ عالمگیری مامور شده بعنایت خلیفه رحمانی امتیاز داشت،

۶۴- ملّا حامد جونپوری

در عنفوانِ شباب از وطن بر آمده اکثر متداولات را از مرزا محمّد زاہد خواند و بعضی علوم در خدمتِ دانشمند خان استفاده نموده در عہدِ فردوس آشیانی در سلکِ روزینه انتظام داشت، در عہدِ خلیفه رحمانی بدولت مسرت منزلت افتخار یافته داخل مولفین فتاویٰ عالمگیری شد و به تعلیم پادشاہزاده محمد اکبر مامور گردید،

۶۵- ملّا محمد اکرم لاہوری

فاضل متبحّر متداولات را بارہا درس گفته و بترکیب وہبی مکرر عبور نموده به حلم و بردباری و صلاح و پرہیزگاری اتصاف داشت بعنایت خلیفه رحمانی مفتخر شده به تعلیم شاہزاده محمد کام بخش مامور بود،

۶۶- شیخ وجیہ الدین گوپاموی

عالم نحریر به تقریر دلپذیر و اصابت ذہن و صفای ضمیر اتصاف

داشت خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود، چندی در زمرۂ مقربان دارا شکوه منتظم بود در سنہ نہم جلوس عالمگیری فیضیاب صحبت گردیدہ بمنصب سرافراز شدہ بہ ترتیب و تالیف ربعی از فتاوی عالمگیری مامور شد،

۶۷- ملّا عبد الباقی

شاگرد ملا محمود جونپوری[1] و چون در بلدہ جونپور نہال استعدادش نشو و نما یافت و بہ یمن صحبت و شاگردی ملا محمود مذکور کہ از فضلای نامی ہندوستان بودہ و با دانشمند خان صحبت ہا داشتہ، در اواخر عصر فردوس آشیانی رخصت گردیدہ بر معارج دانش و معارج علوم صعود نمودہ در شہر مذکور طرح اقامت انداختہ بہ جونپوری اشتہار یافتہ، در اکثر علوم سیما در معقولات یگانہ بود و بدقت فکر و غور مطالعہ از فضلای آنجا گوی مسابقت می ربود یک مرتبہ بدرگاہ خلیفہ رحمانی رسیدہ موقعی بجمع نہصد روپیہ بطریق سیور غال انعام یافتہ بموطن معاودت نمودہ و در آنجا بدرس اشتغال داشت،

---

[1] ان کا حال مآثر الکرام صفحہ ۲۰۲ پر دیکھو،

چون محرر اوراق شمه از علمای این عصر بیان نموده

ذکر اسامی شعرای[۱] عصر

هم لابد است

۶۸۔ عبدالرسول

متخلص باستغنا که در سرکار شاه شجاع خدمت داروغگی توپخانه داشت بغایت مستعد و قابل بود در اواخر ملازمت خلد مکان شتافته در سنه یکهزار و هشتاد و دو [۱۰۸۲] رخ ازین منزل فانی بر تافت ازوست ؎

فلک چرا کمر احتساب می بندد
سزای باده پرستان خمار خواهد داد

۶۹۔ اسیر لاہوری

با پسری سری داشت نوبتی معشوقش دست زیر عارض گذاشته بخواب رفته چون بیدار شد نقش پنجه بر صفحهٔ رخساره ظاهر بود بدیهه ای (این) مطلع نظم کرد ؎

---

[۱] د: نواب۔ افسوس ہے کہ متن کی نادرستی کی وجہ سے بعض اشعار ناقص ہی شایع کئے گئے ہیں (ایڈیٹر)

وست بزیر روی خود مانده شبی بخواب شد
عارضش از نشان او بیخیه آفتاب شد

۷۰- آصفؔ عمر

از ولایت بهندوستان آمده در لباس قلندران می گذرانید و مضامین تازه را کسوتِ نظم می پوشانید، در اوایل سلطنتِ خلد مکان قلندرانہ سفرِ آخرت اختیار نمود، دیوان آن محتوی بر سہ ہزار بیت است از شعرِ اوست ؎

شعلہ ایم امّا ز دودِ دل سیہ پوشیم ما
چون چراغ لالہ می سوزیم و خاموشیم ما

۷۱- افسری

شیخ کمال الدین نام در سلک (شعرای؟) عہد خلد مکان انتظام داشت، دہ ہزار بیت کہ در مدح بختاور خان گفتہ در قید نظم در آوردہ فتوحات و بدایع واقعات خلد مکان را دران مدح نمودہ، چند بیت از قصیدہ بہاریہ او درین چند اوراق مرقوم می گردد ؎

ای بخت بنامت ز ازل کردہ قران — نامت بقرانِ بخت بختاور خان
ای کہ بگرداب گرمی بسند(؟) — در بندگی دست حوادث عمان

سلہ سرخوش نے اسکو آصف ہی لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ کمالات صوری و معنوی سے ممتاز ہے، اس نے دیوان میں سے یہی ایک مطلع پسند کیا ہے۔

سحر که نقش طرب تازه کرد دست بهار | ز راه عید بخور (؟) بنفشه رفت غبار
چه اتفاق خوش است آنکه دست بردارند | بهار و عید چو رنگِ حنا و دست بهار
سزد که از طرب جشن عید برخیزد | ز خامه زمزمهٔ نی بدست خامه گذار
بسیط خاک پر از گل شد آنچنانکه دگر | ز آب گل نرسد کشتی نظر بکنار
چو گل ز باد صریر قلم شکسته شود | اگر کشی بمثل نقش غنچه بر دیوار
بباغ مرغ چمن شعر عید میخواند | چو من به بزمگه خان آسمان مقدار
فروغ ناصیهٔ بخت خان بختاور | که روی دولت او راست چرخ آئینه دار
چنین که همتِ او کار خلق میسازد | زبان ندارد اگر آسمان شود بیکار
چنان بعهدِ تو نوشد طریق همواری | که سطح آب نگردد ز موج ناهموار

۷۲۔ اعجاز[1] اکبرآبادی

نامش محمد سعید بود، در سخن طرازی طرزِ جدید دارد از اشعار اوست

ع

گذر افتد بسوی دشت گر دیوانهٔ ما را
گذارد در قلاخن اضطراب جادهٔ صحرا را

ع شکستم رنگ دل آئینه دارِ بی نشان جستم | دری بر روی خود واکردم و محو تماشایم

۷۳۔ بی بدل خان گیلانی

سعدی نام داشت در عهد جهانگیر بادشاه به هندوستان آمده در سلک

---

[1] مرآۃ الخیال کی تصنیف کے وقت اعجاز ملازم سرکار نواب مکرم خان ناظم ملتان تھا ،

ملازمان انتظام داشت در عهد شاه جهان پادشاه بوسیله معامله فهمی و کاردانی بمرتبهٔ خانی رسیده مدتها خدمت داروغگی زرگرخانه داشت و تخت مرصع باهتمام او صورت اتمام یافته در جلدوی آنرا سنجیدند و دیگر رعایت ها توانند(؟) در عهدِ خلد مکانی باهتمام و امتیاز ترصیع تربیت دیگر یافت مرادیم(؟) دربارهٔ حسن خدمت بدر سنجیده شد از واست ؎

تا نیش بچشم در نیامد
هر چند نگاه کرد احول

۷۴- برہمن موسوم بچندر بهان

در عهد شاه جهان بادشاه و خلیفه رحمانی مصدر خدمات بوده دیوان و منشآت او مشهور و سخنان او در محفلِ نکته سنجان مذکور از وست ؎

هر خم و پیچی که شد از تاب زلف یار شد
دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد

۷۵- بیدل

موسوم بعبد القادر دیوانی تربیت داده و مدتی ملازم سرکار محمد اعظم

شاهزاده بوده ازوست ؎

عرصهٔ آفاق جای جلوهٔ یک ناز نیست
نی گره از تنگی این بیشه پیدا می کند

۷۶ - بقائی

موسوم به شیخ محمد بقا در نظم و نثر بی همتا بود و از اکابر سهارنپور و در زمرهٔ منظمان خلد مکانی و در فن تاریخ و سیر مهارت تمام داشت ازوست ؎

رویش چو از حرارت می شعله تاب شد
مرغ نگاه بر سر مژگان کباب شد

؎

قدت از سرو خوش بالاست گفتم
بیا لایت که حرف راست گفتم

۷۷ - تحسین

از شعرای نامدار بود نسبش به کمال خجند میرسد اشعارش سزاوار تحسین بود. بوساطت بختاور خان در بارگاه خلد مکانی رسیده مشمول عواطف خسروی گردیده و از مشرب فقر نیز چاشنی داشت از اشعار اوست ؎

بتاب مهر بس نرم شد دل کهسار
توان کشود رگ سنگ را به نشتر خار

؎

خنده از یاد لبش چون گنبد مینای من
آبحیوان ریزد از هر قطره صهبای من
مست بیباکم من و بارم بدوش دیگر است
گردن میناست خم از بار عصیان های من

؎

در خاک فرو برده خیال لب یارم
یاقوت بر آید چو کنی سنگ مزارم

۷۸۔ جعفر

نبیرهٔ آصف خان ذوق عزلت دریافته باکبرآباد توطن گرفته سرکار خلد مکانی سالیانه موظف داشت، اشعار برجسته دارد از وست

؎

نمی دهند بهر بوالهوس رسایست عشق
کسی باید(؟) به سردار گشت سردار است

۷۹۔ جعفر

مخاطب باله دردبخان عالمگیرشاهی دیوانی ترتیب داده است

ـــہ

کمتر ز تماشئی (نہ) توان بود در طلب
صد تیشہ میخورد کہ رساند لبی بلب

در سنہ ہزار و ہشتاد و یک [۱۰۸۱] در صوبہ داری الہ آباد عازم دار العقبیٰ گردید،

۸۰ - رضی[1] دانش

در زمانِ خلافت شاہ جہان بہند آمدہ و این بیت او کہ ــہ

تاک را سرسبز دار ای ابر نیسان در بہار
قطرہ تامی تواند شد چرا گوہر شود

مدتی خوشگاہ دارا شکوہ بود و از غایت شوق تکرار می نمود بدین سبب آن بیت شہرت تمام یافتہ، شعرای عصر تلاشہا کردند ہیچ کس بآن (خوبی ؟) نتوانست گفت، و او چندگاہ در بنگالہ پیش شجاع بسر بردہ عازم وطنِ مالوف گشت و از اینجا بمقام اصلی شتافت از وست ــہ

رفتی و از اشک بلبل در چمن طوفان گذشت
روز بر گل چون چراغانِ شب باران گذشت

ـــہ

زان وادی کہ من می گردم آبادی نمی باشد
سیاہی میکند از دور گاہی چشم آہویی

[1] یہ ترجمہ تذکرۂ سرخوش سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

۸۱ - ربدیع بینش

ولد رضی دانش، بہند ہمراہ پدر آمده بود باز بولایت رفت
.روست ـــہ

نزد نیکان بس که از کردارِ بد شرمنده ایم
میزند سیلی شکست رنگ بر رخسار ما

۸۲ - رفیع

نیک(؟)نام داشت مدتی منشی نذر محمد خان بود، در عهد شاه جهان
ز ولایت آمده در سلک ملازمان منتظم گردیده در عهد خلد مکان چندی
خدمت دار الانشا رداشت در کبرِ سن پای قناعت گزیده در منصب
و خدمت معاف گردید ازوست ـــہ

از وطن یاری نیامد با من شیدا برون
آمدم مانند دست از آستین تنها برون

۸۳ - سرمد

در اوایل یهودی بود، توریت و انجیل ازبر داشت بعد از آنکه
بشرفِ اسلام مشرف شد در اکثر علوم غور کرد جامع فنون و بیه گردید
وقتی که از ولایت بشهر ٹھٹھہ آمد در آنجا بعشق هندو پسری جتلا شده

عریانی را شعارِ خود ساخت و چون مشهور بالحاد و زندقہ بود در آغاز جلوس خلد مکانی عالمگیری بفتوی ارباب شرع بقتل رسید، گویند وقتی کہ او را بمقتل بردند این بیت را برشتۂ نظم کشیدہ بگوش حاضران رسانید ؎

سر جُدا کرد از تنم شوخی کہ با ما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

گویند کہ او با دارا شکوہ نیز سری داشت و اکثر اوقات نیز بماتم عالمگیر مشغوف بود لہذا بقتل رسید واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، رباعیاتِ ولربا می گفت و دیوانی ہم ترتیب داشت از اشعار آبدار اوست ؎

دوش در آغوش شبنم خفتی ای گل تا سحر
باز بر بلبل مکن دیگر(؟) کہ تر دامن شدی

؎

سرمد کہ زجامِ عشق مستش کردند — خواندند سر افرازش و پستش کردند
میخواست خدا پرستی و ہوشیاری — مستش کردند و بت پرستش کردند

؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضای دوست می باید داد — یا قطع نظر ز یار می باید کرد

؎

سرمد گلہ چون نشد نکو شد کہ نشد — لب بیہودہ گو نشد نکو شد کہ نشد
در آخر عمر چون کشم منتِ چرخ — کاری کہ نکو نشد نکو شد کہ نشد

۸۴- سرخوش

موسوم بہ محمد افضل در سلکِ ملازمانِ عالمگیر پادشاہ بود، دیوانی ترتیب دادہ از اشعار آبدار اوست ؎

کی توانم دید زاہد جام صہبا بشکند می برد رنگم حبابی گر بدریا بشکند
مردم واز جہت وجوی او نیاسایم ہنوز میرود چون ریشہ زیر خاک اعضایم ہنوز

؎

پوشیدہ تہ خرقۂ پشمینہ کشم می
چون ابر بود آب نہان در نمد من

۸۵- سیادت[1] لاہوری

از فرزندانِ میر جمال الدین محدث، جوانی بود فاضل وخوش فکر، مر او راست ؎

ریختہا بردم کہ نوشد در سخن آئینِ من موجِ خونِ دل بود ہر مصرعِ رنگینِ من
بیخودی در عالمِ دیگر برد بیمار را صورتِ دیبا بود غمخوار بر بالینِ من

؎

در بیابان یادگار از گریہ ام سیلاب ماند پل ازین طوفان چو عکسِ خود بزیر آب ماند
. . . . در مرکزِ خود جا گرفت کشتیِ سرگشتگانِ عشق در گرداب ماند

---

[1] تذکرۂ سرخوش کا جو نسخہ میرے سامنے ہے وہ سمٹلہ ۱۹۰ کی تحریر ہے۔ اس میں انکا نام میر جلال الدین سعادت دیا ہے۔

۸۶-صایب

موسوم بہ کاظم، از جملہ حکمای قدیم الخدمت عالمگیر بادشاہ بود بخطاب شیخ البیان امتیاز داشت اشعار بسیار ازو وارد است ؎

خود را ندیدہ تا برخت دیدہ باز کرد
آئینہ حک(؟) بدستِ تو دادو ز خویش رفت

۸۷-صہبائی

آن سرخوشِ صہبای سخنوری میر عبدالباقی نام در سلک ملازمان عالمگیر بود خط نستعلیق خوب می نوشت، دیوانی ترتیب دادہ او راست ؎

لب فروبستنم از مستی و مدہوشی نیست   سخنی نیست کہ شرمندہ خاموشی نیست

؎

ز دست سرکشی شانہ سینہ چاک شدم
کہ کاکلِ تو در آغوش مو بمو گیرد

۸۸-ضیاءالدین خیرآبادی

روزی بر فراز منبر دستارِ او بر پیشانی اش فرود آمدہ بود در

حضار مجلس ظریفی با او گفت که دستار را لختی بر سر نه او بدیہہ در
جواب گفت ؎

یک شہر حدیث من و اشعار منست | در ہر کنجی سخن ز گفتار منست
گر پیش نہم پاپیش ای مردِ شرہ | افسار خرِ تو نیست دستار منست

۸۹ ۔ ضیائی جونپوری

اشعارِ خوب و منظوماتِ مرغوب دارد دیوانی ترتیب دادہ' این
بیت از ساقی نامہ اوست ؎

بیا ساقی آن زینتِ جام را | می زعفران طبعِ گلفام را
بمن دہ کہ عیشم جوانی کند | غمم در عدم زندگانی کند
بدین می گری دور نا معتدل | رسد روزگاری کہ در زیرِ گل
در انگشت مردم کند زیوری | دہنہای ماران چو انگشتری

۹۰ ۔ ضمیر

روشن ضمیر قابل و مستعد بود' در خدمتِ پادشاہ عالمگیر
اعتبار داشت رباعی مشتمل بر تاریخ فتح کہجوہ کہ بہ شجاع واقع شدہ در
عین گرمی معرکہ منظوم ساختہ از نظر پادشاہ گذرانید مستحسن افتاد'
دوازدہ ہزار روپیہ ہمان ساعت صلہ یافت ؎

ای حرز تو سورۂ تبارک بادا | پیوستہ ترا تاج مبارک بادا

۱؎ دیکھو میخانہ ص ۵۲۳

جستم ز پی شگون فتحت تاریخ   دل گفت شود فتح مبارک با ما
و هنگامی که بادشاه بحفظ قرآن موفق شدند این بیت
ساختہ ؎

تو حامی شرع و حامی تو شارع
تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

و در شعر هندی نیز مهارت تمام داشت هندی دهی (نیونهی) تخلص
میکرد که معنیش عاشق باشد ، در اوانی که بخدمت بندر سورت
ممتاز شد در سنہ یکهزار و هشتاد [۱۰۸۰] رخت حیات برباد
داد ،

۹۱ - علی

نامش ناصر علی، موطنش لاهور است بقناعت و وارستگی
در سر هندی گذراند و در اشعار او استعارات بلند بسیار است ازو
ست ؎

ندارد حیرت دل تاب حسن بیحجابش را   که باشد صافی آیینه شبنم آفتابش را
بحشر حرف بی صوت است غوغای شهیدانش   نمیدانم که داد این سرمه چشم کنجوابش را
بشوخی پای او بوسیدن قالب تهی کردن   کدامین بی ادب تعلیم فرماشد رکابش را
بدین شوخی غزل گفتن علی از کس نمی ماند
بایران می فرستم تا که بنویسند جوابش را

۹۲ - عاصی

موسوم بسید لطف الله المشتهر به بهوره گوکه مشمول عواطف جهانگیر

بادشاه بود و سلیقهٔ نظم داشت، این بیت از نظم اوست ؎

از پی جاه خراب اینهمه نتوان بودن
چشم وا کن که بخواب این همه نتوان بودن

؎

بکند لب بآب دریا تر
هر که یک قطره آبرو دارد
بهتر از کاسه های فغفوریست
کاسهٔ سر اگرچه مو دارد

؎

سر را چو نثار راه جانان کردی
دیگر همه ساقط است از گردن تو

۹۳- عارف[1] لاهوری

شعرش بسیار نازک است و دیوانی ترتیب داده ازوست

؎

عارف احول نیستم امّا ازین جمعی دو رو
هر کرا یکبار می بینم مکرر می شود

؎

زیر قدم خاک نشینان خرابات
فرشی نبود شسته تر از چادر مهتاب

؎

بر من از صد (؟) تو هر دم کار مشکل می شود
کز تو هر سنگی که بر دل میزنم دل می شود

---

[1] سرخوش لکھتا ہے کہ بہت خان اسیر بہت مہربان تھا اسنے مثنوی مہر وماہ بھی لکھی۔

۹۴ - علوی

موسوم بہ سید کبیر، فاضل جید فن انشا و شعر صاحب سلیقه بود، میلان طبعش بفقر و به خلوت گزینی کنج قناعت مصروف و در دار الخلافه شاهجهان آباد متصل بقدمگاه رسول مسجد و مدرسه و کمره که بنا نموده بختاور خان خواجه سراست در انجا بافاده طلبه اشتغال داشت از اشعار اوست ؎

ندارد طائر چشمم نصیب از آرمیدنها | که از شوق وصال تست دایم در پریدنها
من از عیاری آن چشم خونریز تو میترسم | که صیاد است این آهو به هنگام رمیدنها
شوند از سرفشانیها حریفان شهرهٔ عالم | فروغ شمع افزون میشود از سر بریدنها
نگردد آبرو از چهرهٔ روشندلان زایل | که باشد آب، گوهر فارغ از بیم چکیدنها

اگر خواهی عزیز مردمان باشی تواضع کن
که جای ابروان بر دیده باشد از خمیدنها

۹۵ - غریب

تخلص ملا سعد الله که از فقرای باب الله بود، از صحبت اغنیا تنفر می نمود اکثر اشعارش در تصوف است صاحب یک لکهه (کذا) و سی هزار بیت است این رباعی از وست ؎

دنیا که فروگه گدا و شاه است | خوابی و خیالی بدل آگاه است
این عمر چو رشته ایست در گردش چرخ | چندانکه دراز میشود کوتاه است

۹۶۔ عنایتی

موسوم بہ میر عبدالوہاب عم اسد خان بود، دیوانی ترتیب دادہ
او راست ؎

ذوقِ جانبازی اگر اینست نخچیر ترا
درمیانِ جان الف سان جان کند تیر ترا

فتم چون در راہ او گر پشوید روی امیم کسی کافتاد بر خاک درش با آبرو خیزد

۹۷۔ غنی

آن عندلیبِ گلستان سرای دربستان سرای کشمیر جنت نظیر
کہ منشاء و موطن او بود غزل سرائی مینمود اشعار آبدار بسیار دارد و
درین فن طرزِ خاص اختیار کردہ۔ در سنہ ہزار و ہفتاد و ہفت[1]
[۱۰۷۷] از خارستانِ دنیا دل برکندہ میل گلگشت آباد عقبیٰ
نمود، عزیزی تاریخ رحلتش بطریقِ تعمیہ ؎
افتاد بر زمین سخن از رفتن غنی یافتہ،
از و است ؎ ۱۷۹۰ − ۷۱۰ = ۱۰۸۰

چسان کنم دم بسمل بلند افغان را بہ سرمہ کردہ سیاہ تاب تیغ مژگان را

گوش غواص شنید از لب خاموشِ صدف
دم نگہدار کزین بہ گہری نتوان یافت

---

[1] ماثر الکرام ص ۱۳۰ پر غنی کی تاریخ وفات ۱۰۷۹ھ لکھی ہے جو مادۂ تاریخ سے بقدر ایک کے کم ہے، اس لئے بظاہر ۱۰۸۰ھ غلط ہے۔

۹۸ - فیضا

برادرِ کلان منیر لاهوری ست، در نکته دانی و نکته سنجی اشتهار داشت از طبع موزون اوست ؎

مرا مومیائی ده از لای خم
که پایم شکست است در پای خم

۹۹ - فطرت

مرزا معز نام وارد از نجبای ایران بود بفضل و کمال ممتازِ اقران، و در عهد عالمگیر از ایران به هندوستان آمده مشمول عنایت گردیده به خدمت دارو غگی خلعت خانه سرافراز شد، در رفض غلو داشت امّا در مجالس اظهار نمی کرد از اشعار اوست ؎

چه پروا از نصیحت سالکان راه غفلت را
صدا کی پای خواب آلوده را بیدار می سازد

؎

شراب با گل مهتاب نشه بیش دهد　　لبش بخنده دندان نما ربود مرا

۱۰۰ - قیصر

عبداللطیف نام از بلدهٔ تته است بجدّت فهم و جودتِ طبع اتصاف

باشد، صاحب دیوان بود و در مدح بختاور خان خواجه سرا گفته،
این مطلع از وست ؎

هر که خواهد مدد از بخت و نصیب از دوران
گو نهد سر بدرِ دولتِ بختاور خان

۱۰۱ - مرزا محمد کاظم

پسر امتیاز است در اوایل جلوس عالمگیر به تالیف عالمگیر نامه
مامور بود، احوال ده سالهٔ پادشاه مذکور بعبارات رایقه در حیز تسطیر
آورده موردِ عنایت و تحسین گردید بخدمت دارالانشا قیام داشت،
از منظومات اوست ؎

برلبِ لعلِ تو آن خالِ سیه هوش ربا بت — شده ممزوج بهم باده و تریاک آنجا
چند کاظم ز روش خاک بمژگان روبی — گوهر دل نه مگر گم شده در خاک آنجا

۱۰۲ - کامل

احمد بیگ نام داشت و همراه والدخود مرزا فضل علی از ایران
به هندوستان آمده بشرف ملازمت پادشاه عالمگیر سعادت اندوخته
برتبهٔ خانی و درجه امرائی ترقی نموده بوزیر خان محمد طاهر که از امرای کبار
عالمگیر شاهی بود نسبت دامادی داشت و مدتی در هندوستان کامران
گردیده در سنه هزار و هشتاد و دو [۱۰۸۲] در هنگامی که قلعه داری

تهانیر(؟) که از جمله قلاع حصینه صوبه خاندیس است داشت سلطان روحش از قلعه بدنش پرواز نمود صاحب دیوان بود از اشعار اوست ؎

اگر تنگ (است) جا بر اہل شہر از نالۂ زارم
کسی نگرفته دست از دست من دامان صحرا را
غزالان از رمیدن چشم پوشیدند کامل را
بیاد چشم او سامان از خود رفتن است امشب

۱۰۳- لسانی[۱] شیرازی

در طرز مناظرین کامل انسان بود(کذا) او راست ؎

ہرگز غبار خاطر موری نبوده ام
این سلطنت بملک سلیمان برابر است

؎

بیا که گریۂ من آنقدر زمین نگذاشت
که در فراق تو خاکی بسر توان کردن

۱۰۴- منیر لاہوری

شاعر منشی طبیعت بود در تعریف نی[۱] گفته ؎

وبد تعلیم خوبی تو خطان را   ولی نعمت بود حسن بتان را

بزلفِ دلبران پیوستہ کردہ   دِل خود را بموی بند کردہ

۱۰۵۔ مشرقی

مخلص شیخ نورالحق دہلوی خلف شیخ عبدالحق بود، برخی از احوال آن خورشید مشرق در ذکر مشایخ مسطور شدہ، در بحر تحفۃ العراقین خاقانی مثنوی (کذا) و دیوانش قریب پنجہزار بیت است از وست ے

با آنکہ مشرقی ہمہ تن دیدہ چون گل است
باہیچکس چو چشم حباب آشنا نبود

تاریخ فوتش "قبض العلم" یافتہ اند[1]

۱۰۶۔ ماہر

محمد علی نام داشت درفن نظم و نثر ماہر بود رسالۂ بنام عالمگیر بکلکِ اورنگ موسوم ساختہ، از منظومات اوست ے

پاک باطن را بدشمن زود گردد سینہ صاف
یک نفس یکدم برد از دل غبار آئینہ را

۱۰۷۔ مرہب

لطف اللہ، موطنش پرگنہ کنجاہ از مضافات صوبہ لاہور است

---

[1] اصل: فیض

بہ بختاور خان عالمگیری واسطہ و اتحاد داشت از منظومات اوست

ے

پیچش خامہ بکف طرۂ سنبل گردد تا پریشانی گیسوی تو تحریر کند
رونق بادہ بیفزود بدانسان کہ کنون زاہد از دانہ ز تسبیحہ تزویر کند (؟)

۱۰۸ نسبتی

مولد و منشا اش قصبۂ تھانیسر بود، بدرویش مشرب، دیوانی مرتب نمودہ از وست ے

قامت او سایہ را سرو خرامان می کند
نقش پای او زمین را گل بدامان می کند
از سر زلف سیاہش خون دلہا می چکد
شام گوئی گریہ بر حال غریبان می کند

ے[1]

نسبتی دل بدرد معتبر است
لالہ با داغ آبرو دارد

۱۰۹ - والا

تخلص میر ضیاء الدین مخاطب بہ اسلام خان است، تمام عمر در خدمت شاہ عالمگیر گزرانیدہ مصدر خدمات عمدہ گشتہ از

---

[1] اس شعر کی نسبت سرخوش نے لکھا ہے: در خوش خیالان شہرت تمام دارد۔

امرار پنجهزاری بود این دو بیت ازو مشهور ؎

بی تو شام غریبان[1] (که) بروز ما شبخون می زند

مردم چشم ز گریه غوطه در خون می زند

وسعتی پیدا کن ای صحرا که امشب در غمش

لشکر آه من از دل خیمه بیرون می زند

۱۱۰ - وحید

طاہر، خدمت واقعه نویسی ایران داشت ازوست ؎

بسانِ مغز بادامی که از توام جدا باشد

در آغوشم نمایان است خالی بودن جایش

۱۱۱ - وحدت

تخلص شیخ عبد الاحد نبیرهٔ شیخ احمد سرہندی بود ازوست ؎

جلوه گاه شمع رویش دوش این کاشانه بود

پردهای دیده فانوس پروانه بود

۱۱۲ - واضح[2]

موسوم بمبارک الله نبیرهٔ اعظم خان[3] بود، شعرش خالی از

---

[1] نسخہ بجای غریبان؛ [2] مفصل حالات کے لئے دیکھو ماثر الکرام ص ۱۴۶، ارادت خان انکا خطاب تھا، ممتاز میں یہ مرآۃ الخیال میں ہے کہ میر محمد زمان راسخ کے شاگرد تھے، شوخ طبع، بے باک، قلندر مشرب، [3] جہانگیر شاہی،

نازک خیالی نیست چنانچہ ازین دو بیت واضح می گردد ؂

مگر بر جام بلبل زد خزان سنگِ جفا کامشب
بگوشم از شکستِ رنگِ گل آواز می آید
مگر مضراب از منقارِ بلبل ساختی مطرب
نوای موجِ گل امشب ز تارِ ساز می آید

فہرست تراجم

۱- ہر نام کے آگے جو عدد لکھا ہے وہ ترجمہ کے نمبر کو ظاہر کرتا ہے۔ پہلے چھ تراجم جو مئی ۱۹۲۶ء کے رسالہ میں شایع ہوئے تھے وہ بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔

۲- علامت (*) جن ناموں پر بنائی گئی ہے۔ انکا ذکر ضمناً ہوا ہے ایسے تراجم کے اعداد کو خطوط قوسی میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً (۴۵)

۳- ترتیب ابجدی میں لفظ شیخ، ملا، سید، مرزا، مولانا وغیرہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ نام کے جس لفظ کو ترتیب میں ملحوظ رکھا گیا ہے اسپر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ شعرا کی ترتیب میں تخلص کا اعتبار کیا گیا ہے۔

*شیخ آدم بنوڑی ۳۶
*شیخ احمد سرہندی (۷-۹، ۱۱۱)
حاجی احمد سعید ۵۰
استغنا (عبدالرسول) ۶۸

اسلام خان = والا
اسیر لاہوری ۶۹
آصف عمر ۷۰
اعتماد خان (ملا عبدالقوی) ۴۰
اعجاز اکبر آبادی ۷۲
افسری (کمال الدین) ۷۱
الہ وردی خان = جعفر
شیخ بازید سہارنپوری ۱۵
شیخ بازید قصوری ۳۶
سید برہان (نبیرۂ مخدوم جہانیاں) ۱۲
شیخ برہان شطاری برہانپوری ۲
برہمن (چندر بھان) ۷۴
بقائی (شیخ محمد بقا) ۷۶
بلے بدل خاں گیلانی (اسعدی) ۷۳
بیدل (عبدالقادر) ۷۵
بینش (بدیع بن رضی دانش) ۸۱
پیر محمد جیندی ۳۱
شیخ پیر محمد سلونی ۲۲
سید پیر محمد قادری برہانپوری ۲۳
شیخ پیر محمد لکھنوی ۱۶، (۱۷)
تحسین ۷۷

جعفر (الہ وردیخان) ۷۹
جعفر (نبیرۂ آصف خان) ۷۸
سید جعفر احمد آبادی (ابن سید جلال) ۱۱
جمال* لاہوری (۴۵)، (۴۸۵)
چندر بھان = برہمن
ملا حامد جونپوری ۶۴
دانش (رضی) ۸۰
دانشمند خان (محمد شفیع) ۳۷
داؤد گنگوہی (ابن شیخ محمد صادق) ۱۰
رضیا ۱۲
رفیع ۸۲
قاضی* سراج الدین (برہانپوری) (۴۱)
سرخوش ۸۴
سرمد ۸۳
حاجی سعد اللہ ۲۰
سعد الدین* (۷)
شیخ سلیمان مبری ۵۲
سیادت لاہوری ۸۵
سید* انام (۳۳)
شاہ* آفاق بہاری (۱۶)
شاہ دولای گجراتی ۳۳
شیخ شمس الدین ۲۸

صایب ۸۶
صفا = سید جعفر احمد آبادی
صہبائی (میر عبد الباقی) ۸۷
ضمیر ۹۰
ضیاء الدین خیر آبادی ۸۸
ضیائی جونپوری ۸۹
*شیخ عبد الاحد (میاں گل) (۷) ۱۱۱
چلپی عبد اللہ ۵۸
ملا عبد اللہ (بن ملا عبد الحکیم سیالکوٹی) ۴۳
*شیخ عبد اللہ (لبنانی) (۱۴)
ملا عبد الباقی ۶۷
ملا عبد الحکیم سیالکوٹی ۴۲ (۴۳، ۴۷)
شیخ عبد الرحیم ۲۱
قاضی عبد الرحیم ۵۹
*مولانا عبد الرشید اکبر آبادی (۵۳)
شیخ عبد الرشید جونپوری انصاری ۲۹
شیخ عبد العزیز اکبر آبادی ۵۳
شیخ عبد الفتاح گجراتی ۲۶
عبد القادر = بیدل
*شیخ عبد القدوس گنگوہی (۱۰)
شیخ عبد اللطیف برہانپوری ۱، (۶۱)

شیخ عبد اللطیف سلطانپوری ۴۵
ملا عبد القوی = اعتماد خاں
شیخ عبد الملک ۲۵
قاضی عبد الوہاب ۴۸
میر عبد الوہاب = عنایتی
ملا عبد الوہاب پسروری ۴۷
شیخ عبد الوہاب نقشبندی لاہوری ۳۰
عارف لاہوری ۹۳
عاصی (سید لطف اللہ) ۹۲
علاء الملک تونی = فاضل خاں
علوی (سید کبیر) ۹۴
علی (ناصر علی) ۹۱
سید علی اکبر سعد اللہ خانی ۶۳
عنایتی (میر عبد الوہاب) ۹۶
ملا عوض ۴۹
*میر عوض تاشکندی (۴۹)
غریب (ملا سعد اللہ) ۹۵
غلام نقشبند لکھنوی ۵۶
غنی ۹۷
فاضل خاں (علاء الملک تونی) ۳۸
سید فاضل خاں گجراتی ۳۴

*شاہ فتح اللہ شیرازی (۴۵)
*شیخ فرید کہروال (۲۴، ۲۵)
فطرت (مرزا معز) ۹۹
سید فیروز ۴
شیخ فیض اللہ پرسروری ۴۶
فیضا (برادر کلاں منیر لاہوری) ۹۸
شیخ قطب برہانپوری ۶۳
[illegible] قطب الدین شہید سہالوی ۵۵
[illegible] قطب ہانسی ۶۱
*ملا قطبی (یعنی قطب الدین شمس آبادی) (۵۵)
قیصر (عبداللطیف) ۱۰۰
کامل (مرزا احمد بیگ) ۱۰۲
[illegible] محمد کاظم
لسانی شیرازی ۱۰۳
ماہر (محمد علی) ۱۰۶
مبارک اللہ = واضح
شیخ محمد اشرف شطاری ۲۴
ملا محمد اکرم لاہوری ۷۵
شیخ محمد بقا = بقائی
حاجی محمد حسین چرم پوش (عرانی) ۱۱۰
قاضی محمد حسین جونپوری ۶۰
شیخ محمد خویشگی کنجاہی ۳۵
مرزا محمد زاہد ۵۴ (۶۴)
*شیخ محمد سعید (ابن شیخ احمد سرہندی) ۷

*مولانا محمد سعید بہاری ۵۰
میر محمد شریف لاہوری ۱۷
محمد شفیع = دانشمند خان
*شیخ محمد صادق گنگوہی (۱۰)
حاجی محمد عادل (۱۸، ۱۹)
شیخ محمد قبول ۳
مرزا محمد کاظم ۱۰۱
شیخ محمد ماہ جونپوری ۲۷ (۲۸)
شیخ محمد معصوم ابن شیخ احمد سرہندی (۹، ۱۵)
شیخ محمد وارث ۳۲
محمد وارث [illegible]
[illegible] وارثی ۵۱
شیخ محمد یحیی ابن شیخ احمد سرہندی ۹
ملا محمد یعقوب [illegible]
شیخ محمود جونپوری (۶۲)
مرتب (لطف اللہ)
کنجاہی ۱۰۷
مشرقی = شیخ نور الحق (دیکھو نمبر ۱۴) ۱۰۵
میرزا معز = فطرت

ملا خواجہ بہاری ۶
ملا شاہ بدخشی ۵
منیر لاہوری ۱۰۴ (۹۸)
*مخدوم شیخ مینا (۱۶)
نسبتی (تھانیسری) ۱۰۸
*قاضی نصیر الدین برہانپوری (۴۱)
شیخ نظام (برہانپوری) ۴۱
سید نعمت اللہ (نارنولی) ۳
شیخ نور الحق (ابن شیخ عبد الحق) ۴۹ نیز دیکھو مشرقی ۱۰۵
شاہ نور الدین (ساکن نوشہرہ گجرات) ۱۹ (۲۰)
میر ہاشم گیلانی ۴۴
شیخ ہروی ۳۹
واضح (مبارک اللہ، اعظم خان) ۱۱۲
والہ (؟ ضیاء الدین [illegible]
اسلام خان) ۱۰۹
شیخ وجیہ الدین گوپاموی ۹۶
وحدت (نبیرہ شیخ احمد سرہندی دیکھو نمبر ۱۱)
وحید (طاہر) ۱۱

جواہر نامہ

اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۷ء میں ریاست کپورتھلہ کے کتبخانے کا کچھ حال بیان ہوا تھا۔ اسمیں صہ۲ پر ایک مجموعۂ رسائل کا ذکر آیا ہے۔ جس میں سے ایک رسالہ اس سے پہلے شایع کیا جاچکا ہے۔ اس مجموعہ میں ایک رسالہ ورق ۸۳ پر شروع ہوتا ہے (دیکھیے میگزین بابت اگست ۱۹۲۷ء صہ۶) جسکا عنوان ہے رسالۂ شناخت جواہر معدنی وکانی موسوم بہ جواہر نامہ۔ اس رسالہ کو اب شایع کیا جاتا ہے۔ بعض حواشی آیندہ کسی رسالے میں درج کیے جائیں گے۔ اس رسالہ میں ان کی گنجائش نہیں۔

قیاساً معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ رسالہ وہی ہے جسکا ذکر ریو نے فہرست مخطوطات فارسی صہ۴۸۹ عمود ۲ نمبر ۲ میں کیا ہے۔ جسکا آغاز یوں ہے: بدانکہ این مختصریست از جواہر نامہ، گو برٹش میوزیم والے رسالہ میں ۱۲ باب ہیں اور اس میں ۱۴ (باب کا لفظ اس نسخہ میں استعمال نہیں ہوا) لیکن عنوانوں کی ترتیب بجنسہ وہی ہے۔ البتہ کپورتھلہ والے نسخہ میں دو عنوان، یعنی مشک و بلور زاید ہیں۔ قیمتوں کا حساب دونوں نسخوں میں فلوریوں (یعنی Florins) میں کیا گیا ہے۔ اور فرنگی جواہریوں کا ذکر اسمیں برٹش میوزیم والے نسخے کی طرح جابجا موجود ہے۔

معلوم نہیں وہ جواہر نامہ کونسا ہے۔ جسکا یہ مختصر ہے۔ ریو کی فہرست اسمائے مخطوطات صہ۱۰۹۰ پر اس جواہر نامہ اور محمد بن منصور کے جواہر نامہ کو یکجا لکھا ہے لیکن ان دونوں میں بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ البتہ جواہر نامہ ہمایونی جسکا حال ریو نے صہ۹۹۵ پر لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ وہ اصل ہو جسکی یہ تلخیص ہے۔ جواہر نامہ ہمایونی کو محمد بن اشرف الحسینی الرستمداری نے بابر کے لئے حدود ۹۳۵ھ میں لکھا، مضامین رسالہ ہذا سب اسمیں موجود ہیں۔ اور صہ۱۱ پر "شاہ رخ مرزا انار اللہ برہانہ" کا ذکر بھی اس قیاس سے مناسبت رکھتا ہے۔

فہرستِ مضامین جواہر نامہ کے آخر میں درج کی گئی ہے۔

جواہر نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چنین مشہور است کہ الماس کہ درمیان مردم منتشر است از زمان اسکندر
است و پیشتر ازان کسے را بران دست نبوده و شرح آن مطولست و شیخ نظامی
رحمہ اللہ در اسکندر نامہ بعضی سخنان آورده' العہده علی الراوی' درمیان جوہریان
کشور ہند الماس کہنہ را قیمت بسیار میدہند از این الماس کہ ذکر رفت در
ہند بقیمت بسیار میخرند و ہرجا کہ برد فائده بیند بسبب آنکہ پیش جوہریان آن نسخه
کہ ہر جوہر کہ بآتش رود و رنگ او تفاوت نکند و بآب خود ماند بہتر این جواہر
است و الماس کہنہ از آتش بسلامت بیرون میرود بخلاف الماس نو -
دیگر آنکہ خاصیت و منفعت الماس کہنہ زیاده از نو است و آن کان حالا
مسدود است و کس پے بآن نمیبرد و اوشش پہلو میباشد بہر جانب کہ
گرداند سر پہلو بنماید و ہمہ سر تیز و پرتیز باشد و نیز گفتہ اند کہ سوراخ
کردن آن مقدور کس نیست بخلاف نو کہ فرنگیان سوراخ میکنند و جوہریان
معتقدند کہ ہیچکس پارهٔ الماس کہنہ از پانزده قیراط زیاده ندیده والعلم عند اللہ
و الماس نو سی قیراط و چہل قیراط در خزائن پادشاہان ہند و گجرات بسیار
می باشد اما معدن الماس نو در ولایت دکن کہ عبارت از ملک تلنگہ و بیدر
است درمیانہ ماہور و لے و خانپور ولایتی است میگویند کہ در ان ولایت معدنی الخ

شده که جماعتی زمین را بدستور چاه میکنند و ریگ آنرا می شویند و این الماس
را دران ریگ می یابند و این نوع بیشتر پخته می باشد و رنگ آن نباتی
و بلوری و زیتی و فستقی و زرد و سرخ و سیاه نیز می افتد و اندک تیز تر
نیز واقع میشود و بهترین الماس نو پیش جوهریان بتخصیص فرنگیان نباتی
۵ و بلوریست و بعد ازان فستقی و زیتی و باقی رنگها قیمتی چندان ندارد و اگر
چنانچه پاره دو قیراط از الماس نباتی یا بلوری خوش آب که هیچ نقطهٔ از سیاه
و سرخ و زرد و زیتی بران نباشد در کربلکه و بیدر پیدا شود و قیراطی بده
فلوری میتوان خرید و در ملک شام قیراطی بچهل اشرفی بفرنگیان میتوان فروخت
و اگر بیست باشد قیمت آن تعلق بمبالغه بایع دارد و رغبت مشتری
۱۰ وتراشیدن الماس بغیر مردم فرنگ هیچکس را در ربع مسکون وقوف نیست و آن فرقه
کفره این فن را خوب میدانند مثلاً پارهٔ الماس که چهار قیراط باشد در
هند بچهار فلوری توان خرید چون بدست حکاک فرنگ افتد و تراش دهند
چون بهند برند قیراطی یکی بپانزده فلوری بخرند اگرچه جوهریان بر آنند که سلطان
جواهر الماس است اما ناتراشیده لطافتی ندارد - هرچند در اصل جوهر
۱۵ گرانمایه و لطیف است اما بسبب آنکه در درون کان بوده و بسنگهاء غیر
عیار آمیخته لاجرم از صحبت ناجنس غباری بر چهرهٔ او نشسته چون بدست
استاد جوهری افتد ادویه و سمباده که فراخور مصلحت آنست کوفته و بیخته معجون
سازند و چرخی تعبیه کرده بدانش از کدورت بیرون می آرد و صفاء تمام حاصل
شده سزاوار تاج بادشاهان و حلی عروسان می شود و بدانکه الماس صلبترین
۲۰ سنگهاست و همه سنگها را بدان سوراخ میتوان کرد و طبع او سرد و خشک
است در مرتبهٔ چهارم و آتش او را متغیر نتواند ساخت اگر کسی را ریگ مثانه

باشد الماس باخود نگاه دارد آن علت را بخاصیت دفع میکند، و باخود دارنده
در نظر سلاطین و مردم بغایت محترم باشد و قول او قبول تمام باشد و نیز گفته
اند کہ علتهای مزمن مثل برص و جذام و صرع و مالیخولیا و امثال این چون
باخود نگاهدارند دفع کند و دشمن بر او ظفر نیابد و از صاعقه و چشم زخم در امان
باشد و اگر خواہند کہ الماس را بشکنند بہ تیزئ تیشہ بر و گذارند و تیشہ دیگر
بر او زنند بشکند و ریزہ او را بہر کس دہند ہلاک شود و خاصیت او بسیار
است شرح آن طول دارد و عقل از ادراک آن عاجز است واللہ اعلم

بدانکه

یاقوت در دو موضع می شود موضع قدیم در سیلان و آن جزیرہ است
بغایت وسیع بعضی گفتہ اند درازی و پہنای آن چہار صد فرسنگ در چہار صد فرسنگ است و آن
جزیرہ را سراندیپ می گویند، و آدم صفی صلوات الرحمٰن بحکم خطاب اِهبِطُوا
مِنهَا از بہشت عدن و خلد برین بران کوہ آمد و آنجا آرام یافتہ و معدن یاقوت
ببرکت قدوم او ظاہر شد و سنگ پارہ کہ باطراف می برند از جزیرۂ سیلان کہ
سراندیب است حاصل می شود و اصل یاقوت چہار نوع است سرخ و کبود
و زرد و سفید، یاقوت سفید ہفت نوع است بہرمانی و رمانی و ارغوانی و
وردی و خمری و علی و لحمی، و یاقوت کبود پنج رنگ است طاؤسی و آسمانی و نیلی
و کحلی و سبز فام، و یاقوت زرد چہار نوع می باشد شمعی و ترنجی و کاہی و یاقوت
سفید بلور است و بس، اگرچہ بسیار حاصل می شود و لیکن قیمتی ندارد چراکہ در
مقام خاصیت و پارہ بہرمانی خوشش آب تمام عیار چون بہ بیست قیراط رسد
اللہ اعلم مبلغ دو ہزار اشرفی قیمت آفتست، اما یاقوت تمام عیار در دیار عرب

و خراسان و بعضی بلاد هند و دیار روم و عراق بغیر از سیلان نادر الوقوع است،
اکنون یاقوت کبود آنچه طاوسی و نیلی و آسمان رنگ است در هند قیمت بیشتر
دارد چراکه زنار بندان به تخصیص برهمنان که معتبران و مرتاضان آن طایفه اند
خواهان آن بیشتر اند و با خود میدارند و در ملک شروان و بعضی بلاد یاقوت زرد
را بهای تمام میخرند چراکه یاقوت در دفع طاعون آیتیست بفرمان خدای تعالی و
شناختن یاقوت زرد بغایت مشکلست چراکه کافران فرنگ بلور را حل می سازند
و بآتش می زنند و مربع و هشت سو بطریق یاقوت زرد می تراشند و فرق نمودن
آن بر همه کس آسان نیست مگر کسی جوهرشناس نیک داند، اما عین الهر چنانچه
معلوم است از جنس یاقوت تواند بود و عین الهر و ترلی و راوه از معدن
۱۰ یاقوت سرخ حاصل می شود و ترلی سنگ نرم سبز است و بعضی گفته اند زبرجد
عبارت از آنست سنگ در پهلوی معدن یاقوت رود خانه است مردم بسیار بکار می
باشند و زمین را مثل چاه می کنند و ریگ آنرا می شویند و گاه گاه پارهٔ سنگ
بدست می آید که درمیان آن خطهای سبز و رخشنده براق یک یا دو یا سه خط
نزدیک بیکدیگر می باشند بدانکه عین الهر بغیر آن نیست و جوهریان این
۱۵ نوع را عین الهر زناری میگویند و یک زناری و دو زناری و سه زناری می
نامند اگر یک مثقال زناری نرم سبز خوش آب که بهر طرف که بغلطانند تصور
شود که ازان آب خواهد چکید بدست آید سی صد فلوری بهای آنست، العلم
عند الله، باقی بران قیاس توان کرد، دیگر راوه و ترلی و سیلانی که ازان معدن
حاصل می شود چندان قیمت ندارد و ازانجمله سنگ راوه سبز رنگ خوش که
۲۰ در عربستان تنفس می گویند مثقال بده فلوری بها خواهد داشت و یاقوت نو در
تخت الرتبح که قریب به بیدر است که اعظم بندرهای ملک بنگاله است وساحلیت

که آن را نام پیگوست و نزدیک آن ساحل جزیره است که نام آن رکنکست
و یاقوت نو خوش سبز رنگ و رمانی از رودخانه آن جزیره حاصل می شود و حالیا
یاقوت که درمیان مردم منتشر است رکنکی ست و پیش جوهریان معلوم است
که سنگ رکنک از غایت نرمی از آتش بیرون نمی آید و درممالک هند
سنگ سیلانی از رکنکی قیمت بیشتر دارد و پیش کافران سختی و نرمی سنگ ۵
اعتباری ندارد بلکه آب بسیار پُر اعتبار ندارد اعتبار رنگ دارد هرکدام رنگ
بیشتر دارد مرغوب طبع ایشانست چنانچه اگر ادنائی جنس آن خوشرنگ بدست
ایشان افتد بیشتر یاقوت رمانی میخرند و ملاحظه نرمی نمی کنند غرض آنکه پیش
ایشان رنگ معتبر است والله اعلم

بدانکه

۱۰

در زمان جمشید لعل نبوده و کسی ندیده بوده بعد از او بچندین وقت
در نواحی بدخشان بتقدیر ربانی زلزله حادث شده و کوه شق شده و کان
لعل ظاهر گشته لعل اعلی که میان مردم منتشر است ازان معدنست چرا که
در روی زمین غیر از بدخشان جای دیگر پیدا نشده و پیش از این بسیصد
سال و چهارصد سال ازان معدن پارهٔ لعل از پنجاه مثقال و شصت مثقال ۱۵
بیرون نیامده و رنگ لعل از هفت نوع بیرون نیست معصفرانی و رمانی
و صافی و آتشی و عنابی و حمری و عقربی و لعلی و دانایان این فن گفته اند
که لعل را پانزده عیار می باید تا تمام عیار باشد اگر پاره لعل از سه مثقال
تا چهار مثقال تمام عیار معصفرانی که بدان عیبی از تعب و جوش نباشد والله
اعلم قیراطی به بیست اشرفی بها خواهد داشت و رمانی صافی و آتشی نیز اگر تمام ۲۰

عیار بلا عیب به نیمهٔ بهای معصفرانی خواهد بود و عنابی و عقربی و حمری تمام
عیار به نیمهٔ بهای رمانی صافی خواهد بود و لعلی خوب بلا عیب به نیمهٔ بهای رمانی خواهد بود
بدانکه طبع لعل گرم و خشک است و حکما گفته اند هر که لعل
با خود دارد از جمیع مرضهای بد ایمن گردد و گرده را قوت دهد و در وقت مجامعت
۵ امساک منی کند و دارنده لعل در چشم خلایق عزیز باشد و محترم گردد و محبوب
نماید و خوابهای شوریده نه بیند و احتلام نشود و اگر بر بازوی کودک بندد اگر
بدخوی باشد دیگر بدخویی نکند و در خواب نترسد و چون در مفرحات بکار برند
رنگ روی صاف و سرخ کند و بخار معده دفع کند و خواص او بسیار است
والله اعلم

بدانکه

۱۰
زمرد در دو موضع حاصل می شود معدن اوّل در حوالی مصر نزدیک
بگنبد اهرمن، امّا در این مدت زمردی که به پنج فلوری بهای آن رسیده باشد
بیرون نیامده و این زمرد که درمیان مردم است از جانب فرنگ می آرند و بغیر
از فرنگ جای دیگر نیست، و رنگ آن در چهار لون منحصر است اوّل برنگ
۱۵ رازیانهٔ نوخیز دوّم رمانی سیوم ریحانی چهارم سلقی، اما سلقی چندان قیمت ندارد
و ریحان نیز بهمان بها خواهد بود، امّا رنگ رازیانهٔ نوخیز اگر زمرد مقدار دو مثقال
باشد در کشور هند بشصت فلوری میخرند و قیمت آنست و رمانی خوش رنگ بلا
عیب نیز باین بها میرسد، و حکما گفته اند طبع زمرد سرد و خشک است و جمعی
برانند که معتدل است هر که با خود دارد از درد چشم ایمن ماند و روشنی بصر
۲۰ بیفزاید و دارندهٔ زمرد را البته عمر دراز بود و شب کوری نباشد والله اعلم، و زمرد

آ: بدخوی

ِد زہر دافع ہمہ زہرہا اند اگر کسی را زہر دادہ باشند ہمدانگ زمرد رمانی
شرنگ صلایہ کند و با دوغ ترش پیش ازانکہ زہر در بدن او کار کند
رو دفع آن زہر کند و از مسام او بعرق بیرون آرد و مضرت آن بکلی
یل کند و گفتہ اند کہ زمرد خوشرنگ سیراب برابر دیدہ افعی بلوطی کہ گوشت
ن جزو تریاک فاروق است بدارند دیدہ آن مار نابینا شود و دیگر ہر جانور ۵
وذی کہ مثل مار و کژدم و عقرب وغیرہ کہ بگزد نیم قیراط زمرد با گلاب صلایہ
نند و بر گزیدہ گی مالند درد ساکن کند و مضرت زہر باز دارد و ہر کہ باخود
ارد از صرع و مالیخولیا [تا] یمن شود

بدانکہ

مغاص مروارید چنانچہ بہ تحقیق پیوستہ است از سہ موضع بیرون نیست ۱۰
موضع اول قطیف و بحرین است و از قدیم تا غایت مروارید اصلی تحتی
شیرین بزرگ ازانجا بیرون آمدہ بتخصیص قیس ملکان جزیرہ است نزدیک
بقطیف کہ دریتیم دران حاصل می شود و مروارید اصیل مروارید قطیف و بحرین
است بہ نسبت این دو مغاص کہ ذکر خواہد شد [تا] معادمغاص [دوم] در تحت الرتبح
نزدیک بہ بنگالہ مملکتیست کہ شہر آنرا قایل میخوانند و بیشتر آن شہر مسلمانند ۱۵
و مغاص بسیار در حوالی قایلست کہ مروارید بسیار حاصل می شود اگرچہ بیشتر آن
مدور و سفید حاصلست اما ازان یک مثقال یتیم مثقالی بدست نمی آید مروارید کہ در اطراف
ہندوستان و جانب تحت الرتبح قریب پتن و سراندیب و سماطرہ و بنگالہ و ملاوقہ
و چین و غیرہم منتشر است از حوالی قایل است دیگر محل غوص سیوم از دریای
مندب با قلزم حوالی مصر کہ کنار دریای عمانست و مغاص مروارید نیست اما بندرہای ۲۰

که حدود شمالیست مردم بعوض (بغوص) مشغول می شوند از جزیره جمران تا بلاد حبشه
که جنوبیست دُر این دو معادن مغاص (که گرفت) سبز فام و شمعیست چنانچه تختی شفاف
و سفید خوش جامه اندک واقع میشود سبب آنکه دراین محلات از روی آب
تا صدف دور تر است مروارید خوش جامه تر می شود و بدانکه صدف جانوریست
۵ گوشت او بسفیده تخم مرغ مانند و مثل ماهی تخم میریزد و بچه بسیار ازان حاصل
می شود و چون پنجساله شود بوقت باران اوّل حمل بر روی آب می آید و قطرات
باران بلع میکند و بقعر فرو میرود تا آفتاب باوّل جوزا میرسد دیگر باره بروی
آب آید و روی باٰفتاب کند بهرطرف که آفتاب میگردد صدف میگردد و بقعر
میرود چون آفتاب غروب کند تا اول سرطان بعد ازان مروارید در شکم
۱۰ صدف متحمل میگردد و آن زردی و تیرگی که بر بعضی مروارید است بسبب
فساد مزاج صدف تواند بود که بناوقت بر روی آب آید و بخار آب که بحدت)
حرارت از روی آب متصاعد می شود بخود کشد اگر حرارت که حدت کرده موافق
مزاج اوست هر مروارید که از شکم آن صدف برون آید) تختی شیرین شفاف بود
و چون حرارت زیاده شود مروارید تیره و بدرنگ باشد و اگر حرارت کمتر باشد
۱۵ هرچه حاصل آید شمعی و کاهی خواهد بود این دران محل خواهد بود که مروارید هنوز
در شکم صدف بسته نباشد بدانکه دانه از هشت قیراط که قیراطی یک نخود قیراط
که عبارت از دو دانگ مثقال باشد اگر تختی شیرین شفاف خوش جامه باشد
هفتاد فلوری قیمت آنست و اگر چنانچه وصف کرده شد یک مثقال باشد
بهزار و پانصد فلوری ارزان خواهد بود و همانا این چنین مروارید در میان مردم
۲۰ کم خرید و فروخت شود مروارید چهار قیراطی که بدین صفت باشد پانزده
فلوری بلکه بیشتر قیمت دارد والله اعلم و ماهه دو حبه که خوب باشد پنجاه فلوری

قیمت دارد، آنچه گفته شد این مخصوص است بمروارید تخمی شیرین شفاف
مدوّر و الا سبزفام وسفید کافوری را این مقدار قیمت نیست، و املس و
شمعی و کافوری بهای چندان ندارد، دیگر آنکه یاد کرده شد هر که غائبانه
در قیمت جواهر شروع کند خالی از دروغ نیست چرا که قیمت جواهر تعلق
بآب و رنگ و شکل و اندام دارد بعد ازان ببایع و مشتری پس چگونه ۵
قیاس محسوس بر نامحسوس جائز باشد، بدانکه طبع مروارید سرد و تر است
و مروارید برای درد چشم بفرمان الله تعالی آیتست چون صلایه کرده در
چشم کشند خشکی دفع کند و از شب کوری ایمن سازد و سوختن و خاریدن
چشم را دفع نماید و در دفع نزول آب بغایت مفید است و بر بهق سفید
وسیاه بسرکه صلایه کند و طلا کند نافع است ۱۰

بدانکه

فیروزه از چهار موضع بیرون نیست معدن اوّل در حوالی نیشاپور
که از قدیم تا حالا فیروزه بو اسحقی و سبزفام اعلی ازانجا بیرون می آید -
معدن دویم در حوالی خجند که بیشتر فیروزه اعلی ازانجا بیرون می آمده و حالا
فیروزه که پنج فلوری قیمت داشته باشد ازان موضع حاصل شده، ومعدن ۱۵
سیوم در حوالی کرمان قصبه ایست که فیروزه حاصل می شود اما فیروزه آن معدن
بسبب نرمی وخامی قیمتی ندارد و معدن چهارم کوهست نزدیک از رنجان (ازنجان)
در این چند سال پیدا شد اما از غایت نرمی سنگ او زود متغیر می شود و
چون حاصل آن بسیار است قیمتی چندان ندارد، القصه فیروزهٔ اصل قیمتی
خوشرنگ سبزفام که بو اسحقی عبارت ازان است نیشاپوری است پس ۲۰

اگر پارۂ بو اسحاقی سبز فام باندام خوشرنگ موازی بیست قیراط باشد اگرچه فیروزه
را وزن اعتبار نکرده اند تخمیناً چهار صد فلوری قیمت آنست و موازی ده
قیراط بده فلوری باقی بر این قیاس می کن، و این قیمت مخصوص است
بفیروزه نیشاپوری بو اسحاقی باقی معادن چندان قیمت ندارد و فیروزه نیشاپوری
۵ را ز بوی مشک و کافور و نم زمین و گرمی آتش نگاه دارند رنگ آن هرگز
متغیر نمی شود بخلاف معادن دیگر که اگر نگاه دارند، رنگ آن هرگز متغیر
نمی شود بخلاف معادن دیگر که اگر نگاه دارند تغییر خواهد یافت و ور (کذا)
گفته اند در خاصیت بهترین سنگهاست و این سنگ را مبارک داشته
نام او فرخ نهاده اند و در زمان پیشین اگر پادشاهی بر یکی از معتمدان خود
خشم گرفتی گفتندی که فیروزه با خود نگاه دار چون فیروزه با خود داشتی غضب
۱۰ و خشم پادشاه تسکین یافتی (کذا) بمرحمت بدل شدی (کذا) چون کسی صباح که از خواب
برخیزد و چشم بر فیروزه اندازد دران روز هیچ مکروهی باو نرسد و شادی و
نشاط او در غایت کمال یابد و در فیروزه بسیار نگریستن موجب درازی عمر
و تزاید نور بصر و بسیاری مال است، و حکمای پیشین چون ماه نو دیدندی سخت
در فیروزه نگاه کردندی، و هرکه با خود دارد خواب شوریده نه بیند و دشمن بر او
۱۵ ظفر نیابد و در چشم حکام و مردمان عزیز باشد، و اگر در سرمۂ چشم بکار دارند
امراض چشم را بغایت مفید است

بدانکه

پاوزهر حیوان را حکما مبارک داشته اند و مادة الحیوة حقیقی نام نهاده
اند و گفته اند هرکه هر هفته یک قیراط پاوزهر بخورد بعمر طبیعی برسد و از
۲۰ امراض سالم ماند و پاوزهر بسبب آن می گویند که دفع جمیع سموم می کند و

نگاه دارنده آن دلیر باشد و از چشم زخم او راگزندی نرسد و از هیچ چیز
نرسد و دشمن بر او ظفر نیابد و هیچ گزنده نه گزد و منفعت او بسیار است،
طریق خوردن او چنان است که بر روی سنگ بگلاب بسایند و بسر انگشت
بر زبان نهاده بلع کنند که بدندان نرسد که بدندان بغایت مضر است و
می گوید که از شکم بز کوهی حاصل می شود اگرچه در اکثر کوهها بز می باشد ۵
اما چنانچه مشک مخصوص بخطا و ختن است او نیز مخصوص است به کوه
شبانکاره که از توابع فارس است و چنین مشهور است که بر صاحب
پاوزهر بعد مخلصه (کذا) چیزی نمی خورد و این سخن دلیل است چراکه درمیان
پاوزهر چوب مخلصه می باشد و پاوزهر معدن مومیائی است که دران کوه
معدن آفست هر لحظه از معدن آن قطره می چکد و هر ساله شش صد درم
حاصل می شود و خاصیت آن بسیار است، اگر کسی بترسد یا از جای
افتاده که آزار بسیار داشته باشد نیم درم مومیائی حل کرده بدو دهند شفا
یابد و غار مومیائی تعلق به بادشاه و والی دارد اما پاوزهر تعلق بکسی دارد
که صید جانور کند و در شکم همه بزها نمی باشد از بسیار اندکی و هر جانور که پاوزهر
دارد بغایت ضعیف می باشد چنانکه از ضعیفی گوشت او را نشاید خوردن
و چون آنرا صید می کنند پاوزهر از شکم او بیرون می آرند بعد از ساعتی
بسته می شود چراکه تا گرم است نرم می باشد گاه باشد که سری صیدی افتد
که پاوزهر از شکم او بیرون آید که به دویست ظلوری ارزد و تعیین قیمت پاوزهر
در زمان شاه رخ مرزا انار الله برهانه شد، پاوزهری که بیست مثقال باشد
قیمت بسیار دارد اما انچه دو مثقال و سه و چهار باشد چندان قیمت ندارد
و هم در شبانکاره جمعی هستند که علی می سازند چنانکه فرق کردن مشکل است و

فرق آنست کہ بر روی سنگ باندک آب بسایند اگر آب سفید حاصل شود اصلی باشد و اگر سبز باشد علی،

بدانکہ

اگرچہ عنبر اشہب را با جواہر مناسبتی نیست امّا بجہت خاصیت بسیار
۵ آنرا با جواہر برابر داشتہ اند، عنبر اشہب مومیست کہ بر روی دریای عمان
بمرور زمان جمع شدہ و از اثر پرتو مہر و تربیت ستارگان عنبر شدہ، و بر
ضمیر اہل فضل مخفی نیست کہ آخر دریای عمان تا سہ روزہ ممالک مصر آمدہ و
در دہانۂ ظلمات کہ آخر ملک یمن است چند جزیرہ واقع است ودر ششماہ کہ
آب دریا میل بطرف شمال دارد آن جزائر خشک است و در شش ماہ دیگر
۱۰ کہ میل بجانب جنوب دارد آن جزائر را آب می گیرد، و دران جزائر مگس عسل
بسیار است و از ہر جنس اشجار بی حد و شمار، و مگس عسل چون جزیرہ از
آب خالی می شود دران اشجار عسل می گذارد و چون باز می آید بموج عسلہا
و موم را می برد و بخاصیت سہیل و کواکب و آفتاب و دریا چنانچہ ذکر رفت
عنبر اشہب می شود، دو حلہ یکبار می افتد و ہرکس چیزی میبرد و باطراف عالم
۱۵ می برند و شرح آن طول دارد، و عنبر اشہب چہار نوع است شمامہ و
خشخاشی و طبقہ و فستقی و عنبر شمامہ وصلہار مدوّر می باشد و آن درمحلی
کہ نم نباشد سہ روز بہار میدہد چنانکہ پندارند درمیان آرد انداختہ اند وچون
بشکنند میان آن مثل خشخاش ریزہ سفید بود و خشخاش نیز مثل آنست
امّا آن زود تر بہار میکند، و عنبر طبقہ نیز میان آن سفید می باشد و بہار می کند
۲۰ امّا طبقہ طبقہ بر یکدگر نیک نشستہ و محکم شدہ و فستقی فرو تر است، رنگ آن

مثل مغز پسته است و عنبر شمامه در مکه مبارک ده مثقال بچهار فلوری هم تواند خریدن و خشخاشی بچهار طبقه بسه و ربعی و فستقی بدو فلوری و خاصیت آن بسیار است اوّل رایحه طیبه که فی الواقع بهترین طیب است دیگر آنکه دماغ را تر دارد و مقوی جگر و دل است و هرکه با خود دارد از درد چشم محفوظ ماند و در نظر مردم عزیز باشد و دنبل و حکه و از درد سر و مالیخولیا و خشکی دماغ ایمن ماند

بدانکه

معدن لاجورد اصل بعد بدخشان جای دیگر نیست اگرچه در کاشان معدن دیگر هست امّا ازان لاجورد اعلیٰ بیرون نمی آید بلکه سنگ سیاه بطریق سنگ سرمه می باشد و باطراف عربستان و ولایات می برند و بکاسه و خانه و بعضی چیزها نقش کنند و چون بر کاسه نقش کنند و به آتش برند و پخته شود رنگ لاجورد گیرد و میناگران و اهل فرنگ و بعضی از بلاد خراسان و ختن و هر دیار بعید که مینا و کاسه و طبق لاجوردی می سازند و رنگ می کنند از سنگ کاشیست و دران دیار قیمت دارد امّا بعد این بطریق لاجورد اصلی نیست و بکار دیگر نمی آید و قیمت در دیار بعید دارد و چون بسیار می ماند رنگ اصلی میرود و سیاه می گردد و لاجورد اصلی بدخشان همه وقت بحال خود است و بمرور ایّام تغیر نمی آید و گفته اند در زمان سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیه السلام دیوان بامر آنحضرت در بدخشان لاجورد را یافتند والعلم عند الله و شهر بدخشان بامر سلیمان علی نبیّنا و علیه السلام دران زمان بنیاد نهاده اند بدانکه سنگ که از کان لاجورد بیرون می آید سه نوع است

نوع اول بسان بیضۂ مرغ وصلہ وصلہ از سنگ بیرون می آرند و در
سنگ است و پوست آن سنگ نرم است، آنرا از خوبی کہ دارد صد مثقال
بہ بیست فلوری قیمت می نہند و چون بیرون آوردہ صلایہ کنند
بکار توان برد و آن خاصہ خزانہ بادشاہست از بدخشان و کمیاب است
۵ و نوع دویم بی غلاف بیرون می آید و بر او رنگہا ست از سنگ سفید،
این نوع را می باید شست و نوع سیم وصلہ وصلہ از معدن بیرون می
آید کہ از صد مثقال سی مثقال لاجورد بیش نیست باقی سنگ سفید است
و چون از معدن بیرون می آید دو نوع سنگ حاجت بشستن دارد یک
نوع آنکہ از صد مثقال سی مثقال سنگ سفید است و ہفتاد لاجورد و
۱۰ یک نوع آنکہ ہفتاد مثقال سنگ است و سی لاجورد، و یک نوع حاجت
بشستن ندارد، پس معلوم شد کہ نوع لاجورد از بدخشان بیرون می آید، و لاجورد
شوئی شعبۂ ایست از کیمیا گری بلکہ گفتہ اند کہ یک مثقال سنگ در صد مثقال
لاجورد بماند آن لاجورد بکار نمی آید پس این قلبی را پاک می سازد و آن قلبی
را نقد می نماید، و طریق شستن او آنست کہ آنرا نرم سازند و صلایہ کردہ
۱۵ بحریر بگذرانند و در روغن سندروس خمیر محکم سازند و بسیار آن خمیر را بہر
دو کف دست بمالند و یک دو روز بگذارند بعد ازان در ظرف پاک کہ دران
آب گرم توان کرد بر بالای آتش بنہند و آب دران ریزند تا گرم شود بگذارند
کہ بجوشش آید و بعد ازان وصلہ ازان خمیر بر گیرند و در ظرف اندازند و آب
گرم مقدار درم بیشتر یا کمتر بر خمیر ریزند و بیکدست خمیر را می مالند، لاجورد
۲۰ بیرون می آید و آب کبود بیکسو می شود آن آب را در کاسۂ دیگر از کرباس
میگذرانند و وصلہ وصلۂ دیگر بعد از دو سہ آب کہ ساپندہ باشد می اندازد

وآب می ریزند و می مالند و آب کبود را در کاسهٔ از کرباس گذرانیده
تا آن زمانکه دارو که عبارت از روغن است سفید نماید و دیگر لاجورد بیرون نیاید
بعد ازان معلوم شد که لاجورد که بوده تمام بیرون آمده و سنگ و غش تمام
جذب کرده از لاجورد جدا ساخته است بعد از یکشبانروز آب از روی لاجورد
۵ مغسول باید ریخت و لاجورد خشک را از حریر گذرانند که لاجورد شسته عبارت
ازانست اما وران زمان که ناشسته باشد فرق میان آن و لاجورد کاشی است
بلکه پیش از شستن کاشی بهتر است و فرق آن مشکل است چون خواهند
که فرق کنند بر روی سنگ ریزند و صلایه کنند اگر سیاه شد علیست و الا
که برنگ خود ماند اصلی و اگر سنگ صلایه نباشد مقدار نخود ازان بآب
۱۰ دهن خمیر کنند و در آتش اندازند تا سرخ شود بعد ازان بیرون آنند اگر
رنگ تغیر کرده شد کاشیست و اگر متغیر نگشته باشد بدخشی بدانکه هر که
لاجورد با خود دارد از غلبه سودا ایمن گردد و در چشم مردم شیرین و عزیز
باشد و خوردن آن درد جگر و گروه را نافع باشد و خون را صافی کند و در
مفرحات چون بکار برند خون طحال را صاف سازد و رقیق گرداند و مقوی باشد
۱۵ و فرح بیفزاید و اگر لاجورد نطیب[1] را چون سرمه کرده در چشم کشند امراض چشم
را نافع باشد و نور بصر را زیاده کند و از شب کوری نگاهدارد

بدانکه

مرجان از سه موضع بیرون نیست اول طونس[2] که از شهرهای مغربست
و بر ساحل دریا واقع شده و در حوالی آن شهر محلیست که مرجان در قعر
۲۰ دریا می روید و غواصان بقعر دریا رفته مرجان می رسند و بیرون می آرند و چنین

---

[1] عر [2] یش

گویند که چون در قعر دریاست نرم است و چون بیرون می آرند بسته می‌شود
و موضع دویم در کبعدان که از شهرهای فرنگ است در حوالی آن نیز بدین
نوع از دریا حاصل می‌شود و در بندرهای هرمز سر (کذا) وهند می باشد فاما شاخهای
سفید و سیاه از دریا می روید و سفید آن بکار نمی آید و سیاه را میتراشند
۵ و در بلاد عرب می برند و مبارک دانسته تسبیح لیسر می گویند و در هرمز
مرجان سفید و سیاه می گویند، بهترین مرجان آنست که از شهر طونس می‌آید
و رنگین و اعلی است و کرم خورده کم می باشد، و مرجان را در جانب
خطای قیمت تمام دارد (کذا) کافران آنجا بقیمت می ستانند و بر بعضی جواهر
ترجیح می دهند و مرجان ناتراشیده درست را خواهانند، و در گجرات وهند حلقه
۱۰ برود (؟) بعضی شهرهای هند قیمت تمام دارد اما تراشیده و ریزه آنرا بخراسان
و عراق و ثمرقند و بلاد دیگر می برند و به نقره برابر می خرند و **خاصیت** او
آنست که بر گردن مصروع بندند فائده صرع کند و اگر با خود دارند فائده دارد
و در مفرحات بسیار پسندیده است خون را صافی کند و روح را قوت
دهد و مرجان سوده را چون بر بُن دندان پاشند گوشت بن دندان را قوت
۱۵ دهد و اگر چون سرمه سازند و یا سرمه در چشم کشند اعصاب چشم را قوت دهد
و روشنی بیفزاید و با خود داشتن خاصیت دارد چنانکه گویند از مکر دشمنان
در امان باشد

بدانکه

عقیق در سه موضع می باشد محل اوّل صنعان یمن که از شهرهای
۲۰ بزرگ آن ملک است محل دویم در گجرات شهریست که آنرا بروچ میگویند

درحوالی آن شهر عقیق بسیار می باشد و محل سیوم قطعهٔ ایست در حوالی
کربلکه نام آن کلوری آنجا نیز عقیق حاصل می شود اما عقیق کلوری چیزی
نیست و عقیق یمنی اگرچه رنگ خوب دارد اما مثل یمنی نیست آنچه گفته
اند در شان عقیق یمن است در جمیع ربع مسکون عزیز است و ارباب حکمت
و دولت نظر بروی مبارک و پسندیده داشته اند و میگویند که حدیث حضرت ۵
محمد مصطفی صلی الله علیه و آله وسلم در بیان عقیق یمن صادر شده و اولاد
بزرگوار و صحابهٔ نامدار و تابعین کرام و ابرار امت رضوان الله علیهم اجمعین
نگین خاتم می داشته اند و حالا در بلاد مصر و مکه مبارک و مدینهٔ مطهره و منقیان
اعراب و غیرهم در دست می کنند و خاصیت بسیار می دانند چون همراه یا
در دست داشته باشد بر خصمان غالب آید و از بلاها ایمن ماند و اگر زن بوقت ۱۰
وضع حمل در زیر زبان گیرد بار نهادن آسان گردد و چون در مفرح کنند
امساک منی میکند و چون بر گوشت بن دندان که رفته باشد نرم سوده بپاشند
برویاند و بیخ دندان محکم گرداند و زردی دندان را زایل کند و نگین او در
انگشت در چشم دوست و دشمن عزیز باشد و منافع بسیار بینند والله اعلم

بدانکه ۱۵

درمیان کاشغر و ختای ولائیتست که آنرا ختن می گویند و دران حوالی
رودخانه است و یشم از آنجا حاصل می شود و جای دیگر نمی باشد و یشم
را هفت رنگ است اما سفید و زیتونی از دیگر رنگها بهتر است و آن سنگ
بغایت مبارک است و حکما برابر جواهر داشته اند و در ختای بغایت معتبر
است و حکام و امرا و سپاهیان ختای بی کمر یشم نمی باشند و در فن حکاکی ۲۰

بغایت ماہر اند و ہفت طبقۂ عراقی و ختائی و فرنگی (کذا) و صورتگری چنان در وصلہ
یشم کار می نمایند کہ عقل ازان عاجز است و مرد و زن ایشان بی یشم نمی باشد
چراکہ دران جانب صاعقہ بسیار می شود و خاصیت یشم کہ باخود دارند دفع آن
میکند و چنان می سازند کہ کریشم بہ پنجہزار فلوری برمی آید و یشم در دفع صاعقہ
۵ و طاعون آیتیست بفرمان اللہ تعالے و خاصیت دیگر آنکہ خفقان را زایل میکند
و گفتہ اند ہرکہ باخود دارد از علت بواسیر ایمن ماند و از بہق و برص در امان
باشد والعلم عند اللہ

بدانکہ

مشک از ناف جانوری کہ چون آہو یا ازو اندک بزرگتر است و دو دندان
۱۰ او بغایت دراز است حاصل می شود در حدود ختائی و ختن و تبت و بلاد
مشرقی می باشد در زمستان بہند و گرم سیر آنجا می رود و در بہار و تابستان
تا بولایات می آید و چون او را صید میکنند دست در اندامہای او می مالند تا
خون در گرہ ناف جمع می شود و بعد از یکسال بوی بسیار پیدا میکند و آنچہ
بحد رسیدہ است بہتر باشد و آہوی او سنبل و بہمن می چرد و مشک ختای
۱۵ بہتر است بعد ازان چینی کہ ازان جانب باشد و تبتی و کشمیری چندان
نیست، پایہ ترین مشکہا است، و بعضی مشک سیاہ باشد و بعضی جگرتی، و تبتی
بہتر از کشمیر است، نافۂ چینی خورد است تا چہار مثقال باشد و بعد ازان شش
باشد و نافۂ آن ہفت مثقال است، و نافۂ ہندی و کشمیری تا دہ مثقال باشد
و بہترین خطائی تبتی باشد و دون تر کشمیری، امتحان مشک چنان باید نمود کہ
۲۰ آبگینہ را بر آتش نہند و مشک برو افشانند اگر بوی او خالص باشد پاکیزہ است

و اگر بوی خون دارد مغشوش است و اگر سفید باشد دلیل است که نافه نم یافته است؛ صناعت مشک از ریزه و سرگین بوسیده و شکر و سنبل و زعفران و سیاه دانه و بلوط و قرنفل جمع کنند و بمشک و عود و عنبر خوشبوی سازند و ممزوج گردانند و مشک را خاصیت بسیار است در مزاج سرد و در مفرحات کنند و دفع مضرت به کافور شود والله اعلم ۵

بدانکه

بلور سرد و خشک است و بهترین وی آن بود که در غایت سفیدی و شفاف و صافی بود چنانکه اگر در آفتاب نهند گوئی جسم ندارد و بغایت سخت بود و در وی هیچ کدورت نباشد و نمک رنگ نباشد و این سنگ دو گونه بود یکی سفید و یکی گرد رنگ؛ و او را نظیر و مانند بسیار بود امّا بدان نرسد و فرق میان او و ستیزهٔ او آن بود ۱۰ که چون نزدیک آتش یا آفتاب نهند چنان نماید که پروانهٔ چند در وی اند و می جنبند و چون آتش زنه بر وی زنند آتش جهد؛ چون زمانی در آفتاب گذارند و بعد ازان کرپاس پارهٔ سیاه بران گذارند یا در برابر آفتاب؛ دود از کرپاس بیرون آید و بسوزد و دیگر چیزها را این خاصیت نباشد؛ و این سنگ را از بحر اخضر آورند و از صعید مهر آورند؛ و از خاصیت او یکی آنست که اگر در پستان زن مالند که شیر او اندک باشد بسیار شود و روان گردد و اگر او ۱۵ را بسایند بسرکه و مشک و زعفران و با عسل بیامیزند و بزبان که گران باشد بمالند زبان او سبک گردد باذن الله تعالیٰ؛ و اگر او را با خود دارند یا در زیر سر نهند وقت خواب از خوابهای آشفته و ترسناک در امان باشد والله اعلم

تمت

فہرست مضامین جواہر نامہ

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	الماس	۱۱۳
۲	یاقوت	۱۱۵
۳	لعل	۱۱۷
۴	زمرد	۱۱۸
۵	مروارید	۱۱۹
۶	فیروزہ	۱۲۱
۷	پادزہر	۱۲۲
۸	عنبر اشہب	۱۲۴
۹	لاجورد	۱۲۵
۱۰	مرجان	۱۲۷
۱۱	عقیق	۱۲۸
۱۲	یشم	۱۲۹
۱۳	مشک	۱۳۰
۱۴	بلور	۱۳۱

سیل کے ترجمہ قرآن مجید کا مقدمہ

فصل اول

جاہلی عرب

(گذشتہ سے پیوستہ)

اہلِ یمن کا مشرف باسلام ہونا یمن میں جو قبائل اس تباہ کن مصیبت سے بچے۔ وہ بدستور اپنے سابقہ فرمانرواؤں کے زیر نگین بستے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلعم سے ستر سال قبل شاہ ایتھوپیا نے یمن کے ایک متعصب یہودی بادشاہ ذونواس کے خلاف اس لئے اپنی فوجیں روانہ کیں کہ یمن کے عیسائیوں کو اس ظلم وستم سے نجات دلوائے۔ جو ذونواس نے انپر توڑ رکھے تھے۔ ان فوجوں نے شاہ یمن کا یہانتک قافیہ تنگ کیا۔ کہ اسے اپنی جان بچانے کے لئے مجبوراً اپنا گھوڑا سمندر میں ڈالنا پڑا۔ اور اسطرح تاج اور صاحب تاج دونوں فنا ہو گئے۔ اب خاندانِ حبشہ کے چار بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ یمن پر بیٹھے۔ ان کی حکومتوں کے ختم ہوتے ہی قبیلۂ حمیر کے ایک شخص سیف بن ذی یزن نے پہلے تو شہنشاہ ہرقل سے امداد مانگی۔ اور جب وہاں سے جواب صاف ملا تو نوشیرواں بادشاہِ فارس سے مدد لے کر یمن پر چڑھ آیا۔ اور اہل حبشہ کو بھگا کر دوبارہ ملکِ یمن پر متصرف ہو گیا۔ لیکن حبشیوں کے چند افراد پیچھے باقی رہ گئے تھے

انہوں نے سیف کا کام بھی تمام کر ڈالا ۔ اسکے بعد اسوقت تک اہل فارس ہی شاہان یمن کا تقرر کرتے رہے ۔جب تک کہ آنحضرت صلعم نے یمن کو فتح نہ کرلیا۔ اسوقت باذان نامی ایک بادشاہ یمن پر حکمران تھا ۔جس نے نہ صرف اطاعت ہی قبول کرلی بلکہ مشرف باسلام بھی ہو گیا ۔

قبیلہ حمیر کی مدت حکومت میں مورخین کا اختلاف ہے ۔بعض کہتے ہیں کہ انکی سلطنت دو ہزار بیس سال تک رہی ۔ اور بعض کا خیال ہے ۔کہ تین ہزار سال تک علاوہ ازیں مختلف بادشاہوں کے سال حکومت تو نہایت ہی غیر معتبر ہیں ۔

سلطنت غسان ۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ طوفان عرم کے بعد جو قبائل یمن سے بھاگ گئے تھے ۔ انہوں نے دو سلطنتوں کی بنیادیں ڈالیں ۔ یہ دونوں سلطنتیں عربستان حقیقی کی حدود سے باہر تھیں ۔ان میں سے ایک تو سلطنت غسان تھی ۔جس کے بانی قبیلہ ازد کے لوگ تھے ۔ یہ لوگ شام کے علاقہ دمشقیہ میں ایک چشمے غسان نامی پر آباد ہو گئے ۔ اور اسی چشمے کی وجہ سے غسان کے نام سے موسوم ہوئے ۔ یہاں آباد ہونے کے بعد انہوں نے قبیلہ سلیح کے ضجاعمہ عربوں کو جو ان سے پہلے یہاں رہتے تھے نکال دیا ۔ قبیلہ غسان کے اس جگہ قیام کی بابت بھی مورخین کا اختلاف ہے ۔ایک گروہ کہتا ہے کہ انہوں نے چار سو سال تک حکومت کی ۔ دوسرا ان کے عہد حکومت کو چھ سو سال بتلاتا ہے ۔ اور ابو الفدا تو اس میعاد کو پورے چھ سو سولہ سال قرار دیتا ہے ۔ ان میں سے پانچ بادشاہ حارث کے نام سے مشہور تھے ۔ جنہیں اہل یونان ایربتاس لکھتے ہیں ۔ ان ہی بادشاہوں میں سے

ایک کے گورنر نے حکم دیا تھا کہ دمشق کے دروازوں کی نگرانی کی جاوے تاکہ پولوس مقدس کو وہیں ملا جاوے۔ ۔ قبیلہ کا مذہب عیسائی تھا۔ اس کے آخری بادشاہ جبلہ بن الہیم نے جب دیکھا کہ شام میں اہل اسلام کی فتوحات زوروں پر ہیں۔ تو وہ حضرت عمرؓ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوگیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اسنے پھر عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اور قسطنطنیہ کو چلا گیا۔

سلطنتِ حیرہ ۔ دوسری سلطنت کا نام سلطنت حیرہ تھا۔ جسکی بنیاد خاندانِ کہلان کے ایک شخص مالک نامی نے عراق میں ڈالی لیکن تین پشتوں کے بعد یہ سلطنت تعلق ازدواج سے قبیلہ بنو لخم میں منتقل ہوگئی۔ ان بادشاہوں کو آل منذر بھی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ ان میں چند بادشاہوں کا نام منذر تھا۔ جنہوں نے باوجود اہل فارس کی چھیڑ چھاڑ کے خلافتِ ابو بکرؓ تک اسے قائم رکھا۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ منذر المغرور تھا۔ جو حضرت خالد بن ولید سے شکست کھا کر مارا گیا۔ اس خاندان کے بادشاہ چھ سو بائیس سال آٹھ ماہ تک حکمران رہے یہ بادشاہ شاہانِ فارس کے زیر اقتدار تھے۔ اور ان کی طرف سے عراق کے عربوں پر حکومت کرتے تھے۔ ٹھیک اس طرح جسطرح کہ قبیلہ بنی غسان کے بادشاہ ۔ شاہانِ روما کی طرف سے شام پر حکمران تھے۔

سلطنتِ حجاز ۔ جرہم بن قحطان ۔ صوبۂ حجاز میں حکومت کرتا تھا جہاں اس کی اولاد حضرت اسمٰعیل کے وقت تک تختِ سلطنت پر قابض رہی۔ لیکن حضرت اسمٰعیل نے موواد کی لڑکی سے شادی کرلی۔ جس سے ان کے ہاں بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں ایک لڑکے کا

نام قیدآر تھا - قیدار کو اسکے ننھیال یعنی اہل جرہم نے صوبۂ حجاز کی حکومت دیدی - اگرچہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ واقعہ یوں نہیں - بلکہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد نے قبیلہ جرہم کو انکے ملک سے نکال دیا - اور مؤخرالذکر طرح طرح کے مصائب جھیلنے کے بعد آخرکار طغیانی آب سے بالکل نیست و نابود ہوگئے -

جرہم کی جلاوطنی کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ حجاز کی عنانِ حکومت کئی صدیوں تک صرف ایک ہی شاہی گھرانے کے ہاتھ میں نہیں رہی - بلکہ جسطرح آجکل کے صحرائی عرب مختلف قبیلوں میں منقسم اور اپنے اپنے سرداروں کے زیرِ حکومت ہیں - اس طرح صوبہ حجاز کی حالت تھی - مکہ میں خاندانِ قریش صاحب اقتدار تھا - جسکے ہاتھ میں آنحضرت صلعم کے عہدِ مبارک سے پہلے تمام کاروبار کا انتظام تھا - خصوصاً اسوقت سے جب سے کہ انہوں نے قبیلہ خزاعہ کو برطرف کرکے کعبہ کی حفاظت اپنے متعلق کر لی تھی -

بعض غیر معروف قبائل - ان قبائل کے علاوہ جنکا ذکر اوپر آچکا ہے - چند اور قبیلے بھی تھے - جن پر ان ہی کے سردار حکومت کیا کرتے تھے - اور جنہوں نے اگرچہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں - لیکن وہ ایسی زبردست نہ تھیں کہ انکا خاص طور پر ذکر کیا جائے - ان میں سے قبیلہ کندہ کسی قدر مشہور تھا - لیکن چونکہ ہمارا مقصد اسوقت اہل عرب کی مکمل تاریخ لکھنا نہیں - اور نیز ان قبائل کے تذکرے سے ہمارے مطالب کو چنداں فائدہ نہ پہنچیگا - اسلئے ہم ان کے مزید حالات قلمبند نہ کرینگے ؎

(باقی جاری)